مقالات احسانی

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

ادارہ مجلس علمی دہلی

Marfat.com

الاحسان ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

مقالاتِ احسانی

تصوف و احسان کے موضوع پر چند ایمان افروز اور روح پرور مضامین کا نادر مجموعہ

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

ناشر

ادارہ مجلس علمی کراچی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طبع دوم ________ سنہ ۱۳۹۹ھ

تعداد ________ ایک ہزار ایک سو

قیمت ________ -/۳۶ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ المکتبہ البنوریہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵

۲۔ مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

۳۔ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

۴۔ ملک برادرز، کارخانہ بازار فیصل آباد

۵۔ ذوالنورین اکادمی، بھیرہ ضلع سرگودھا

پرنٹر محمد شریف، طفیل آرٹ پرنٹرز، ۱۸۷۔ سرکلر روڈ لاہور

Marfat.com

فہرست مقالاتِ احسانی

شمارہ	موضوع	صفحہ
○	تذکرۂ احسن } از مرتب	۶
○	تعارف مقالات } از مرتب	۲۰
۱	مقدمہ "تصوف کے دو طریقے"	۲۶
۲	"طریقۂ غزالیہ"	۵۸
۳	اختلاف سلاسل کی حیثیت	۱۹۶
۴	طریقہ اشغال مطلقہ یا "اطلاقی تصوف"	۲۳۹
۵	"اطلاقی" طریق تصوف کی تلقین مرشد گیلانی کی زبانی	۳۰۸
۶	ابن تیمیہ کا نظریہ "مخدومیت"	۳۱۰
۷	مجالس الشیخین یا "دل کا چین"	۳۲۳
۸	مولانا گیلانی کی دو نعتیں	۴۲۹
○	ضمیمہ	
۱	شیخ اکبر کا اجمالی تعارف } از مرتب	۴۳۵
۲	شیخ رومی کا مختصر تعارف } از مرتب	۴۳۶

Marfat.com

عرضِ ناشر

مقالاتِ احسانی کے نام سے یہ جو جلیل القدر کتاب قارئین کرام کے سامنے ہے یہ دراصل تصوّف و احسان پر چند روح پرور مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً حضرت مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائے اور ان کا بیشتر حِصّہ متفرق علمی ماہناموں میں شائع بھی ہوا۔

اس میں شک نہیں کہ تصوف و احسان کے موضوع پر بھی اردو زبان میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ بکثرت مضامین کے علاوہ سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن اس کتاب میں موضوع کے جن پہلوؤں پر جس خاص انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے شاید کسی دوسری کتاب میں نہ مل سکے اور بعض بحثیں تو اس کتاب میں بالکل نئی ہیں مثلاً تصوف کی عام کتابوں کے برعکس اس کتاب میں اطلاقی تصوّف کے عنوان سے ایک بحث ہے جس میں یہ ثابت اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ روحانی کیفیت جس کو قرآن و حدیث میں لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے غالباً اس لیے کہ اس سے اسلامی زندگی میں ایک طرح کا حسن و جمال پیدا ہوتا ہے۔ اس احسانی کیفیت کا حصول صرف اُن اعمال و اشغال ہی پر موقوف اور منحصر نہیں جو فن تصوّف کی متداول کتابوں میں اصحابِ سلاسل کی نسبت سے مذکور ہیں بلکہ وہ ان کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ جب تک کوئی مسلمان ائمۂ تصوف کے تجویز کردہ مشہور طریقوں میں سے کسی طریقہ کو اختیار نہ کرے اُسے درجۂ احسان حاصل نہیں ہو سکتا۔ مولینا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں متعدد شہادتیں پیش فرمائی ہیں اور اگر وہ اجمالی طور پر صرف ایک ہی شہادت پیش فرما دیتے تو ثبوتِ مدعا کے لیے کافی تھی، اور وہ یہ کہ خیر القرون کے مسلمان فنِ تصوف کے ان مخصوص طریقوں کو جانتے بھی نہ تھے، لیکن اس کے باوجود ان کو محض شرعی احکام کی پابندی سے احسان کا وہ بلند مرتبہ حاصل ہوا جس کا بعد والے تصوّر بھی نہیں کر سکتے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "ہمعات" میں ایک جگہ لکھا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے زمانے میں چند نسلوں تک اہلِ کمال کی توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری

Marfat.com

اعمال کی طرف رہی اور ان لوگوں کو باطنی زندگی کے جملہ مراتب شرعی احکام کی پابندی کے ذیل ہی میں حاصل ہو جاتے تھے چنانچہ ان بزرگوں کا احسان یعنی حاصل تصوف یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر و تلاوت کرتے تھے، روزے رکھتے تھے، حج کرتے تھے، صدقہ و زکوٰۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے ان میں سے کوئی ایسا نہ ہوتا جو سر نیچے کیے بحرِ تفکر میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ خدا تعالیٰ سے قرب و حضوری کی نسبت اعمالِ شریعت اور ذکر و اذکار کے سوا کسی اور ذریعہ سے حاصل کرنے کی سعی نہ کرتے تھے[1] فرق صرف یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک جو چیز صرف خیر القرون تک محدود ہے۔ مولینا گیلانی کے نزدیک وہ محدود نہیں بلکہ عام ہے اور ہر زمانے میں ممکن ہے البتہ خاص فطری استعداد اور افتادِ طبع کا اس میں ضرور دخل ہے، اس بحث سے حضرت مولینا گیلانی کا مقصد تصوف کو ناکارہ قرار دینا نہیں بلکہ اس غلط خیال کی اصلاح کرنا ہے جو تصوف کی حقیقت اور حیثیت کے متعلق عموماً ذہنوں پر چھایا ہوا ہے اور نیز واضح کرنا ہے کہ جو مسلمان صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ شرعی اوامر و نواہی کے پوری طرح پابند ہیں اُن کو محض اس وجہ سے کمتر سمجھنا گمراہی ہے کہ وہ تصوف کے مشہور سلاسل میں سے کسی کے ساتھ وابستہ نہیں اور ان کی زندگی صوفیانہ اعمال و اشغال اور ریاضتوں اور مجاہدوں سے عاری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض کو احسان کا وہ بلند درجہ حاصل ہو جو ایک بڑے سے بڑے صاحبِ ریاضت و مجاہدہ صوفی کو بھی نصیب نہ ہو۔ کتاب کے دوسرے حصہ میں جس کا نام مجالسِ الشیخین ہے، صوفیانہ حقائق و معارف کی دو عظیم الشان کتابوں یعنی فتوحاتِ مکیہ اور مثنوی رومی کے بعض مقامات کی نہایت عارفانہ اور مؤثر انداز میں توضیح و تشریح کی گئی ہے جسے پڑھ کر واقعی ایمان تازہ ہوتا اور روح کو سکون و اطمینان ملتا ہے۔

غرضیکہ ان مضامین کی اعلیٰ علمی حیثیت اور غیر معمولی افادیت کا تقاضا تھا کہ ان کو ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا جاتا، الحمد للہ کہ یہ سعادت ادارہ مجلسِ علمی کے حصہ میں آئی جس کا مقصدِ وجود ہی ایسی کتابوں کو محض علمی و دینی خدمت کے نقطہ منظر سے شائع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجلسِ علمی کی اس خدمت کو حُسنِ قبول سے نوازے اور اصحابِ ادارہ کو دونوں جہان میں اَجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

امید ہے کہ اِس کتاب کے مطالعہ سے ایک طرف تصوف کے متعلق صحیح اسلامی زاویہ نگاہ سامنے

---

[1] "ہمعات" اردو ترجمہ از پروفیسر محمد سرور

Marfat.com

ناسپاس گزاری ہوگی اگر ہم اس موقعہ پر اپنے محترم دوست جناب مولانا غلام محمد صاحب (بی اے عثمانیہ) اور محترم جناب سید ازہر شاہ صاحب قیصر مدیر ماہنامۂ دار العلوم کا شکریہ ادا نہ کریں جنھوں نے ازراہ کرم ہمارے لیے اس کتاب کا مواد بہم پہنچایا، حقیقت یہ ہے کہ اگر ان حضرات کا مخلصانہ تعاون ہمارے ساتھ نہ ہوتا تو ہم ہرگز اس کتاب کو پیش نہ کر سکتے، خصوصیت کے ساتھ ہمارے شکریے کے بہت زیادہ مستحق جناب مولانا غلام محمد صاحب مدظلہم ہیں، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کا مواد فراہم کرنے میں بہت کچھ زحمت گوارا فرمائی بلکہ اس کی ترتیب، تبویب اور عنوان بندی وغیرہ کا پورا کام بھی کافی توجہ اور محنت کے ساتھ سرانجام دیا، جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

"ادارہ"

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرۂ احسن

(یعنی حضرت مولینا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح حیات)

سادات کا ایک کنبہ آج سے تقریباً دو صدی قبل عرب سے نکل کر ایران اور ایران سے گزر کر ہندوستان پہنچا اور صوبہ بہار کی زمین کو ان کے قدوم نے پُر بہار کر دیا[1]، اسی قبیلہ کی ایک شاخ نے ضلع پٹنہ میں ایک مختصر سی بستی گیلانی کے نام سے بسائی۔ یہ حضرت مولانا سید مناظر احسنؒ کے اجداد تھے[2]۔

وطن

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۲ء میں بمقام گیلانی پیدا ہوئے، وہ قصبۂ گیلانی جو برسہا برس گمنام رہا اور آج بھی وہاں ڈاکخانہ تک موجود نہیں، مولانا کا مولد و مدفن بنکر اب شہرت اور تاریخی حیثیت حاصل کر گیا ہے۔ مولانا اپنے نام کے ساتھ لفظ گیلانی سے اسی وطنی نسبت کا اظہار فرماتے ہے جس پر بہت سوں کو نسبت باطنی (یعنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے نسبت) کے اظہار کا گمان ہوتا رہا جو صحیح نہ تھا۔ گو مولانا اس نسبت قادریہ کے بھی باضابطہ حاملین میں سے تھے۔

ابتدائی ماحول

مولانا نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اسمیں فارغ البالی اور علم پروری ہم آغوش تھی۔ آپ کے والد ماجد ابوالخیر صاحب تو زیادہ تر زمینداری میں مشغول رہے مگر مولانا ابو نصرؒ جو حقیقی چچا تھے علم و فضل اور شعر و سخن میں ایک مقام رکھتے تھے۔ اور جد امجد مولانا سید محمد احسنؒ تو اس اطراف کے جیّد عالم مشہور تھے۔

تعلیم

مولانا کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا ہی کے زیر نگرانی ہوئی۔ پھر وہ ٹونک بھیج دیئے گئے جہاں تقریباً نو برس تک امام معقولات مولینا حکیم برکات احمد[3] ٹونکی کے حلقہ درس میں شامل رہے

---

[1] یہ روایت میں نے حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے سنی ہے۔

[2] حضرت گیلانیؒ مجھ سے فرماتے تھے کہ "ہمارا خاندان اور سید صاحب کا خاندان ایک ہی سلسلہ کی دو شاخیں ہیں۔"

[3] حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا گیلانی کے دادا پیر حضرت شاہ کمال اللہ المعروف بہ "مچھلی والے شاہ صاحب" قدس سرہٗ مقیم حیدرآباد دکن سے بیعت تھے اور توحید وجودی کی خاص نسبت کے حامل تھے، وحدۃ الوجود پر ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔

Marfat.com

اور استاذ کی نظر میں امتیازی مقام حاصل کرلیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ اجمیر میں قیام فرمایا جہاں حکیم صاحب موصوف ہی کے شاگرد خاص مولانا معین الدین اجمیریؒ سے بھی مذاکراتی استفادہ فرمایا۔ اور ان کے کمال کے اس قدر معترف ہوئے کہ ان کو بھی اپنا استاذ ہی سمجھتے رہے۔

اس کے بعد منقولات کی تکمیل کے لیے مولانا دار العلوم دیوبند پہنچے اور یہاں سے دو سال میں سند فراغ حاصل فرمائی[1]۔ یہاں مولانا کو ان اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل رہا جن پر مدرسہ کی عظمت ختم تھی یعنی شیخ الہند مولٰینا محمود الحسنؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ وغیرہ

قیام دیوبند

ٹونک کی طرح دار العلوم دیوبند میں بھی مولانا اپنی ذہانت اور شوق مطالعہ کی وجہ سے اساتذہ کے منظور نظر بن گئے تھے اور جوں ہی فارغ التحصیل ہوئے مسند درس ان کو عطا کی گئی اور دار العلوم کے رسالہ القاسم کی ادارت بھی ان کے سپرد کردی گئی۔ جو دہاں کا بڑا اعزاز تھا۔ مولٰینا ان دونوں حیثیتوں میں کامیاب رہے اور اہل نظر سے داد حاصل کی۔

قیام حیدر آباد اور جامعہ عثمانیہ سے تعلق

دیوبند میں شاید دو برس رہنے پائے تھے کہ جامعہ عثمانیہ نے ان کو اپنی طرف کھینچا جہاں پہنچ کر مولانا کے امتیازی جوہر خوب کھلے۔

بات یہ ہوئی کہ ان دنوں جامعہ عثمانیہ کی روز افزوں وسعت و ترقی کے ساتھ شعبۂ دینیات میں ایک ٹھوس عالم کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، اتفاقاً ۱۹۱۹ء میں مولانا گیلانی کا حیدر آباد آنا ہوا اور یہاں علامہ حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی ملاقات ہوگئی، علامہ فراہیؒ اس جوہر قابل کو پہچان گئے، مولانا سے خواہش کی کہ وہ جامعہ میں لیکچرری کے لیے درخواست دیں، مگر دیوبند سے مولٰینا کو اس قدر انس ہوگیا تھا کہ اس مشورہ کی تکمیل میں ان کو تامل ہی رہا۔ لیکن جب خود حضرات دیوبند نے اس مشورہ کی تائید فرمائی تو مولانا کو اس کی تعمیل کرنی پڑی اور ۱۹۲۰ء میں بحیثیت لیکچرر "دینیات لازم" جامعہ عثمانیہ سے متعلق ہوگئے پھر کچھ عرصہ بعد شعبۂ دینیات میں منتقل کیے گئے اور ریڈر بنے، پروفیسر ہوئے اور بالآخر اس شعبہ کی صدارت کو کئی سال تک زینت بخش کر ۱۹۴۹ء میں ریٹائر ہو گئے۔ وہ شعبۂ دینیات کی جان تھے اور شعبۂ دینیات

---

[1] اس کی کچھ تفصیل خود مولانا کے قلم سے "سوانح قاسمی" کی جلد اول میں آگئی ہے۔

Marfat.com

ان کا مجسم ارمان۔

مولانا گیلانیؒ کی دقتِ فکر، وسعتِ نظر، علوم دینی میں ان کا تبحر اور مسائل حاضرہ پر ان کی دسترس ان کی علمی دیانت اور مجتہدانہ جرأت، ان کی بے لوث خدمت اور جامعہ سے ان کی شیفتگی نے ان کی شخصیت کو ہر دور کے طلباء اور ہر شعبہ کے اساتذہ میں وہ عظمت و محبوبیت عطا کر دی تھی جو ان سے پہلے یا بعد کسی کو نہ مل سکی۔ ع " یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا "

واپسیٔ وطن

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وقعت یونیورسٹی سینٹ کی نظروں میں ایسی تھی کہ وہ ضابطہ کی میعاد ختم کرنے پر بھی اپنی خدمت سے سبکدوش نہ ہو سکتے تھے اور خود مولانا کو بھی جامعہ اور حیدر آباد سے گوناگوں وجوہ کی بناء پر اس درجہ الفت ہو گئی تھی کہ سرکاری تعلق ختم ہونے پر بھی وہ حیدر آباد سے مفارقت کا ارادہ نہ رکھتے تھے لیکن سقوط حیدر آباد نے دنیا ہی بدل ڈالی۔ نیا اقتدار اپنی اندھی عصبیت میں شعبۂ دینیات کو برداشت نہ کر سکا، اس شعبہ کو فوراً ختم کر دیا گیا اور دنیا کی آنکھ میں خاک جھونکنے کے لیے نئے غیر دینی نصاب کے ساتھ ایک " شعبۂ اسلامیات " قائم کیا گیا۔ اس صورت حال سے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر جو گزری ہوگی اس کا اندازہ کسی غیر کو کیا ہو سکتا ہے لاچار ملازمت کے دن پورے ہوتے ہی افسردہ و شکستہ اپنے مولد گیلانی لوٹ گئے مگر جو زخم دل نے کھایا تھا وہ ناسور بنتا چلا گیا۔ اس کا اندازہ مولانا کے ان گرامی ناموں سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے شاگردوں اور معتقدوں کو لکھے ہیں مثلاً خود مجھ ہی کو کس درد انگیز پیرایہ میں زمانۂ سابق کی یاد دلائی ہے لفظ لفظ سے مولانا کا قلبی تاثر اور جامعہ اور حیدر آباد سے جدائی کا رنج عیاں ہے۔

" حیدر آباد! آہ حیدر آباد! اسی سرزمین میں آپ بھی پلے پوسے گئے لکھائے گئے پڑھائے گئے اور یہ کور نصیب گو حیدر آباد میں پیدا تو نہیں ہوا لیکن میرے جسم میں بھی جو کچھ ہے حیدر آباد ہی کا ہے، اب بھی حیدر آباد ہی میرے سدِ رمق کا ذریعہ ہے۔ پھر اپنی محبوب تعلیم گاہ ہماری جامعہ عثمانیہ جس میں میرے دماغ نے دل نے آنکھیں کھولیں اسی کے ماحول میں میری پرورش بھی ہوئی اور آپ کی بھی "

سفر آخرت

وطن کی قصباتی غیر علمی زندگی مولانا کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی تھی، بارہا تحریر

Marfat.com

فرمایا ہے اور جگہ جگہ اس کا اظہار کیا ہے کہ

"آج کل ایک گاؤں اور وہ بھی ایسے گاؤں میں آکر مقیم ہو گیا ہوں کہ
جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو خاندان باقی رہ گئے ہیں۔ ان کے
سوا عام ہنود اور عام طبقہ کے کچھ مسلمان ہیں۔ ان سے کسی قسم کی ایمانی
گفتگو کا موقع ہی نہیں ملتا نہ سننے کا نہ سنانے کا۔

غرض دل کا سکون یوں ہی رخصت تھا کہ ایسے میں ایک روز گھر بھی لٹ گیا۔ ادھر مولانا کے اکلوتے فرزند جو پاکستان میں مقیم تھے اور ان کی طرف سے بھی ان کو کچھ اطمینان حاصل نہ تھا، غرض ضعیفی میں طرح طرح کے مصائب جھیلنے پڑے اور اس یقین سے جھیل لیے گئے کہ یہ اخروی راحتوں اور دائمی مسرتوں کا پیش خیمہ ہیں مگر صبر کے گھونٹ کی تلخی کا طبعی اثر بہر حال ہو کر رہا۔ ۱۹۵۳ء کے اواخر سے قلبی دورے پڑنے لگے تنفس کی شکایت پہلے ہی سے چلی آرہی تھی، اب ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے کی قطعی ممانعت کر دی اور یہی پرہیز مولانا کے لیے سخت ترین امتحان تھا چنانچہ وہ اس میں پورے نہ اتر سکے جتنا کچھ موقع مل گیا اور طاقت و ہمت ساتھ دے گئی اس میں ایک طول وطویل تصنیف "سوانح قاسمی" مرتب فرما دی۔ کچھ مضامین تصوف کے مختلف موضوعات پر تحریر فرمائے۔ اور تقریباً تین سالہ علالت کے بعد ۵ جون ۱۹۵۶ء والی شب کو ہشاش بشاش بستر خواب پر لیٹ کر چپ چاپ "دار السرور" کو سدھار گئے۔ اور اس خاموشی سے رخصت ہو گئے کہ پاس ہی چارپائی لگائے مولانا کے چہیتے بھائی مکارم احسن صاحب لیٹے تھے مگر وہ بھی اس کوچ کی آہٹ تک نہ پا سکے اور صبح جب انہوں نے اپنے محبوب بھائی کو جگانا چاہا تو خود اپنی غفلت پر کف افسوس مل کر رہ گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

کرامت مرگ

حضرت گیلانی کی حسی کرامات زندگی میں خواہ نہ دیکھی گئی ہوں مگر اس عالم ناسوت سے جاتے ہوئے انہوں نے عقیدت کے ماروں اور روحانیت کے بے خبروں کے لیے عجیب کرشمہ دکھایا، مکارم احسن صاحب کا بیان[1] ہے کہ مرض الموت میں اکثر یہ

---

[1] صدق جدید مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۶ء۔

Marfat.com

فرماتے تھے کہ جنّت میں کوئی بوڑھا نہ جائے گا۔ ہر شخص جوان ہو کر جائے گا چنانچہ جیسے جیسے وہ اپنے وقت موعود سے قریب ہوتے جا رہے تھے ان میں جوش و مسرت بڑھتا جا رہا تھا یہاں تک کہ جس رات سفر آخرت طے تھا اس میں تو فرط انبساط سے بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ اور اسی عالم فرح و انبساط میں بظاہر سو بھی گئے مگر صبح جب ان کی روح پرواز کر چکی تھی تو چہرہ پُر گوشت تر و تازہ تھا۔ سفید ڈاڑھی بالکل سیاہ تھی اور لاغر و نزار جسم گداز ہو گیا تھا۔ دیکھنے والوں کو یوں نظر آ رہا تھا جیسے کوئی ۲۵ سالہ جوان لیٹا ہے۔ اس منظر کو مکارم احسن صاحب ہی نے نہیں دیکھا بلکہ ہر شریک جنازہ نے حیرت کی آنکھ سے دیکھا اور اس میں لذت روحانی محسوس کی، مولانا کے جنّتی ہونے کی اس سے زیادہ واضح نشانی اور کیا ہو سکتی ہے

مرگ مجنوں پہ عقل گم ہے میؔر کیا دوانے نے موت پائی ہے

اعلی اللّٰہ مقامہٗ!

حلیہ

قد میانہ، نہ چھریرا نہ زیادہ گداز، رنگ سرخ و سفید، گول ماہتابی چہرہ، گرداگرد سفید ڈاڑھی نہ زیادہ گھنی نہ چھدری، فراخ پیشانی، روشن آنکھیں، شخصیت میں سادگی اور سادگی میں دلفریبی کا اثر تھا۔

بیٹھتے تو آنکھیں بند کیے اور سر کو جھکائے رکھتے تھے مگر جب بولتے تو ان کی زبان سے پھول جھڑتے تھے اور ان کی شگفتگی اور ذکاوت مخاطب کو مسخر کر لیتی تھی چلنے میں چھوٹے چھوٹے قدم تیز تیز اٹھاتے تھے ایسے کہ ایڑی برائے نام ٹکنے پاتی، زور پنجوں ہی پر پڑتا تھا، اور گردن جھکائے تواضع کا متحرک پیکر نظر آتے تھے۔ ان کی ہر ادا میں سادگی کا حسن تھا، بے ساختگی کی کشش تھی۔

لباس

لباس کے معاملہ میں مولانا کسی خاص وضع کے پابند نہ تھے، سر پر سفید پنجگوشہ ٹوپی یا ترکی ٹوپی ہوتی تھی، کبھی کبھی صافہ بھی باندھ لیتے تھے، سیاہ عمامہ سب سے زیادہ زیب دیتا تھا، شیروانی کے اندر کبھی کرتہ ہوتا اور کبھی قمیص، پاجامہ البتہ ہمیشہ تنگ مہری کا پہنتے تھے جو ٹخنوں سے علانیہ اونچا ہوتا تھا، پاؤں میں سلیم شاہی جوتہ یا پمپ شوز جو بھی بے تکلف میسر آتا پہن لیتے تھے۔ کبھی کبھی شانہ پر چھوٹا سا مدنی رومال بھی ڈال لیتے تھے عام طور پر لباس نہ زیادہ قیمتی ہوتا نہ بہت ہی معمولی بلکہ اوسط درجہ کا اور صاف ستھرا ہوتا تھا۔

ذہنی بناوٹ

مولانا قدس سرہٗ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خیرآباد و دیوبند کے اکابر

Marfat.com

اساتذہ کے فیض یافتہ تھے پھر جب حیدر آباد آئے تو یہاں علامہ حمید الدین فراہیؒ سے استفادہ فرمایا جو ایک خاص فکرِ قرآنی کے مالک تھے۔ ادھر جامعہ عثمانیہ کے تعلق سے مغربی افکار اور مغربی ذہن سے واقفیت ہی نہیں بلکہ اس سے گہرا ربط قائم ہو گیا تھا۔ ان گوناگوں موثرات میں مولانا کی جو ذہنی تشکیل ہوئی وہ واقعتہً "ندوۃ العلمائی"[1] نہج کی تھی۔ چنانچہ جامد مولویت کو (جو مسائل حاضرہ سے بے خبر ہو) خود مولانائے مرحوم ناقص تصور فرماتے تھے اور لیکچر اور گفتگو کے دوران میں جب مسائل حاضرہ پر مجتہدانہ روشنی ڈالتے تو "بیچارے مولوی نے سمجھا ہی نہیں" کا جملہ اکثر مسکراہٹ کے ساتھ ان کی زبان سے نکل جاتا تھا۔

مولانا کا حافظہ مثالی، ذہن بہت اخاذ، فکر بہت دور رس اور نظر بڑی مجتہدانہ تھی۔ انتقالات ذہنی بہت دقیق، ان کی پہلی کتاب ابو ذر غفاریؓ کو دیکھ کر جو طالبعلمانہ دور کی یادگار ہے۔ عارف تھانویؒ (مولانا اشرف علی قدس سرہٗ) نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اس کتاب کا مؤلف آئندہ چل کر محقق ہوگا[2] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قرآنی، حدیثی، فقہی، معاشی، سیاسی علوم میں مولانا نے تحقیق کے وہ جوہر دکھلائے کہ خود ان کے استاذ عالیمقام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی ان کے کمال کے معترف ہو گئے تھے۔

---

[1] مولانا کی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" پر تبصرہ فرماتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے معارف میں یہ لکھا تھا کہ مولانا کی تعلیم گو دیوبند میں ہوئی مگر ان کا ذہن ندوۃ العلمائی ہے۔ اس پر مدیر برہان (دہلی) نے ایک اختلافی شذرہ لکھا تھا۔ ایک روز جب میں مولانا کی خدمت میں گھر پر حاضر ہوا تو برہان کا یہ شمارہ لیے ہوئے مولانا باہر نکل آئے۔ محبت سے بٹھایا اور فرمانے لگے:۔ "آپ نے اس مہینے کا برہان دیکھا ہے؟"

راقم الحروف نے عرض کیا "جی ہاں! مولانا سعید احمد نے حضرت والا (سید سلیمان ندویؒ) کے اس جملے پر تنقید کی ہے کہ مولانا کا ذہن ندوۃ العلمائی ہے۔"

مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "جی ہاں میں یہی دکھانا چاہتا تھا۔ بیچارے سعید احمد صاحب نے سید صاحب کے مطلب کو سمجھا ہی نہیں خواہ مخواہ ان کے جملے پر تنقید کر دی۔ ہمارے سید صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہی ٹھیک ہے۔" (غ م)

[2] حکیم الامتؒ کا جملہ خود اسی کتاب میں یہ نقل ہو گیا ہے:۔

"مقالہ نگار سے میں ذاتی طور پر واقف نہیں ہوں لیکن اس مضمون کو دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ محقق نہیں ہو چکے ہیں تو محققیتِ متوقعہ کی دلیل ان کا یہ مضمون ضرور ہے۔" (ملاحظہ ہو، مقالہ "اطلاقی تصوف کی نفلی سرخی" حاصل کلام" کی آخری سطریں)

Marfat.com

تصنیف و تحریر

مگر ان سارے کمالات کے ساتھ طبیعت پر جذب کا اثر کچھ اس درجہ غالب تھا کہ مولانا کی کوئی تحریر کامل طور پر مرتب و مربوط نہیں ملتی، علوم کا ورود اس قدر زیادہ ہوتا تھا کہ متعلق و غیر متعلق کا انتخاب ان کے لیے محال ہو جاتا تھا۔ وہ تیزی سے قلمرانی فرماتے فقروں کی تقسیم اور عنوانات کے قیام کا ان کو مطلق شعور نہ رہتا تھا اور قلم روکنے سے پہلے ان کو خود اندازہ نہ ہوتا تھا کہ جو کچھ لکھا جا رہا ہے وہ مضمون ہوگا یا کتاب بن جائے گی۔ اور اس سب کے باوجود اپنے مسوّدات پر دوبارہ نظر کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہ فرماتے تھے۔ ان مسودوں کی ترتیب و تدوین ان کے معتمد علیہ شاگردوں اور عقیدتمندوں کے سپرد ہوتی تھی یا ناشروں کے رحم و کرم پر منحصر رہتی۔ جہانتک مجھے معلوم ہے "النبی الخاتم" اور "الدین القیم" کو مولانا کے شاگرد رشید ڈاکٹر غلام دستگیر رشید (پروفیسر فارسی نظام کالج حیدر آباد دکن) نے مرتب فرمایا ہے۔ سورۂ کہف، تدوین حدیث اور مقالاتِ احسانی کی ترتیب کا شرف مجھے ملا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی اور بعض کتابوں کی تنظیم ناشر کتب نے اپنے طور پر کروائی ہے البتہ مولانا کے ہزارہا ہزار صفحات کے مسودوں کی تبییض ان کے ایک عزیز اور خاص شاگرد جناب مخدوم محی الدین صاحب بی۔ اے (عثمانیہ) کیا کرتے تھے۔ جن کی زود نویسی اور خوشنویسی حیرت انگیز ہے۔

مولانا خود فرماتے تھے کہ ان کی کوئی تصنیف بھی باضابطہ "تصنیفی پروگرام" کے ماتحت انجام نہیں پائی۔ یہی ہوتا رہا کہ کسی نے کسی مضمون کی فرمائش کی مولانا لکھنے بیٹھ گئے جب لکھ چکے تو وہ مضمون، مضمون نہ رہا بلکہ کتاب تیار ہو گئی۔ چنانچہ "نظام تعلیم و تربیت" اور خود "النبی الخاتم" وغیرہ اسی قبیل کی تصنیفات ہیں، اس قسم کی کتابوں کے علاوہ دوسری صورت یہ ہوتی رہی کہ کالج کے لیکچرز کی تیاری یا ایم۔ اے اور پی ایچ ڈی کے طلباء کے مقالات کی رہبری کے سلسلہ میں مختلف موضوعات پر جو معلومات فراہم کرنا پڑیں، وہ اتنی زیادہ اور قیمتی تھیں کہ ہر موضوع کی ایک مستقل کتاب خود بخود تیار ہو گئی، الدین القیّم، اسلامی معاشیات، تدوین حدیث اور تدوین قرآن وغیرہ سب اسی نوعیت کی تالیفات ہیں۔

مذکورہ صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مولانا کی تصنیفات جدید طرز تصنیف کے معیار حسن کو نہیں پہنچتیں مگر بقول عہد حاضر کے مشہور محقق محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ان تصانیف کو اسلوب نگارش اور ربط تحریر کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ کہ ان میں علوم و حقائق اور استنباط و استخراج مسائل کا کس قدر گراں بہا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔

Marfat.com

علاوہ ازیں مولانا کی تحریریں جہاں ربط و ترتیب کے حسن کی کمی ہے وہاں بعض خوبیاں ایسی بھی ہیں جو اس کمی کی تلافی کر جاتی ہیں مثلاً ہر تحریر میں بے ساختگی، زور استدلال اور سوز و گداز کچھ ایسا موجود ہے کہ اس کی وجہ سے ربط کلام ٹوٹنے پر بھی کتاب چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔

ایک اور اعتبار سے بھی مولانا میں عجیب تصنیفی امتزاج ملتا ہے۔ اہل قلم علماء یا تو صاحب "ایجاز" ملیں گے یا اہل "اطناب"۔ مگر ہمارے مولانا کہیں ایجاز کے بادشاہ معلوم ہوتے ہیں کہیں اطناب کے مالک، اپنی کسی تصنیف میں ہزار ہا ہزار صفحوں کا مواد چند اوراق میں جمع فرما گئے ہیں اور کسی تالیف میں چند اوراق کو ہزاروں صفحات پر پھیلا گئے ہیں۔ ان کے ایجاز کا کمال النبی الخاتم پر ختم ہے اور اطناب کا زور سوانح قاسمی پر!

مولانا کی تصانیف میں سے یوں تو ہر تصنیف گراں بہا ہے مگر مندرجہ ذیل تصانیف کو امتیازی اہمیت حاصل ہے:۔

النبی الخاتم۔ الدین القیم۔ تدوین قرآن۔ تدوین حدیث، تدوین فقہ، اسلامی معاشیات، امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی اور تفسیر سورہ کہف۔

مولانا کی کتابوں کے علاوہ ان کے بیسیوں مضامین ہیں جو اہمیت و افادیت کے اعتبار سے ان کتابوں سے کسی طرح کم نہیں مثلاً الفرقان (لکھنؤ) کے مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر ہی میں جو مضامین آگئے ہیں وہ مولانا کی جامعیت علمی اور ذہانت و فطانت کی انمٹ یادگاریں ہیں کاش مولانا کے کل مضامین فنی تقسیم کے ساتھ مرتب ہو جائیں۔

تقریر

یوں تو مولانا کی تحریریں بھی بڑا زور اور اثر ہے لیکن ان کی تقریر تو اس سے بھی کہیں زیادہ پر سوز و جاں گداز ہوتی تھی اور تقریر کا رنگ واعظانہ نہیں بلکہ خطیبانہ ہوتا تھا۔ درمیان درمیان میں لطائف و ظرائف اور منتخب اشعار اس موزونیت سے آجاتے تھے کہ عالمانہ تقریر عوام کے لیے بھی نہایت دلچسپ و دلنشین بن جاتی تھی۔ حالانکہ نکتہ آفرینی اور علمی معلومات کا سیلاب تھا جو اُمنڈا چلا آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریر میں خود بیخود ہو جاتے تھے جس کے اثر سے سامعین پر بھی ایک کیف طاری ہو جاتا تھا۔

مولانا گیلانی اپنے دور میں حیدر آباد کے چار پانچ چوٹی کے مقررین میں شمار کیے جاتے تھے،

جب کہ حیدر آباد کا معیار خطابت ہندوستان کے عام معیار پر فوقیت رکھتا تھا۔

مولانا یوں تو تھے ہی ایک کامیاب خطیب مگر جب وہ اپنے مخاطبین میں غیرت ایمانی کو ابھارنا چاہتے تو ان کی خطابت بے مثل بن جاتی تھی، ایک واقعہ سے مولانا کے اس کمال کا اندازہ ہوگا۔

حیدر آباد ہی کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ "میلاد النبیؐ" کے جلسہ میں ہزاروں کے مجمع کو خطاب فرما رہے تھے۔ صدر نشین جلسہ لسان الامت قائد ملت[1] نواب بہادر یار جنگ مرحوم تھے۔ مولانا کا عنوان جہاں تک یاد پڑتا ہے "والذین اٰمنوا اشد حبا للہ" تھا وہ عوام کی غیرت ایمانی کو جگانا چاہتے تھے اس کے لیے انہوں نے عام مسلمانوں کے ضعف ایمانی پر اظہار افسوس کیا اور اس صورت حال کی تفصیل بیان فرمائی کہ کس طرح آج کا مسلمان ہر ادنیٰ سے ادنیٰ دنیوی فائدہ کی خاطر دین کے بڑے سے بڑے مطالبہ کو بلا تامل قربان کر دیتا ہے اس کے بعد حق تعالیٰ کے انعام و احسان کی گراں باری اور اس کے حق محبت کا تذکرہ نہایت مؤثر انداز میں شروع کیا۔ یہاں تک کہ مولانا کی بند آنکھیں کھل کر پھٹی جا رہی تھیں، چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور خشیت و جلال میں ڈوب کر مولانا نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ "ایسے محسن کی یہ ناحسان شناسی؟" اور اس کے ساتھ ہی غالب کا یہ شعر استفہامیہ لہجہ میں ان کی زبان فیض سے ادا ہوا ؎

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے

آستان یار سے اٹھ جائیں کیا؟

یوں محسوس ہو رہا تھا گویا یہ شعر آج اسی موقع کے لیے لکھا گیا تھا۔ سارا مجمع غرق ندامت ہو گیا اور سب کی غیرت ایمانی دفعتہً چمک اٹھی۔

شاعری

مولانا کی ذات میں شاعری کے سارے لوازم، وہبی ہوں یا کسبی، پوری طرح جمع تھے شگفتگی بلکہ رنگینی ان کی طبیعت پر غالب تھی، ان کا احساس قوی، مشاہدہ عمیق، اور قوت تخیل بلند تھی۔ عربی اردو فارسی اور ہندی زبان کے کلاسکی کلام تک ان کی پوری طرح رسائی تھی۔ اس کا اندازہ

---

[1] یہ لقب غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانان ہند نے نواب بہادر یار جنگ مرحوم ہی کے لیے مخصوص کیا تھا اور تجویز لقب کا سہرا مسلمانانِ مدراس کے سر تھا۔ اسی لیے نواب صاحب کی رحلت کے بعد راقم الحروف نے ان کی سوانح جو لکھی تو اس کا نام صرف "قائدِ ملت" ہی رکھا تھا، البتہ بعد میں یہ لقب شہید ملت خان لیاقت علی خاں کے لیے بھی استعمال ہوا، اور پاکستان میں اب یہی معروف ہے۔

Marfat.com

اس وقت ہوتا تھا جب وہ مختلف زبانوں کے کلام کا موازنہ فرماتے اور ان کی باریکیوں کو اجاگر کرتے تھے ان چاروں زبانوں کے سیکڑوں منتخب اشعار ان کے نوک زبان تھے! ورخود بھی اردو، فارسی، عربی اور ہندی ہیں معیاری اشعار کہہ لیتے تھے، اس کی مثال میں ان کی دو نعتیں اس تالیف کے ختم پر شامل ہیں، افسوس کہ مولانا کی منظومات محفوظ نہ رہ سکیں۔

مذکورہ جامعیت کی وجہ سے مولانا خود ایک اچھے شاعر بن گئے تھے۔ جوانی ہی سے سخن سنجی میں بھی داد حاصل کرتے رہے تھے، وہ بے تکلف فارسی اردو ہندی میں اپنے جذبات کو شاعری کے قالب موزوں میں ڈھال لیتے تھے۔ عربی میں بھی ممکن ہے کہ کچھ کہہ لیتے ہوں مگر ہم اس سے واقف نہیں۔

شعر پڑھنے کا انداز بھی مولانا کا نہایت اثر آفریں تھا۔ وہ ڈوب کر پڑھتے تھے اور سننے والوں کو محوِ کیفیت بنا جاتے تھے۔

خلق

مولانا کے فضائل اخلاق میں "بے نفسی" کو سب سے نمایاں مقام حاصل تھا۔ دوسرے کی غلطی پر خود معافی خواہ ہو جانا، کوئی کھینچنا چاہے تو خود بڑھ کر اس سے قریب ہو جانا اپنے تسامح کا علم ہونے پر علی الاعلان سراپا معذرت بن جانا، اپنے دامن کو ہمیشہ طبقاتی اداراتی تعصب سے پاک وصاف رکھنا اور اظہار حق میں تحسین و ملامت کی قطعاً پروا نہ کرنا مولانا کا شعار تھا۔

اپنے معاصرین کی قدر کرنا اور ان کے کمال کا اعتراف کرنا وہ وصف عالی ہے جو ہر زمانہ میں نادر رہا ہے مگر مولانا میں یہ نادر وصف بدرجہ اتم موجود تھا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر وہ اپنے چھوٹوں کے کمالات کو بھی بڑی فراخدلی سے تسلیم کرتے اور علانیہ اس کا اظہار فرماتے تھے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے مولانا سے لڑکپن میں کچھ پڑھا تھا اس لیے وہ ہمیشہ مولانا کی ایسی ہی عزت و عظمت کرتے تھے جیسے ایک سعادتمند خصوصی شاگرد کو کرنی چاہیے لیکن چونکہ وہ ایک بڑے خطیب اور مخلص قائدِ ملت تھے اس لیے مولانا کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی کہ خود عوام کی سطح پر اتر کر ان کی عزت کریں۔ وہ مناظر اب تک آنکھوں میں پھر رہے ہیں جب استاذ و شاگرد کی بھری محفلوں میں تعظیم و تکریم میں مسابقت کی کوشش ہوتی اور بالآخر استاذ گرامی کو اپنا منصب قبول ہی کرنا پڑتا۔

مولانا اپنے سارے علمی انہماک اور خشیت باطنی کے باوجود نہایت ظریف اور بذلہ سنج انسان تھے اور اسی لیے ہر محفل کو با آسانی اپنا لیتے اور سب کی نظروں میں محبوب بن جاتے تھے۔

Marfat.com

مولانا کے قلب اطہر میں اُمت محمدیہ کی محبت اور اس پر شفقت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ مسلمانوں کی فلاح سے ایسے مسرور ہوتے تھے جیسے خود ان کو کوئی ذاتی فائدہ پہنچ گیا ہو۔ وہ مشرباً پکے حنفی تھے مگر یہ ان کے جذبۂ شفقت کا اثر تھا کہ زبانی بھی اور تحریراً بھی اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ موجودہ حالات میں علمائے کرام کو عام مسلمانوں کے لیے سہولت ہی کا پہلو اختیار کرنا چاہیئے خواہ اس میں مسلک حنفیہ کو چھوڑ کر کسی اور مسلک کی اقتدا کیوں نہ کرنی پڑے؟ کیونکہ فقہا کے اجتہادات کو بہر حال منصوصات کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

طلبا پر مولانا کی شفقت، عہد قدیم کے اساتذہ کے لطف وکرم کی ایک زندہ یادگار تھی ان کی شفقت افادۂ علم ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اپنے شاگردوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے وہ جامعہ کے اندر اور باہر ہمیشہ پوری قوت صرف فرماتے رہے بلکہ بعض صورتوں میں ان کے نجی معاملات مثلاً شادی بیاہ میں بھی مولانا کے پدرانہ الطاف برابر شامل رہتے تھے۔

مولانا کی تنخواہ معقول تھی، آخر زمانہ میں ہزار، بارہ سو تک پہنچ گئی تھی لیکن اس کا خاصہ حصہ اعزاد اقربا کی امداد اور عام دینی امور کی معاونت میں صرف فرماتے رہے۔ خود اپنی ذات کے لیے سادگی ہی پسند فرما لی تھی۔ ایک عاشق نبوی ؐ کا طرز اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔

عالمانہ امتیاز

تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اشارتاً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ مولانا گیلانی کو اپنے معاصر علمائے دیوبند پر مندرجہ ذیل وجوہ سے تفوق حاصل تھا۔

(۱) وہ درسیات کے ماہر معلم ہی نہیں بلکہ ایک "صاحب نظر" عالم تھے۔

(۲) وہ تاریخ اور علوم عصریہ سے بھی راست واقفیت رکھتے تھے۔

(۳) تحقیقات علمی میں ان کی نگاہ دیوبندی اور غیر دیوبندی نقطۂ نظر کی پابندیوں سے آزاد تھی۔

(۴) انہوں نے خدمت دینی کی جدید راہیں اختیار کیں اور مردانہ وار نکل گئے۔ اس سلسلہ میں وہ سلف کے اقوال یا طرز عمل کو رفیق طریق بنا کر پھر متاخرین کے اختلاف یا معاصرین کے ایراد و اعتراض کی پروانہ کرتے تھے۔

(۵) انہوں نے قدیم لٹریچر کو جدید ضروریات کے لیے اس حسن وخوبی سے برتا کہ اس کی وجہ سے اسلامی محققین اور مجتہدین کی دھاک متجددین پر قائم ہوگئی اور یہ ذہنی مرعوبیت کا ایک مؤثر علاج ثابت ہوا۔

Marfat.com

وسعت و پاکیٔ مشرب

قادری وچشتی ہونے کی وجہ سے اپنے اکابر سلسلہ سے حضرت گیلانی کو جو تعلق اور رابطہ قلبی تھا وہ تو تھا ہی مگر شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کے تو وہ بالکل شیدائی تھے۔ حالت یہ تھی کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا سفر نامہ مشرق وسطی جب جریدۂ "صدق" (لکھنؤ) میں چھپا مگر شہر دمشق کے تذکرہ میں شیخ اکبرؒ کا کوئی ذکر نہ تھا اس پر حضرت گیلانیؒ نے فوراً ایک خط میں بڑے سوز و حسرت سے اس مفہوم کا جملہ تحریر فرمایا تھا کہ " یہ بھی تو مولانا نے لکھا ہوتا کہ ہمارے شیخ اکبر قدس سرہٗ کے نام لیوا بھی وہاں کچھ باقی ہیں یا نہیں ؟" —— غرض اس شدید شخصی میلان کے باوجود قلب گیلانی میں وہ وسعت اور ذوق میں ایسی نفاست و پاکیزگی تھی کہ اور سلسلوں کے بزرگوں پر قلم اٹھاتے تو کبھی تقابل اور ترجیح و تنقیص کی جھلک تحریر میں آنے نہ پاتی چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ یا امام غزالیؒ وغیرہ پر جو مضامین تحریر فرمائے ہیں وہ ان کی وسعت و پاکیٔ مشرب کے کھلے گواہ ہیں ورنہ آج کے عام اہل علم و قلم کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ اپنی ساری بے مائیگی اور کم نظری کے باوجود اکابر صوفیاء میں موازنہ کرنے لگتے ہیں، خصوصاً یہ تو ایک فیشن سا ہو گیا ہے کہ حضرت مجددؒ الف ثانیؒ پر جب کچھ لکھا جائے تو سر تاجِ عارفین حضرت شیخ اکبرؒ پر ایراد و انتقاد ضرور ہو، اناللہ!

منصب ارشاد سے گریز

فنائیت کے غلبہ اور طالب علمانہ مذاق سے دلچسپی کی وجہ سے حضرت گیلانیؒ دوہری خلافت رکھنے اور خود صاحب معرفت ہونے کے باوجود مسند ارشاد کی ذمہ داریوں سے ہمیشہ گریزاں ہی رہے اور جہاں تک میرے علم میں ہے کبھی کسی کو مرید نہیں کیا۔[1] ورنہ وہ اگر اس طرف توجہ فرماتے تو فیوض علمی کی طرح فیضان روحانی کا بھی دریا بہہ نکلتا مگر جو مقدر نہ تھا وہ ہو کیسے جاتا حضرت گیلانیؒ نے طالب علمانہ حیثیت ہی اپنے لیے تجویز فرمائی تھی، اسی نقاب میں وہ کمالات باطنی کو چھپائے رہے اور اسی اخفا کے ساتھ اس دنیا سے پردہ فرما گئے مگر سچ یہ ہے کہ

ع " در سینہ ہائے مردم عارف مزار اوست "

ہیچمدان

غلام محمدؐ

لہ اب معلوم ہوا کہ صرف مخدوم محی الدین صاحب بی اے (عثمانیہ) مولانا کے مبیضہ نویس اور شاگرد عزیز کو آخر زمانہ میں حضرت گیلانیؒ سے بیعت کا شرف مل سکا تھا اور بس!! (غ م)

Marfat.com

تعارف مقالات

۱۹۵۳ء کے تقریباً وسط میں حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف " اطلاقی تصوف" کا ایک حصہ مجھ کو ماہر صاحب (مدیر فاران) کے توسط سے ملا۔ یہ وہ اوراق تھے جو حیدرآباد دکن کے ایک ماہنامہ " الحق " میں شائع ہوئے تھے، اس کے بعد پھر حضرت مولاناؒ نے اس کے کچھ اور غیر مطبوعہ اوراق اس ہدایت کے ساتھ بھجوائے کہ ان کو مرتب کر کے کسی ذریعہ سے شائع کراؤں۔

اپنی بعض مصروفیات کی وجہ سے ابھی اس جانب توجہ نہ کر پایا تھا کہ حضرت مولانا چل بسے اب ان کی وصیت کا خیال زیادہ اہمیت پا گیا، " اطلاقی تصوف " کو حرفاً حرفاً دیکھا موضوع کے اعتبار سے مضمون ناتمام تھا اور درمیان میں کئی مباحث مستقل حیثیت اور افادیت کے آگئے تھے جن کا نفسِ موضوع سے کوئی راست تعلق نہ تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس شکل میں اس کتاب کو کس طرح شائع کیا جائے۔

جولائی، اگست ۱۹۵۶ء میں حیدرآباد دکن کا سفر پیش آیا یہاں مولانا گیلانی کے ایک شاگرد خاص جناب مخدوم محی الدین صاحب بی۔اے (عثمانیہ) سے بھی ملاقات ہوگئی اور موصوف نے " اطلاقی تصوف " کی آخری قسط مجھ کو عنایت فرمائی کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی وصیت تھی، برادر موصوف نے بتایا کہ اس مسودہ کی تکمیل مولانا نے ۱۹ر شعبان ۱۳۷۵ھ کو فرمائی اور ۵ر شوال ۱۳۷۵ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس اعتبار سے یہ تالیف افادات گیلانی کی آخری قسط ہے۔

حضرت گیلانی کے وصال کے بعد ادارہ " مجلس علمی " (کراچی) کے سرپرست محترم مولینا محمد ابن موسیٰ میاں صاحب[1] مدظلہ

---

[1] افسوس کہ ۱۹ء کو رحلت فرما گئے۔ بڑے تاجر، باضابطہ عالم، علامہ سید انور شاہ کشمیری کے شاگرد، علم و علمائے دین کے بڑے قدردان، نہایت متواضع، فرخ دل، کشادہ دست اور کریم النفس انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مدارج عالیہ عطا فرمائے۔ آمین (غ م)

Marfat.com

کو اختیار کرنے اور اس کے باوجود مسبب الاسباب پر بھروسہ رکھنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا ہے۔ گویا اس میں تصحیح فکر ہی پر تمام تر زور صرف کیا جاتا ہے اور اصلاح فکر ہی کے ذریعہ "مقامِ احسان" تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، اس طریق میں سالک کو طول طویل مجاہدات اور ریاضتوں کی حاجت نہیں ہوتی جیسی کہ طریق غزالیہ میں ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت گیلانی کی یہ تجویز دراصل ان کے شیخ عالیمقام حضرت مولانا محمد حسین چشتی صاحب حیدرآبادیؒ کے طریق کی تلقین کا نتیجہ ہے اس کا اندازہ حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ کے ایک جملہ سے ہوگا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:-

"ایک انسان لا الہ الا اللہ کا اقرار کرکے ایک سیکنڈ میں
کفر سے نکل کر دائرۂ اسلام میں آجاتا ہے اور ایک مسلمان
"ان اللہ معنا" کا استحضار کرکے ایک سیکنڈ میں مرتبۂ
احسان کو پہنچ جاتا ہے۔"

اس استحضار کے قیام کے لیے حضرت شیخ تصحیح فکر کو کافی تصور فرماتے تھے اور اسی تصحیح فکر کو اصلاحِ اخلاق میں بھی موثر سمجھتے تھے۔

"حصول احسان" کی یہ راہ عملاً عام بھی ہوسکتی ہے اور اس کا نفع تام بھی ہوسکتا ہے یا نہیں اس پر بحث یہاں بے محل ہوگی البتہ اس کے قبول کرنے میں کسی کو تامل نہ ہوگا کہ ذی فہم اور سلیم الطبع لوگوں کے لیے یہ ایک سہل ترین راستہ ہے بشرطیکہ شیخ بھی کوئی حضرت محمد حسینؒ یا حضرت گیلانیؒ کے پایہ کا انسان ہو۔ مولانا گیلانی کے سامنے چونکہ بیشتر طبقہ اہل علم و فہم ہی کا تھا اس لیے مولانا کی یہ تڑپ کہ اس راہ سے ان کو احسان تک پہنچا دیا جائے دینی ہمدردی کا لازمی نتیجہ تھی۔

مقالہ نمبر (۵) ابنِ تیمیہ کا نظریہ مخدومیت

علمی راہ سے مولانا گیلانی جس درجہ امام ابن تیمیہ کے معترف ہیں، تصوّف و احسان کی راہ سے مولانا کو ان سے اتنا ہی شدید اختلاف ہے۔ اور یہ حضرت مولانا ہی کا منصب تھا کہ اعتراف و اختلاف کو اپنی اپنی جگہ پوری قوت سے ظاہر فرماتے تھے چنانچہ اس مقالہ میں مولانا نے ابن تیمیہ کے نظریہ مخدومیت

Marfat.com

کی وضاحت فرمائی ہے اور خود ابن تیمیہ ہی کی کتاب " النبوات " کے حوالوں سے اہل اللہ کی کرامات پر ان کے سوئے ظن یا ان کی سوئے تعبیر کو واضح کیا ہے اور اس طرح ان کی زیادتی کو ثابت کر دکھایا ہے۔

یہاں اتنی بات واضح کر دوں کہ امام ابن تیمیہ کرامات کے منکر نہیں بلکہ انہوں نے خود کرامات کی صحیح تعیین پر ایک رسالہ "کرامات" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے اور زیرِ نظر کتاب میں المرشدی پر الزام "مخدومیت" کے جواب میں خود انہی کی کتاب " النبوات " سے نفس کرامات کی تائید ہمارے مولانا نے بھی نقل فرمائی ہے، مگر عام طور پر صوفیائے حقانی پر جو سخت سے سخت تنقید بلکہ ایراد و تعریض کر جاتے ہیں اس کی وجہ محض وقتی مصالح ہیں، اس تفصیل سے میرا مطلب یہ ہے کہ ان معاملات میں امام سے نہ تو سوئے ظن رکھا جائے نہ ان کی بات کو تحقیقی مرتبہ دیا جائے اور اس سے استناد کا کام لیا جائے بلکہ ایک مصلح اُمت کی ایسی تدبیر و تجویز پر محمول کیا جائے جس کی ضرورتِ وقت متقاضی تھی۔

مقالہ نمبر (۶) مجالس الشیخین یا "دل کا چین"

حضرت مولانا گیلانی جب حیدر آباد کی علمی محفلوں اور دینی ماحول سے الگ ہو کر ایک قصبہ میں "جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو گھرانے آباد تھے" جا بیٹھے تو وہاں دو بزرگوں کی معنوی صحبت سے زیادہ تر انس و تسکین پاتے رہے۔ ایک مولانا رومی دوسرے شیخ اکبر قدس سرہما، ان عارفین کی کتابوں کو اپنے " دل کے چین " کے لیے بار بار دیکھتے رہے، پھر جو کچھ ہوا اس کو خود مولانا ہی کی زبان میں سنیئے:-

" جیسا کہ عرض کر چکا ہوں محض ذاتی تسکین و تشفی کے لیے شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اور حضرت مولانا معنوی کے افادات کو مذکورہ بالا عنوان کے تحت فقیر نے قلم بند کرنا شروع کیا تھا۔ حاشیۂ خیال میں یہ بات نہ تھی کہ اس قدر جلد شائع ہو جانے کی صورت سامنے آجائے گی مگر حالات ایسے پیش آئے کہ نظر ثانی کیے بغیر دار العلوم کے لیے اس مضمون کو بھیج دینا پڑا۔ چھپنے کے بعد محسوس ہوا کہ دوسروں کو سمجھانے کا خیال لکھنے کے وقت غالباً نہ تھا۔ اسی لیے بہت سی باتیں ادھوری اور مجمل شکل میں درج ہو گئی ہیں نیز بعض مواقع میں ایسی باتیں بھی درج ہو گئی ہیں جن سے ممکن ہے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ آئندہ کے لیے اب یہ ارادہ ہے کہ خود فہمی کے

Marfat.com

ساتھ دوسروں کے سمجھانے کا پہلو بھی انشاء اللہ پیشِ نظر رہے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ مجالس الشیخین کی ابتداء میں مسائل نسبتاً ادق ہیں اور آخر میں سہل، باقی لوگوں کو غلط فہمی کی جو خلش حضرت گیلانی کو تھی وہ اب عنوانات کے قیام کے بعد اُمید ہے کہ رفع ہوگئی ہوگی۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ مولّف قدس سرہٗ اور مرتب حقیر کی مساعی کو قبول و مشکور فرمائے۔

ان مقالات کے دوران میں کہیں کہیں حاشیے اس عاجز کے قلم کے بھی ملیں گے۔ جن کو (غ م) کے اشارہ سے ظاہر کیا گیا ہے یہ یا تو کسی ابہام کی وضاحت کے لیے ہیں یا کسی خدشہ کے ازالہ کی خاطر، کاش تدوین حدیث کی طرح اس کتاب کے سلسلہ کی سعی حقیر بھی حضرت گیلانی کی نظر سے سند قبولیت پا جاتی تو میری تشفی کا پورا سامان ہو جاتا مگر اب تو ایک یقین بخش اُمید ہی کا سہارا ہے ؎

مہر تو عکسی بر ما نیفگند — آئینہ رویا آہ از دلت آہ
الصبر مرٌ والعمر فان — یا لیت شعری حتیٰ مَ القاہ
حافظ چہ نالی گر وصل خواہی — خوں بایدت خورد ناگاہ و بیگاہ

امیدوار رحمت

غلام محمد عفی عنہٗ

مقدمہ

تصوّف

اور

اُس کے دو۲ طریقے

Marfat.com

فہرست مضامین

۱۔ کیا تصوف بدعت ہے؟
۲۔ جو حیثیت فقہ اور فقہا کی ہے وہی حیثیت تصوف اور صوفیہ کی ہے۔
۳۔ اختلاف سلاسل کی نوعیت۔
۴۔ کیا طریق غزالیہ کے علاوہ بھی حصول احسان کی کوئی راہ ممکن ہے۔
۵۔ "رجال اللہ" کی سہ گانہ تقسیم شیخ اکبرؒ کی تشریحات میں۔
۶۔ تیسرے گروہ "رجال اللہ" کے سلبی و ایجابی علامات!
۷۔ شیخ اکبر کی نظر میں تیسرا گروہ ہی سب سے زیادہ قابل تعریف ہے۔
۸۔ بیعت کی قسمیں شاہ رفیع الدینؒ کے نقطہ نظر سے۔
(الف) بیعت معیشت
(ب) بیعت وسیلت
(ج) بیعت شریعت
(د) بیعت طریقت
(ہ) بیعت حقیقت
۹۔ حقیقت تک رسائی بلا رہبر کے ممکن نہیں۔
۱۰۔ حضرت گیلانی کا مقصود تصنیف

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوّف اور اُس کے دو طریقے

کیا تصوّف بدعت ہے

حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عبقات میں اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے۔

لیس الاجتہاد عندنا منحصراً فی الفقہ المصطلح بل لہ عموم فی کل فن لنعم لکل اہل فن طریق علیحدۃ فی الحاق المسکوت بالمنطوق (عبقات ص ۱۳۲)

اجتہاد کا کاروبار ہمارے نزدیک صرف اسی فن کے ساتھ مختص نہیں ہے جس کا اصطلاحی نام فقہ رکھ دیا گیا ہے۔ بلکہ ہر (دینی) فن میں لوگوں نے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ البتہ شریعت میں جن امور کی تصریح کی گئی ہے ان کے ساتھ ان مسائل اور قوانین کو مربوط کرنے میں جن کا تصریحی ذکر شرعی نصوص میں نہیں ملتا یعنی مسکوت کو منطوق کے ساتھ مربوط کرنے میں ہر فن کے لوگوں کا خاص خاص طریقہ ہے۔

اور یہ وہی بات ہے جسے علامہ شعرانی بصری کے حوالے سے حاشیہ میں نقل کرچکا ہوں مولٰینا شہیدؒ نے اسی بنیاد پر لکھا ہے کہ "فقہاء" کے پیدا کیے ہوئے قیاسی نتائج کو تو شرعی علوم میں شمار کیا جاتا ہے لیکن آئمۂ صوفیہ نے شرعی نصوص ہی سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے ان پر "بدعت" وغیرہ کے الفاظ کا اطلاق آخر کیسے درست ہوسکتا ہے۔ اسی موقع پر یہ لکھنے کے بعد کہ

فجمیعہا علوم شرعیۃ وائمتہا مویدون من الغیب ومقلدوہم متبعون للحق۔

یعنی فقہ ہو، یا تصوّف یا کلام یہ سارے علوم شرعی علوم ہی ہیں۔ اور ان دینی علوم کے سارے

Marfat.com

آئمہ کی تائید غیب سے کی گئی ہے ان کی تقلید کرنے والے حق ہی کے پیرو ہیں

پھر "ملا اور صوفی" کے ان خرخشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولینا شہید نے لکھا ہے۔

وانکار اهل فن علی اهل فن اخر نیشاء عن الغفلة بمقاصدهم ومبادیهم وطریق قیاسهم فینسبون تارة مسائلهم التی فرعوها الی البدعة۔ (ص ۱۳۲)

مذکورہ بالا دینی علوم جن میں تصوف بھی شریک ہے ان میں سے کسی فن والے دوسرے فن والوں کا جو انکار کرتے ہیں (مثلاً ملا صوفیوں پر معترض ہیں یا صوفیہ ملاؤں سے روٹھے رہتے ہیں) یہ ساری باتیں صرف غفلت سے پیدا ہوئی ہیں یعنی ہر فن والے کی دوسرے فن والوں کے مبادی اور مقاصد سے ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے اسی لیے (مولوی لوگ صوفیہ کی باتوں کو) کبھی کبھی بدعت کہہ دیتے ہیں۔

مولینا شہیدؒ نے اسی کے بعد بالکل صحیح فرمایا ہے کہ تصوف ہی کی کیا خصوصیت ہے فقہ کے بھی سارے مسائل کا صراحتہً ذکر شرعی نصوص میں نہیں پایا جاتا لیکن تصریحی مسائل کو پیش نظر رکھ کر ائمۂ فقہ نے جیسے غیر مصرحہ مسائل پیدا کیے ہیں ائمۂ صوفیہ نے بھی یہی کیا ہے۔

لا شك ان فروع کل فن لیست مصرحة عن صاحب الشرع۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر فن کے جزئیات (مثلاً فقہی مسائل) کا بہت بڑا حصہ ایسا ہے جنکے متعلق صاحب شریعت سے صراحتہً حکم منقول نہیں ہے

بلکہ اجتہاد سے کام لے کر منصوصات شرعیہ سے بطور نتیجہ کے ان کو پیدا کیا گیا ہے پھر جب فقہی جزئیات کو بدعت کہنا جیسے صحیح نہیں ہے اسی طرح صوفیہ کے پیدا کیے ہوئے اجتہادی نتائج پر بے دھڑک "بدعت کا" ہتھیار چلا دینا، خود سوچنا چاہیئے کہ کس حد تک درست ہو سکتا ہے۔

جو حیثیت فقہ اور فقہا کی ہے وہی حیثیت تصوّف اور صوفیار کی ہے

کچھ بھی ہو، چاہے بیان و تفصیل کی صلاحیت سلیقہ مندی عوام میں نہ ہو، لیکن عموماً مسلمانوں میں سمجھا یہی گیا کہ دینی دائرے میں جیسے فقہ اور فقہا کے

Marfat.com

اجتہادی وقیاسی مسائل داخل ہیں یہی حیثیت تصوف اور صوفیاء کی بھی ہے اور بقول مولینا شہید رحمۃ اللہ علیہ فقہ میں ......

کا التفرق بین فقہاء الشیعۃ واھل السنۃ — جیسے شیعہ فقہا اور اہل سنت فقہا میں فرق سمجھا جاتا ہے۔

یعنی جیسے اہل سنت کے فقہاء کو حق پر اور شیعی فقہا کو سمجھا جاتا ہے کہ حق پر نہیں ہیں اسی طرح صوفیوں میں بھی سمجھا جاتا ہے کہ ان میں بھی سب ہی حق پر نہیں ہیں۔ مثال دیتے ہوئے مولینا نے سمجھایا ہے کہ صوفیوں میں۔

وبین من یستعین فی مراقباتہ بالخمور والمسکرات وبین من یستعین فیہا بالاذکار والصلوٰۃ وبین من یعالج عجب القلب بترک شعار الشرع وبین من یعالجہ بملاحظۃ المعاصی او القصور فی الطاعات (ص ۱۳۳)

بعض لوگ اپنے مراقبات میں شراب اور نشہ آور چیزوں سے مدد حاصل کرتے ہیں اور بعض لوگ اذکار و نماز سے اسی فائدے کو حاصل کرتے ہیں یا شرعی مطالبات کو چھوڑ کر ان میں بعض لوگ نخوت و غرور کے جذبات کا علاج کرتے ہیں یعنی نماز روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں اور اسی مقصد کو بعض لوگ اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں۔

الغرض جو حیثیت فقہ اور فقہاء کی مسلمانوں کی عام نظروں میں تھی، تصوف اور صوفیہ کی حیثیت بھی یہی رہی نہ مولویوں ہی کی چیخ پکار کی صوفیہ کے مقابلہ میں پروا کی گئی نہ فقہ اور فقہا کا جو صحیح قدرتی مقام تھا وہ چھینا جا سکا۔ اگرچہ صوفیوں کی طرف سے کہنے والے کہتے رہے۔

ع در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را

اختلاف سلاسل کی نوعیت

اور ٹھیک جیسے فقہ میں باوجود اختلافات کے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی مکاتب خیال اہل السنت یا اہل حق ہی کے مکاتیب خیال سمجھے جاتے ہیں اسی طرح قادری، نقشبندی، سہروردی اور چشتی وغیرہ صوفیوں کے ان مختلف طرق وسلاسل کے متعلق یہی باور کیا جاتا ہے کہ ان میں ہر طریقہ صحیح اور درست ہے اختلافات جو کچھ بھی صوفیوں کے ان مختلف طریقوں میں پائے جاتے ہیں ان کا تعلق صاحب طریقہ کے فطری رجحانات

Marfat.com

یا ان لوگوں کے خصوصی حالات سے ہے جن میں پہلے پہلے یہ طریقہ مروج ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفہیمات الٰہیہ میں طریقہ نقشبندیہ کا ذکر کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ

ان الشیخ بہاؤالدین نصب مجدداً للاحسان فی ارض الترک وکانوا اقوی البہیمۃ وکان ھو مجذوباً قد قبل سرہ الملکی نوراً الٰہیاً وتدلیا فتولد من نسبتہ وتربیتہ طریقۃ مفیدۃ غایۃ الافادہ۔ (تفہیمات ج ۱ ص ۸۶)

شیخ بہاؤالدین (طریقۂ نقشبندیہ کے امام) ترکوں کی سرزمین میں مقام احسان کی تجدید کے لیے مقرر کیے گئے تھے ترک قوم میں بہیمی قوت بہت زیادہ زوردار تھی حضرت شیخ مجذوب تھے (یعنی حق تعالیٰ کے لطف خفی نے ان کا انتخاب کرلیا تھا) اور ان کے ملکی ستر نے الٰہی نور اور تدلی کو قبول کرلیا تھا۔ اسی لیے آپ کی نسبت اور آپ کی تربیت کا جو خاص قاعدہ تھا اسی سے ایک ایسا مفید طریقہ نکل آیا جو حد سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوا۔

اگر غور کیا جائے تو اسی قسم کے اسباب کا سراغ صوفیہ کے دوسرے طریقوں میں بھی چلایا جاسکتا ہے میرے سامنے اس وقت مسئلہ کی تفصیل نہیں ہے بلکہ کہنا یہی ہے کہ "صوفی اور ملا" کے قصوں کے ختم کرنے میں میرا خیال ہے کہ اس رات کی حیثیت ایک خاص تاریخی رات کی ہے جس میں اپنی آنکھوں سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیوں کے ایک سرخیل حارث محاسبی اور ان کے رفقاء کے حال و رقال دونوں کا معائنہ فرمانے کے بعد اپنے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا جس سے غریب صوفیوں کے متعلق پھیلی ہوئی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگیا۔ لیکن کہتے ہیں، خطیب نے تاریخ بغداد میں اس تاریخی رات کے متعلق جو روایت درج کی ہے اس کے آخر میں ہے کہ وہی اسمٰعیل بن اسحٰق السراج جن کے مکان پر حارث محاسبی اور ان کے رفقاء امام احمد کے اشارے سے جمع کیے گئے تھے اپنے ان ہی شاگرد اسمٰعیل کو مذکورہ بالا باتوں کے بعد حضرت امام نے یہ ہدایت بھی کی تھی۔

وعلی ما وصفت من احوالھم فانی لا اری لک صحبتھم (ج ۸ ص ۲۱۵ تاریخ بغداد)

یعنی حارث محاسبی اور ان کے ساتھیوں کے حالات کے متعلق میں نے جو کچھ بیان کیا (وہ تو تم نے سن لیا لیکن باایں ہمہ) ان لوگوں کی صحبت میرا خیال

Marfat.com

یہی ہے کہ تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔

یہی فقرہ جو خطیب والی روایت میں امام احمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ صوفیوں کی طرف سے جن کے دلوں میں گرانیاں ہیں ظاہر ہے کہ وہ تو قدرتاً اسی نتیجہ کو اس فقرے سے نکالیں گے کہ امام نے حارث اور ان کے رفقاء کے طریقہ کو پسند نہیں کیا۔ اسی لیے اپنے شاگرد اسمٰعیل السراج کو ان لوگوں کی صحبت سے دور رہنے کا حکم دیا، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اسی صورت میں اسی روایت کے ان اجزاء کا کیا مطلب ہوگا۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث اور ان کے رفقاء کے قال وحال دونوں ہی سے حضرت امام غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے اور کتنے زیادہ متاثر؟ آپ سن چکے کہ حضرت والا پر روتے روتے غشی طاری ہوگئی۔ میں نہیں خیال کرتا کہ اگر ان صوفیوں کا قال وحال اسلامی دائرہ سے باہر تھا تو امام جیسے محتاط بزرگ کا اس سے اثر پذیر ہونا ممکن بھی تھا۔ بلکہ ناواقفیت کی وجہ سے جیسے حضرت امام کے معاصر امام ابوزرعہ حارث محاسبی اور ان کے ہم مذاق بزرگوں کے طرزِ عمل اور ان کے اقوال یا کتابوں کو بدعات یا ضلالات قرار دے رہے تھے۔ امام احمد بن حنبل بھی یقیناً کچھ اسی قسم کا فتویٰ صادر فرماتے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ بجائے اس کے خود امام پر ان صوفیوں کے حال وقال سے گویا وہی کیفیت طاری ہوگئی جس کی تعبیر حال ہی کے لفظ سے صوفیہ میں عموماً کی جاتی ہے۔

قطعی طور پر تو مجھے کہنے کا حق نہیں ہے، بولنے والا ہی صحیح معنوں میں بتا سکتا ہے کہ جو کچھ اس نے کہا تھا اس کا واقعی مطلب کیا تھا؟ لیکن جہاں تک قرائن وقیاسات کا اقتضاء ہے اپنی سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ محاسبی اور اس کے رفقاء کار کی دینی زندگی کا جو معیار اس تاریخی رات کے چشم دید مشاہدات نے امام احمد کے سامنے قائم کر دیا تھا۔ اسمٰعیل السراج کے خاص حالات کے لحاظ سے امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی دینی زندگی کو ان کے لیے مناسب خیال نہیں فرمایا۔ اسی لیے ان لوگوں کی صحبت سے احتراز کا حکم آپ نے دیا[1]

---

[1] میرا مقصد یہ ہے کہ خطیب ہی نے تاریخ بغداد میں اسمٰعیل السراج کے حالات میں لکھا ہے کہ نیشاپور جو ان کا وطن تھا وہاں سے منتقل ہو کر بغداد آگئے تھے جہاں معاش کے لیے تجارت اور حدیث کے درس وتدریس کو دینی مشغلہ بنا رکھا تھا۔ اسی کے مقابلہ میں محاسبی کا رنگ یہ تھا خطیب ہی نے اس کا تذکرہ ان کے حالات کے ذیل میں کیا ہے کہ اپنے والد سے وراثت میں لاکھوں لاکھ دراہم کے مالک ہوگئے تھے، مگر بعض اعتقادی مسائل میں والد سے چونکہ اختلاف رکھتے تھے اس لیے لکھا ہے کہ ——

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

طریق غزالیہ کی مشکلات

بہر حال محاسبی اور ان کے ہم مذاق صوفیوں نے دینی زندگی کا جو بلند معیار قائم کیا تھا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہی لوگوں کی کتابوں کو پیش نظر رکھ کر احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ مرتب کی تھی اسی طرلقیہ کی تعبیر شیخ مرشدی نے جیسا کہ ابتداء کتاب میں آئے گا طریقیہ غزالیہ کے عنوان سے کی تھی دینی زندگی کی یہ ایک ایسی راہ ہے جس پر چلنے والوں کے لیے نہ معاشی مشغلوں ہی کے لیے زیادہ وقت نکل سکتا ہے اور نہ شرعی علوم مثلاً قرآن وحدیث وفقہ وغیرہ کی خدمت کا موقع صحیح معنوں میں ان مشاغل کے ساتھ میسر آسکتا ہے اگرچہ اس قسم کی یکسوئی تصوف کے طریقیہ غزالیہ ہی کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ دین تو دین واقعہ یہ ہے کہ جن علوم وفنون کا تعلق صرف دنیا ہی سے ہے مثلاً سائنس ہو یا کیمیا، تاریخ ہو یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ما اخذ منه حبة واحدة وقال اهل ملتين لا يتوارثان (ص ۲۱۴ ج ۸) — ایک حبہ بھی والد کی متروکہ دولت سے حارث نے نہ لیا کہتے تھے کہ دو ملت والوں میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

بیان کیا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حارث کی اس مالی قربانی اور استغنا کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنیاد پر گواہی بھی دیا کرتے تھے کہ محاسبی نے اس متروکہ دولت پر جس زمانہ میں لات ماری اس وقت وہ لمحتاج الی دانق فضة — چاندی کے چھوٹے سے چھوٹے سکے کے محتاج تھے۔

حضرت جنید کے حوالہ سے خطیب نے ایک طویل روایت درج کی ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ حارث ہمیشہ فقر وفاقہ میں مبتلا رہتے تھے ایک دن ان کے سامنے جب وہ آئے تو چہرے سے معلوم ہوا کہ وہ بہت بھوکے ہیں حضرت جنید نے عرض کیا اگر میں کچھ کھانا حاضر کروں تو اس کی اجازت ہے؟ اجازت تو مل گئی لیکن مہمان کے اکرام کا خیال کرکے بجائے اپنے گھر کے حضرت جنید نے اپنے چچا کے ہاں سے مختلف قسم کے کھانوں سے سجا ہوا خوان لاکر پیش کر دیا ان کے چچا ایک دولتمند آدمی تھے عموماً ان کے باورچی خانہ میں طرح طرح کے کھانے تیار رہتے تھے لیکن جوں ہی کہ یہ خوانچہ حارث کے سامنے لایا گیا دیکھا گیا کہ ایک لقمہ کو لے کر منہ میں گھماتے رہے لیکن نگل نہ سکے اور کھڑے ہو گئے، دروازہ پر پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا۔ حضرت جنید نے جب دریافت کیا تو بولے کہ

"بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔" (ص ۲۲۴ ج ۸)

Marfat.com

فلسفہ، دیکھا جا رہا ہے کہ جب تک ہر طرف سے یکسو ہو کر ان ہی میں ڈوب جانے والے انہماک کے ساتھ ڈوب نہیں جاتے ہیں معیاری کمال تک ان علوم میں بھی اپنے آپ کو نہیں پہنچا سکتے منتہو ہی ہے کہ سب کچھ جب تک نہیں دیا جاتا اس وقت تک کچھ حصہ بھی علم کا حاصل کرنا دشوار ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسناد کا مقام ہر علم میں بعضوں ہی کو حاصل ہو سکا ہے۔ بھروسہ اور اعتماد ان ہی لوگوں پر کیا جاتا ہے اسی کا نام تقلید ہے [۱]

سچ تو یہ ہے کہ تصوف کی نوعیت بھی اگر وہی ہوتی جو فقہ و کلام تفسیر و حدیث وغیرہ علوم کی ہے تو اس میں کچھ حرج نہ تھا کہ ہم اس راہ میں بھی تصوف کے مستند ماہرین اور ان ماہرین کے نکالے ہوئے نتائج کی تقلید پر قناعت کر لیتے۔ جیسے دین و دنیا کے دوسرے علوم میں ہم تقلید ہی سے کام لے رہے ہیں۔ لیکن تصوف صرف علم ہی تو نہیں ہے بلکہ علم کے ساتھ ساتھ دین کی معیاری زندگی تک اپنے آپ کو پہنچانے کے لیے اس میں عمل کی بھی ضرورت ہے اب ظاہر ہے کہ طریقہ غزالیہ جو حارث محاسبی اور ان ہی جیسے بزرگوں کی راہ ہے اس کے مطابق اپنی عملی زندگی کو ڈھالنے میں وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو ہر طرف سے یکسو ہو کر اسی میں غرق ہو جائے عموماً اس راہ میں امتیاز ان ہی شخصیتوں کو حاصل بھی ہوا ہے۔ جن کی زندگی میں یکسوئی کا رنگ پیدا ہو گیا تھا اسی بنیاد پر بظاہر یہی خیال گزرتا ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں اسماعیل السراج کو آخر میں محاسبی اور ان کے رفقاء کی صحبت سے الگ رہنے کا جو حکم دیا تھا اس کی وجہ شاید یہی ہو کہ اس رنگ میں رنگ جانے کے بعد اسماعیل اسی کے ہو رہتے۔ اپنے بال بچوں کی پرورش تجارت کی راہ سے جو وہ کر رہے تھے اسی معاشی ذریعہ سے بغداد

---

[۱] تقلید درحقیقت آدمی کے جہل کی ایک قدرتی ضرورت ہے۔ فقہ ہی کی حد تک تقلید کو محدود خیال کرنا ایک جاہلانہ غلط فہمی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فقہ کے سوا، دوسرے دینی علوم مثلاً حدیث و تفسیر کلام سب ہی میں مقلد بننے پر عوام مجبور ہیں آخر امام بخاری کسی حدیث یا حدیث کے راوی کے متعلق جو فیصلہ صادر کر چکے ہیں کیا ان کے اس فیصلہ کو مسترد کرنے کی جرأت ہر عامی مسلمان کر سکتا ہے، یعنی وہی جس نے علم حدیث اور فن روایت کی تحقیق و تنقیح میں وہی کام نہ کیا ہو جو امام رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے اور یہی حال دوسرے دینی علوم کا ہے اور دینی علوم ہی کیا؟ لوگ ڈاکٹروں طبیبوں کے علاج و معالجہ میں تقلید ہی نہیں کرتے ہیں تو اور کیا کرتے ہیں جس نے طب کی تعلیم نہیں پائی ہے وہ کرے کیا؟ اگر اطباء کی تقلید نہ کرے تو کیا خودکشی پر راضی ہو جائے۔

Marfat.com

ہیں فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس مشغلہ سے بھی ان کا تعلق کمزور ہو جاتا اور دین کی خدمت اسی بغداد میں درس حدیث کی راہ سے جو انجام دیتے تھے اس خدمت کے مواقع بھی ان کے لیے ختم ہو جاتے گویا سمجھنا چاہیے کہ حضرت امام نہیں چاہتے تھے کہ دنیا اور دین کے اس کاروبار سے اسمٰعیل بے تعلق ہو جائیں اور اسی لیے طریقۂ غزالیہ والے ان صوفیوں کی صحبت آپ کے نزدیک اسمٰعیل السراج جیسے مشغول آدمی کے لیے مناسب معلوم نہ ہوئی۔

کیا "طریق غزالیہ" کے علاوہ بھی حصولِ احسان کی کوئی راہ ممکن ہے؟

مگر سوال یہی ہوتا ہے کہ دین کی معیاری زندگی کا نام "احسان" ہے یا دوسرے لفظوں میں چاہیے تو کہہ سکتے ہیں کہ دین کی حیثیت آدمی کے لیے صرف قانون ہی کی نہ رہ جائے بلکہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا احسانی تعلق قائم ہو جائے۔

یا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ کو سمجھاتے ہوئے ہوامع شرح حزب البحر میں یہ جو ارقام فرمایا ہے کہ جیسے برف کے ڈلے کو ہانڈی میں رکھ کر آگ پر چڑھا دیا جائے تو بتدریج برف گھلتے ہوئے پانی بن جاتا ہے اور پانی بھی آہستہ آہستہ بھاپ کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے تاآنکہ وہی برف جو پتھر کی طرح سخت اور ٹھوس تھا گرمی پہنچانے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ

ہوائے خالص گشت — ہوا بن کر اڑ گیا۔

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ کچھ یہی رنگ انسانی نفوس کا بھی ہے کہ یہی عام نفوس ابتدائی حالات سے منتقل ہوتے ہوئے ترقی کر کے ایک ایسے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں جہاں پہنچنے کے بعد یہی نفوس انسانی

درسطح عرش متلاشی و انانیت خود را فراموش ساخت — عرش کی سطح میں گم ہو جاتے ہیں جہاں اپنی انانیت کا شعور آدمی میں نہیں رہتا گویا اپنی ذات کے شخصی شعور کو وہ بھول گیا۔

شاہ صاحب کا بیان ہے کہ برف سے ہوا بننے تک جیسے پانی کو مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا ہے اسی طرح انانیت فراموشی یعنی آدمی میں اپنی داشت یا انانیت کا شعور باقی نہ رہے اس درجہ تک انسانی نفوس بھی مختلف حالات سے گزرتے ہوئے ہی پہنچتے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں کہ

ایں تدریجات ارادیہ مسمی بہ سلوک است و آں — سلوک (جو صوفیوں کی عام اصطلاح ہے) اس سے

Marfat.com

حالات مختلفہ مسمی بہ نسبتہا است (صـ۳۱ ہوامع) مراد۔ نفوس کی یہی تدریجی ترقیاں ہیں اور "نسبت" کی اصطلاح سے صوفیہ کا اشارہ ان حالات ہی کی طرف ہے جن سے ان کے نفوس کو اس راہ میں گزرنا پڑتا ہے۔

انہوں نے ان ہی صوفیانہ نسبتوں کو سمجھاتے ہوئے لکھا ہے کہ

حالتے ہست کہ مسمی بہ عشق باشد وحالتے ہست کہ مسمی باستغراق ویاد داشت باشد وحالتے ہست مسمی بہ التجا وصدق وانقیاد وحالتے ہست تخلق باخلاق اللہ (صـ۳۱ ہوامع)

(سلوک کی راہ میں نفوس کو جن حالات سے گزرنا پڑتا ہے اصطلاحاً جن کی تعبیر "نسبت" کے لفظ سے صوفیوں کے ہاں کی جاتی ہے) ان ہی حالات میں ایک حال کا نام عشق ہے، ایک کا استغراق اور یاد داشت نام ہے اسی طرح التجا، صدق (سچائی) انقیاد (سرافگندگی) وغیرہ نام بھی ان ہی پیش آنے والے حالات کے ہیں۔ تخلق باخلاق اللہ (یعنی اپنے خالق کے اخلاق وصفات سے آراستہ ہو جانا) ایک نام ان ہی حالتوں میں سے ایک حال کا ہے۔

تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان ہی صوفیانہ نسبتوں کو حاصل کر کے سلوک کی راہ طریقۂ غزالیہ کے سوا کیا کسی اور طریقہ سے بھی طے کی جا سکتی ہے؟ دوسرے لفظوں میں چاہے تو کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے دوسرے دینی ودنیوی کاروبار میں مشغول رہتے ہوئے بھی کیا ان بیچاروں کے لیے بھی اس کا امکان ہے کہ وہ سلوک کی راہ طے کر کے دینی زندگی کے اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں جس کی تعبیر حدیثوں میں "الاحسان" کے لفظ سے کی گئی ہے اور قرآن مجید میں "المحسنون" کے لفظ سے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے مراد وہی لوگ ہیں جن کی دینی زندگی ستھری ہو کر حسن وجمال کے اس مقام تک ترقی کر جاتی ہے جس کا نام "الاحسان" ہے۔

سیدھے اور سادہ الفاظ میں گویا میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صوفی بننے اور صوفیۂ سلوک کی جس راہ کو طے کر کے جن نسبتوں کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں کیا ان ہی نسبتوں کے حصول کی گنجائش ان لوگوں کے لیے بھی پائی جاتی ہے۔ جو کسی وجہ سے دین اور دنیا کے عام مشاغل اور دھندوں سے اپنے

Marfat.com

حالات کی وجہ سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتے۔

رجال اللہ کی سہ گانہ تقسیم، شیخ اکبرؒ کی تشریحات میں

رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله (کچھ لوگ ہیں جنہیں تجارت اور بیع وفروخت کے مشغلے اللہ کی یاد سے غافل ہونے نہیں دیتے۔)

کا مطلب طبقۂ صوفیہ کے اکابر و اساطین نے جو بیان کیا ہے سب تو نہیں بلکہ اس سلسلہ میں بعض بزرگوں کی تصریحات کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

یوں تو اب تک جو کچھ عرض کر چکا ہوں اسی سے سمجھ لیا ہو گا کہ طریقۂ غزالیہ کے سوا بھی کوئی راہ اس باب میں کھلی رکھی گئی ہے شیخ مرشدی اور شاہ ولی اللہ جیسے مستند حضرات کے اقوال آپ سن چکے لیکن ان بزرگوں کے اشاروں میں اجمال کا رنگ غالب تھا اس اجمال کی تفصیل ممکن ہے مندرجہ ذیل شہادتوں میں مل سکتی ہو۔

سنیے کسی مولوی مُلّا کا بیان نہیں بلکہ جس کی ہستی تصوف اور صوفیہ کے دائرہ میں ایک ایسی حیثیت حاصل کر چکی ہے کہ موافقین ہی نہیں بلکہ مخالفین بھی تصوف اور صوفیہ کا تصور ان کی شخصیت کے تصور کے بغیر شاداب کر نہیں سکتے۔ میرا اشارہ شیخ ابن عربی الاندلسی انطا کی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے جو اپنوں میں شیخ اکبر کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور غیروں میں خواہ ان کو کچھ بھی سمجھا جاتا ہو لیکن تصوف کے باب میں بہر حال ان کا قول ان غیروں پر بھی چاہیئے تو یہی کہ حجت ہو۔

انہی شیخ نے اپنی مشہور کتاب فتوحاتِ مکیّہ کی جلد ثانی باب ۳۰۹ میں "رجال اللہ" یعنی "مردان خدا" کی مختلف خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ

ان رجال اللہ ثلاثة لا رابع لهم — مردان خدا کی تین قسمیں ہیں ان کے سوا کوئی چوتھی جماعت ان میں پائی نہیں جاتی۔

پہلا طبقہ

پھر اپنے الفاظ میں ان میں سے ہر ایک طبقہ کا حال بیان کیا ہے پہلی قسم کی خصوصیتوں کو ظاہر کرتے ہوئے شیخ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

ان لوگوں پر زہد (ترک دنیا) اور دنیاوی لذتوں سے علیحدگی کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے۔

سارے اچھے کام جن کی شریعت میں تعریف کی گئی ہے ان کی تعمیل کرتے ہیں اسی طرح اپنے

باطن کو بھی ان صفات سے پاک رکھنے کی کوششوں میں مشغول رہتے ہیں جن کی شریعت میں مذمت کی گئی ہے۔

مگر اسی کے ساتھ جیسا کہ شیخ ہی نے بیان کیا ہے:-

"مذکورہ بالا ظاہری اعمال معنوی صفات و اخلاق کی تصحیح کے سوا احوال و مقامات اور وہبی و لدنی علوم و معارف، اسرار و مکاشفات وغیرہ جیسی چیزوں کے متعلق کسی قسم کی واقفیت ان میں نہیں پائی جاتی۔"

شیخ نے لکھا ہے کہ "رجال اللہ" یا "مردان خدا" کے اسی طبقہ کو

یقال لھم العبّاد عبّاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

عبّاد یا عبادت گزاروں کی اس جماعت کی ایک خصوصیت شیخ کے بیان کے مطابق یہ بھی ہے کہ "دعا کرانے کے لیے ان کے پاس جب کوئی آتا ہے تو عموماً اسے جھڑک دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ بھائی! میری کوئی حقیقت بھی ہو، بھلا اس قابل کب ہوں کہ کسی کے لیے دعا کروں۔"

لکھا ہے کہ یہ طریقہ حاجت مندوں کے سامنے اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ خود پسندی خود بینی کے جذبات کے ابھرنے کا خطرہ ان کے پیش نظر رہتا ہے ہر وقت نفس کی بُری خواہشوں اور نکوہیدہ اقتضاآت کے استیلاء کا خوف ان کے دل پر غالب رہتا ہے ریاکاری خود نمائی ان کی دینی زندگی میں کہیں شریک نہ ہو جائے اس سے وہ ڈرتے ہیں۔

آخر میں شیخ نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے کہ:-

"عموماً اس طبقہ کے لوگوں کو تم دیکھو گے کہ ایسی کتابیں جیسی کہ محاسبی کی "کتاب الرعایۃ"[1] وہ اس کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔"

---

[1] شیخ نے نام تو امام غزالی کی کتابوں کا اس موقع پر نہیں لیا ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ محاسبی ہی کے نقش قدم پر امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابیں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ مرتب کی ہیں یہی وجہ ہے کہ امام کی ان کتابوں کے شائع ہو جانے کے بعد اس سلسلہ کی کتابوں کا مطالعہ لوگوں نے ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اپنی عالمانہ مہارتوں سے کام لے کر جیسا کہ شروع کتاب ہی میں عرض کیا گیا ہے امام نے ان ساری کتابوں کا بہترین خلاصہ اپنی کتابوں میں درج کر دیا تھا۔ طریقہ بیان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دوسرا طبقہ

العبّاد (عبادت گزاروں) کے اس طبقہ کے بعد رجال اللہ (مردان خدا) کی دوسری قسم کی نشاندہی کرتے ہوئے شیخ نے لکھا ہے کہ :

" عبّاد کی مذکورہ بالا جماعت سے بلند درجہ رجال اللہ کی دوسری قسم کا ہے جن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ کائنات کی ساری کارفرمائیوں میں وہ دیکھتے ہیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو رہا ہے ان میں یہ احساس قائم ہو جاتا ہے کہ خود کسی قسم کے فعل سے قطعاً ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔"

شیخ کا بیان ہے کہ منطقی نتیجہ ان کے اس احساس اور دریافت کا یہ ہوتا ہے کہ :۔

زال عنهم الرياء جملة واحدة ریاکاری اور خودنمائی کا کوئی سوال ہی ان کے سامنے باقی نہیں رہتا ۔

کسی فعل اور کام میں جب اپنی خودی کا احساس ہی انسان سے غائب ہو جاتا ہے ۔ سب کچھ اللہ ہی کر رہا ہے، یہی ان کی یافت اور ان کا وجدان بن جاتا ہے تو اپنے آپ کو دکھانے یا ''ریا'' کرنے کے خیال کی گنجائش ہی ان کے کاروبار میں کیا باقی رہتی ہے ۔

شیخ نے لکھا ہے کہ شرعی اعمال وافعال اور دینی مطالبات کی تعمیل میں ان کی جدوجہد اور کدوکاوش کی نوعیت وہی ہوتی ہے جو نوعیت رجال اللہ کے پہلے طبقہ کی اس راہ میں ہوتی ہے ترک دنیا، پرہیزگاری، پارسائی، توکل، اور ان کے سوا دوسرے امور جو اس راہ کی عام باتیں ہیں ان سب میں یہ وہی سب کچھ کرتے ہیں جس کا پہلا طبقہ (عبّاد) پابند ہوتا ہے ۔

مگر توحید افعالی یعنی آدمی کے اندر اور باہر جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب اللہ ہی کے حکم اور ارادہ واذن سے ہو رہا ہے اس کیفیت میں استغراق کا نتیجہ جیسا کہ شیخ نے لکھا ہے یہ ہوتا ہے کہ سلوک کی راہ پر چلنے والے جب ان پر پیش آنے والی دشواریوں کو پیش کرتے ہیں تو لاپرواہی کے ساتھ ان کو اس قسم کی قرآنی آیتیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

بھی ان کا جیسا کہ چاہیئے حد سے زیادہ دلنشین اور دل آویز تھا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابن عربی کے زمانہ تک تو محاسبی وغیرہ کی کتابیں بھی لوگوں کے استعمال میں تھیں لیکن اب تو کتب خانوں میں بھی قلمی نسخے کتاب الرعایۃ وغیرہ جیسی کتابوں کے مشکل ہی سے مل سکتے ہیں ۔

Marfat.com

سنا سنا کر ٹال دیا کرتے ہیں مثلاً

اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین۔ (الانعام) — کیا اللہ کے سوا غیر کو پکارتے ہو اگر تم سچوں میں ہو۔

یا پڑھ دیتے ہیں

قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون (الانعام) — بول ! اللہ، اور چھوڑ دے ان کو اپنی سخن سازیوں کے ساتھ کھیلنے کے لیے۔

شیخ نے لکھا ہے کہ اسی کے ساتھ رجال اللہ کے پہلے طبقہ یعنی العباد میں اور اس دوسرے طبقہ کے رجال اللہ میں ایک فرق یہ بھی ہوتا ہے کہ عباد کی طرح وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ جس حال میں وہ ہیں اس کے سوا اور کچھ ہے بلکہ

یرون ان شیئاً فوق ماھم علیہ من الاحوال والمقامات والعلوم والاسرار والکشوفات والکرامات — وہ سمجھتے ہیں کہ جس حال میں وہ ہیں اس سے بھی بلند تر مدارج ہیں جن سے ان احوال اور مقامات علوم واسرار اور مکاشفات کا تعلق ہے (جو اہل اللہ کی طرف منسوب ہیں)

چونکہ وہ ان چیزوں کے منکر نہیں ہوتے اس لیے بقول شیخ رجال اللہ کے اس دوسرے گروہ کے اندر ذوق ان چیزوں کا پایا جاتا ہے اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کو بھی وہ حاصل کریں آگے شیخ ہی کا بیان ہے کہ کد وکاش سے اس سلسلہ کی کوئی چیز اگر ان کو مل جاتی ہے تو بجائے چھپانے اور مخفی رکھنے کے وہ

ظھروا بہ فی العامۃ من الکرامات — اپنی کرامتوں کو عام لوگوں میں ظاہر کرتے ہیں [1]

چونکہ نقطۂ نظر ہی ان کا بقول شیخ یہ ہوتا ہے کہ

جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ میاں ہی کر رہے ہیں تو خدا کے کاموں کے چھپانے کی ضرورت ہی کیا ہے [2]۔

مطلب وہی ہے کہ اپنی خود نمائی اور خود بینی کا سوال ہی جب ان کے سامنے باقی نہیں رہتا تو خدا کی کارفرمائیوں کو چھپانے سے کیا فائدہ جو ذرہ ذرہ پتہ پتہ میں نمایاں ہیں۔

---

[1] یعنی ان کے اخفا کا اہتمام نہیں کرتے۔ (غ۔م)

[2] "کیونکہ اخفا (یعنی چھپانے) کا اہتمام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی غیر کا خیال باقی ہے"۔

وھذا قول المرشد العارف العلامہ السید سلیمان الندوی قدس سرہ (غ۔م)

Marfat.com

شیخ نے لکھا ہے کہ عوام الناس میں "صوفیہ" کے خاص نام سے رجال اللہ کا یہی طبقہ مشہور ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ گو

هم اهل خلق وفتوة — یہ بلند کردار اور جوانمردی والے لوگ ہیں۔ یہ ستودہ صفات اور عالی ہمت لوگ ہیں۔

تیسرا طبقہ

لیکن تیسرا طبقہ رجال اللہ یا مردان خدا کا وہ ہے جن کی خصوصیتوں کو شیخ نے اس کے بعد بیان کیا ہے اس تیسرے طبقہ یعنی "صوفیہ کے اس تیسرے گروہ کے متعلق یہ خیال پایا جاتا ہے کہ یہ لوگ

اصحاب رعونات واصحاب نفوس — یعنی رعونت یا خود پسندی سے کلیتہً پاک نہیں ہوئے ہیں اور یہ اصحاب نفوس ہوتے ہیں یعنی نفسانیت کا اثر ان میں باقی رہتا ہے[1]

لکھا ہے کہ اسی وجہ سے ان کے تلامذہ اور مریدوں کو دیکھا جاتا ہے کہ :-

یشمرون علی کل احد من خلق اللہ و یظھرون الریاسۃ علی عباد اللہ۔ — اللہ کی ہر مخلوق کے مقابلہ میں کمر کس کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ کے بندوں پر اپنی برتری جتاتے ہیں۔

تیسرے گروہ رجال اللہ کے سلبی و ایجابی علامات

شیخ نے اس سلسلہ میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہم اس گروہ کے آثار و علامات کو شیخ ہی کے کلام کی بنیاد پر دو حصّوں میں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی کچھ تو اس گروہ کے سلبی اور منفی صفات ہیں پہلے ہم ان ہی کو نمبروار درج کرتے ہیں۔ شیخ نے بھی پہلے ان ہی علامات کا ذکر کیا ہے جو یہ ہیں۔

(۱) نمازوں میں ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ پانچ وقت کے فرائض اور ان کی سنتیں جنہیں رواتب کہتے

---

[1] یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ خیال خود شیخ کا نہیں ہے شیخ کا قول آگے آرہا ہے کہ فھم طبقۃ العلیاء (سب سے اونچا طبقہ ان ہی لوگوں کا ہے) (غ۔م)

Marfat.com

ہیں بس ان نمازوں سے زیادہ نمازوں میں مشغول ہوتے ہوئے ان کو نہیں پایا جاتا۔

(۲) اور نمازوں ہی کی حد تک نہیں بلکہ سارے دینی مطالبات اور فرائض کے متعلق ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ عوام کے مقابلہ میں کسی قسم کا امتیاز ان کے طرز عمل سے پیدا نہ ہو گویا ایک عامی مسلمان ان فرائض کو جس طرح ادا کرتا ہے اسی طرح وہ بھی ان کو ادا کرتے ہیں اور مذہب کے ان مطالبات کی تکمیل میں اپنے آپ کو ان ہی عامیانہ حدود تک محدود رکھتے ہیں بلکہ ان ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

(۳) وہ عام لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور لوگوں سے بات چیت میں چاہتے ہیں کہ امتیاز کا رنگ بھی نہ پیدا ہو۔

(۴) اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر دیکھنے والی آنکھ ان کو اسی نظر سے دیکھے جیسے ایک عام آدمی کو دیکھتی ہے۔

(۵) لباس میں اسی وضع قطع کو اختیار کرتے ہیں جس کا رواج عام آبادی میں ہوتا ہے۔ جس شہر میں داخل ہوتے ہیں اس شہر کے عام لوگوں کے لباس کو قبول کر لیتے ہیں۔

(۶) مسجد میں اپنی نماز کے لئے کسی خاص مقام کا انتخاب نہیں کرتے بلکہ جہاں بھی جگہ مل جاتی ہے وہیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جمعہ کے دن خاص طور پر کوشش کرتے ہیں کہ ان کی کوئی خاص جگہ متعین نہ ہو جائے یہ لوگ عوام میں اپنے آپ کو کم کئے رہتے ہیں اور انہی میں گھلے ملے رہتے ہیں [۱]

ان سلبی اور منفی خصوصیتوں کے بعد رجال اللہ کے اس گروہ کے جن اثباتی اور ایجابی علامات کا ذکر شیخ نے کیا ہے اپنے الفاظ میں ان کو بھی ہم نمبر وار درج کرتے ہیں۔

(۱) دل میں اندر ہی اندر تنہا اللہ کے ساتھ اپنے آپ کو اس طریقے سے باندھے رکھتے ہیں کہ خدا کے سوا گویا ان کے اندر اور کچھ نہیں ہے۔

(۲) اس معاملے میں پوری قوت کے ساتھ اپنے قدم کو جماتے ہیں ایسا کامل رسوخ ان کو حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کو لاکھ ہلایا جائے لیکن ہل نہیں سکتے۔

---

[۱] پچھلی دو سلبی خصوصیتوں کا ذکر شیخ نے ان ہی لوگوں کے حالات کے ذیل میں دوسری جگہ کیا ہے۔ دیکھو فتوحات ج ۱ ص ۲۳۶ میں نے وہیں سے اخذ کر کے ان کو یہاں درج کر دیا ہے۔

Marfat.com

(۳) اپنے مالک اور معبود کے ساتھ بندگی کے علاقے اور رشتہ کو ہمیشہ تر و تازہ رکھتے ہیں، اس احساس سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے۔

(۴) خدا کی پروردگاری اور آقائی کے دباؤ اور وزن سے ان کے قلوب ہمہ دم مغلوب رہتے ہیں۔ خدا کے سامنے اپنی ہیچ میرزی، خاکساری، محتاجی، ذلت کا احساس ان میں ہر وقت ہر حال میں بیدار رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی برتری اور فضیلت کے خطرے کی گنجائش کا دروازہ ہی ان پر بند ہو جاتا ہے۔ بڑے بن کر جینے کی ہوک ان میں کبھی نہیں اٹھتی۔

(۵) مگر بایں ہمہ علل و اسباب کے جن قوانین کی پابند بنا کر یہ دنیا پیدا کی گئی ہے اس نظام کے احترام میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ اور جس کام کے لیے قدرت نے جس قانون کو مقرر کر دیا ہے اس کی طرف سے کبھی لاپرواہی اختیار نہیں کرتے اگرچہ کھانے پینے، سونے جاگنے، بات چیت کرنے الغرض ہر حرکت و سکون میں ان کی نظر کے سامنے یہ مشاہدہ بھی مسلسل قائم رہتا ہے کہ یہ سب جو کچھ بھی ہو رہا ہے خدا ہی کی طرف سے ہو رہا ہے (وہی کھلاتا ہے، وہی پلاتا ہے، وہی جگاتا ہے، وہی سلاتا ہے) لیکن بایں ہمہ جس چیز کے لیے جو سبب بھی مقرر کر دیا گیا ہے اس سبب کے اختیار کرنے میں وہ کامل احتیاط سے کام لیتے ہیں اسباب کی حکمتوں کو وہ خوب پہچانتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ قدرت کی طرف سے جس چیز کا سبب جس شئے کو بھی بنایا گیا ہے۔ اس میں خدا کی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔

شیخ اکبر کی نظر میں تیسرا گروہ ہی سب سے زیادہ قابل تعریف ہے

شیخ نے علاوہ اس باب کے فتوحات ہی کے دوسرے مقامات میں رجال اللہ کے اس گروہ کی ان ہی خصوصیتوں کا ذکر دوسرے الفاظ میں بھی کیا ہے۔[1]

اس مقام پر بھی اور دوسری جگہوں میں بھی اہل اللہ کے اس خاص گروہ کی مدح و ستائش میں آتنا کچھ

---

[1] خصوصاً قدرتی قوانین کے اقتضاؤں کی تکمیل میں لکھا ہے کہ ان کا مذاق کلیتہً وہی ہوتا ہے کہ جو عوام کا ہوتا ہے فرق ظاہر میں نہیں بلکہ باطن میں یہ ہوتا ہے کہ خدا اور بندوں کے درمیان اسباب کا یہی نظام عامیانہ مذاق کی رو سے پردہ بنا ہوا ہے اور رجال اللہ ان اسباب ہی کی راہ سے خدا کو پاتے ہیں۔ شیخ کے بعض فقرے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ فانہ من رفع السبب عن الموضع الذی وضعہ فیہ واضعہ وھو الحق فقد سفہ نفسہ وجھل قدرہ (یعنی سبب کو رکھنے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

لکھا ہے کہ سب کا نقل کرنا یہاں ناممکن ہے اس موقع پر دیکھئے مذکورہ بالا سلبی و ایجابی علامتوں کو بتانے کے بعد فرماتے ہیں:-

فهم الطبقة العليا و سادات الطريقة المثلیٰ والمكانة الزلفى في العدوة الدنيا والعدوة القصوى ولهم اليد البيضاء في المواطن و اهلها- (ص۴۷ ج۳ فتوحات)

(اہل اللہ ہیں) سب سے اونچا طبقہ ان ہی کا ہے یہی لوگ معیاری طریقہ کے سادات اور سردار ہیں۔ (حق سبحانہٗ تعالیٰ کے پاس) سب سے زیادہ قریب ہیں، نزدیک کے میدان میں بھی اور اس میدان میں بھی جو دور ہے ہر مقام اور اس کے مقام والوں کے جاننے اور پہچاننے میں بہترین دستگاہ رکھتے ہیں۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ رجال اللہ یا مردان خدا کے مذکورہ بالا و طبقات کے بزرگوں کو بھی شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ مردان خدا ہی میں شمار کرتے ہیں لیکن تیسرے طبقہ کے وہ سب سے زیادہ مداح ہیں مان بھی لیا جائے کہ یہ شیخ کا ذاتی مذاق ہو، لیکن اس سے اتنی بات تو بہر حال ثابت ہو جاتی ہے کہ خود صوفیوں میں بھی ایسے افراد گزرے ہیں جن کے نزدیک دین کے احسانی مقام تک ترقی کر کے پہنچنے کے لیے اس سے زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں جتنا وقت بہر حال ایک مسلمان کو اپنے دین کے فرائض و واجبات اور سنن کے ادا کرنے کے لیے دینا ضروری ہے شیخ کے ان الفاظ کو پڑھیئے یعنی رجال اللہ کی اسی تیسری قسم کے متعلق انہوں نے لکھا ہے، بعینہٖ ان کے الفاظ ہی نقل کر دیتا ہوں۔

لا يزيدون على الصلوات الخمس الا الرواتب لا يتميزون عن المومنين المودين فرائض الله بحالة زائدة (ص۴۵ ج۳)

پانچ وقت کی فرض نمازوں پر بجز رواتب (یعنی ہر فرض کے بعد موکدہ سنن نماز جو پڑھی جاتی ہیں) اور کسی قسم کا اضافہ اپنی نمازوں میں نہیں کرتے اور اللہ کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) والے نے جس مقام پر رکھا ہے اور جس چیز کی پیدائش کا ذریعہ اس کو قرار دیا ہے جو اس مقام سے سبب کو اٹھاتا ہے وہ اپنے آپ کو بھی احمق بنا رہا ہے اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عظمت و قدر میں ناواقفیت کا ثبوت پیش کر رہا ہے موحد اور مشرک میں پھر فرق کیا ہے اسی موقع پر شیخ نے اس کا جواب دیا ہے، من اعتمد عليه فقد اشرك (اسباب ہی پر جس نے بھروسہ کر لیا وہی مشرک ہو گیا) بس بھروسہ تو خدا ہی پر رکھنا چاہیئے اور خدا نے جس چیز کے لیے جس شئے کو بھی مسبب بنایا ہے اس سے بھی لاپروائی نہ اختیار کرنی چاہیئے۔ (دیکھو فتوحات ص۴۱۲ ج۲)

کے عائد کیے ہوئے فرائض و مطالبات کو اسی طرح ادا
کرتے ہیں جیسے عام مسلمان ان کو پورا کرتے ہیں ان عام
مسلمانوں کے مقابلہ میں کسی قسم کا امتیاز اپنے اندر پیدا
نہیں کرتے۔

تو مطلب اس کا آپ ہی تبایئے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ شیخ کے نزدیک اہل اللہ کے سب سے اونچے طبقے میں بھی شریک ہونے کے لیے چوبیس گھنٹوں میں صرف اسی قدر وقت دینے کی ضرورت ہے جس میں پانچ وقتوں کی نمازیں سنتوں کے ساتھ ادا ہو جائیں۔ گویا چوبیس گھنٹوں میں صرف دو ڈھائی گھنٹے بھی روزانہ مقرر کر لیے جائیں اسی طرح سال بھر میں ایک مہینہ کا روزہ استطاعت ہو تو عمر بھر میں ایک دفعہ حج اور مالی حیثیت اچھی ہو تو غرباء کا جو حق اسلام نے مالداروں کے مال میں قائم کیا ہے حقداروں تک وہ پہنچا دیا جائے۔ الغرض ایک عامی مسلمان پر جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں ان عبادتوں کی پابندی اسی طرح ایک شریف آدمی کو جس قسم کی اخلاقی زندگی گزارنی چاہیئے اخلاقیات کی اسلامی تعلیم کے مطابق اس کی پابندی سے زیادہ تو ظاہری اعمال کے لحاظ سے گویا اور کچھ نہیں کرنا پڑتا الغرض بقول شیخ سلوک کی اس راہ میں شرط اول یہی ہے کہ:-

لیس لھم فی العامۃ حالۃ یتمیزون بھا۔	عوام کے مقابلہ میں کوئی ایسا طرز عمل اور حال اختیار نہ کیا جائے جو عامیوں کو ان سے جدا کر دے

(ص۴۶)

تو جیسے ایک عامی مسلمان کاروباری زندگی میں انہماک رکھتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمان باقی رکھ سکتا ہے اور اسلام کے مطالبات کی تکمیل کرتا ہے تصوف کے اس خاص طریقہ میں بھی داخل ہونے اور سلوک کی اس راہ کے اختیار کرنے میں بھی معاشی اور علمی مشاغل سے کنارہ کشی کی آپ خود سوچیئے ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے مقام احسان تک پہنچنے کے لیے خصوصی اعمال و افعال جو کچھ بھی اس راہ میں کیے جاتے ہیں ان کا تعلق ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے یعنی ذہنی اور فکری قوتوں کو خاص مشغلہ میں مصروف رکھنا پڑتا ہے ورنہ ظاہر حالات کے لحاظ سے جیسا کہ شیخ ہی نے اس طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھا ہے کہ:-

ظاھرھم فی خیمات العادات والعبادات من الاعمال الظاھرۃ والصابرۃ علی الفوائض	اپنے ظاہر کو عوام کی عادتوں اور عبادتوں کے خیمہ ہی میں بند رکھنا پڑتا ہے اور فرائض یا جو ان کے ساتھ نوافل ہیں

Marfat.com

ان ہی پر صبر کیے بیٹھے رہنا پڑتا ہے۔
منہاج النوافل (ص ۲۳۵)

اس طریق کا امتیاز اس راہ میں نہ کشف ہی کی آرزو پیدا ہوتی اور نہ کرامتوں ہی کے صدور کا ولولہ ان میں پایا جاتا ہے۔

شیخ نے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے :-

فلا یعرفون بخرق عادۃ فلا یعظمون ولا یشار الیھم بالصلاح الذی عرف العامہ۔

ان لوگوں کی شہرت خرق عادت یعنی کرامتوں میں بھی نہیں ہوتی اور نہ لوگوں کے قلوب میں ان کی عظمت ہوتی ہے اور عوام کے نزدیک صلاح و پارسائی کا جو عامیانہ معیار ہے اس پر بھی پورے نہیں اترتے اس لیے اس لحاظ سے بھی انگلیاں ان کی طرف نہیں اٹھتیں۔

شیخ نے لکھا ہے کہ "ملامیتہ[1]" کے نام سے درویشوں کو چاہیئے کہ اسی تیسرے طبقہ کو موسوم کیا جائے کیونکہ عباد تو اپنی عبادت و زہد کی وجہ سے شہرت و امتیاز حاصل کر لیتے ہیں اور کشف و کرامت کی وجہ سے دوسرا طبقہ عوام میں عظمت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے لیکن رجال اللہ کے اس تیسرے طبقہ کو ان تمام امور سے محرومیوں پر صبر کرتے ہوئے زندگی گزارنی پڑتی ہے ؏

آوارۂ مجنوں نے رسوا سر بازارے

کے صحیح مصداق اگر ہو سکتے ہیں تو یہی لوگ ہو سکتے ہیں۔

بہرحال جیسا کہ میں نے عرض کیا اس باب میں ایک شیخ اکبر ہی منفرد نہیں یوں تو دوسرے بزرگوں کی شہادتیں پیش کی جا سکتی تھیں لیکن طول و طویل باتوں سے بچتے ہوئے آخر میں خود اپنے وطن ہندوستان کے اس دینی و علمی خانوادہ کے ایک رکن رکین کی گواہی کو درج کر کے اس بحث کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میری مراد

---

[1] صوفیوں میں ملامیتہ کے نام سے ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو دینی مطالبات نماز روزہ سے بے تعلق ہو کر خدا اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتا تھا لیکن درحقیقت شرعی قوانین سے بغاوت کی یہ ایک شکل تھی شیخ کے ہاں "ملامتیہ" کا اطلاق ان لوگوں پر کیا گیا جن کی دینی زندگی عوام کی نگاہوں میں نظر امتیاز سے نہیں دیکھی جا سکتی۔

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ کے مشہور بزرگ اور شاہ صاحب کے منجھلے صاحبزادے حضرت مولینا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات ہے جس خاندان کی جیساکہ جاننے والے جانتے ہیں سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ انسانی زندگی کے ظاہری اور باطنی دونوں پہلوؤں کے سنوارنے کی طرف اس خانوادہ میں مساوی توجہ صرف کی جاتی تھی جس شہادت کو آئندہ پیش کر رہا ہوں خود یہی اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ ہزارہا ہزار اوراق کے پڑھنے کے بعد بھی منقح نتیجہ تک جس مسئلہ میں لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے دیکھئے کیسے دو لوٹک لفظوں میں چند سطروں ہی کے اندر سب کچھ کہہ دیا گیا ہے۔

بیعت کی قسمیں شاہ رفیع الدینؒ کے نقطہ نظر سے

شاہ رفیع الدینؒ جو اپنے ترجمہ قرآن کی وجہ سے بھی پہچانے جاتے ہیں ان ہی کے چند رسائل کا ایک مطبوعہ مجموعہ ہے جس میں "بیعت" کے نام کا بھی ایک رسالہ پایا جاتا ہے۔ ڈیڑھ دو ورق سے زیادہ ضخامت اس رسالہ کی نہیں ہے زبان سیدھی سادی فارسی ہے۔

اسی رسالہ میں اس سوال کا یعنی "بیعت" یا "پیری مریدی" کا جو طریقہ مسلمانوں میں عموماً مروج ہے اس کا فائدہ کیا ہے شاہ صاحب نے اسی سوال کا جواب دینا چاہا ہے۔

بیعت معیشت

انہوں نے دریافت کیا ہے کہ بیعت حاصل کرنے والے کی غرض و غایت کیا ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں، ایک مقصد تو اس کا عامیانہ ہے۔ حاصل جس کا شاہ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ "براۓ تحصیل مال وجاہ یا براۓ تحصیل حاجات دنیوی" بعض لوگ سلسلہ کے بزرگوں سے ربط ضبط پیدا کرتے ہیں ان کے ہاں آمد و رفت رکھتے ہیں یا مرید بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر غرض ان کی وہی دنیا طلبی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی پیری یا مریدی یا بیعت "فی الحقیقت اعتبارے ندارد"

گویا کہنے کو تو اس قسم کی بیعت پر بھی بیعت ہی کے لفظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اس غرض سے مرید ہونے والے بھی مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں لیکن درحقیقت نہ ان کی بیعت ہی بیعت ہے اور نہ مریدی ان کی مریدی ہے[1]

---

[1] شاہ صاحب نے تو کوئی خاص نام اس بیعت کا نہیں رکھا ہے لیکن چاہا جاۓ تو شاید "بیعت معیشت" اس کا
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بیعت وسیلت

اس کے بعد بیعت کی ایک قسم کا نام بیعت "وسیلت" رکھتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:-

رب العزت جل شانہٗ باہر یکے از ائمہ طرق بشارتہا، ووعدہ ہائے برد احسان است۔

یعنی صوفیہ کے مشہور طرق وسلاسل کے ائمہ اور پیشوا بطور احسان کے حق تعالیٰ کی طرف سے بعض بشارتوں اور وعدوں سے سرفراز ہیں۔

بعض لوگوں میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش ان بشارتوں اور وعدوں سے استفادہ کا موقع ان کو بھی ملتا۔ پھر ان ہی ائمہ طرق وسلاسل کے جن مشائخ تک پہنچ سکتے ہیں ان کو ان گزرے ہوئے بزرگوں کا نائب اور نمائندہ خیال کر کے لوگ بیعت کی سعادت اس نیت سے حاصل کرتے ہیں کہ شاید ان بشارتوں اور وعدوں سے استفادہ وانتفاع کی کوئی صورت ان کے لیے بھی نکل آئے۔ اس نیت سے بیعت جو کیجاتی ہے اس کو بیعت وسیلت کے نام سے موسوم کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ:-

ثمرۂ آں اتصال باآں بزرگاں ست در قبر د حشر وامداد ایشاں ایں طالب را وقتا بعد وقت (ص۲۷)

فائدہ اس بیعت کا یہ ہے کہ (طریقہ کے ائمہ اور بزرگوں) سے قبر اور حشر میں بیعت کرنے والوں کو ایک قسم کا اتصالی رشتہ قائم ہو جاتا ہے اور طالب یعنی مرید کو وقتاً فوقتاً ان بزرگوں سے امداد ملتی رہتی ہے [۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نام رکھ دیا جا سکتا ہے۔ (گیلانی)

پہلے بھی ہوگا مگر آج کل تو یہ حقیقت کھلی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے کہ تجار اور امراء یا پھر افلاس زدہ لوگوں کی بیعت عام طور پر بیعت معیشت ہی ہوتی ہے اور ایسے لوگوں کا رجوع ان بزرگوں کی طرف نہیں ہوتا جہاں کسب معاش کے ذرائع اور صرف دولت ہی کے مدات پر شرعی گرفت کی جاتی ہے اور نفلی اشغال و اوراد سے پہلے فرائض و واجبات کی بجا آوری اور منہیات شرعیہ سے عملی توبہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اسی لیے بزرگان دین نے سچے پیر کی پہچان کے جو معیارات لکھے ہیں ان میں اس معیار کو بھی پوری اہمیت دی ہے کہ اس بات کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے کہ اس پیر کی طرف رجوع کرنے والے اہل علم و اخلاص ہیں یا اہل دنیا اور غرض پرست! اللہ تعالیٰ ایسے پیروں اور ایسی پیری مریدی سے بچائے۔ زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بدرودے

(غ۔م)

[۱] بزرگوں سے لوگوں کو امداد پہنچتی ہے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ اس قسم کی باتوں کو سن کر خواہ مخواہ بھڑک اٹھتے ہیں ان کو اس قسم کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بہر حال " بیعت وسیلت " شاہ صاحب کے نزدیک پیری مریدی کی ایک ایسی شکل ہے جسے کلیتہً بے فائدہ قرار نہیں دیا جا سکتا جیسے بیعت کی پہلی قسم محض بے معنی ہوتی ہے یہ رنگ " بیعت وسیلت " کا نہیں ہے۔ بلکہ دنیا اور آخرت میں اس بیعت سے بھی بیعت کرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہے ایسا فائدہ جس کی توقع "بیعت" کی سعادت حاصل کیے بغیر نہیں کی جا سکتی۔

بیعت شریعت

اس کے بعد بیعت ہی کی تیسری قسم جس کا نام اصطلاحی شاہ صاحب نے " بیعت شریعت " رکھ دیا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہوتا یہ ہے کہ:۔

مرد عامی کہ عمر را در غفلت و معصیت گذارد و ہر گاہ بر ایں حال تنبیہ می شود ندامت می کشد، و رجوع بہ تقوی و طاعت می خواہد۔

ایک عام مسلمان آدمی جس کی عمر غفلت اور نافرمانیوں میں گزرتی ہے کبھی اس میں چونک پیدا ہوتی ہے اپنے حال پر نادم ہوتا ہے اس وقت اس کا جی چاہتا ہے کہ پرہیزگاری اور فرمانبرداری میں اپنی زندگی کا باقی حصّہ گزار دے۔

مقصد شاہ صاحب کا یہ ہے کہ ندامت اور شرمندگی کے اس حال کے طاری ہونے کے بعد شوق اور ولولہ اس کا پیدا ہوتا ہے کہ شرعی مطالبات کے مطابق اپنی زندگی آدمی گزارے اگرچہ بظاہر یہ خیال گزرتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خیالات میں مشرکانہ عقائد کے جراثیم نظر آتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ وفات یافتہ بزرگوں کی قبروں کے ساتھ ایسے معاملات جو کیے جاتے ہیں یعنی سجدے تک بھی باوجود مسلمان ہونے کے لوگ ان ہی قبروں کے آگے کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اسلام میں بھی ساری باتیں جائز رکھی گئی ہیں تو غریب مشرکوں کا قصور اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ بجائے قبروں کے بتوں کو سجدے کرتے ہیں اپنے معبودوں کو مشرکین بھی عالم کا خالق نہیں سمجھتے بلکہ ان کو مخلوق مانتے ہوئے نفع حاصل کرنے کے لیے ان بتوں کو پوجتے ہیں مگر اسی کے ساتھ میں یہ کہنا ہوں کہ قرآن ہی سے جب یہ معلوم ہوتا ہے، کہ دنیا اور آخرت میں ملائکہ اہل ایمان کی مدد کرتے ہیں۔ بدر میں مسلمانوں کی اعانت کے لیے ملکوتی روحوں یعنی فرشتوں کا نزول ہوا تھا قرآن میں اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے پس بجائے ملکوتی ارواح کے انسانی روحوں سے بھی اگر سمجھا جائے کہ مدد پہنچتی ہے تو خواہ مخواہ اس کو مشرکانہ عقائد میں ہم کیسے داخل کر سکتے ہیں صاف اور واضح مسئلہ یہ ہے کہ امداد حاصل کرنے کے لیے ملکوتی ارواح ہوں یا انسانی ارواح ہوں، ہر ایک کی عبادت شرک ہے ایسا گناہ جو کبھی بخشا نہیں جا سکتا۔ لیکن خدا جیسے بندوں کی امداد آفتاب کی روشنی، ہوا، پانی وغیرہ مخلوقات سے کراتا ہے اگر فرشتوں یا بزرگوں کی روحوں سے بھی اپنے بندوں کی مدد کرے تو اس شرک سمجھنا غباوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

Marfat.com

کہ شریعت کی کتابیں یعنی قرآن بھی ہے حدیث کی کتابیں، فقہ کی کتابیں موجود ہیں شوق کی تکمیل کے لیے یہ کافی ہے کہ کتابوں میں دیکھ دیکھ کر غیر شرعی کمزوریوں کا ازالہ کرکے مذہب کے مطابق اپنے آپ کو کر لیا جائے۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ دیکھنے میں یہ مسئلہ خواہ کتنا ہی آسان نظر آتا ہو لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جیسے طب کی کتابوں کو دیکھ دیکھ کر اور ان سے نسخوں کا انتخاب کر کر کے کوئی اپنا علاج کر نہیں سکتا۔ بلکہ کتابوں کے رہتے ہوئے بھی تجربہ کار طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ یہی رنگ شرعی مطالبات اور قوانین کے استعمال کا بھی ہے خود ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ:

این معنی بدون تحکیم عالم متقی بر ظاہر و باطن خود منتظم نمی تواند شد چہ دیدن کتابہائے شریعت مانند مراجعت کتب طب است بیمار را بدون حصول ملکہ طب معالجہ باین قدر اصلاح مزاج و دفع مرض دشوار ست۔

یعنی کسی پرہیزگار عالم کی نگرانی اپنے ظاہر و باطن پر جب تک قائم نہ کر لی جائے اسی کے فیصلوں کا تابع اپنے آپ کو نہ بنا لیا جائے عام حالات کے لحاظ سے شرعی مطالبات کے مطابق اپنے آپ کو کر لینا آسان نہیں ہے۔ شریعت کی کتابوں کو دیکھ کر اپنی اصلاح اس کی مثال وہی ہو گی کہ فن طب میں کمال حاصل کیے بغیر کوئی اپنا علاج طب کی کتابوں کو دیکھ دیکھ کر کرنا شروع کرے۔ ظاہر ہے کہ مزاج کو اپنی اصلی حالت کی طرف لے آنا اور بیماری کا ازالہ جیسے محض طبی کتابوں کی مدد سے دشوار ہے۔ اسی طرح شریعت کی فقط کتابوں کی مدد سے صحیح دینی زندگی کے حاصل کرنے میں کامیابی آسان نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف کتابوں سے جیسے کام نہیں چلتا اسی طرح یہ سوچ لینا کہ جس عالم سے بھی موقع ملتا ہے گا مشورہ لیتا رہوں گا۔ یہ بھی کافی نہیں ہے فرماتے ہیں کہ:

ہم چنیں بقول ہر عالمے عمل کردن موجب تحیر است کہ ہر یکے صحیح الفکر و بحواس نمی باشد

جو مولوی یا عالم مل جائے اسی کے قول کے مطابق عمل میں بڑی پریشانیاں پیش آتی ہیں، آدمی حیرانی کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ مولویوں میں بھی ہر شخص ظاہر

Marfat.com

نے لکھا ہے کہ جن لوگوں میں ان کمالات کی تحصیل کا ولولہ جوش مارتا ہے تو

کسے را کہ دریں اشغال واعمال مہارتِ کلی داشتہ باشد وخود مصدرِ ایں آثار باشد وایں امور مراد راسہل الحصول باشد استاذ خود ساختہ حق متابعت آنہا ادا نماید وبہم شہر طیکہ قیام فرماید از مجاہدات نفسانی وجسمانی بجا آرد تا دریں کار ماہر گردد وبمقصود خود رسد۔

کسی ایسے آدمی کا انتخاب وہ کرتا ہے جو مذکورہ بالا کمالات سے سرفراز ہو اور خود اسی قسم کے آثار کا ظہور اس شخص کی ذات سے ہو رہا ہو، اور اپنا استاذ یعنی پیر یا شیخ ان ہی کو بنا لینا چاہتا ہے اور اسی کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور جن نفسانی وجسمانی مجاہدات کا حکم شیخ کی طرف سے دیا جاتا ہے اسی کی تعمیل کر کے مرید بھی اس راہ کا ماہر ہو جاتا ہے اور اپنے نصب العین کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

"مجاہدات نفسانی وجسمانی" کے حاصل کرنے کی طرف ایک اجمالی اشارہ شاہ صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

مصفا ساختن وجہ روح، از کدورت جسمانی ومنور ومکمل ساختن آں را بانوار روحانی واسماء ربانی۔

یعنی اس راہ میں روح کو جسمانی آلائشوں سے پاک کرنا اور روحانی انوار اور ربانی اسماء سے اسی روح کو مکمل اور آراستہ کرنا پڑتا ہے۔

مذکورہ بالا کمالات حاصل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس راہ کے کاملین کی ذات عوام کی مرجع بن جاتی ہے۔

مبدءِ فیض گشتن برائے بندگان الٰہی وحل مشکلات

اللہ کے بندوں کے لیے فیض کا سرچشمہ اور لوگوں کے مشکلات کے حل کا ذریعہ ان کی ذات بن جاتی ہے[۱]۔

"بیعت شریعت" کے بعد ایک قسم بیعت کی شاہ صاحب کے نزدیک یہی "بیعتِ طریقت" ہے۔

---

[۱] یعنی ان کے صاحب نسبت قویہ ہونے کی وجہ سے ان کے وابستوں کی روحانی مشکلات فوراً حل ہو جاتی ہیں جو بغیر اس تعلق کے شاید برسوں کی ریاضتوں سے بھی بآسانی حل نہ ہو سکتیں۔ (غ۔م)

Marfat.com

بیعت حقیقت

عموماً ملامزاج طبائع جیسے "بیعت شریعت" ہی کو تصوف کا اوّل و آخر سب کچھ قرار دینے پر اصرار کرتے ہیں اسی طرح صوفی نہاد لوگوں میں سمجھا جاتا ہے کہ "بیعت طریقت" اور جو کچھ اس میں کیا جاتا ہے یا جو نتائج بیعت طریقت کے مقرر کردہ اشغال پر مرتب ہوتے ہیں۔ یہی صوفیت کا کمال معراج ہے، لیکن شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے "بیعت طریقت" کے بعد ہی کی آخری قسم کو "بیعت حقیقت" کے نام سے موسوم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

بعض افراد بنی نوع انسانی میں پیدا کیے جاتے ہیں جن کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ :-

حق تعالیٰ ایشاں را برائے مشاہدۂ جمال خود مرأۃ ساختہ و برائے اجرائے مرادات خود آلہٗ جارحہ فرمودہ است۔	حق تعالیٰ اپنے ازلی حسن و جمال کے مشاہدہ کا ان کو آئینہ بناتے ہیں اور اپنے مقاصد کے ظہور کا ذریعہ و آلہ ان کو ٹھہرا لیتے ہیں۔

وہی اس کے بعد یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھ وہ ایک ایسی فطرت لاتے ہیں جس میں

از روز ازل کیش محبت ذاتی در جواہر ارواح انسان نہادہ۔	روز ازل ہی سے حق تعالےٰ ان کی روحوں میں اپنی ذات کی محبّت و عشق کا تخم بو دیتے ہیں۔

اس خاکدانِ ارضی میں پیدا ہونے کے بعد زندگی کی کسی خاص منزل میں شاہ صاحب کا بیان ہے کہ :

بہ تقریبے از تقریبات آن سرمکنوں را از درون شورش می زند، و تعلقات مکنونات را از ضمائر ایشاں برہم می باشد۔	کسی نہ کسی وجہ سے خاص موقع پر ایسا ہو جاتا ہے کہ ان کی فطرت میں جو راز چھپا ہوا تھا اندر ہی اندر اس میں شورش اور جوش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جو باتیں ان کے دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اچانک باہر نکل کر بکھر جاتی ہیں۔

اس کے بعد اس قسم کے افراد

مشتاق دوام حضور، بے مزاحمت اکواں، و عاشق جمال حضرت ایزدی شود بدوں آں قرار نمی دارد و فنائے وجود خود بہ بقائے وجود الٰہی از تہ دل می جوید۔	اس بات کے مشتاق ہو جاتے ہیں کہ کائنات کا جو پردہ ان کے اور خدا کے درمیان حائل ہے اس پردہ کی مزاحمت کے بغیر حق تعالیٰ کا دوام حضور ان کو حاصل ہو۔ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے جمال ازلی کے

Marfat.com

یہ عاشق ہوتے ہیں بغیر اس کے ان کو چین نہیں ملتا۔ اپنے وجود کے ساتھ قیام کا خیال ان کے اندر سے نکل جاتا ہے تہہ دل سے چاہتے ہیں کہ خدا ہی کے وجود کے ساتھ ان کی بقاء وابستہ ہو جائے۔

حقیقت تک رسائی بلا رہبر کے ممکن نہیں

"بعیت حقیقت" کے اسی نصب العین کو پیش کرنے کے بعد شاہ صاحب نے یہ لکھتے ہوئے کہ :۔

اما جو ہر نفس ہر یکے سوائے انبیا علیہم السلام ازاں قبیل نیست کہ خود بخود دایں مقصد عالی تواند رسید۔

کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا ہر شخص کی ذات میں صلاحیت نہیں ہوتی کہ مذکورہ بالا نصب العین تک (بغیر کسی کی راہنمائی و امداد کے) خود بخود پہنچ جائے۔

"بعیت حقیقت" کی ضرورت اس قسم کے نفوس کو اسی لیے ہوتی ہے کہ جس نصب العین کی تڑپ اور جستجو ان میں جو شزن ہوتی ہے، اس نصب العین تک بذات خود فطرت کے عام قانون کے لحاظ سے نہیں پہنچ سکتے، شاہ صاحب نے اس کے بعد جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعیت کی مذکورہ بالا صورتوں میں تو مریدوں کو خود پیروں کے پاس جانا پڑتا ہے لیکن "بعیت حقیقت" والوں کے ساتھ غالباً کچھ ایسی صورت پیش آتی ہے کہ :۔

برائے تربیت ایشاں و ایصال بایں مقصد اعلیٰ یکے از کاملین ہر سر وقت برایشاں می گمارند۔

(حق تعالیٰ اس راہ کے ارباب کمال میں سے کسی صاحب کمال کو) ان لوگوں کی تربیت کے لیئے اور ان کو ان کے نصب العین تک پہنچانے کے لیے مقرر فرما دیتے ہیں۔

بجائے مرید کے گویا سمجھنا چاہیئے کہ اپنے پیروں کے وہ مراد ہوتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ ان کے نصب العین تک پہنچانے کے لیئے تربیت جو ان کی کی جاتی ہے اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے ؟

Marfat.com

حضرت گیلانی کا مقصود تصنیف

سچ پوچھیئے تو اپنے موضوع کے لحاظ سے اس کا پیش کرنا میرا اصل مقصود ہے بلکہ پوری کتاب[1] کی جوہری غرض یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ :-

کائناتی آثار جو خدا اور بندوں کے درمیان حائل ہیں ان کی مزاحمت کیے بغیر حق تعالیٰ کے وجود کا دوام مشاہدہ، اور یہ کہ اپنے وجود کے ساتھ قیام وبقاء کا خیال، غلط خیال جو دلوں میں پایا جاتا ہے چاہتے ہیں کہ اس خیال کو ہٹا کر حق تعالیٰ ہی کے وجود کے ساتھ ان کی ذات کی بقاء وابستہ ہو جائے۔ یہی ان کی بیعت کا نصب العین ہوتا ہے۔ کیا اس نصب العین کے حصول کے لیے ان جسمانی ونفسانی ریاضتوں اور مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ جن کے بغیر "بیعت طریقت" کے نصب العین کو آدمی حاصل نہیں کرسکتا؟ اگر یہی واقعہ ہوتا تو شاہ صاحب "بیعت حقیقت" کو "بیعت طریقت" کے مقابلہ میں بیعت کی ایک الگ مستقل قسم ہی کی کیوں قرار دیتے۔ پس حقیقت وہی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ "بیعت حقیقت" والی راہ میں مرید کو پیر کی ضرورت صرف اس لیے ہوتی ہے کہ :

تا باعانت و رہنمائی او حل مشکلات و رفع ترددات کشف شبہات کہ لازم بشریت ست می نمودہ باشد

تاکہ پیر کی امداد اور راہنمائی سے ایسی مشکلات حل ہو جائیں اور تردد و شک و شبہہ وغیرہ کی ان کیفیتوں کا ازالہ ہو جائے جو عام بشری فطرت کے لوازم ہیں۔

جس کا حاصل یہی ہوا کہ "بیعت حقیقت" کے نصب العین کے حصول میں جن فکری الجھنوں اور ذہنی ژولیدگیوں سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے صرف ان ہی کا ازالہ "بیعت حقیقت" کی راہ میں کافی ووافی ہوتا ہے۔ اسی لیے شاہ صاحب نے آخر میں لکھا ہے :-

باندک تربیت فائدہ بے نہایت می یابد

بہت معمولی تربیت سے مرید کو حد سے زیادہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اور یہی میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مشغلوں میں جو الجھے ہوئے ہیں ان مسلمانوں کے لیے یہ خیال کرلینا کہ

---

[1] کتاب اب تین مستقل مضامین پر تقسیم ہو چکی ہے جس میں سے "طریق اشغال مطلقہ" والا مضمون ہی مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس "جوہری غرض" کو پورا کرتا ہے۔ (غ ۔ م)

Marfat.com

مقام احسان تک پہنچنے کا ان کے لیے کوئی امکان نہیں ہے۔ اگر مراد اس سے یہ ہے کہ "بیعت طریقت والے کمالات چونکہ غیر معمولی جسمانی و نفسانی ریاضتوں کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ تو جہاں تک واقع ہے یہ دعویٰ غالباً بے جا نہیں ہے، لیکن "بیعت حقیقت" کی جو غرض و غایت ہے انصاف سے اگر کام لیا جائے تو شاید مقام احسان کا صحیح مصداق ہم اسی کو قرار دے سکتے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی بزرگوں میں ہیں جن کے نزدیک "بیعت حقیقت" کے نصب العین تک پہنچنے کے لیے صرف ان چند ذہنی الجھنوں اور فکری مغالطوں کا ازالہ کافی ہے جن کا واقعہ سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اپنی بشری کمزوریوں کی وجہ سے ان میں لوگ مبتلا رہتے ہیں۔ معمولی صحیح تفہیم سے یہ گرہیں کھل جاتی ہیں چونکہ کلیتہً اس راہ میں جو کچھ بھی کرنا پڑتا ہے اس کا تعلق باطن سے ہوتا ہے اس لیے بیرونی اشغال سے کنارہ کشی کی ضرورت اس راہ میں قطعاً پیش نہیں آتی۔

رئیس الصوفیہ شیخ اکبر کا بھی یہی خیال ہے[1] اسی خیال کی توثیق حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی فرما رہے ہیں[1]

خاص اصطلاح میں فکر و ذہن کے اسی عمل کی تعبیر "اشغال مطلقہ" سے کی جاتی ہے اور سلوک و سیر کی اس باطنی راہ کا نام اسی دائرہ میں **اطلاقی تصوّف** ہے!!

لے حضرت مولانا گیلانی کے آخری فقرہ (پیراگراف) کو اس عاجز نے بار بار غور سے پڑھا مگر اسی سے تشفی نہ پا سکا کیونکہ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے تو بیعت کی تقسیم کو بہ مدارج بیان کرتے ہوئے "بیعت حقیقت" کو سب سے ارفع اور ضروری حیثیت عطا فرمائی ہے اور ان کا یہ ارشاد بھی نقل ہو چکا ہے کہ "بیعت حقیقت" کی صلاحیت رکھنے والے افراد "مراد" ہوتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ ان کی تربیت کے لیے کسی کامل کو متعین فرما دیتا ہے ایسے افراد ظاہر ہے کہ نفس کی آلائشوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لیے صرف نوک و پلک کی درستی کافی ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ شاہ صاحبؒ کی اصطلاح میں وہ ان مراحل سے گزارنے کے محتاج نہیں ہوتے جن سے ایک عام انسان کو بیعت شریعت اور بیعت طریقت کے تحت گزارا جاتا ہے پس ایسوں کے لیے تو بلاشبہ مجاہدوں اور ریاضتوں کی ضرورت باقی نہ رہتی ہو گی مگر اس خصوصی بیعت حقیقت" کا عمومی اطلاق جیسا کہ حضرت مولٰنا کا منشا ہے کم از کم شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مراد سے تو الگ بات ہے! (غ ۔ م)

Marfat.com

(۲)

طریقۂ غزالیہ

Marfat.com

فہرستِ مضامین

(۱) تمہید
(۲) امام غزالی کے دور کی سیاسی حالت
(۳) امام کی شخصی زندگی کی بعض خصوصیات
(۴) امام کی بازگشت کے وجوہ
(۵) امام کے مخاطب خاص علماء ہی ہیں......
(۶) احیاء العلوم پر تبصرہ
(۷) امام کی کتابوں کے انقلابی اثرات
(۸) خلفاء، سلاطین اور وزراء پر اثرات
(۹) علمائے دین پر انقلابی اثرات
(۱۰) سارے سلاسل تصوف کے بانی امام غزالی کے بعد ہیں اور تعلیمات غزالیہ سے متاثر بھی
(۱۱) طریقۂ غزالیہ کے حسن قبول کی وجوہ
(۱۲) قبل امام دور میں صوفی و ملا کی آویزش کے دو تاریخی واقعے۔
(۱۳) طریقۂ غزالیہ کے "مذہب اوائل" ہونے کا مفہوم
(۱۴) طریقۂ غزالیہ پر مولانا گیلانی کی تنقید

Marfat.com

طریقۂ غزالیہ

تمہید

سوال یہ ہے کہ امام حجۃ الاسلام نے رذائل اخلاق کی تصحیح و اصلاح پر صوفیانہ نصب العین کے حصول کو جو موقوف قرار دیا ہے یا جس کی حیثیت آثار و نتائج کی ہے امام نے اس کو اسباب و علل کا جو مقام عطا کیا ہے اور اسی بناء پر "اخلاقیات" کے ان مباحث اور مسائل کو ان کے یہاں اتنی اہمیت جو حاصل ہے آخر اس کے وجوہ اور موثرات کیا ہیں ؟

غیب کا علم تو حق سبحانہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے بظاہر چند چیزوں کو اگر سامنے رکھ لیا جائے تو شاید اس سوال کا جواب مل سکتا ہے ۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس زمانہ میں امام حجۃ الاسلام نے اپنی یہ کتابیں تصنیف کی ہیں دنیائے اسلام اس وقت کس حال میں تھی ؟ اور اسی کے ساتھ خود امام غزالی کی شخصی زندگی کے بعض خصوصیات کا پیش نظر رکھ لینا مفید ہوگا ۔ دو باتیں تو یہ ہیں اور تیسری چیز جس کے متعلق میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے "طریقۂ غزالیہ" کا ذکر کرتے ہوئے یہ جو فرمایا تھا کہ "ایں مذہب اوائل است" یعنی اسلام کی ابتدائی صدیوں کے لوگوں کی یہی روش تصوف میں تھی ۔ "اوائل" کے اس لفظ سے شاہ صاحبؒ کا اشارہ کن لوگوں کی طرف ہے ؟

امام غزالیؒ کے دور کی سیاسی حالت

پہلی بات یعنی امام غزالیؒ کے عہد میں اسلامی دنیا کس حال میں تھی ؟ میری غرض اس سے یہ ہے کہ

Marfat.com

سیاسی قوت واقتدار کے لحاظ سے زمین کے ان حصوں میں جن میں مسلمان آباد تھے یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کا کیا مقام تھا؟ اسی سے اس عہد کے عام مسلمانوں کے نفسیات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امام غزالی کی کتابوں کے سمجھنے کے لیئے سب سے پہلی ضرورت ہے کہ اجمالاً ان امور سے کلی واقفیت حاصل کرلی جائے۔

اگرچہ بعض مغربی مورخین کی تقلید میں اردو زبان کے چند اہل قلم نے بھی یہ لکھ دیا ہے کہ عہد غزالی میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار رو بہ زوال ہوچکا تھا۔ بغداد کی خلافت اپنے سیاسی اقتدار کو کھوکر صرف ایک مذہبی اور دینی قیادت ومرکزیت کی جو شکل اختیار کرچکی تھی اسی کو دلیل میں پیش کردیا جاتا ہے اور سمجھا دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے زوال کے لیے یہ تاریخی واقعہ کافی ہے۔

لیکن واقعات ہی کی بنیاد پر مجھے اس تاریخی نظریہ سے قطعاً اختلاف ہے۔ سارے اسباب ووجوہ پیش کرنے کا تو یہاں موقع نہیں ہے لیکن اتنی بات سے آگاہی تو عام تاریخوں کے مطالعہ سے بھی ہو سکتی ہے کہ امام حجۃ الاسلام جن کی ولادت ۴۵۰ھ اور وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی۔ پچپن سال کا یہ زمانہ ایک طرف امام کے محیر العقول کارنامے کے لحاظ سے جہاں عجیب ہے تو دوسری طرف جس قسم کے اہم واقعات وحوادث تاریخ اسلامی کے ان چند سالوں میں پیش آئے ہیں اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے بھی کچھ کم عجیب نہیں ہیں۔ ابھی عہد غزالی کے ان خاص واقعات کو تو جانے دیجیئے میں سردست یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ غزالی کے عہد کو مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے زوال بلکہ اضمحلال کا عہد قرار دینا آخر کس بنیاد پر صحیح ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام غزالی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا زمانہ ہے اسلامی تاریخ کی کسی کتاب کو اٹھاکر دیکھئے آپ اس میں پائیں گے کہ پانچویں صدی میں ایک طرف مشرق میں سب سے بڑی سیاسی قوت سلاجقہ یا سلجوقیوں کی نظر آئے گی خصوصاً امام غزالی کے عہد تک سلجوقیوں کی حکومت عروج کے اس نقطہ تک پہنچ چکی تھی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں[۱] یعنی ملک سلجوقی جو امام غزالی کے زمانہ میں سلجوقیوں کا بادشاہ تھا اسی کے ذکر میں اس قسم کے فقرے عام تاریخوں

---

[۱] مسلمان بادشاہوں کے متعلق عیوب کے ساتھ افسوس ہے کہ ان کی خوبیوں کے ذکر کو لوگوں نے ترک کردیا۔ غلط فہمی اب تو اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سمجھا جاتا ہے کہ اسلامی قانون پر کسی اسلامی حکومت کا عملدرآمد نہ تھا۔ حالانکہ اور کچھ ان بادشاہوں کے عہد میں تھا یا نہ تھا لیکن قانون جہاں تک میں جانتا ہوں ہر زمانہ میں اسلام کے سوا
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہیں آپ کو ملیں گے کہ :-

خطب لہ من اقصی بلاد الترک الی اقصی بلاد الیمن۔ (المنتظم لابن جوزی ص۷ ج ۹)

یعنی ترکستان کے دور دست علاقوں میں یمن و جنوبی عرب کے آخری حدود تک اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسلمانوں کی کسی حکومت کا کسی ملک میں کوئی قانون نافذ نہ رہا۔ اکبر کا زمانہ ہندوستان میں صرف ایسا گزرا ہے جس میں اسلامی قانون کی جگہ نئے قوانین کے نفاذ کا ارادہ کیا گیا تھا لیکن بظاہر اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی اور کچھ اسی قسم کی صورت علاؤالدین خلجی کے زمانہ میں پیش آئی۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں دنیا کی سیاست کی باگ جب تک رہی اسلامی قانون کے ساتھ اس کی وفاداری مسلسل باقی رہی، یورپ کے تسلط کے بعد جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یہ قصہ ہی الگ ہے بہر حال مسلمان سلاطین سے شکایت اگر کچھ ہو سکتی ہے تو ان کے ذاتی کردار و اخلاق کی اور اسی وجہ سے مالی معاملات میں بھی ان سے غلطیاں ہوئیں لیکن قانون کی حد تک ہر حکومت مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت رہی ہے اور ذاتی حیثیت سے بھی ہر حکمران کا حال ایک سا نہیں ہے۔ ان میں جہاں بُرے ہیں کافی تعداد اچھے اور دیندار بادشاہوں کی بھی ہے یہی ملک شاہ سلجوقی ہے حکومت کے مالیہ میں جو کچھ اس نے ترمیم کی وہ الگ داستان ہے لیکن ذاتی واقعات اس بادشاہ کے سننے کے قابل ہیں جو ابن جوزی نے منتظم میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے کیمپ میں ایک دیہاتی خربوزہ بیچنے آیا تھا۔ کسی فوجی افسر کے غلام نے خربوزے اس سے چھین لیے۔ دیہاتی بیچارہ راستے سے کنارے ہٹ کر رو رہا تھا۔ بادشاہ شکار سے واپس آ رہے تھے آدمی کو بھیج کر بلوایا۔ کیوں روتا ہے؟ اس نے حال بیان کیا قصہ طویل ہے حاصل یہ ہے کہ غلام تو گرفتار نہ ہو سکے بھاگ گئے، تب بادشاہ نے فوجی افسر کا ہاتھ پکڑ کر دیہاتی کسان کے حوالے کیا کہ اس کو بیچ کر تو اپنے خربوزوں کے دام وصول کرلے اور اسے قسمیں دیں۔ دیہاتی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا لے چلا آگے جا کر کئی ہزار پر بات طے ہوئی اور یہی لے کر امیر کی رہائی ہوئی۔ دیہاتی نے بادشاہ کو آ کر مطلع کیا کہ میرے روپے وصول ہو گئے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ ایک دفعہ ایک مظلوم نے بادشاہ کے گھوڑے کی لگام راستہ میں پکڑلی۔ پوچھا کیا ہے؟ اس نے ظلم کی داستان بیان کی اسی وقت گھوڑے سے ملک شاہ اتر گیا اور مظلوم سے کہا میری آستین پکڑ لے اور اسی طرح گھسیٹتے ہوئے مجھے نظام الملک طوسی وزیر کے پاس لے چل اصرار اتنا بلیغ تھا کہ مظلوم کو یہی کرنا پڑا۔ نظام الملک کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اس شکل میں آ رہے ہیں ننگے پاؤں دوڑا۔ بادشاہ نے دیکھنے کے ساتھ کہا جس میں نے رعایا کو تمہارے سپرد اسی لیے کیا تھا کہ امرا ان پر ظلم کریں؟ اسی وقت ظلم کا ازالہ نظام الملک نے کیا حالانکہ ظالم ایک مشہور امیر کبیر تھا۔

Marfat.com

الیافعی نے اسی اجمال کی تھوڑی جغرافیائی تفصیل ان لفظوں میں کی ہے کہ :۔

ملک من مدینہ کاشغر الترک الی بیت المقدس طولا ومن قسطنطنیۃ وبلاد الجزر الی نہر الہند عرضا۔ (ص ۱۳۹ ج ۳)

ترکوں کے شہر کاشغر سے بیت المقدس تک تو دنیا کے طول میں ملک شاہ کی بادشاہت قائم تھی اور قسطنطنیہ اور ایشیاء کوچک سے نہر ہند (دریائے اٹک) تک عرض میں اس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی۔

ان ہی کے الفاظ یہ بھی ہیں :۔

ملک ماوراء النہر وبلاد الھیاطلۃ وبلاد الروم والجزیرہ والشام والعراق وخراسان وغیر ذلک۔

یعنی ملک شاہ ماوراء النہر (بخارا سمرقند وغیرہ) اور ترکوں کے علاقوں، روم کے علاقوں، اور جزیرہ (موصل وغیرہ) شام، عراق، خراسان وغیرہ کا تنہا فرمانروا تھا۔

اور یہ حال مسلمانوں کی مشرقی سلطنت کا تھا۔ اسی کے مقابلہ میں مغرب میں دیکھئے۔ یہ صحیح ہے کہ اندلس میں مسلمانوں کی مرکزی قوت کا شیرازہ بکھر چکا تھا لیکن بایں ہمہ امام غزالیؒ جس زمانہ میں موجود تھے یہی وہ زمانہ ہے جب مغرب کی سب سے بڑی سیاسی قوت کا مظہر مراکش کا مشہور بادشاہ امیر المسلمین یوسف بن تاشفین تھا۔ اگرچہ یہ مغربی افریقہ کا مسلمان حکمران تھا لیکن یورپ میں بھی اپنی فوجی قوت کا مظاہرہ جس شان کے ساتھ اس نے امام غزالی کے زمانہ میں کیا تھا جس کا سرسری ذکر آگے بھی آرہا ہے ان ہی چیزوں کو پیش نظر رکھ کر اسلامی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ :۔

کان اکبر ملوک الدنیا فی عصرہ (الیافعی ص ۱۶۳ ج ۳)

یوسف بن تاشفین اپنے عہد میں دنیا کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ جس زمانہ میں مشرق میں ملک شاہ سلجوقی اور مغرب میں یوسف بن تاشفین جیسے اسلامی سلاطین حکمرانی کر رہے تھے۔ اس زمانہ کو مسلمانوں کے سیاسی ضعف یا اضمحلال کا زمانہ قرار دینا آخر کسی حیثیت سے بھی صحیح ہو سکتا ہے! اور یہ تو خیر عہد غزالی کی عام بات ہے اب ذرا ان واقعات کی اجمالی داستان سن لیجیے جو مشرق اور مغرب دونوں علاقوں میں اس وقت پیش آئے ہیں جب امام غزالی زندہ تھے اور اسی سے اندازہ کیجئے کہ عام مسلمانوں کی نفسیات پر ان واقعات کا کیا اثر مرتب ہوا ہوگا یا کیا مرتب ہو سکتا تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ "یورپ اور اسلام" کی سیاسی کشمکش نے آج جس نتیجہ کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے

Marfat.com

کہ اس کشمکش اور آویزش کی ابتداء امام غزالی کے زمانہ بلکہ اس زمانہ سے پہلے ہو چکی تھی لہ

لہ بلکہ یاجوج وماجوج کے جس ردم (دو پہاڑیوں کے بیچ کی دیوار) کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک نیند سے بیدار ہو کر رات کے وقت یہ فرمایا تھا کہ یاجوج وماجوج کے ردم میں اتنا بڑا سوراخ پیدا ہو گیا (اور سوراخ کی مقدار بتاتے ہوئے) آپ نے عقد انامل کی اصطلاح کی طرف اشارہ انگلیوں کو باندھ کر فرمایا جس سے دس کا عدد سمجھا جاتا ہے اور فرماتے تھے کہ ویل للعرب من شر قد اقترب (تباہی ہے کہ عرب کے لیے اس برائی سے جو قریب آگئی۔) یہ روایت صحاح ستہ کی عام کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی روایت کے متعلق جن لوگوں کا خیال حزقیل کی کتاب کے ان فقروں کی بنیاد پر یعنی حزقیل نبی نے کہا۔ خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدم زاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کر خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج روس اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں میں تجھے ہٹا دونگا اور تیرے جبڑوں میں اپنی بنسی مار دونگا (حزقیل باب ۳۸ ۔ ۲-۳) اور یوحنا کے مکاشفہ کے نام سے عہد جدید کی کتابوں میں ایک کتاب جو پائی جاتی ہے اسی کتاب میں پہلے ایک آنے والے شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ "میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے" بعض نسخوں میں برحق کی جگہ امین لفظ ہے۔ بہرالحال الصادق الامین کے بعض خصوصی اوصاف کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے ہزار سال تک کے لیے اس اژدہے پرانے سانپ کو جو ابلیس اور شیطان ہے پکڑ کر اتھاہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اس پر مہر کر دی تاکہ وہ ہزار سال تک قوموں کو گمراہ نہ کرے اس کے بعد ضرور ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لیے وہ کھولا جائے گا۔ اس تھوڑے عرصہ میں جب وہ کھولا جائے گا۔ لکھا ہے کہ جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی یعنی "یاجوج وماجوج" کو گمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرنے کو نکلے گا ان کا شمار سمندر کی ریت کے مانند ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گے اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے پھر آسمان سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائیگی۔ (مکاشفہ یوحنا باب ۲۰ ۔ ۴-۸) بہر حال بائبل کی ان شہادتوں کی بنیاد پر جو یورپ کی قوموں کو یاجوج ماجوج سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ ان کا خیال تو یہی ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں یورپ اٹھنے کی تیاری عہد نبوت ہی میں کرنے لگا تھا تاریخ سے اس کی توثیق بھی ہوتی ہے بعض کہتے ہیں کہ انگلستان میں گوگ ہل (کوہ ماجوج) کے نام کی پہاڑی بھی ہے اور لندن شہر کے مشہور گلڈ ہال پر کہتے ہیں کہ گوگ ماگوگ کے برنجی مجسمے اس وقت تک قائم ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب "آگ" آتشیں اسلحہ جس کی انتہا ایٹم بم پر ہوئی کیا اس کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

Marfat.com

اور یہ بھی درست ہے کہ " جنگ دو سر دارد " کی فارسی ضرب المثل ہے، یا عربی کی ضرب المثل " الحرب سجال " کے عام قاعدے کے مطابق ان آویزشوں میں کبھی مسلمانوں کے ہاتھ اور کبھی یورپ والوں کے ہاتھ میدان رہتا تھا لیکن ٹھیک جس زمانہ میں حضرت امام حجۃ الاسلام دنیا میں رونق افروز تھے " یورپ " اسلام کی اسی کش مکش کے سلسلہ میں ایک عجیب و غریب فیصلہ کن معرکہ " مشرق " میں پیش آیا اور اسی کے کچھ دن بعد اسی کے قریب قریب " مغربی محاذ " پر مسلمانوں کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے، اسلامی تاریخ میں چند ہی واقعات شاید ان کے مماثل مل سکتے ہیں، میں پہلے مشرقی میدان کے قصے کو سناتا ہوں۔

الپ ارسلان کی فتح اور ارمانوس کی شکست

جیسا کہ میں نے عرض کیا امام غزالی کے عہد میں مشرق کی سب سے بڑی سیاسی قوت سلجوقیوں کی تھی ملک شاہ سلجوقی سے پہلے حکومت کا فرماں روا ملک شاہ کا باپ الپ ارسلان تھا، الپ ارسلان اور قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ ارمانوس کے درمیان آویزشوں کا سلسلہ جاری تھا۔ قسطنطنیہ کے اس عیسائی بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کی دلچسپی یا اسلامی حکومت میں جو اس کی اہمیت تھی اس کا اندازہ آپ کو اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ سلجوقیوں کے مشہور وزیر با تدبیر نظام الملک طوسی کے سامنے ایک غلام کی بڑی تعریف فوجی افسر نے کی لیکن غلام نظام الملک کی نگاہ میں کچھ زیادہ نہیں جچا لیکن افسر پھر بھی اس کی خریداری پر اصرار کرتا رہا۔ اس کے اصرار کو دیکھ کر نظام الملک نے تعریضاً کہا:۔

عسی ان یاتینا ملک الروم اسیرا۔ شاید روم و قسطنطنیہ کے بادشاہ ہی کو یہ غلام قید کر کے لے آئے گا۔

(ج ۱ کامل ابن اثیر ص۲۳)

خیر یہ تو ایک ذیلی واقعہ تھا، نظام الملک کی زبان سے ایک تعریضی فقرہ نکلا تھا کون جانتا تھا کہ وہی واقعہ کی شکل اختیار کرنے والا ہے۔

ہوا یہ کہ الپ ارسلان ارمانوس ہی کی فکر میں اپنے پایۂ تخت رے سے نکل کر شام کے علاقوں میں گشت کر رہا تھا اس عرصہ میں ارمانوس اور الپ ارسلان کے درمیان خلیفہ بغداد نے صلح کرانے کی بھی کوشش کی تھی اور صلح نامہ گویا ایک طرح سے طے ہو چکا تھا اس عرصہ میں شدید قسم کا قحط شامی علاقوں میں پھوٹ پڑا۔ الپ ارسلان نے مجبوراً فوجیوں کو خراسان جانے کا حکم دے دیا لیکن خود خاصے کے چار ہزار غلاموں کے ساتھ وہ شامی علاقے ہی میں ٹھہرا رہا۔ اسی حال میں اچانک اس کو خبر ملی کہ سرحد پر ارمانوس نے عظیم الشان

Marfat.com

تیاریوں کے ساتھ حملہ کر دیا ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ارمانوس کے ساتھ تین لاکھ آدمی تھے[1] سیکڑوں گاڑیاں تھیں جن پر سامان جنگ لدا ہوا تھا۔ منجنیقوں، عرادوں، دبابوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ بعض بعض منجنیقیں اتنی بڑی تھیں کہ بارہ بارہ سو آدمی مل کر اس کو کھینچتے تھے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ایک طرف تین لاکھ ٹڈی دل انسانوں کا مجمع ہے اور دوسری طرف مسلمان بادشاہ کے ساتھ صرف چار ہزار غلام ہیں۔

فوج کے اصل سپاہی وطن جا چکے تھے، قدرتاً الپ ارسلان کی سخت آزمائش کا وقت تھا لیکن اس نے اپنے قلب میں قوت محسوس کی۔ جمعہ کا دن تھا جب دونوں میں مٹھ بھیڑ ہونے والی تھی الپ ارسلان مسجد آیا۔ پہلے خوب رو دیا، چہرے پر خاک ملی اور حق تعالیٰ سے توفیق و نصرت کا طالب ہوا، پھر اس نے ساتھیوں کی طرف خطاب کر کے کہا کہ بادشاہی اور افسری ختم ہو چکی، میری حیثیت اسلام کے ایک ادنیٰ سپاہی سے زیادہ اب نہیں رہی ہے میں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اسلام کے اس دشمن کے مقابلہ سے اب پیٹھ نہ پھیروں، خواہ میں مارا ہی کیوں نہ جاؤں یا خدا مجھے کامیابی نصیب کرے۔ آپ لوگوں کو اختیار ہے جس کا جی چاہے اس جہاد میں میری رفاقت کرے اور جس کا جی چاہے چلا جائے۔ لکھا ہے کہ اس نے سر سے کفن باندھا تیر و کمان اور ترکش سب پھینک کر، گرز بدست گھوڑے پر سوار ارمانوس کی اس ٹڈی دل فوج پر غضبناک شیر کی طرح ٹوٹ پڑا۔ بادشاہ کے اس حال کو دیکھ کر غلاموں کا جو دستہ اس کے ساتھ تھا جان پر کھیل کر دشمن کی فوج میں گھس پڑا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ چند گھڑیاں بھی گزرنے نہ پائی تھیں کہ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ افراتفری ان کی فوج میں پھیل گئی۔ بڑی تعداد تو ان لوگوں کی قتل ہو گئی۔ بھاگنے کی راہ جنہیں ملی وہ بھاگ گئے باقی گرفتار ہوئے۔ الپ ارسلان جب اپنے خیمے کی طرف واپس آیا تو وہی فوجی آفیسر جس نے نظام الملک کے سامنے غلام کو پیش کرتے ہوئے مذکورہ بالا تعریضی فقرے کو سنا تھا وہی بادشاہ کے پاس حاضر ہوا اور آ کر عرض کرنے لگا کہ میرے غلاموں نے جن قیدیوں کو پکڑا ہے کہتے ہیں کہ ان میں ارمانوس یعنی خود شاہ قسطنطنیہ بھی ہے اور اس کا پکڑنے والا وہی غلام ہے جسے تعریضاً نظام الملک نے کہا تھا کہ "شاہ روم ہی کو تو قید کر کے یہ لے آئے گا۔" الپ ارسلان کے ساتھ ایسے آدمی موجود تھے جو قسطنطنیہ متعدد سفارتوں میں جا چکے تھے ارمانوس

---

[1] ابن جوزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک لاکھ آدمی تو صرف نقب لگانے، زمین کھودنے اور راستہ وغیرہ ہموار کرنے کے لیے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ جنگی سپاہیوں کے اس زمانہ میں بھی انجینئری کا کافی عملہ فوجوں کے ساتھ رہتا تھا۔

Marfat.com

کو خوب پہچانتے تھے وہی بھیجے گئے تحقیق سے معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح ہے۔ الپ ارسلان نے اپنی اس غیر معمولی کامیابی پر سجدہ شکر بجالایا۔ ارمانوس اس کے بعد الپ ارسلان کے سامنے حاضر کیا گیا۔ شرم سے اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ دونوں میں جو گفتگو ہوئی دلچسپ ہے، تاریخوں میں اس کی تفصیل پڑھیئے [1] خلاصہ یہ ہے کہ

---

[1] لکھا ہے کہ اس کی تصدیق ہو جانے کے بعد کہ واقعی خود شاہ قسطنطنیہ گرفتار ہو گیا ہے۔ الپ ارسلان نے حکم دیا کہ میرے پاس پابہ زنجیر جس حال میں وہ ہے حاضر کیا جائے، بیڑیوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ارمانوس بادشاہ کے سامنے لایا گیا چونکہ حملہ کی خبر سن کر الپ ارسلان نے رمانوس کے پاس اپنا قاصد بھیجا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان خلیفہ بغداد نے جو صلح کا معاہدہ طے کرا دیا ہے اس کی تم نے خلاف ورزی کی ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ تم واپس ہو جاؤ، جواب میں ارمانوس نے کہلا بھیجا کہ میں نے اس مہم کی تیاری میں بہت زیادہ دولت صرف کر دی ہے اور مختلف علاقوں سے جنگی سورماؤں کو جمع کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ کہتے ہیں کہ تیس ہزار چیدہ یورپین سوار اور اسی کے قریب ایشیائی علاقے کے جنگجو بہادر اس کے ساتھ تھے۔ علاوہ اس کے اس نے پولینڈ، بلقان وغیرہ سے بھی سپاہی فراہم کیے تھے۔ بہر حال آخر میں اس نے لکھا تھا کہ "اب میرے اور تمہارے درمیان معاہدہ رے ہی پہنچکر ہوگا"۔ اس فقرہ نے الپ ارسلان کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ غصہ کی آگ میں جل رہا تھا جونہی کہ ارمانوس اس حال میں اس کے سامنے پیش ہوا۔ بادشاہ کے ہاتھ میں کوڑا تھا کھینچ کر تین تازیانے اس کی پیٹھ پر رسید کیئے۔ ارمانوس سر جھکائے کھڑا تھا کوڑے کھانے کے بعد اس نے الپ ارسلان سے کہا۔

"اے بادشاہ اب سرزنش بیکار ہے۔ میں نے تیاری پوری کی تھی لیکن خدا نے تمہاری مدد کی اب جو جی میں تمہارے آئے فیصلہ کرو۔"

یہ سن کر الپ ارسلان نے کہا کہ "جس حال میں تم ہو اگر تمہارے سامنے میں اسی حال میں پیش کیا جاتا تو بتاؤ تمہارا سلوک میرے ساتھ کیا ہوتا۔" ارمانوس نے کہا "برے سے برا سلوک جو سوچا جا سکتا ہے وہی میں اختیار کرتا۔" ارمانوس کی راست بیانی سے الپ ارسلان متاثر ہوا اور چلا کر بولا اگر اس جواب کے سواء کوئی دوسرا جواب دیتا تو یقیناً وہ جھوٹ ہوتا پھر اس نے ارمانوس سے کہا کہ تمہارے ساتھ میں کیا کروں گا؟ کیا تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اس نے کہا تین ہی چیزوں کا تمہیں اختیار ہے۔ چاہے قتل کر دو چاہے اپنے ممالک محروسہ میں مشتہر کر کے مجھے رسوا کرو۔ رہی تیسری بات سو وہ تو ذکر کے قابل بھی نہیں ہے۔ الپ ارسلان نے کہا کہ بتاؤ آخر وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے قصور کو معاف کر دو اور زر فدیہ لے کر مجھے چھوڑ دو۔ الپ ارسلان نے کہا کہ مگر میں نے اسی تیسری شق کے اختیار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر الپ ارسلان نے اپنے ہاتھ سے ارمانوس کی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

الپ ارسلان نے بجائے سختی کے ارمانوس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔ زر فدیہ لے کر اس کو چھوڑ دیا۔ خود تین میل تک اس کو پہنچانے گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے مقابلہ میں اسلام کی اس عجیب و غریب فتح کا جو قصہ پیش آیا تھا اور اس غیر متوقع کامیابی سے مسلمان جتنا متاثر ہوئے تھے اس کا اندازہ ابن جوزی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے جو انہوں نے کچھ ہی دن بعد اپنی تاریخ المنتظم میں اس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :-

وھذا الفتح فی الاسلام کان عجبا لا نظیر لہ۔ — یہ فتح اسلام کے عجائبات میں شمار ہوتی ہے جس کی مثال نہیں ہے۔

پھر خود ہی لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :-

" اس مہم میں دشمن چاروں طرف سے اس لیے سمٹ کر آئے تھے کہ اسلام اور اسلام والوں کی بنیاد ہی نکال کر پھینک دیں گے۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ یہ ارادہ کر کے چلا تھا کہ مسلمانوں کے بادشاہ کے لیے اگر رے (سلجوقیوں کے پایۂ تخت) تک جانا پڑا تو بڑھتا چلا جاؤں گا۔ عیسائی سردار مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کر چکے تھے۔ شاہ قسطنطنیہ نے خصوصیت کے ساتھ اپنے اس سردار کو جس کے حصہ میں بغداد پڑا تھا یہ وصیت کی تھی کہ دیکھنا بغداد کے اس بڈھے کا خیال رکھنا وہ نیک آدمی ہے اور میرا دوست ہے (یعنی خلیفہ) عیسائی سردار جس وقت اپنے ملک سے روانہ ہوئے تھے تو باہم ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ سردیوں کا موسم تو ہم لوگ رے میں گزاریں گے اور گرمی عراق میں۔ واپسی میں شامی علاقوں کا بھی فیصلہ کر لیں گے۔" (ص ۶۶۴ ج ۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بیڑیاں نکال دیں اور ایک خاص شاہی خیمہ میں اسے ٹھہرایا گیا۔ اس کا تاج اور لباس جو چھینے گئے تھے دوبارہ پہنا دیئے گئے۔ ارمانوس بھی الپ ارسلان کے اس حسن سلوک سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ طے ہوا کہ آئندہ سے قسطنطنیہ میں وہ الپ ارسلان کے نائب ہونے کی حیثیت سے حکومت کریگا اور سالانہ خراج بھی ارسال کرتا رہیگا۔ زر فدیہ میں بیش قرار رقم دینے کا وعدہ کیا بادشاہ نے ارمانوس کیساتھ اس کے چند سرداروں کو بھی خلاصی بخشی خود تین میل تک ارمانوس کی مشایعت میں گیا۔ لکھا ہے کہ جب الپ ارسلان سے رخصت ہو کر ارمانوس اپنے ملک کی طرف روانہ ہوا تو اس نے دریافت کیا کہ بغداد کس سمت میں واقع ہے جب بتایا گیا تو خلافت اسلامی کے پایۂ تخت اور خلیفہ کی طرف اس نے تعظیماً سر جھکایا اور یوں یہ قصہ ختم ہوا آگے جو واقعات پیش آئے انہیں تاریخ میں پڑھیے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ یہ معرکہ جس جگہ پیش آیا تھا اس کا نام "رہوہ" تھا۔

Marfat.com

اور یہ واقعہ تو مشرق میں پیش آیا امام غزالی کی اس وقت عمر تیرہ چودہ سال کے درمیان تھی۔ کم از کم ابن جوزی کے زمانہ تک "اسلامی فتوحات" کے سلسلہ میں اس عجیب و غریب فتح و کامیابی کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں موجود نہ تھی "اسلامی دنیا" پر اس غیر معمولی کامیابی کا جو اثر مرتب ہوا ہو گا اس کا اندازہ تو اس وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ :۔

"جب بغداد میں اس فتح کی خبر پہنچی تو ہر ہر گلی کوچے میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے "بیت النوبہ" میں لوگ جمع ہوئے اور فتح کی خوشخبری کے جو خطوط آئے تھے وہ پڑھے گئے"۔

بہر حال یہ قصہ تو اس وقت کا ہے جب امام حجۃ الاسلام طالب علمی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسی کے کچھ دن بعد جب وہ بغداد کے مدرسۂ نظامیہ کی صدارت پر فائز ہو چکے تھے اور اسلامی دنیا کے ممتاز و سر برآوردہ علماء کی صف میں داخل ہو چکے تھے۔ کم و بیش ان کی عمر اس وقت ۲۹ سال کے قریب تھی کہ مغرب میں اسی کے قریب قریب ایک دوسرا فیصلہ کن معرکہ "یورپ اور اسلام" کے درمیان پیش آیا۔

واقعہ زلاقہ

مسلمانوں کی تاریخ میں اس واقعہ کا نام "وقعۃ الزلاقہ" ہے۔ زلاقہ اس میدان کا نام تھا جہاں یہ معرکہ پیش آیا تھا۔ تفصیلات کا مطالعہ تو عام تاریخوں میں کیجئے میں صرف خلاصہ اس کا درج کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ پانچویں صدی میں اندلس کے مسلمانوں کی مرکزی سلطنت طوائف الملوکی کی شکل اختیار کر چکی تھی لیکن اندلس کے سامنے مغرب اقصیٰ کا علاقہ افریقہ میں تھا وہاں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان حکومت ان لوگوں کی قائم ہو گئی تھی جن کا نام اسلامی تاریخ میں "ملثمین" یا نقاب پوشوں کی حکومت تھی، امام غزالی کے زمانہ میں اس حکومت کا فرمانروا وہی یوسف بن تاشقین تھا جس کے متعلق الیافعی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اپنے وقت میں کرۂ زمین کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔

زلاقہ کا واقعہ اسی یوسف بن تاشفین کے ساتھ پیش آیا ہے۔ اس زمانہ میں اندلس کے ایک بڑے حصے میں عیسائیوں کی بھی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ ان کا پایۂ تخت طلیطلہ تھا۔ طلیطلہ میں اذفونش نامی عیسائی حکمران حکمرانی کر رہا تھا۔ قصہ بہت طویل ہے حاصل یہ ہے کہ اندلس کے ملوک الطوائف جن میں اشبیلیہ کا حکمران معتمد بن عباد سب سے زیادہ سر برآوردہ تھا۔ ان سب کے اشارے سے اذفونش کے مقابلہ کے لیے یوسف بن تاشفین مراکش سے اپنی فوج کے ساتھ اندلس پہنچا۔ اذفونش شاہ طلیطلہ کو جب اس کی خبر ملی تو یوسف

Marfat.com

بن تاشفین جو عام طور امیر المسلمین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ خلافت بغداد سے یہی خطاب ان کو ملا بھی تھا۔ ان کے نام اذ فونش نے ایک طویل خط لکھا جس میں امیر المسلمین کو اس نے نصیحت کی تھی کہ میری طاقت و قوت کا چونکہ صحیح اندازہ تم کو نہیں ہے اس لیے بے سوچے سمجھے مسلمانان اندلس کے اکسانے پر تم یہاں چلے آئے ہو مناسب یہ ہے کہ خیر و عافیت کے ساتھ اپنے ملک واپس ہو جاؤ بہرحال اسی قسم کے مضامین سے اس کا خط بھرا ہوا تھا۔ امیر المسلمین کے پاس جب یہ خط پہنچا تو اپنے سیکرٹری کو بلا کر جواب لکھنے کا حکم دیا۔ سیکرٹری جب جواب لکھ کر لایا تو سننے کے بعد امیر المسلمین نے کہا کہ یہ تو بڑی طول طویل عبارت ہے پھر خود قلم ہاتھ میں لیا اور اذ فونش کے خط کی پشت پر اپنے ہاتھ سے لکھا:

الذی ستکون تراہ — جو کچھ ہو کر رہیگا اسے تو خود دیکھ لے گا۔

اس جواب کے بعد اذ فونش کے لیے مقابلہ کے سواء دوسرا چارہ کار ہی کیا تھا۔ آخر دونوں طرف سے فوجیں بڑھیں، مسلمانوں نے اپنا کیمپ بطلیوس کے علاقہ میں اس میدان میں قائم کیا تھا جس کا نام "زلاقہ" تھا۔ اسی نام سے اب تک تاریخوں میں یہ جنگ مشہور ہے۔

لکھا ہے کہ اذ فونش کے ساتھ پچاس ہزار یورپ کے چیدہ اور جنگ جو سورما تھے انہی پر اس کو ناز تھا۔ ادھر امیر المسلمین کی فوج تھی جو افریقہ سے آئی تھی اور اندلس کے چند ملوک الطوائف کے سپاہی اور رضاکار مسلمان تھے۔ اذ فونش نے دھوکہ میں رکھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ دونوں طرف سے خوب کشمکش ہوئی لیکن آخر کار نتیجہ یہ نکلا جیسا کہ کامل ابن اثیر میں ہے کہ:

ولم یرجع من الفرنج الی بلادھم غیر ثلاثمائۃ فارس (ج ۱۰ ص ۵۳) — یورپین فرنگی سپاہیوں میں سے نہیں واپس ہوئے اپنے ملکوں کی طرف مگر صرف تین سو سوار۔

اور یوں اذ فونش کے پچاس ہزار فرنگی نوجوان "زلاقہ" کے میدان میں کھیت ہو کر رہ گئے۔ لکھا ہے کہ:

جعل المسلمون من رؤس القتلی کوما کثیراً فکانوا یؤذنون علیھا الی ان جیفت فاحرقوھا (ص ۵۳) — مسلمانوں نے مقتولوں کی لاش کے ڈھیروں سے بکثرت ٹیلے بنائے اور ان ہی ٹیلوں پر چڑھ کر اذان دیتے تھے تا آنکہ لاشیں سڑ گئیں تب جلا دی گئیں۔

ٹھیک جیسے ارمانوس کے مقابلہ میں الپ ارسلان کو کامیابی جمعہ کے دن ہوئی تھی آج بھی اتفاقاً جمعہ

Marfat.com

کا دن تھا۔ مشرق و مغرب کی ان دونوں غیر معمولی کامیابیوں میں کل سولہ سال کا فاصلہ تھا۔ یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ کسی ایک قوم کو ایک ہی سمت میں نہیں بلکہ مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی اپنے سب سے بڑے حریف کے مقابلہ میں اتنے قلیل عرصہ میں یعنی کل سولہ سال کے اندر اندر ایسی عظیم الشان کامیابیاں جس وقت میسر آئی ہوں گی اس کا اثر ان کے نفسیات پر قدرتاً کیا پڑ سکتا ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آئے ہیں دنیا میں مسلمانوں کو کسی قسم کا خطرہ اگر اس عہد میں کسی سے تھا تو وہ ان ہی عیسائی قوموں سے تھا جو یورپ کے مشرقی اور مغربی حدود میں ان سے پنجہ آزمائی کر رہی تھیں ورنہ مسلمانوں کے سوا مسلمانوں سے ہاتھ ملانے کی جرأت اس زمانے میں دنیا کی کون قوم کر سکتی تھی۔ تاتاریوں کا ظہور تو ساتویں صدی کی ابتداء میں ہوا اور امام غزالی کے سامنے یہ دونوں مشرقی و مغربی فیصلہ کن معرکے پانچویں صدی ہجری میں پیش آئے تھے یقیناً غلامی کے اس عہد میں مسلمانوں کے ان فتوحات اور ان کے نفسیاتی آثار و نتائج کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ قوموں کے مقابلہ میں جب قدرت کسی قوم کو اس قسم کی غیر معمولی فاتحانہ برتری عطا کرتی ہے تو جو نشہ اس کے بعد سوار ہوتا ہے اور اخلاقی بنیادوں میں جو تغیرات شعوری و غیر شعوری طور پر ان حالات میں طبعاً پیدا ہوتے ہیں اس کا مشاہدہ اسی قسم کی کسی قوم کے

لہ میں نے جو لکھا تھا کہ اذفونش نے دھوکہ دے کر مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ لڑائی جمعہ کے دن ہو گئی قصہ یہ ہوا کہ جب دونوں جانب فوجیں اتر گئیں تو اذفونش نے مسلمانوں کے پاس لکھا کہ کل تو جمعہ کا دن ہے جو تمہاری عید کا روز ہے اور اس کے ایک دن بعد اتوار کا دن آتا ہے جو ہماری عید کا روز ہے پس مناسب ہے کہ مقابلہ دوشنبہ کے دن شروع ہو۔ مسلمانوں نے اس کی بات مان لی لیکن اذفونش نے جمعہ کے دن یہ سمجھ کر کہ مسلمان مطمئن ہوں گے حملہ کر دیا مگر اس کے برے کید اور جال کو خدا نے ناکام فرمایا۔ لکھا ہے کہ اذفونش نے اس زمانے میں جب طلیطلہ سے چلا تو خواب دیکھا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہے۔ اس کے آگے ایک ڈھول رکھا ہے جس پر وہ ٹھوکریں لگاتا ہے۔ پادریوں سے اس خواب کی تعبیر اس نے پوچھی لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی تب ایک مسلمان عالم کو بلا کر اس نے تعبیر دریافت کی انہوں نے کہا کہ بادشاہ اس خواب کی تعبیر اگر مجھ سے نہ پوچھیں تو بہتر ہے مگر جب مصر ہوا تو انہوں نے سورہ الم تر کیف کا مضمون اسکو سنایا اور کہا کہ آپ کے اس جنگ میں ناکامی ہوگی اور ڈھول کے نقر و ٹھونکنے کے متعلق بھی قرآنی آیت فاذا نقر فی الناقور سے استنباط کیا۔ کہ تمہارے لیے یہ دن سخت دشوار ہوگا۔ اذفونش اس تعبیر کو سن کر خاموش ہو گیا جب اپنے فوجی ساز و سامان اور اپنے سورماؤں کو اس نے دیکھا تو اس نے مسلمان عالم کو بلوا کر کہا کہ اس فوج کے ساتھ تو محمدؐ کے خدا سے بھی میں لڑ سکتا ہوں۔

Marfat.com

افراد میں ہم کر سکتے ہیں جسے عالم میں اس قسم کی برتری میسر آئی ہو آخر نفسیات انسانی کے نباض اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ بلا وجہ نہیں فرمایا تھا۔

واللہ ما الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنا فسوھا کما تنافسوھا وتلھیکم کما الھتھم (رواہ البخاری)

خدا کی قسم محتاجی اور غربت کا تمہارے متعلق اندیشہ نہیں ہے مگر میں جس چیز سے ڈر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا میں تمہارے وسعت عطا کی جائے گی۔ جیسے گزشتہ قومیں جو تم سے پہلے گزریں ان کی دنیا میں وسعت بخشی گئی تھی پھر جیسے گزشتہ قوموں میں کشمکش پیدا ہوئی تم بھی ایک دوسرے کے مقابلہ میں نفسانیت سے کام لوگے اور جیسے دنیا نے ان کو غافل بنا دیا تمہیں بھی بنا دے گی۔

ہر بدر کے پیچھے احد ہے

یقیناً جو کچھ فرمایا گیا تھا اس کا سامنے آنا ضروری تھا! ورنہ میں تو خیال کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی سیزدہ صد سالہ تاریخ ہر "بدر" کے پیچھے کسی نہ کسی شکل میں "احد" کا نشتر بھی مسلسل عمل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ کوئی اتفاقیہ واقعہ نہیں ہے بلکہ حکیم کی حکمت کا یہ اقتضاء ہے۔

خیر اس مسئلہ کو تو جانے دیجئے میں تو اس وقت آپ کے سامنے اس سیاسی ماحول کا ایک سرسری خاکہ پیش کرنا چاہتا تھا جس میں امام حجۃ الاسلام پیدا ہوئے اور زندگی گزاری تھی۔

ایک غلط فہمی ازالہ

ایک بڑی غلط فہمی جس میں مسلمانوں کی تاریخ کے عام مطالعہ کرنے والوں کو مبتلا پاتا ہوں یہ ہے کہ مسلمان سلاطین و امراء کی باہمی اندرونی خلفشار کے جن قصوں کا تذکرہ ہماری کتابوں میں کیا گیا ہے سمجھنے والے سمجھ لیتے ہیں کہ شاید ان سے مسلمانوں کے عام طبقات بھی متاثر ہوتے تھے، لیکن میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ وہی طبقہ جو براہ راست حکومت اور سیاست میں دخیل تھا اس پر تو مسلمان سلاطین اور امراء کی باہمی آویزشوں کے نتائج کا اثر ضرور پڑتا تھا لیکن عوام ہی نہیں بلکہ حکومت کے غیر سیاسی محکموں سے جن لوگوں کا تعلق تھا عموماً گھر کے ان خانگی انقلابات سے وہ بہت کم متاثر ہوتے تھے مثلاً عدالت کے محکمہ میں قضاۃ میزان عدل وغیرہ کے فرائض جو علماء انجام دیتے تھے یا درس و تدریس کے مشاغل میں جو مصروف رہتے تھے اور حکومت سے جن کو امداد ملتی تھی آپ دیکھیں گے کہ بادشاہ ہوں یا خانوادوں کے بدل جانے کے بعد بھی اپنی خدمات پر عموماً وہ باقی رہتے تھے۔ ان کے احترام و اعزاز، آمدنی یا تنخواہ وغیرہ

Marfat.com

پراس انقلاب کا عموماً کوئی اثر نہیں پڑتا تھا سیاسی دوائر میں خواہ کسی قسم کا طوفان برپا ہو عام حالات میں ان طوفان کے تھپیڑوں سے اس قسم کے طبقات عموماً محفوظ رہتے تھے! امام غزالی کے قلم سے تھوڑی دیر بعد اس قسم کے فقرے بے ساختہ جو احیاء العلوم میں نکلتے گئے ہیں مثلاً پہلی جلد کے ابتدائی اوراق ہی میں اس کی شکایت کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کو علم طب سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے:۔

ان الطب لیس تیسیرا لوصول به الی تولی الاوقاف والوصایا وحیازة مال الایتام وتقلد القضاء والحکومة والتقدم به علی الاقران والتسلط به علی الاعداء

کہ طب پڑھ کر اوقاف اور وصیتوں کے متولی ہونے اور یتیموں کے مال کی نگراں کاری اور قاضی بننے اور حکومت میں شریک ہونے ہم چشموں میں برتری حاصل کرنے دشمنوں پر قابو یافتہ ہونے کا موقع لوگوں کو نہیں ملتا۔

اور وہی قرآن وحدیث فقہ واصول فقہ وغیرہ دینی واسلامی علوم جن کے پڑھنے والے آج خال خال نظر آتے ہیں ان ہی علوم پر لوگ ٹوٹے پڑتے تھے کہ مذکورہ بالا مقاصد واغراض کے حصول کا واحد ذریعہ اس زمانے میں یہی علوم تھے اور طب جیسا شریف معاشی فن جس کی ضرورت کسی خاص قوم و امت یا طبقہ یا فرقہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے اسی لیے "معاشی ضمانت" کے لحاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ طب سے زیادہ محفوظ پیشہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہندو، مسلمان، عیسائی، یہودی، مشرقی و مغربی سب اس کے محتاج ہیں اور ہر زمانہ میں محتاج رہیں گے۔ اس شریف فن کی بھی بے قدری کرتے ہوئے جن علوم میں مسلمان ڈوبے ہوئے تھے یقیناً "اطمینان کی روٹی" اور "اطمینان کی عزت" کے وہ بہترین ذرائع ہوں گے اور اس کی وجہ دہی تھی، خانگی جھگڑوں کی وجہ سے سیاسی انقلابات کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا جو ان علوم کی راہ سے حکومت کے مناصب پر قبضہ کیے ہوئے تھے۔

اسی عہد میں علوم دینی کی سیاسی و معاشی اہمیت

اور امام غزالیؒ نے جس عہد میں ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولی تھیں اس وقت تو یہ کر لیا ایک خاص وجہ سے یوں خیال کیجئے کہ نیم ہی چڑھ گیا تھا عرض کر چکا ہوں کہ مشرق میں یہ سلجوقیوں کی حکومت کا دور تھا اور سلجوقی دربار میں حسن اتفاق سے مدرسہ کے ایک ملا کو ایک ایسے غیر معمولی رسوخ و نفوذ کے حاصل کر لینے میں کامیابی ہوئی تھی کہ گویا در حقیقت وہی واقعی حکمراں اور جز و کل کا مالک تھا، میرا اشارہ سلجوقی دربار کے مشہور وزیر نظام الملک طوسی کی طرف ہے جیسا کہ معلوم ہے نظام الملک کی ابتدائی زندگی ملاؤں کی زندگی تھی اس عہد کے تعلیمی نصاب کی باضابطہ انہوں نے تکمیل کی تھی علمائے دین کے اعزاز و احترام کا آفتاب نظام الملک طوسی کے عہد میں سمت الراس پر پہنچ کر جو چمک رہا تھا اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ خود ان علوم میں ذاتی طور

Marfat.com

پر کافی دستگاہ رکھتے تھے [1]

مورخین نے اس عہد کے علماء مثلاً امام الحرمین [2] یا شیخ ابو اسحاق شیرازی وغیرہ حضرات کی جن تکریمی داستانوں

---

[1] اردو زبان میں ایک ضخیم کتاب "نظام الملک طوسی" کے حالات پر شائع ہو چکی ہے اور یوں بھی پڑھے لکھے مسلمان ان کے حالات سے ناواقف نہیں ہیں۔ الیافعی نے لکھا ہے کہ اشتغل فی ابتداء امرہ بالحدیث والفقہ (یعنی اپنی ابتدائی زندگی میں نظام الملک نے حدیث اور فقہ کی تحصیل کی تھی) وکان مجلسہ عامراً بالقراء والفقہاء (ان کی مجلس قراء اور فقہا سے ہمیشہ بھری رہتی تھی) اور ان ہی کے الفاظ میں یرغب فی العلم واملاء وحدث (علم کی طرف مائل تھے درس بھی دیا اور حدیث کی روایت بھی کرتے تھے) اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ "نظامیہ" کے نام سے ممالک محروسہ سلجوقیہ میں اسی شخص کی توجہ سے بیسیوں دار العلوم اور مدارس تعمیر ہوئے جن میں نظامیہ بغداد و نیشاپور نے خاصی شہرت حاصل کی، لکھا ہے کہ نظام الملک کے پاس امام الحرمین یا ابو القاسم قشیری ابو علی فارمدی جیسے علماء و صوفیاء جب آتے تھے تو ان کی تعظیم میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ حتیٰ کہ "خود وزارت کی مسند" سے اٹھ جاتے تھے! اور ان لوگوں کو اپنی جگہ بٹھاتے۔ (دیکھو کتاب مذکور ص ۱۳۷ ج ۳)

[2] امام الحرمین کی عظمت و جلالت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ سلجوقیوں کا وزیر نظام الملک ان کے لیے اپنی مسند چھوڑ دیتا تھا۔ تیس سال تک مدرسہ نظامیہ نیشاپور کی صدارت پر فائز اور ایک صدارت درس ہی کیا، لکھا ہے کہ فسلم لہ المحراب والمنبر والخطابۃ والتدریس ومجلس التذکیر یوم الجمعۃ والمناظرۃ (ص ۱۲۶ ج ۳) (یعنی درس کے سوا نیشاپور کے محراب و منبر پر بھی ان ہی کا قبضہ تھا، وہی امام خطیب تھے اور وعظ و مناظرہ کی مجلس بھی ان ہی کی باقی رہ گئی) ان کی وفات کے دن جو منظر دیکھا گیا، کہا جاتا ہے کہ اس کی نظیر مشکل ہی سے دیکھی گئی ہے۔ شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے اور سال بھر تک لوگ ان کے ماتم میں سر برہنہ رہے۔ جس منبر پر خطبہ دیتے وہ توڑ دیا گیا، طلبہ نے اپنی دواتیں پھوڑ دیں، سال بھر تک درس بند رہا، ان کے تلامذہ شہر بہ شہر ان کی نوحہ خوانی کرتے رہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ امام غزالی کی عمر جیسے (۵۵) سال سے زیادہ نہ ہوئی، اسی طرح ان کے استاذ بھی ساٹھ سے پہلے (۵۹) سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور یہ حال تو امام الحرمین کا تھا۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی کے متعلق لکھا ہے کہ بغداد سے سفارت پر جب وہ شیراز روانہ ہوئے تو راستہ میں عموماً مسلمانوں کے جن شہروں اور آبادیوں سے ان کا وفد گزرتا تھا لوگ استاذ کے استقبال اور دیدار کے لیے باہر نکل آتے تھے اور ان کی ڈولی پر ہر پیشہ والے اپنے پیشہ کی مناسبت سے چیزیں نچھاور کرتے تھے۔ حتیٰ کہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بجائے خود ان بزرگوں کے غیر معمولی علمی و دینی کمالات کو بھی ان میں دخل تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عوام کے رجحانات حکومتِ وقت کے طرزِ عمل سے ضرور متاثر تھے۔ آخر نظام الملک سے پہلے بھی تو علماء کے اس طبقہ میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ سلجوقیوں کے عہد کے ان علماء کے ساتھ عوام و خواص کی دلچسپیاں اس حد کو کیوں پہنچ گئی تھیں جن کی نظیر نہ اس عہد سے پہلے ملتی ہے اور اس کے بعد بھی مشکل ہی سے ان کی مثالوں کے تلاش کرنے میں ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کوئی شبہ نہیں کہ نظام الملک کی طرف سے یہ جو کچھ ہو رہا تھا اس کی بنیاد ان کی علمی قدر شناسیوں اور ان کے صحیح دینی جذبات پر قائم تھی لیکن جو دنیا کے طالب تھے جب انہوں نے دیکھا کہ دین کی راہ سے بھی وہی دنیا مل سکتی ہے جو امام الحرمین جیسے بزرگوں کو ملی ہوئی تھی تو شاید یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ دین داروں کا گروہ دنیا داری کی طرف چل پڑا بلکہ صحیح تعبیر اصل واقعہ کی یہ ہو سکتی تھی کہ جو دنیادار تھے وہ دین داروں کی بھیڑ میں گھل مل گئے، امام حجۃ الاسلام کی اس قسم کی نوحہ خوانیاں اور ماتم سرائیاں مثلاً احیاء العلوم کے ابتدائی اوراق میں فرماتے ہیں:-

هيهات هيهات قد اندرس علم الدين	ہائے ہائے علماء سوء (بُرے علماء) کی حق پوشیوں
بتلبيس العلماء السوء فالله المستعان	کی وجہ سے علم دین مٹ گیا۔ پس اللہ ہی سے امداد
واليه الملاذ في ان يعيذنا من هذا الغرور	اس دشواری میں چاہی جاتی ہے وہی پشت پناہ ہے
الذي يسخط الرحمن ويضحك الشيطان	وہی بچا سکتا ہے اس فریب سے جس سے خدا کا غصہ
(ص ۱۶ ج ۱)	بھڑکتا ہے اور شیطان بھی جس پر ہنستا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ نانبائی روٹیاں نثار کرتے تھے۔ خود خلیفۂ وقت مٹھائیاں لٹاتے تھے۔ پھل والے پھلوں کی بارش کرتے تھے۔ حد یہ ہو گئی کہ کفش دوزوں نے بچوں کے پاؤں کی سینکڑوں ہلکی ہلکی جوتیاں بنائیں اور ان ہی کو شیخ کی سواری پر وہ نثار کرتے تھے۔ خود خلیفۂ وقت تک شیخ کا احترام کرتا تھا اور یہ حالات عام کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ میری غرض ان واقعات کے ذکر سے صرف یہ ہے کہ سلاجقہ کے عہد میں یا بالفاظ دیگر امام غزالی نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں علمائے دین کے اقبال و عروج کا کیا حال تھا۔ پڑھنے والوں کو ان مثالوں سے تھوڑا بہت اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

اور تو اور خود امام غزالی کے بھی استاذ امام الحرمین کے متعلق تقریباً اکثر تاریخوں میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں امام غزالی نے اپنی کتاب "منخول" جب لکھی اور استاذ کے سامنے پیش کی تو بجائے تعریف کرنے اور خوش ہونے کے کہتے ہیں کہ امام الحرمین نے امام غزالی کو مخاطب کر کے کہا:-

دفنتنی وانا حی ھلا صبرت حتی اموت۔ تو نے تو مجھے زندہ دفن ہی کر دیا اتنا تو صبر کرتے کہ جب میں مرجاتا (اس کتاب کو لکھتے) (منتظم ص ۱۶۹/۹)

امام غزالی کی کسی اور کتاب کو دیکھ کر امام الحرمین میں اس قسم کے جذبات پیدا ہوتے تو شائد اس پر اتنی حیرت نہ ہوتی۔ یہ "منخول" اس نہج کی کتاب تھی جسے غزالی نے اپنے استاذ ہی کی ایک کتاب "مغیث الخلق" کے نمونے پر لکھی تھی، اور "مغیث الخلق"[۱] کس قسم کی کتاب ہے۔ اب میں کیا بتاؤں امام الحرمین بڑے آدمی

---

[۱] امام الحرمین نے یہ کتاب امام ابوحنیفہ اور ان کے مذہب کی تنقید پر لکھی ہے۔ تنقید و تحقیق تو علماء کا کام ہی ہے لیکن اس کتاب کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی عظیم شخصیت سے بھی تعصب کے بعد کیا کچھ سرزد نہیں ہو جاتا ہے! ابتدا ہی اس کتاب کی ایسے طرز سے ہوئی ہے کہ اسی سے آئندہ جو لکھا جا سکتا ہے اس کا پتہ چل جاتا ہے یعنی پہلی وجہ امام ابوحنیفہ اور ان کے مذہب کے ضعف کی یہ بیان کی ہے کہ ابوحنیفہ نبطی تھے۔ یعنی ایرانی کسان خاندان سے تعلق رکھتے تھے پھر ایسے بے سر و پا واقعات کا تذکرہ کیا ہے کہ جن کو سن کر تاریخ کا معمولی طالب علم بھی شائد ہنس دے۔ مثلاً ہارون الرشید کے دربار میں لکھا ہے کہ امام شافعی بلائے گئے ان کے احترام و اعزاز میں قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن الشیبانی جو دربار میں موجود تھے حسد میں جلنے لگے حالانکہ امام شافعی جس زمانہ میں بغداد پہلی دفعہ آئے تھے قاضی ابو یوسف کا انتقال ہو چکا تھا اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس پر ہے کہ محمود غزنوی کے دربار میں قفال کے متعلق جو مشہور کیا گیا ہے کہ حنفیوں کی مسنون نماز کی شکل بتاتے ہوئے انہوں نے یہ کیا کہ کتے کی کھال اوڑھی اور آدھے جسم پر غلاظت لپیٹی پھر نبیذ سے وضو کیا اور فارسی میں تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ کر "دو برگ سبز" بولے اور زمین پر سے دو ٹھونگیں لگائیں۔ پھر بیٹھ کر تشہد کے بعد زور سے ریاح خارج کی اور سلام پھیرے بغیر سلطان سے کہا کہ حنفیوں کی مسنون نماز ادا ہو گئی۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض مسخروں نے اس لطیفے کو ضرور مشہور کیا ہے لیکن امام الحرمین جیسے امام علامہ سے یقیناً اس کی توقع نہ تھی کہ اس قسم کی بازاری گپ کا تذکرہ اپنی کتاب میں کریں گے۔ مگر جس عصبیت بیجا کا اظہار اپنی اس کتاب میں انہوں نے کیا ہے اس کو سامنے رکھ لینے کے بعد تعجب کا ازالہ ہو جاتا ہے بیچارے امام غزالی نے بھی اپنی جوانی میں اس کو علمی کمال خیال کر کے "منخول" نامی کتاب لکھی تھی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہیں ادب مانع ہے ورنہ شائد یہ کہہ سکتا تھا کہ احیاء العلوم میں اس قسم کے اشارے جو پائے جاتے ہیں مثلاً اپنے عہد کے علماء سو کی ایک عام عادت یہ بتاتے ہیں۔

انہم مبالغون فی التعصب و ینظرون الی المخالفین بعین الازدراء والاستحقار

حق کی حمایت میں بے جا تعصب سے کام لیتے ہیں۔ اس میں حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں اور اپنے مخالفوں کو حقارت و ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پھر چند ناصحانہ کلمات کے بعد فرماتے ہیں،

ولکن لما کان الجاہ لایقوم الا بالاستتباع ولا یستمیل الاتباع مثل التعصب واللعن والشتم وللخصوم اتخذوا التعصب عادتہم والتہم وسموہ ذباعن الدین ونضالا عن المسلمین وفیہ علی التحقیق ھلاک الخلق (ص۳۱ ج-۱)

اور جاہ و عزت کے حاصل ہونے کی صورت یہی ہے کہ بہت سے لوگ پیرو بن جائیں اور لوگوں کو اپنی پیروی کی طرف مائل کرنے کا قاعدہ یہی ہے کہ تعصب سے کام لیا جائے مخالفوں پر لعنت و ملامت اور سب و شتم کیا جائے اسی لیے ان لوگوں نے تعصب کو اپنی عادت بنا لیا ہے مگر منہ سے کہتے ہیں کہ ہم دین کی طرف سے جواب دیتے ہیں اور مدافعت کا فرض ادا کرتے ہیں اور مسلمانوں کی طرف سے مقابلہ کرتے ہیں حالانکہ خدا کی مخلوق کی اس میں بربادی ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ " شنیدہ " سے زیادہ " خود " دیدہ مشاہدات " ہی نے اس قسم کی باتوں کے لکھنے پر امام کو مجبور نہیں کیا تھا۔

علماء کے ناموں کیساتھ القاب کی بھرمار

اور سچی بات تو یہ ہے کہ خود " امام الحرمین " کے اس لقب خاص کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آخر میں جاہلی عصبیت کی اپنی کتابوں میں انہوں نے خود مذمت کی ہے لیکن حنفیوں میں ایک قسم کی گرانی اس کتاب کی وجہ سے امام غزالی کے متعلق اب بھی پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

متعلق تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا[1] لیکن خصوصیت کے ساتھ اسی زمانہ میں اسی کے قریب قریب ایسے القاب و آداب مثلاً قاضی الخافقین[2] یا "ذوالشرفین" "فقیہہ العراقین" وغیرہ کی بھرمار علماء کے اسمائے گرامی کے ساتھ جو نظر آتی ہے یہ بلا وجہ نہیں ہے۔ امام غزالی کا تاثر اور امام حجۃ الاسلام علماء کے جن حالات سے متاثر تھے ان کی غمازی خود یہ الفاظ بھی کسی نہ کسی حد تک ضرور کر رہے ہیں۔ بلکہ چاہا جائے تو یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ "شنیدہ" اور "دیدہ" سے بھی آگے بڑھ کر ان چیزوں کی حیثیت امام حجۃ الاسلام کے لیے تو "چشیدہ" کی تھی دوسروں کی شہادت سے نہیں، بلکہ خود امام کے ذاتی اعترافات ہی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ علماء سو

---

[1] امام الحرمین کی کتاب "مغیث الخلق" کو علامہ الکوثری الحنفی نے اپنے جوابی نوٹوں کے ساتھ حال میں جو شائع کیا ہے اسی میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک خاص حادثہ کی وجہ سے کچھ دن کے لیے امام الحرمین اپنے وطن نیشاپور سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے! اسی زمانہ میں کچھ دن ان کا قیام مکہ میں اور کچھ دن مدینہ میں رہا جہاں رہتے تھے وہاں نمازوں میں عالم ہونے کی وجہ سے امامت کا موقع ملتا رہا اسی لیے "امام الحرمین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ (دیکھو کوثری کی کتاب احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق ص۱۔

[2] قاضی الخافقین کے متعلق لکھا ہے کہ بہت بڑا علاقہ ان کے قضا سے چونکہ تعلق رکھتا تھا اس لیے اس لقب سے مشہور تھے (دیکھو الیافعی ص۱۵ ج۳) ذوالشرفین کا نام سید مرتضیٰ تھا اپنے وقت کے بہت بڑے محدث بھی تھے اور دولتمند بھی دس ہزار سالانہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے تھے۔ الیافعی ص۱۳۳ ج۱ ۴۸۰ھ میں وفات ہوئی اسی طرح فقیہہ العراقین ابن صباغ کا لقب تھا، یہ وہی صاحب ہیں جنھوں نے استاذ ابو اسحاق شیرازی کے روپوش ہو جانے کی وجہ سے مدرسہ نظامیہ کی صدارت کا عہدہ قبول کیا تھا۔ ۴۷۷ھ میں وفات ہوئی۔ الغرض زیادہ تر اس قسم کے القاب کی کثرت سلجوقیوں ہی کے زمانہ میں ہوئی بلکہ مشرق کے عام مسلمانوں میں "الدین" کی اضافت والے ناموں کی کثرت جو نظر آتی ہے الیافعی نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ اس کی ابتدا بھی اسی زمانہ میں ہوئی ان کا بیان ہے کہ سب سے پہلے نظام الملک طوسی کے نام کے ساتھ "قوام الدین" کے لقب کو اسلامی تاریخ میں میں پاتا ہوں ورنہ اس سے پہلے "الدولہ" یا "الملک" کی اضافت کا خطابوں میں رواج تھا۔ پچھلے زمانہ میں اس "الدین" والے ناموں کا جو طوفان مسلمانوں میں برپا ہوا ہے۔ اس پر الیافعی بہت بگڑتے ہیں کہ آج ہر فاسق فاجر شمس الدین نور الدین بنا ہوا ہے۔ پھر ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سارے ناموں میں میرے نزدیک صرف صارم الدین ہی کا نام صحیح ہے یعنی دین کے کاٹنے والے ورنہ اس کے سوا عموماً برعکس نہند نام زنگی کافور کی مثل صادق آتی ہے۔ (دیکھو مرآۃ الجنان ص۱۳۵ ج۱)

Marfat.com

کی عصبی جاہلیت کا ذکر کرتے ہوئے اور اس سلسلہ میں جدلیات و خلافیات کے نام سے فتنوں کی جو آگ مسلمانوں کے درمیان ان ہی مولویوں نے بھڑکا رکھی تھی امام ہی کے حوالہ سے گزر چکا کہ بظاہر گو انہوں نے یہی باور کرایا تھا کہ مقصود ان کوششوں سے دین کی حمایت اور مسلمانوں کی نصرت اور پشت پناہی ہے۔ لیکن امام نے فرمایا تھا کہ :۔

وفیہ علی التحقیق هلاك الخلق

درحقیقت اسی میں خلقت کی تباہی اور بربادی ہے۔

بہر حال احیاء العلوم میں اسی موقع پر اس نصیحت کے بعد

فایاك وان تحوم حولها واجتنبها اجتناب سم القاتل فانها الداء العضال وهو الذی رد الفقهاء کلهم الی طلب المنافسة والمباهاة (ج۔۱ صـ۳۱)

خبردار ! جو اس طریقہ کے تم قریب بھی جاؤ اس سے پرہیز کرتے رہنا۔ ایسا پرہیز جیسے زہر قاتل سے آدمی پرہیز کرتا ہے کیوں کہ یہی ناقابل علاج مرض ہے اور اسی چیز نے سارے فقہا (مولویوں) کو نفسانیت اور ناز و نخوت میں مبتلا کر دیا۔

امام نے لکھا ہے کہ ممکن ہے میرے اس بیان کو سن کر

یقال الناس اعداء لما جهلوا۔

کہا جائے کہ لوگ جس چیز سے ناواقف ہوتے ہیں اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ (یہ عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے)

اسی کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ :

فلا تسمع ذلك فعلی الخبیر سقطت

تم ہرگز اس کی نہ سنو! کیونکہ کسی ناواقف کے پاس تم نہیں ہو بلکہ ایک بڑے واقف کار کے پاس تم پہنچ گئے ہو۔

"الخبیر" یا "بڑے واقف کار" سے اشارہ امام نے خود اپنی طرف کیا ہے اور اسی کے بعد اپنے "چشیدہ" حالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

فاقبل هذه النصیحة ممن ضیع العمر فیه زمانا وزاد علی الاولین تصنیفا وتحقیقا و

تم کو چاہیے اس شخص کی بات مانو جس نے اپنی عمر کا ایک حصہ اسی قصّہ میں برباد کیا ہے اور پہلوں کے

Marfat.com

جدلا وبيانا۔

مقابلہ میں اس نے اس راہ میں زیادہ کام کیا ہے۔ کتابیں لکھیں، تحقیق کی بھی داد دی، لڑا جھگڑا بھی اور خوب کھول کر چیزوں کو اس نے بیان کیا۔

جہاں تک میرا خیال ہے ان کا ایما اپنے اسی کام کی طرف ہے جس کا میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں یعنی اپنے استاذ امام الحرمین کے نقش قدم پر "المنخول" نامی کتاب جو انہوں نے لکھی تھی۔ اور امام الحرمین نے ان کی کتاب کو دیکھ کر جب یہ کہا تھا کہ کاش تم میرے مرنے کا انتظار کرتے غالباً اسی کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے کہ پہلوں سے میرا کام ترقی یافتہ تھا، بہر حال آخر میں لکھتے ہیں:

ثم الهمه الله رشده واطلعه على عيبه فهجره واشتغل بنفسه (ص۱۳)

پھر خدا نے اس شخص کو اپنی سوجھ بوجھ عطا کی اور غیب سے وہ آگاہ ہوا۔ پس اس مشغلہ کو اس نے چھوڑ دیا اور اپنی نبیڑنے میں مشغول ہو گیا۔

امام کی شخصی زندگی کی بعض خصوصیات

ابتدائی ماحول

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "المنخول" یا اسی قسم کے جو کارنامے علم کی خدمت کے نام سے امام نے اس زمانے میں کیے تھے ان کو زندگی کے دوسرے دور میں پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے جدلیاتی کاروبار کی تصحیح میں امام الحرمین سے جو باتیں امام نے سنی تھیں آگے انہیں کا جواب دیتے چلے گئے ہیں ان کے نام کی صراحت انہوں نے کی ہے، احیاء العلوم میں یہ مقام خاص طور پر قابل توجہ ہے خیر یہ الگ مسئلہ ہے میری غرض تو ان الفاظ کے نقل کرنے سے یہ تھی کہ مسلمانوں میں عموماً اور طبقۂ علماء میں خصوصاً جن عیوب کا امام کو احساس ہوا تھا تو دوسروں کے ساتھ اس کا بھی اقرار انہوں نے کیا ہے کہ ان عیوب میں زمانے تک وہ خود بھی مبتلا تھے اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ امام کے متعلق مختلف مورخین نے اس قسم کی باتیں لکھی ہیں مثلاً مشہور محدث و مورخ امام جلیل عبدالغافر الفارسی جو جامعہ نیشاپور کے خطیب اعظم تھے ان کے حوالہ سے الیافعی نے ان کی چشم دید تجربی شہادت

Marfat.com

جو نقل کی ہے یعنی "الفارسی" نے یہ لکھ کر کہ لقد زرتہ مرارا (غزالی سے کئی بار میں مل چکا ہوں) آگے لکھا ہے کہ

وماکنت احدث فی نفسی مما عهدته فی سالف الزمان علیه من الزعارة وایحاش الناس والنظر الیهم بعین الازدراء والاستحقار کبرا وخیلاء واغترارا بما رزق من البسطة فی النطق والخاطر والعبارة وطلب الجاه والعلو فی المنزلة وکنت اظن انه متلفع بجلباب التکلف والیمن بما صار الیه فتحققت بعد التروی والتنقیر ان الامر علی خلاف المظنون وان الرجل افاق بعد الجنون (ص ۱۸۴ ج ۳)

اس شخص کو پہلے جس حال میں پایا تھا میں ان باتوں کو سوچا کرتا تھا، ان کی تنک مزاجی، تندخوئی، لوگوں کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دینا اور ان کو حقارت کی نظر سے صرف اس لیے دیکھنا کہ خدا نے گویائی کا جو کمال ان کو عطا کیا تھا اور ذہنی انتقال میں جو کشادگی تھی ہر مطلب کی تعبیر کی قدرت جو ان میں پائی جاتی تھی ان ہی چیزوں پر ان کو ناز تھا اسی طرح جاہ وعزت کی جستجو کا جو جذبہ اس شخص میں پایا جاتا ہے (ان ہی گزشتہ باتوں کو سوچ کر) میں بھی خیال کرتا رہا کہ صرف تکلف کی چادر اس شخص نے اوڑھ لی ہے اور زبردستی اچھے لوگوں میں شریک ہونے کی کوشش کر رہا ہے لیکن جب زیادہ کنج کاؤ اور تحقیق سے میں نے کام لیا تو یہ ماننا پڑا کہ میرا خیال صحیح نہیں ہے اور جنوں کی اس قدیم بیماری سے واقعتہً یہ شخص صحت یاب ہو چکا ہے۔

یا اسی کے قریب قریب ابن جوزی نے خلافت عباسیہ کے ایک وزیر انوشروان نامی کے حوالہ سے یہ قصہ "المنتظم" میں جو نقل کیا ہے یعنی انوشروان کا بیان تھا کہ میں امام غزالی سے ملاقات کرنے ان کے پاس گیا ہوا تھا انہوں نے مجھے یہ نصیحت شروع کی کہ دیکھئے آپ کی زندگی کا جو زمانہ ہے اس کے ایک ایک لمحہ کا حساب آپ سے لیا جائے گا اور آپ کی مثال اس شخص کی ہے جسے مزدوری اور اجرت پر کام کرنے کے لیے کسی نے مقرر کیا ہو۔ پس اپنی آمدنی کے اضافہ میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرنا یہ میری ملاقات سے تمہارے لیے

Marfat.com

کہیں بہتر ہے۔

انوشرواں ان کی اس نصیحت کو سن کر جب باہر نکلا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ

لا الٰہ الا اللہ ھذا الذی کان فی اول عمرہ یستزید نی فضل لقب فی القابہ کان یلبس الذھب والحریر فآل امرہ الیٰ ھذا الحال (صنٓ ۱۷ ج ۹)

خدا کی شان ہے اس آدمی کا حال زندگی کی ابتدائی دنوں میں یہ تھا کہ اپنے القاب میں مجھ سے خواہش رکھتا تھا کہ مزید اضافہ کروں سونا اور حریر استعمال کرتا تھا اور آج اس کا حال یہ ہے۔

الغرض یہ یا اسی قسم کی دوسری شہادتیں امام غزالی کی زندگی کے ابتدائی دَور کے متعلق جو ملتی ہیں ان کو خواہ مخواہ مشکوک قرار دینے کی بظاہر مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اسے بلا وجہ بدگمانی اگر نہ ٹھہرایا جائے تو اس خیال کی تردید کی بھی ضرورت معلوم نہیں ہوتی یعنی وطنی تعلقات کی بنیاد پر اگر یہ سمجھا جائے کہ نظام الملک طوسی کا زمانہ امام غزالی کی ابتدائی زندگی میں شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ تو شاید یہ محض ایک بے بنیاد سوئے ظن نہیں ہو سکتا بلکہ فطرت انسانی کے عام اقتضاء کے مطابق امام غزالی نے طوس کے علاقہ میں جب آنکھیں کھولیں تو یقیناً طوس اپنے اس بااقبال وسعادتمند، فرزند طالع ارجمند کے چرچوں سے گونج رہا ہوگا جس نے فقر وفاقہ کی خاندانی[1] زندگی سے ترقی کر کے اس دولت قاہرہ کی مسند وزارت کبریٰ تک پہنچ جانے میں کامیابی حاصل کی تھی جو اس زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی! امام حجۃ الاسلام کے گھر

---

[1] میں نے عرض کیا خواجہ نظام الملک طوسی کی طویل وضخیم سوانح عمری مولفہ مولوی عبدالرزاق صاحب مصنف البرامکہ کے قلم سے مدت ہوئی شائع ہو چکی ہے اردو خوانوں کے عام افراد اب نظام الملک سے نامانوس نہیں ہیں! ان کے والد جن کا نام علی بن اسحاق تھا حکومت کے محکمے کے معمولی صیغہ دار تھے۔ اس پر کھانے کھلانے کا شوق مفرط ان پر مسلط تھا لکھا ہے کہ اسی وجہ سے ہمیشہ تنگدست رہتے تھے۔ نظام الملک جن کا اصلی نام حسن تھا جب پیدا ہوئے تو باوجود تنگدستی کے ان کے والد نے تعلیم پر خاص توجہ کی۔ شروع میں قرآن یاد کرایا پھر باضابطہ اسلامی علوم کی تکمیل کر کے آبائی پیشہ یعنی صیغہ داری کی نوکری اختیار کی۔ آخر میں بلخ کے حاکم ابن شاداں عمید کے دربار کے میر منشی ہو گئے لیکن ابن شاداں سے بھی نہ بنی بالآخر الپ ارسلان کے باپ چغر بیگ تک ان کی رسائی ہوئی الپ ارسلان ابھی ولیعہد ہی تھا چغر بیگ نے الپ ارسلان کا سیکرٹری مقرر کر دیا یہی ذریعہ ان کی غیر معمولی ترقی کا بن گیا الپ ارسلان نے بادشاہ ہونے کے بعد وزارت خواجہ کے سپرد کی۔ گو سلجوقیہ حکومت کی ارمداری اسی زمانہ میں انکی ذات میں مترکز ہو چکی تھی لیکن الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

میں جب یہ مثال موجود تھی تو اپنی قدرتی صلاحیتوں کا اندازہ کرتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ اسی کوہ طور کی سیر کا شوق ان میں بھی نہ پیدا ہوا ہو گا یا نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔

دولت سلجوقیہ کے دربار میں رسائی

بہر حال کوئی تصریحی شہادت تو اس کی میرے پاس نہیں ہے لیکن ان کے سوانح نگاروں نے اتنا تو لکھا ہے کہ امام الحرمین کی درس گاہ سے الگ ہونے کے بعد معاشی زندگی میں شریک ہونے کے لیے امام حجۃ الاسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) چونکہ محض خواجہ ہی کی کوشش سے بادشاہ ہونے میں کامیاب ہوا تھا اس لیے ملک شاہی دور میں حکومتِ سلجوقیہ کے واقعی فرمانروا خواجہ نظام الملک طوسی ہی تھے۔ ملک شاہ نے عام اعلان کر دیا تھا کہ "تخت اور شکار کے سوا..... حکومت کے کسی شعبہ سے مجھے کوئی تعلق نہیں" "سب کچھ خواجہ حسن ہی"۔ بیس سال تک اس شان کی وزارت تو ملک شاہ کے زمانہ میں ان کے قبضہ میں رہی اور دس سال الپ ارسلان کی وزارت کی تھی۔ یوں (۲۹) سالہ دورِ وزارت میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچے۔ ان کی دولت وحشمت اور اسی کے ساتھ ان کی بے مثال فیاضیوں کی داستان طویل ہے۔ خصوصاً علم دوستی ہنر نوازی اور علماء کی قدر افزائیوں میں شاید ان کے عہد کی نظیر اسلامی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ کبھی کبھی نظام الملک اپنے ایام عروج واقبال میں زندگی کے ان دنوں کو یاد کر لیا کرتے تھے جن سے انہیں گزرنا پڑا تھا۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ کسی علاقہ سے خبر آئی کہ ان کی کوہستانی چراگاہ سے پانسو گھوڑے جو خالص عربی النسل تھے اڑنے والے پرندوں سے بھڑک کر نیچے دریا میں گر پڑے کچھ ڈوب گئے کچھ بے کار ہو گئے ہڈیاں ان کی ٹوٹ گئیں۔ خواجہ کو دیکھا گیا کہ اس خط کو پڑھ کر آبدیدہ ہوئے پھر رونے لگے اور خوب روئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا تب خود بولے کہ میں گھوڑوں کے مرجانے کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں خدا کے فضل سے پانسو گھوڑوں کی اس وقت میری نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے لیکن اپنی ابتدائی زندگی کا وہ قصہ یاد آ گیا جب میں غزنی سے خراسان آ رہا تھا میرے پاس بمشکل تین اشرفیاں تھیں۔ ایک صاحب سے دو اشرفیاں قرض لے کر پانچ اشرفیوں میں میں نے سفر خراسان کے لیے ایک ٹٹو خریدا لیکن روانگی کا بھی موقع نہ ملا کہ "ہماں روز آں اسپ بچراگاہ آخرت رفت" (ص۲۰۷ ج۴ روضہ)۔ اس ٹٹو کے مرنے کا اس وقت جو غم ہوا تھا اسی غم کا اس وقت خیال آ گیا۔ کہ ایک دن مجھ پر وہ بھی گزرا ہے کہ ایک معمولی ٹٹو کے لیے میں رو دیا تھا۔ اس قسم کے بیسیوں قصے کتابوں میں ان کے متعلق ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زندگی خواجہ کی عسرت اور تنگی سے شروع ہوئی تھی۔

Marfat.com

ابتداءً جس شخص کے دربار میں حاضر ہوئے وہ ان کا ہی ہموطن وزیر دولت سلجوقیہ تھا۔ الیافعی نے لکھا ہے :۔

"جب امام الحرمین کی وفات ہوئی تو امام غزالی نے دالعسکر (شاہی کیمپ) کی طرف رخ کیا اور وزیر نظام الملک سے ملے۔ وزیر نے امام کا اکرام کیا اور غیر معمولی طور پر ان کی طرف متوجہ ہوا"

(ص ۱۷۸ ج : ۳)

الفارسی ابن جوزی الغرض امام کے اکثر سوانح نگاروں نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے نظام الملک کے اس کیمپ میں پہنچ کر امام حجۃ الاسلام کو کن تجربات سے گزرنا پڑا، میرا تو خیال ہے کہ احیاء العلوم وغیرہ بلیسوں کتابوں کے نظریات اور فیصلے ان کے ان ہی تجربات پر مبنی ہیں۔ علماء کے باہمی علمی مناظروں کی خرابیاں کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے اس قسم کی باتیں جو لکھی ہیں کہ سارے ذلیل جذبات میں تلاطم ان ہی سے پیدا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :۔

"سارے برے اخلاق جن کا شیطان مداح ہے اور خدا جن سے ناخوش ہوتا ہے وہ ان مناظروں سے ابھر جاتے ہیں۔"

پھر مثال دیتے ہوئے انہوں نے بیان کیا ہے کہ :۔

"اپنے ہم چشموں پر برتری حاصل کرنے کی خواہش ان مناظروں سے قدرتاً آدمی پر مسلط ہو جاتی ہے چاہتا ہے کہ اپنی حیثیت سے زیادہ اس کی آؤ بھگت کی جائے۔ بلکہ بسا اوقات یہ مناظرہ کرنے والے لوگ اس پر لڑ بیٹھتے ہیں کہ مجلس میں سب سے ممتاز جگہ ان ہی کو کیوں نہ ملی۔ صدر مجلس سے قریب بیٹھنے کا موقع اسے کیوں نہ دیا گیا۔ یا چلتے ہوئے تنگ راستہ اگر سامنے آجائے تو چاہتے ہیں کہ ان ہی سے آگے بڑھنے کی درخواست کی جائے۔"

یہ اور اسی قسم کے امور کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"ان میں بعض غبی لوگ، لیکن چالباز ہوتے ہیں وہ اپنے دل میں اس قسم کی باتیں بناتے ہیں کہ ان مطالبات سے مقصود علم اور دین کے احترام کی حفاظت ہے یا اپنی خودداری کے بچانے کی یہ کوشش ہے۔ مومن کے لیے مذہب نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔"

پھر غصہ سے بیتاب ہو کر ان مولویانہ تاویلوں پر جتنی لعنت و ملامت وہ کر سکتے تھے کرتے چلے گئے ہیں انہوں نے اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ مناظرہ کرنے والوں کے قلوب میں ہر اس شخص کی جانب سے

Marfat.com

عداوت پیدا ہو جاتی ہے جو ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتا یا ان کی ہمنوائی سے لاپرواہی اختیار کرتا ہے۔ فریق مقابل کی توہین و تحقیر اور مختلف پیرایوں میں اپنے علم و فضل، کثرت مطالعہ، وسعت نظر وغیرہ کا اظہار اور اس قسم کے دعوے کہ بھلا ایسی باتیں مجھ سے مخفی رہ سکتی ہیں میں نے کس علم کی کتابیں نہیں کھنگالی ہیں۔ کن اصولی باتوں پر میں نے غور نہیں کیا ہے حتیٰ کہ اسی مناظرہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ :۔

" اپنے حریف کے متعلق بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس کی زندگی کے پوشیدہ پہلوؤں کی جستجو میں بھی لوگ مشغول ہو جاتے ہیں۔ کسی مناظرہ کرنے والے عالم کے متعلق خبر ملتی ہے کہ ان کے شہر میں آیا ہوا ہے تو مختلف ذرائع سے اس کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں لوگ لگ جاتے ہیں اور معلومات کے ان ذخیروں کو اس کے لیے محفوظ کرتے چلے جاتے ہیں کہ مقابلے کے وقت اس شخص کو زک دینے اور عام مجمع میں ذلیل و رسوا کرنے میں ان ہی معلومات سے کام لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس غریب نو وارد عالم کے بچپن کے قصے اور سرگزشتوں تک کا پتہ چلایا جاتا ہے یا کسی جسمانی عیب میں اتفاقاً بے چارہ اگر مبتلا ہے تو دلچسپی سے اس کا بھی سراغ لگایا جاتا ہے اور موقع پر ان حربوں سے کام نکالا جاتا ہے۔ (صـ ۳۵ ج۔ ۱)

دور تک وہ ان تجربات کو نقل کرتے چلے گئے ہیں اور یہ لکھ کر کہ یہ حال تو ان کا ہے جو اپنے آپ کو لیے دیئے رہتے ہیں اور علمی وقار و وزن کا خیال رکھتے ہیں ورنہ مناظروں میں جو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں ان کو تو دیکھا گیا ہے کہ جوتے لات تک نوبت پہنچا دیتے ہیں باہم ایک دوسرے کے اساتذہ اور والدین کو گالیاں دیتے ہیں! امام نے لکھا ہے کہ یہ لوگ تو خیر کسی شمار و قطار میں نہیں ہیں بلکہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں یہ حال ان لوگوں کا ہے جن کی سنجیدگی اور متانت، بڑائی اور دانشمندی دنیا میں مسلم ہے لیکن جب مناظرے کی راہ وہ اختیار کرتے ہیں تو مذکورہ بالا عیوب کے سوا عام حالات میں یہ ساری باتیں ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یعنی

" غرور، بدنفسی، کینہ، حرص، مال و جاہ کی خواہش، دوسروں کو مغلوب کرنے کی کوشش اپنی برتری کا ان کے مقابلہ میں اظہار، کبر و ناز امیروں اور دولت مندوں، سلاطین اور بادشاہوں کا تقرب ان کے درباروں میں آمد و رفت کے پیدا کرنے کی راہوں کی تلاش سواری لباس وغیرہ کے ذریعہ سے اپنی شان و شوکت کی نمائش عوام الناس کی تحقیر ان کے میل جول سے احتراز، بے نتیجہ کاموں میں مشغولیت بکواس، اور (آخر میں تو) ان کے قلوب سے خدا کا خوف نکل جاتا ہے۔

Marfat.com

دل میں نرمی باقی نہیں رہتی۔ غفلت ان پر چھا جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں جو نماز کے عادی ہوتے ہیں ان کو قطعاً اس سے سروکار باقی نہیں رہتا، کہ آخر وہ کیا پڑھتے ہیں۔ کس سے نماز میں ان کی گفتگو ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا سارا وقت) ان ہی معلومات کے حاصل کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ جن سے مناظرہ کی مجلسوں میں مدد مل سکتی ہو۔" (صـ۳۶ ج-۱)

میں ان چیزوں کو کہاں تک نقل کروں، مقصد کے لیے یہی بہت زیادہ ہے کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ ان چیزوں کو اپنے سامنے رکھ لیجیے اور اس کے بعد مورخین کی ان شہادتوں کو پڑھیئے مثلاً علامہ عبدالغافر الفارسی جو امام کے ملنے والوں میں ہیں فرماتے ہیں:۔

"نظام الملک طوسی کا دربار اس زمانہ میں علماء کا دنگل تھا۔ دنیا کے مقررین خطباء کی آماجگاہ بنا ہوا تھا (امام غزالی جب اس دربار میں پہنچے) تو اس عہد کے بڑے بڑے سربرآوردہ لوگوں سے ٹکر لینے کا ان کو خوب موقع ملا، اس زمانہ میں جن کا شمار فحول (نر) علماء میں تھا۔ ان میں اور غزالی میں خوب خوب مقابلے ہوئے۔ اس وقت کی اونچی کی اونچی ہستیوں پر غزالی نے تنقیدیں کیں۔ (مرآۃ الجنان صـ۱۷۸ ج-۳)

الیافعی نے لکھا ہے:۔

"وزیر کے دربار میں ارباب فضل و علم کا جو گروہ تھا ان میں اور امام غزالی میں مناظروں اور مقابلوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ وزیر کے سامنے متعدد مجلسوں میں بڑے بڑے علمی معرکے پیش آئے جن میں امام غزالی بازی لے گئے۔"

نظامیہ بغداد کی صدارت

لکھا ہے کہ امام کی ان غیر معمولی کامیابیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا ملک ان کے علم و فضل کے چرچوں سے گونج اٹھا چند ہی دنوں کے بعد ممالک سلجوقیہ کے سب سے بڑے دارالعلوم یعنی نظامیہ بغداد کی صدارت امام کے سپرد ہو گئی جس وقت وہ صدارت کا جائزہ لینے کے لیے بغداد پہنچے ہیں، ابن جوزی نے ابو منصور الرزاز الفقیہ کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ:۔

"ابو حامد جس وقت بغداد شہر میں داخل ہوئے تو ہم لوگوں نے تخمینہ کیا تھا کہ ان کا لباس اور ان کی سواری پانسو اشرفیوں سے کم قیمت کی نہ تھی۔" (صـ۱۷ ج-۱ منتظم)

نظامیہ کی صدارت نے تو ان کی عظمت میں اور چار چاند لگا دیئے، بقول الفارسی پہلے تو صرف خراسان

Marfat.com

ہی کے امام تھے اب خراسان کے ساتھ عراق کی امامت کے مرکز بھی وہی بن گئے۔ بغداد جو صدیوں سے اسلامی علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز تھا، وہاں پہنچ کر جب یہ دیکھا گیا ابن جوزی نے لکھا ہے کہ:۔

حضرہ الائمہ الکبار کابن عقیل[1] وابی الخطاب[2] وتعجبوا من کلامہ واعتقدوہ ونقلوا کلامہ فی مصنفاتھم (ص ۱۱۹)

امام کی مجلس میں جس وقت بڑے بڑے ائمہ آکر شریک ہونے لگے مثلاً ابن عقیل، ابی الخطاب اور ان کے کلام سے ان کو حیرت ہوتی تھی آخران کے یہ لوگ معتقد ہو گئے اور امام غزالی کی باتوں کو اپنی تصنیفات میں نقل کرنے لگتے۔

امام کا سیاسی رسوخ واثر اور ان شہادتوں کے ساتھ عبدالغافر الفارسی اور انوشروان وزیر خلافت عباسیہ کے ان اقوال کو بھی ملا لیجیے جنہیں پہلے نقل کر چکا ہوں کیا ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس خیال کی تردید کی

---

[1] حنبلی مذہب کے ابن عقیل فحول علماء میں شمار ہوتے ہیں بلکہ اپنی محققانہ کتابوں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے لیے ان کا وجود سرمایۂ ناز ہے ابن جوزی نے منتظم میں ان کے خود نوشت حالات نقل کیے ہیں جو پڑھنے کے لائق ہیں خود ان کا بیان ہے کہ بارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا اور اس وقت اسی سال کا ہوں لیکن اپنی فکری و ذہنی قوتوں کو بلکہ بینائی، شنوائی وغیرہ حواس کسی میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں کرتا، اس وقت بھی باریک سے باریک ہلال کو دیکھ لیتا ہوں البتہ جوانی کی تروتازگی اور شادابی باقی نہیں رہی ہے وجہ اس کی یہ تھی جیسا کہ خود لکھا ہے کہ ساری زندگی عفت و پارسائی کے ساتھ گزارنے کا موقع ان کو ملا۔ اپنے علمی شوق کو بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ آج اسی ۸۰ سال کی عمر میں مطالعہ اور کتابوں کے پڑھنے کا شوق مجھ میں اس وقت سے زیادہ ہے جب بیس سال کا تھا تقریباً بیاسی سال کی عمر پائی آخر میں کہتے تھے کہ اچھا ہوا کہ میرے سارے دوست میرے سامنے چلے گئے اب دنیا سے مجھے کچھ دلچسپی باقی نہ رہی۔ نزع کا حال طاری تھا گھر کی عورتیں رونے لگیں۔ بولے چپ رہو۔ پچاس سال سے جس کی ملاقات کی آرزو میں تھا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اس کا استقبال کروں اور خوش آمدید کہوں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ تین لاکھ سے کم آدمی ان کے جنازہ میں نہ تھے۔ ۴۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۱۳ھ میں وفات پائی۔

[2] بڑے خاندانی رئیس گھرانے کے آدمی تھے۔ قراءۃ میں تکملہ اور مبعدہ دو مشہور کتابوں کے مصنف ہیں ۴۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۹۷ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ مناظرہ اور مجادلہ کی جن آفات کا ذکر امام نے اپنی کتابوں میں کیا ہے ان میں خود ان کے ذاتی تجربات کو دخل نہیں ہے خصوصاً جب ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بغداد پہنچنے کے بعد بھی زمانہ تک جن مشاغل میں وہ مصروف رہے ان کا نتیجہ جیسا کہ ان کے دوست علامہ عبدالغافر الفارسی نے لکھا ہے کہ :-

علت حشمته ودرجته فی بغداد حتی کادت تغلب حشمته الاکابر و امراء دار الخلافة (مرآۃ ص۱۸۲ ج-۳)

ان کے جاہ وجلال میں بغداد پہنچکر اور اضافہ ہوا اور عروج کے اس نقطہ تک پہنچ گئے کہ پایہ تخت خلافت کے اکابر وامراء سب پر قریب تھا کہ ان کی عظمت وسطوت غالب آجائے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اور فقہاء کے دائرے ہی تک ان کی عظمت وجلال کی بلندیاں محدود نہ رہی تھیں بلکہ پایہ تخت خلافت کے " الاکابر والامراء " کا جو میدان تھا اس میدان میں بھی وہ اپنے کو آگے بڑھانے میں کامیاب ہو چکے تھے یا قریب تھا کہ کامیاب ہوجاتے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس راہ میں ان کی رفتار کچھ اور دن جاری رہتی تو اپنے ہم وطن وزیر کے مقام تک پہنچنے سے وہ روکے جا سکتے تھے۔ بلکہ ایک واقعہ جس کی طرف بعض مورخین نے اجمالی اشارے کیئے ہیں یعنی ابن کثیر وغیرہ نے جو لکھا ہے کہ بغداد پہنچنے کے بعد درمیان میں امام غزالی نے مصر اور سکندریہ کا سفر کیا اور سکندریہ سے چاہا تھا کہ :-

الرکوب فی البحر الی بلاد المغرب علی عزم الاجتماع بالامیر یوسف بن تاشفین صاحب مراکش (مرآۃ ص۱۷۸ ج ۳)

جہاز میں سوار ہو کر مراکش کے بادشاہ یوسف بن تاشفین سے ملنے کے لیے مغرب روانہ ہوں

یا موحدین کی مغربی حکومت کے بانی محمد بن تومرت جو مہدی کے نام سے بھی مشہور تھا اور موحدین کی اس نئی حکومت کے قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اسی کے حال میں ابن خلدون نے لکھا ہے کہ محمد بن تومرت مغرب سے سفر کرتا ہوا جب مشرقی ممالک میں پہنچا تو

" لوگوں کا خیال ہے کہ وہ امام سے بھی ملا تھا اور اپنے پروگرام کو اس نے امام کے آگے بھی پیش کیا تھا " (ص۲۲۶ ج-۶)

ابن خلدون نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام غزالی نے محمد بن تومرت کی ہمت افزائی کی اور ایک ایسی حکومت قائم کرنے کی تجویزیں بتائیں جس کی مدد سے اسلام کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ

Marfat.com

ہو جائے۔[1]

بہر حال امام حجۃ الاسلام کی مفصل سوانح عمری میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ ان کی زندگی کے ان جستہ جستہ واقعات اور گوشوں کو سامنے لانے کی غرض صرف یہ ہے کہ آخرت کی زندگی اور اس کی اہمیت کا احساس دلوں میں جب دھیما پڑ جاتا ہے تو اس کے بعد ساری توانائیوں اور مساعی کا رخ صرف شکم مادر اور شکم قبر کے درمیانی زندگی ہی کی طرف پھر جاتا ہے۔

امام نے اصلاح باطن کی جو تفصیلات مدون کیں ان میں ذاتی تجربات کو بڑا دخل ہے

اس وقت جس جس قسم کے چھوٹے بڑے گھاؤ، پھوڑے اور پھنسیوں سے اپنے باطن کو آدمی معمور پاتا ہے۔ ایک زخم اگر اچھا ہوتا ہے تو اپنی جگہ بیسیوں جراحتوں کو چھوڑ جاتا ہے! امام حجۃ الاسلام نے اپنی کتابوں میں ان ہی باطنی زخموں اور ان کی ٹیپک اور کسک کی جو تفصیل فرمائی ہے جہاں تک میرا خیال ہے اور جن واقعات کی طرف میں نے اجمالی اشارے کیئے ہیں جس کی بھی ان پر نظر ہوگی وہ شائد میرے اس خیال سے اختلاف نہیں کر سکتا کہ

---

[1] بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن تومرت بانی دولت موحدین نے امام غزالی سے تعلیم بھی حاصل کی تھی بہر حال مغربی افریقہ کی ان حکومتوں سے یعنی مرابطین سے جن کا بادشاہ یوسف بن تاشفین تھا۔ موحدین سے جن کا بانی محمد بن تومرت تھا امام غزالی کا کوئی تعلق تھا یا نہیں اور تھا بھی تو اس کی کیا نوعیت تھی۔ افسوس ہے کہ اس کی طرف ان کے سوانح نگاروں نے توجہ نہیں کی بلکہ الیافعی جیسے حضرات نے یہ خیال کر کے کہ اس سے امام کی دینی زندگی چونکہ متاثر ہوتی ہے اس لیے انہوں نے سرے سے اس واقعہ ہی کو غلط قرار دیا ہے کہ امام غزالی نے ابن تاشفین شاہ مراکش سے ملنے کا ارادہ کیا تھا پھر ابن تاشفین کے مرنے کے بعد محمد بن تومرت کا مشرقی ممالک کی طرف آنا اور امام غزالی سے مل کر اپنے وطن واپس جانا، وہاں ایک خالص مذہبی و دینی حکومت قائم کرنے کی کوشش میں کامیاب ہونا اکثروں نے تو اس کا ذکر ہی غیر ضروری سمجھا اور جنھوں نے ذکر کیا ہے انہوں نے اس کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ میرے نزدیک یہ دونوں چیزیں تحقیق و تلاش کی محتاج ہیں۔ امام غزالی کی زندگی کا ایک نیا پہلو لوگوں کے سامنے آجائے گا۔ ان لوگوں کے لیے جو آئندہ امام غزالی پر کام کرنا چاہتے ہیں میں نے یہ چند اشارات کر دیئے ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مرابطین کے بادشاہ یعنی یوسف بن تاشفین کے بیٹے علی بن یوسف کے متعلق کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ امام غزالی کی تصنیفات میں اس نے آگ لگانے کا حکم دیا تھا اور اس کے حکم سے امام کی کتابیں جلائی گئیں اس واقعہ کا مذہب کے ساتھ ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سیاست کا تعلق نہ تھا۔

Marfat.com

اس روئداد کی تیاری میں دوسروں سے زیادہ شائد امام کو اپنے ذاتی تجربات سے مدد ملی ہے۔ غزالی بھی اگر غزالی نہیں، بلکہ حسن طوسی جیسا دل و دماغ رکھتے تو بالکل ممکن تھا کہ سلجوقیوں یا مرابطین وغیرہ جیسی حکومتوں کے ممتاز وزراء میں سے ایک وزیر بن کر رہ جاتے لیکن قدرت نے اسلام اور مسلمانوں کے لیے جسے حجت بنا کر پیدا کیا تھا اس کی عقابی نگاہوں پر چند ابتدائی پروازوں ہی کے بعد

ولم یرد الا الحیٰوۃ الدنیا۔۔۔ ذالک مبلغھم من العلم (النجم)

اور بجز دنیاوی زندگی کے اور کچھ نہ چاہا۔ یہ ہے ان کے علم کی رسائی کا انتہائی مقام۔

کا راز کھل گیا اور ان کی ابتدائی زندگی کے ان ہی تجربات نے "دینی زندگی" کے لیے ایک ایسے نظام کے پیش کرنے کے قابل ان کو بنا دیا جس سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ڈوبتوں کو ابھرنے کا موقع امام کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی سیکڑوں سال سے مل رہا ہے۔

امام غزالی اگر فطرۃً سیدھے سادے آدمی ہوتے اور دیکھنے والوں نے بغداد ہی کی گلیوں میں اس حال میں جوان کو دیکھا تھا، ابن جوزی نے ان الفاظ میں جسے ادا کیا ہے۔

فلما تزھد وعاد الی بغداد فقومنا ملبوسہ خمسۃ عشر قیراطا۔

جب دنیا سے وہ الگ ہوئے اور دوبارہ بغداد پہنچے تو ہم نے ان کے لباس کی قیمت کا اندازہ یہ لگایا کہ پندرہ قیراط سے زیادہ نہیں ہے۔

اس حال کی طرف واپسی اگر اس کیفیت کے بعد نہ ہوتی جب ان ہی کے لباس اور سواری کی قیمت کا اندازہ پانسو اشرفیوں سے کیا گیا تھا تو یقین مانیے کہ آپ کو ان کی کتابوں میں بھی شاید وہ چیزیں نہ ملتیں جن کی تفصیل پر ان تجربات سے گزرنے کے بعد وہ قادر ہوئے۔ کچھ بھی ہو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سارا زور جو ان کی کتابوں میں نظر آتا ہے "کردہ گزشت" ہی کا نظر آتا ہے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لیے کسی بیرونی آئینے میں نظر ڈالنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ نظام الملک طوسی کے دربار میں محمد بن محمد الغزالی کے نام سے جو نوجوان عالم داخل ہوا تھا اور نظامیہ بغداد کا صدر بن کر بغداد پہنچا تھا یہی ایک آئینہ ان کے پاس موجود تھا جس میں اس عہد کے مسلمانوں کے دینی اور دنیوی پیشواؤں اور سرداروں کے ایک ایک خط و خال کو وہ دیکھ سکتے تھے۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہی انہوں نے کیا بھی ہے۔ بلکہ جس درجہ ان حالات سے وہ متاثر نظر آتے ہیں زیادہ دخل اس میں اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود ان حالات سے گزرے ہوئے تھے۔

Marfat.com

وہ دیکھ رہے تھے کہ باہر سے مسلمانوں کا حال جس حد تک اطمینان بخش نظر آرہا ہو لیکن ان کی باطنی زندگی میں باہر کے اسی فردوسی اطمینان نے انتشار کی جس جہنم کو بھڑکا دیا ہے اگر اس کے بجھانے میں پیش قدمی سے کام نہ لیا گیا تو "اندر" کی یہی آگ بالآخر "باہر" کو بھی بھسم کرکے رہے گی دینی پیشواؤں کے طبقہ میں تو وہ براہ راست خود شریک ہی تھے اور دنیا میں بھی جس حد تک آگے بڑھنے کا موقع ان کو مل چکا تھا مسلمانوں کے دنیوی اندرونی حالات کے لیے اتنا تجربہ ان کے لیے کافی تھا۔[1]

امام کی بازگشت کے وجوہ

یہ مسئلہ کہ امام حجۃ الاسلام کی بازگشت یا اُس سمت کی طرف جدھر اپنی فطری کسبی صلاحیتوں کی مدد سے وہ آگے بڑھے چلے جارہے تھے۔ اچانک اس رُخ سے جو وہ پلٹ پڑے اس کے واقعی اسباب کیا تھے۔ اس سوال کا

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے لیکن مثالاً چند چیزوں کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے جن میں ایک کا تعلق مشرق سے اور دوسرے کا مغرب کے مسلمانوں کی زندگی سے ہے دیکھئے یہ بغداد ہے امام غزالی بغداد ہی میں غالباً موجود ہیں مسلمانوں کی ایک برات کا نقشہ مؤرخین نے کھینچا ہے۔

"ایک سو تیس اونٹوں پر دلہن کے جہیز کا سامان جارہا تھا۔ ہر اونٹ پر رومی دیبا اور حریر کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں اونٹوں پر جو سامان لدا ہوا تھا زیادہ تر اس میں طلائی اور نقرئی چیزیں تھیں تین عماریاں تھیں، ستر خچر تھے جن پر شاہانہ جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہر خچر کی گردن میں سونے اور چاندی کی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ چھ خچر ان میں وہ بھی تھے جن کی پشت پر اِدھر اُدھر دو دو صندوق رکھے ہوئے تھے۔ یہ صندوق خالص چاندی کے تھے۔ ان بارہ صندوقوں میں جواہرات کے جڑاؤ طلائی زیورات بھرے ہوئے تھے جن کی قیمت کا اندازہ دشوار ہے۔ ان خچروں کے آگے (۳۳) بہترین قسم کے منتخب گھوڑے تھے جن پر زین لگام اور دوسرے ساز و سامان سب سونے چاندی اور جواہرات سے پٹے ہوئے تھے۔"

اس کے بعد دلہن کی سواری کیسی تھی؟

"دلہن کے آگے آگے سارے وزراء امراء کی بیویاں محفوں میں سوار تھیں۔ ہر ایک کے ساتھ سوار بھی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جواب ان کے سوانح نگاروں کے فرائض میں ہے۔ ان کی فکری اور ذہنی رفتار جب ارتیاب اور شک کی منزل پر پہنچ گئی وہاں سے پلٹے؟ اپنی بعض کتابوں میں امام نے کچھ اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں یا خشیت الٰہی اور خوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تھے اور شمع بردار بھی جن کی تعداد ہر ایک کی حیثیت کے مطابق تھی اور آخر میں دلہن کا محفہ (پینس) تھی جس پر زرتار پردہ پڑا ہوا تھا اور جواہرات سے جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ دلہن کی پینس کے چاروں طرف دو سو ترک لونڈیاں گھوڑوں پر سوار زرق برق لباس میں تھیں۔"

اس شان سے دلہن کا داخلہ دولھے کے گھر ہوا۔ صبح کو ولیمہ کی دعوت ہوئی اس میں چالیس ہزار من صرف شکر خرچ ہوئی تھی۔ دعوت میں شریک ہونے والوں کو کھانے کے سوا ایک ایک جوڑا بھی حسب حیثیت تقسیم کیا گیا ہر جوڑا کافی قیمتی تھا۔ (ص۵۵ ج۱۰ کامل ابن اثیر)

اس میں شک نہیں کہ یہ کسی معمولی آدمی کی برات نہ تھی یعنی خود خلیفہ بغداد مقتدر باللہ کی برات تھی اور دلہن بھی ملک شاہ سلجوقی کی لڑکی تھی۔ مگر الناس علی دین ملوکھم (عوام اپنے بادشاہوں کے طریقوں کو اختیار کرتے ہیں) اس قاعدہ کی بناء پر کیا ہم خود بغداد کے مسلمانوں کی زندگی کا اندازہ نہیں کر سکتے؟ آخر غزالی ہی کے زمانہ میں تو دیاربکر کا وہ امیر بھی تھا جس کا نام احمد بن مروان اور لقب القادر نصر الدولہ تھا۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ اس کے پاس پانچ سو جواری (ہم بستری کرنے کے لیے چھوکریاں تھیں۔ اور پانچ سو خدام تھے) لکھا ہے کہ ان چھوکریوں میں بعضوں کو اس نے پانچ ہزار اشرفیوں سے چودہ ہزار اشرفیوں تک خریدا تھا۔ (ص۲۲۲ ج۸ المنتظم)۔ اسی کتاب میں ابن جوزی نے ایک امیر سیف الدولہ نامی کا ذکر کیا ہے امام غزالی بغداد ہی میں موجود تھے۔ بغداد کے مشرقی سمت میں جو نیستان تھا اس میں یہ دعوت ہوئی تھی۔ اس دعوت میں ایک ہزار مینڈھے اور گائے اونٹ ایک سو، گوشت کے لیے ذبح ہوئے تھے اور دس ہزار من شکر سے مٹھائیاں ڈھالی گئی تھیں۔ جن میں ایک حصہ سے طرح طرح کے وحشی جانور شیر، ریچھ، بھیڑیے اور قسم قسم کے پرندوں کی شکل کی مٹھائیاں ڈھالی گئی تھیں۔ شرکاء دعوت اسے توڑ توڑ کر کھاتے جاتے تھے۔ آگے دسترخوان خاصہ کا جہاں بچھا تھا اس کی تصویر ابن جوزی نے یہ کھینچی ہے کہ دیبا کے خیمے نصب کیے گئے تھے جس میں دیباہی کے پردے لٹکے ہوئے تھے اور خاصہ کے اس دسترخوان پر پانچ سو ظروف نقرئی چنے گئے تھے۔ ادھر ادھر موقع موقع سے کافور، عنبر، مشک وغیرہ سے مجسمے جانوروں پرندوں وغیرہ کے بنا بنا کر جما دیئے گئے تھے۔ (ص۳ ج۱۰ المنتظم)۔ یہ بغداد کی ایک دعوت کا ذکر ہے جو بادشاہ کی طرف سے منسوب نہیں کی گئی تھی بلکہ حکومت کے ایک عہدیدار کی طرف سے ہوئی تھی۔ اور یہ حال تو مشرق کا تھا اسی زمانہ میں مغرب کے مسلمانوں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے کسی غیر معمولی وارد کا ان کے قلب پر حملہ ہوا، الفارسی نے ان کی براہ راست گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے اسی کو ان کی حرکت بازگشت کا سبب قرار دیا ہے اور بعضوں نے اس قسم کے اشارے جو کیے ہیں یعنی ابتدائی زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی زندگی تعیش بے جا کے کس نقطہ تک پہنچی ہوئی تھی اس کو بھی سن لیجئے۔ ذکر کر چکا ہوں کہ غزالی کے زمانہ میں اندلس کی مرکزی حکومت ختم ہو چکی تھی، طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی تقریباً ہر ضلع کا حاکم وہاں کا بادشاہ بن بیٹھا تھا ان ہی ملوک الطوائف میں ایک مشہور اندلسی امیر معتمد بھی ہے جس کا پایہ تخت قرطبہ تھا، یوسف بن تاشقین کی جنگ افونش سے ہوئی تھی اس میں شریک تھا بلکہ اسی کا بڑا حصہ تھا۔ بہرحال اس معتمد کی ایک معشوق بیوی تھی جس کا نام اعتماد تھا لکھا ہے کہ اعتماد کی ذرا سی ناگواری معتمد کے لیے ناقابل برداشت بن جاتی تھی۔ ایک دن جھروکے سے باہر کے میدانوں کا نظارہ اعتماد کر رہی تھی معتمد بھی بیٹھا تھا، اس وقت اتفاقاً برف گر رہی تھی۔ اندلس میں یہ صورت کم پیش آتی ہے۔ برف باری کا یہ نظارہ اعتماد کو اتنا پسند آیا کہ اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے معتمد نے آنسوؤں کو دیکھ کر گھبرا کر پوچھا کہ تم رو کیوں رہی ہو اس نے کہا کہ کیوں نہ روؤں تمہیں دنیا کے جھگڑوں سے فرصت ہی نہیں ہوتی ورنہ موسم سرما میں ہر سال جی چاہتا ہے کہ کسی ایسی جگہ جا کر ٹھہروں جہاں برف باری کا یہ نظارہ میرے سامنے پیش ہوتا ہے، سفید سفید برف کی پھواریں کتنی خوبصورت ہیں۔ معتمد نے سن کر اسی وقت باغوں کے داروغہ کو بلا کر حکم دیا کہ محل کے چاروں طرف جو میدان ہے اس میں بادام کے درخت اس ترکیب سے نصب کیے جائیں کہ آئندہ موسم سرما میں ان کے سفید سفید پھول اسی طرح کا نظارہ پیش کریں جو اس وقت نظر آ رہا ہے۔ حکم کی تعمیل کی گئی، اعتماد خوش ہو گئی۔ اس سے بھی دلچسپ قصہ اسی اعتماد کا یہ ہے کہ معتمد نے ایک دن پھر اس کو کچھ غمزدہ سا پایا۔ وجہ پوچھی تو بولی، تمہارے محلوں میں آ کر میری زندگی اکارت گئی۔ آج میں آ رہی تھی راستہ میں چند مزدورنیوں کو دیکھا کہ کیچڑ میں وہ کام کر رہی تھیں اور گاتی جاتی تھیں۔ ہا کیا زندگی ہے، میرے لیے بس یہی قید و بند کی زندگی مقدر تھی۔ سننے کے ساتھ معتمد نے حکم دیا کہ مشک و عنبر اور دوسری خوشبودار چیزوں کی ڈھیر لگا دی جائے اور بجائے پانی کے عرق گلاب سے اسے تر کیا جائے۔ یہی کیا گیا۔ اس نے اعتماد سے کہا کہ جاؤ اپنی سہیلیوں کے ساتھ اسی کیچڑ کو روندو۔ وہ اتری اور سہیلیوں کے ساتھ اسی مشکین و عنبرین کیچڑ کو روندتے ہوئے گاتی جاتی تھی۔ لکھا ہے کہ بعد کو اعتماد کبھی معتمد سے ناقدری کی شکایت کرتی تو کہتا۔ کیا کیچڑ والے دن بھی میں نے تمہاری ناقدری کی ہے؟ (ملوک الطوائف ص۲۰۶) الیافعی نے اسی معتمد کے متعلق لکھا ہے کہ آٹھ سو خواصیں چھوڑ کر مرا جن سے کہتے ہیں کہ (۱۷۳) اولاد معتمد کے ہوئی تھی (واللہ اعلم بالصواب)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے نصب العین تک پہنچنے میں بعض مزاحمتوں سے ان کو دوچار ہونا پڑا۔ ان ہی ناکامیوں میں ان کی ساری کامیابیوں کا راز پوشیدہ تھا۔ بہر حال میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ مذکورہ بالا اسباب میں سے کون سی صورت پیش آئی تھی یا تھوڑا بہت دخل ان کی واپسی میں ان سارے اسباب کو تھا۔ واللہ اعلم بالصواب[1]۔ سچ پوچھیے تو اس قسم کی لاحاصل سراغ رسانیوں کا اظہار اب کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ بس اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ازل میں جو سعادت کا حصہ ان کے لیے مقدر ہو چکا تھا اسی ازلی تقدیر کا ظہور تدبیر کی کسی شکل اور بھیس میں ہوا۔ خود ان ہی کا بیان ہے کہ ابتداء میں سیدنا ابو علی فارمدی[2] رحمۃ اللہ علیہ سے اس راہ میں وہ مستفید ہوئے۔ ان کے الفاظ کا ترجمہ ہے کہ:

"عبادات و اذکار کے جن طریقوں کی فارمدی نے مجھے تلقین کی، ان میں مشغول ہوا اور راہ کی گھاٹیوں کو میں نے طے کیا تا آنکہ جس چیز کی مجھے تلاش تھی وہ مل گئی۔"

ابن جوزی کی روایت ہے کہ اس انقلاب کے بعد

ترک التدریس والریاسة و
ولبس الخام الغلیظ ولازم الصوم
وکان لا یاکل الا من اجرة النسخ
(ص ۱۶۹ ج ۹ منتظم)

پڑھنا پڑھانا غزالی نے چھوڑ دیا اور صدارت
درس کے جس منصب پر مامور تھے اس سے
دست کش ہو گئے۔ کھادی کا لباس اختیار فرمالیا
روزے کو لازم کرلیا اور کتابت کی مزدوری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) روزانہ باورچی خانے میں معتمد کے صرف گوشت جو پکتا تھا اس کی مقدار بقول الیافعی آٹھ سو رطل تھی۔ (مرآۃ الجنان ص ۱۴۷ ج ۳)

[1] امام نے اپنی خود نوشت سوانح "المنقذ عن الضلال" میں باطن کی طرف رجوع کی تفصیل خود ہی لکھ دی ہے۔ اسی کتاب کا ایک جملہ مولانا نے آگے نقل بھی کیا ہے۔ اس کے باوجود ان اسباب کی مزید تلاش جو امام کے مسند علمی کو چھوڑ کر راہِ فقر اختیار کی طرف آنے کے محرک بنے ہوں گے، ان کے معلوم کرنے کی تشنگی کا مولانا کی طرف سے اظہار سمجھ میں نہیں آیا۔ (غ۔م)

[2] ان کا نام فضل بن محمد تھا، ابو علی کنیت تھی۔ شیخ ابو القاسم القشیری جن کا رسالہ تصوف کی اساسی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے، ان ہی کی صحبت میں سلوک کی راہ فارمدی نے طے کی تقریر و خطابت میں عبد الغافر فارسی نے لکھا ہے کہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ نظام الملک طوسی ان کی غیر معمولی عزت کرتا تھا۔ ستر سال کی عمر پا کر ۴۷۸ھ میں وفات پائی۔

Marfat.com

سے جو مل جاتا اس کے سوا دان کے خورد و نوش

کا اور کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا

پھر انہوں نے کچھ دن حج اور مختلف مشاہد و مقابر کی زیارتوں میں گزارے اور کرتے رہے۔ جو کچھ کرتے رہے مجھے اس وقت بحث ان کے "طریقہ غزالیہ" سے ہے جسے بازگشت کی اس حرکت کے بعد اپنی کتابوں خصوصاً احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ میں امام نے پیش کیا ہے اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ تصوف یا صوفیوں کے جس مسلک اور مشرب کی ترجمانی ان کتابوں میں کی گئی ہے ان کے اس "طریقہ خاص" کی واقعی نوعیت کیا ہے؟ امام نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا اور بے ہوشی کے بعد پھر نیا ہوش جب ان میں پیدا ہوا۔ اب دیکھ چکے کہ یہ وقت تھا جس میں مسلمان دنیا کی سب سے بڑی سیاسی و اقتداری قوت کی حیثیت کرۂ زمین پر حاصل کیئے ہوئے تھے اور غزالی کے زمانہ میں تو ان کا یہ اقتدار ارتقاء و عروج کے آخری نقطہ تک مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی پہنچا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ عرض کر چکا ہوں کہ انسانی فطرت کا یہ عام قانون ہے کہ مسابقت اور منافست کی بساط اس کے بعد بچھ جاتی ہے پھر اس کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اس کا ایک سرسری خاکہ آپ کے سامنے گزر چکا

امام کے مخاطب خاص علماء ہی ہیں

مذکورہ حالات میں.......... امام نے اپنے آپ کو خود مبتلا پایا تھا۔ خدا نے ان کو جب صحت عطا کی تو جہاں تک میرا خیال ہے اسی صحت کے شکریہ میں عام مسلمانوں کے لیئے امام کے نزدیک اپنے تجربات کی بنا پر جس "لائحہ عمل" کے پیش کرنے کی ضرورت تھی در حقیقت اپنی ان کتابوں کی تصنیف سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں ان کی یہی غرض تھی اور اس سلسلہ میں انہوں نے ان سارے علوم سے مدد لی ہے جن کے وہ عالم تھے اور عام مسلمانوں میں بھی زیادہ قریبی تعلق ان کا چونکہ علماء کی جماعت سے تھا اس لیئے زیادہ رخ ان کی گفتگو کا قدرتاً علماء ہی کی طرف جھکا ہوا رہا۔

احیاء العلوم کے دیباچہ کے آغاز میں عام مسلمانوں کی باطنی زندگی کی تباہی و بربادی کا ماتم کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں:۔

راہ کے راہبر تو علماء ہیں پیغمبروں کے بھی جانشین اور وارث ہیں لیکن زمانہ ان سے خالی ہو چکا

Marfat.com

اب تو صرف لکیروں کے پیٹنے والے فقیر ہی رہ گئے ہیں۔ جن میں اکثروں پر شیطان چڑھا ہوا ہے اور ان کی سرکشی نے سیدھی راہ سے انہیں بھٹکا دیا ہے ان میں ہر ایک اسی موجودہ زندگی کے عشق میں سرشار ہو چکا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بھلائیاں برائیاں اور برائیاں بھلائیاں نظر آتی ہیں۔ دین کا علم مٹ گیا، ہدایت کے میناروں کی روشنی بجھ گئی اب تو ان مولویوں نے دنیا کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ شریعت کے صرف وہی معلومات جن سے حکومت قانون کا کام لیتی ہے اور عدالتوں کے مقدمات کا جن کی روشنی میں کام کیا جاتا ہے۔ ان کے سوا علم دین اور کچھ نہیں ہے۔ یا باہمی مقابلہ کی گرم بازاری میں جن معلومات سے کام نکلتا ہو ان کو یہ یاد کرتے ہیں یا عوام کے دلوں کو قابو میں لانے کے لیے جن چیزوں سے مدد ملتی ہو۔"

آخر میں ان کے ان الفاظ سے

لم یروا ما سوی ھذہ الثلاثۃ مصیدۃ للحرام و شبکۃ للحطام (ص۱)	ان امور کے سوا وہ دیکھتے ہیں کہ حرام لقموں کے شکار کرنے اور دنیا کی نعمتوں کے پھنسانے کا جال اور کچھ نہیں ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی برادری اور ہم پیشہ جماعت سے ان کے دل میں کتنی گرانیاں تھیں ــــ ــــ اس لیے گو ابتداء میں ہر باب میں ان کے خطاب کا رنگ عام ہوتا ہے مگر جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولویوں کے سوا ان کے سامنے اب کوئی نہیں ہے خصوصاً مولویوں کے جن عوارض میں وہ ایک زمانہ تک مبتلا رہے تھے ان کے ذکر پر پہنچنے کے ساتھ ہی ٹھیک وہی بات جیسا کہ انہوں نے بھی لکھا ہے علی الخبیر سقطت (واقف کار کے پاس تم پہنچ گئے) کا سماں نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے صحتیاب ہونے کے بعد اپنی بیماری کے ایک ایک پہلو کو آدمی جس ذوق و شوق سے بیان کرتا ہے امام پر ان مقامات پر وہی حالت طاری ہو جاتی ہے مثلاً کبر، فخر، ریا وغیرہ کے امراض کی تشریح و تفصیل میں ان کا یہی حال ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس کی تعبیر "الاخلاق الدلیۃ" سے فرمائی ہے ان مسائل میں تو بال کی کھال نکالتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً احیاء العلوم میں ایک ہی صفحہ پر اس نکتہ نوازی کی بڑی داد دیتے ہیں کہ قدر ضرورت سے زیادہ مکانوں کی تعمیر پر صرف کرنا ہی اسراف اور فضول خرچی نہیں ہے بلکہ راہ چلتے ہوئے اونچے مکانوں کو سر اٹھا اٹھا کر جو دیکھتے ہیں اسراف کے اس گناہ میں ان کا بھی حصہ ہے اس لیے کہ ان ہی دیکھنے

Marfat.com

کی کتابیں لکھی جاتی ہیں یعنی اس میں جدولیں اور طرح طرح کے خانے بنائے۔ ان خانوں اور جدولوں پر منہ سے لگا ئے۔ الغرض دیکھنے والوں کی نظر جب اس کتاب پر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کی کتاب ہے حالانکہ مضامین سب اس میں علم طب کے درج تھے۔ نام بھی اس کتاب کا طبیب نے "تقویم الصحۃ" رکھا تھا۔ امام نے لکھا ہے کہ میں نے بھی اپنی اس کتاب میں کچھ اسی قسم کے طرز عمل کو اختیار کیا ہے۔

تلطفا فی استدراج القلوب (ص۱) نرمی کے ساتھ دلوں کو (اس کتاب کے مضامین کی طرف) مائل کرنے کے لیے ایسا کیا ہے۔

احیاء کے مضامین کی دو قسمیں

خلاصہ یہ ہے کہ اپنے زمانہ کے عام مسلمانوں کے لیے عموماً اور علم دین کے جو نمائندے اس عہد میں تھے ان کے لیے خصوصاً جس اصلاحی لائحہ عمل کو وہ پیش کرنا چاہتے تھے، تاثیر بخشی میں زیادہ سے زیادہ کارگر بنانے کے لیے جن جن علوم و فنون اور ان کے مسائل سے استفادہ امام نے ضروری خیال کیا، سب ہی کا ذکر مناسب مقامات پر وہ کرتے چلے گئے ہیں بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اس راہ میں اسلامی علوم ہی کی حد تک امام نے اپنے آپ کو محدود نہیں رکھا ہے بلکہ طبیعات، ہیئت، طب وغیرہ کے مسائل سے بھی انہوں نے مختلف مقامات پر مدد لی ہے خصوصاً چوتھی جلد میں "مصنوعات الٰہی میں غور" کا جو باب قائم کیا ہے اس باب میں تو علم تشریح الابدان (اناٹومی) علم معدنیات وغیرہ کے مسائل اور معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے اسی لیے احیاء العلوم وغیرہ امام کی کتابوں کے مضامین کی میرے نزدیک مستقل دو قسمیں ہیں یعنی تائیدی حیثیت سے امام نے جن چیزوں سے استفادہ کیا ہے ان کی حیثیت ان امور سے مختلف ہے جو ان کے پیش کردہ لائحہ عمل کے حقیقی عناصر ہیں۔ امام کی امامت اور عبقریت ثانی الذکر امور میں نمایاں ہوتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ان کی کتاب کا یہ حصہ مجتہدانہ کارنامہ ہے۔ کافی غور و خوض محنت اور توجہ سے اس میں کام لیا گیا ہے۔ برخلاف اس کے اوّل الذکر نوعیت کی چیزوں کی طرف امام نے صرف یہ کیا ہے کہ ان امور سے متعلق چند خاص کتابوں کا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کام نکالنے کے لیے انہوں نے انتخاب کر لیا ہے اور جہاں جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے ان ہی کتابوں سے اخذ کر کے اپنی کتاب میں ان معلومات کو شریک کرتے چلے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے ممکن ہے کہ دوسروں کو اس سے اتفاق نہ ہو کہ تصوف کے جن مسائل کا تذکرہ امام نے کیا ہے ان کے اصلی لائحہ عمل کے مضامین کے حساب سے ان مسائل کی حیثیت بھی تائیدی مضامین ہی کی ہے جیسے بیسیوں علوم کے مسائل کا تذکرہ اسی حیثیت سے ان کتابوں میں کیا گیا

Marfat.com

ہے البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ تصوّف کی کتابوں کے مضامین سے انہوں نے زیادہ نفع چونکہ اٹھایا ہے اس لیے تصوّف کا عنصر ان کی کتابوں میں زیادہ غالب نظر آتا ہے اور یہی منشاء ہے اس عام غلط فہمی کا جو ابتداء ہی سے ان خاص کتابوں یعنی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ کے متعلق لوگوں میں پائی جاتی ہے یعنی یہ کتابیں خاص طور پر تصوّف میں ان لوگوں کے لیے لکھی گئی ہیں جو صوفیوں کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں۔ امام نے تو اس کی تصریح جہانتک میں جانتا ہوں نہیں کی ہے کہ تصوّف کے جن مضامین کو اپنی کتابوں میں انہوں نے شریک کیا ہے ان کا ماخذ کون کون سی کتابیں ہیں، بظاہر چند خاص کتابوں کو ان کا ماخذ قرار دینا صحیح بھی نہیں ہے۔

"قوت القلوب" سے امام کا شغف

لیکن جن لوگوں نے ابوطالب مکی کی کتاب "قوت القلوب" کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ زیادہ تر اس سلسلہ میں امام نے اسی کتاب کو اور اس کے مضامین کو اپنے سامنے رکھا ہے۔ ابن جوزی جنہوں نے احیاء العلوم کا مطالعہ تنقیدی نقطہ نظر سے کیا ہے بلکہ ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس میں احیاء العلوم کے مضامین پر ابن جوزی نے تنقید کی ہے "اعلام الاحیاء باغلاط الاحیاء" خود ہی اس کا نام بتایا ہے۔ بہر حال ان کی رائے بھی یہی ہے، یہ لکھ کر کہ :-

نظر فی کتاب ابو طالب المکی وکلام المتصوفۃ القدماء (ج ۹ ص ۱۶۹ منتظم)

امام غزالی نے ابوطالب مکی کی کتاب کا اور قدیم صوفیہ کے کلام کا مطالعہ کیا۔

اپنی یہ رائے ابن جوزی نے ظاہر کی ہے کہ احیاء العلوم میں زیادہ تر ایسی حدیثیں اور آثار جو پائے جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہیں، اس کی ذمہ داری امام پر نہیں بلکہ ابوطالب مکی ہی پر عائد ہوتی ہے۔ خود ابوطالب مکی کے تذکرہ میں بھی ابن جوزی نے یہی لکھا ہے کہ :-

صنف کتاباً سماہ قوت القلوب وذکر فیہ احادیث لا اصل لہا۔ (ج ۷ ص ۱۸۹ منتظم)

ابوطالب مکی نے قوت القلوب نامی کتاب لکھی اور اس کتاب میں ایسی حدیثیں درج کیں جن کی کچھ اصلیت نہ تھی۔

غلبہ تصوّف کی وجہ سے امام سے تحقیق روایت رخصت ہو گئی تھی!

اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کا تذکرہ

اپنی کتاب میں امام نے تائیدی حیثیت سے کیا ہے ان کا کسی کتاب سے نقل کر دینا بس اسی کو انہوں نے کافی خیال فرمایا ہے۔ ابوطالب مکی صوفی ہونے کی حیثیت سے خواہ جتنے بڑے آدمی ہوں لیکن ظاہر ہے کہ وہ بیچارے ایک واعظ صوفی تھے محدث تو نہیں تھے مگر خدا ہی جانتا ہے کہ ان کی نقل کردہ حدیثوں پر امام نے تنا اعتماد کیوں فرمایا جس کی وجہ سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے کام کی قیمت بہت زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ واللہ اعلم جس زمانے میں ان کتابوں کو وہ لکھ رہے تھے ان پر کسی قسم کا حال طاری تھا، یا ایک زمانہ وہ تھا کہ بڑے سے بڑے آدمی پر سخت سے سخت تنقید کرنے سے نہیں جوکتے تھے۔ یا ان ہی کی حالت یہ تھی کہ کسی صوفی کی کتاب میں غالباً یہ قصہ ان کی نظر سے گزرا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز میں جو خوبیاں پائی جاتی تھیں ان کی وجہ یہ تھی کہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے زمانہ کے ایک بزرگ ابوحازم کو کہلا بھیجا کہ اپنی افطاری کا اُلش مجھے بھیج دیجیے۔ ابوحازم نے تھوڑا سا ستو سلیمان کے پاس بھیج دیا۔ سلیمان نے مسلسل تین دن کا روزہ رکھا۔ یعنی بیچ میں افطار نہیں کیا! اور تیسرے دن اسی ستو سے روزہ کھولا۔

وجامع زوجته فجاءت بعبد العزیز
منتظم ابن جوزی ص۱۷ ج-۹

اور اسی کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستر ہوئے جس سے عبدالعزیز یعنی عمر بن عبدالعزیز کے والد پیدا ہوئے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اپنی کتاب "منتظہری" میں "مواعظ الخلفا" کا عنوان قائم کر کے بجنسہ بغیر کسی اعتراض و تنقید کے امام غزالی نے اس عجیب و غریب قصہ کو نقل کر دیا ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ عمر بن عبدالعزیز گویا سلیمان بن عبدالملک کے پوتے تھے حالانکہ اسلامی تاریخ کا ابتدائی طالب علم بھی شاید یہ سن کر اپنی ہنسی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام کے دوست علامہ عبدالغافر الفارسی المحدث نے لکھا ہے:۔

اس شخص نے اپنے نفس کی اصلاح میں مجاہدات شروع کیے اور غیر معمولی جدوجہد سے اس راہ میں کام لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعونت کا شیطان اور سرداری و قیادت کے شوق کا کتا جو ان کے پیچھے لگ گیا تھا بھاگ گیا، باطن کی شورش ختم ہو گئی ہر قسم کے رسمی وضع و قطع کو ترک کر دیا۔

اسی قسم کی باتوں کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

آخر میں اس شخص کی حالت یہ ہو گئی کہ جس کسی میں ہلکی سی چمک معرفت کی ان کو محسوس ہوتی اور خیال گزرتا کہ مشاہدہ سے کچھ بھی اس کا تعلق ہے اس کے سامنے جھک جاتے۔

اور وہی غزالی جو کبھی اپنی ناک پر مکھی بھی بیٹھنے نہیں دیتے تھے الفارسی نے ان ہی کو اس حال میں پایا۔

"لوگ ان کے خلاف مختلف طریقوں سے فتنے اٹھاتے ان کے کلام پر اعتراض کر کے ہر جگہ اپنے اعتراضات کو پھیلاتے پھرتے تھے۔ حکومت میں بھی ان کی شکایتیں پہنچائی جاتی تھیں لیکن اللہ کا یہ بندہ سکون اور خاموشی کے ساتھ ساری باتوں کو برداشت کرتا اور کسی چیز سے متاثر نہ ہوتا اعتراض کرنے والوں کے جواب کی طرف بھی توجہ نہیں کی۔" ص۱۸۴

بہرحال میں تو خیال کرتا ہوں کہ اس قسم کی معصومانہ غلطیاں امام کی کتابوں میں اگر رہ گئی ہیں تو ان کی زیادہ وجہ غالباً ان کا یہی حال ہے۔

امام کا "قدیم متصوفہ" کے مضامین سے تاثر

نہ صرف ابوطالب مکی بلکہ ابن جوزی نے "قدیم متصوفہ" کے نام سے اور شاہ ولی اللہؒ نے "اوائل" کے لفظ سے اسلام کی ابتدائی صدیوں کے جس طبقہ کی تعبیر کی ہے اور لکھا ہے کہ امام غزالی نے ان لوگوں کی کتابوں کے مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے میں نے عرض کیا تھا کہ "اوائل" یا "قدیم متصوفہ" کے الفاظ بھی مستحق توجہ ہیں اور اب میں اسی کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

"قدیم متصوفہ؟"

کچھ تصوف ہی میں نہیں بلکہ دینی علوم کے دیگر شعبوں میں "سلف" کے لفظ کو استعمال کر کے ایک عام رواج ہے جس سے بیچارے عام مسلمانوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے گویا یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جو رائیں قائم کی گئی ہیں یا اسلامی حقائق کے متعلق جو فیصلے کیے گئے وہ پچھلی صدی کے مسلمانوں کے فیصلوں کے مقابلہ میں مذہب کی اصلی روح سے زیادہ قریب ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اسی تصوف کے قصہ میں اوائل کے طریقہ کار کا ذکر کر کے "متاخرین" کے طرز عمل کو جو سراہا ہے تو جن کی نظر واقعات پر نہیں ہے وہ کچھ جز بز سے ہوتے ہیں، اور اس کا منشاء یہی خیال ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کے متعلق یہ باور کر لیا گیا ہے کہ مذہب کے جس شعبہ میں جو فیصلے اس زمانہ کے ہیں وہ اسلام کی صحیح تعلیم پر زیادہ منطبق ہیں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اس مسئلہ میں لوگ ایک خاص واقعہ سے نہ معلوم کیوں لاپروائی اختیار کیے

Marfat.com

ہوئے ہیں؟

میرا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دین کے دائرے میں دوسرے ادیان و مذاہب کے ماننے والے ظاہر ہے کہ زیادہ تر اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ہی داخل ہوئے ہیں ان نومسلموں میں جو افواجاً کی شکل میں "دین اللہ" کے اندر داخل ہوتے چلے جا رہے تھے عام غیر کتابی بت پرستوں اور وثنیوں کے سوا، کافی تعداد عیسائیوں، یہودیوں، مجوسیوں، صابیوں وغیرہ کی تھی۔ ان اقوام کا داخلہ کن مؤثرات و محرکات کے تحت ہوا، اس کا قصہ طویل ہے لیکن اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن میں اپنے موروثی و آبائی عقائد و خیالات، اور دینی زندگی کے طریقوں سے جو انس تھا اس کا بالکلیہ ازالہ نہیں ہوا تھا اور عام حالات میں یہ واقعہ بھی ہے اس کی توقع انسانی فطرت سے کچھ بعید بھی ہے، شعوری طور پر نہ سہی لیکن غیر شعوری دباؤ کے نیچے صدیوں کے پرورش یافتہ جراثیم کا اچانک کلی استیصال آسان بھی نہیں ہے۔

اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ سلف یا قدماء یا عصر اول وغیرہ کے الفاظ کے استعمال) کے وقت مذکورہ بالا حقیقت کو چاہیئے کہ لوگ اپنی نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہونے نہ دیں۔

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فرقہ بندیوں کی کثرت کا سبب

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ قلوب میں آخر یہ سوال پیدا کیوں نہیں ہوتا کہ عقائد و اعمال کے لحاظ سے فرقہ بندیوں کی جتنی کثرت اسلام کی ابتدائی صدیوں میں نظر آتی ہے ان کی یہی کثرت پچھلے قرون میں کیوں باقی نہ رہی۔ کاش سوچنے والے اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر اگر سوچتے تو سلف اور قدماء وغیرہ کے الفاظ کا وزن جتنا محسوس کیا جاتا ہے یا دوسروں کو محسوس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے اتنا وزن ان الفاظ میں باقی نہ رہتا۔

یہ مسئلہ ایک مستقل "علمی مہم" کا طالب ہے۔ **کام** کرنے والوں کے لیے بہت بڑا میدان ہے۔ ہزارہا اغلاط کا ازالہ اس راہ کی تحقیق سے ان شاء اللہ ممکن ہو جائیگا۔ میرے لیے اتنے اہم مسئلہ کی تفصیل کا تو موقعہ نہیں ہے البتہ بطور مثال کے ایک چیز کا تذکرہ کرتا ہوں۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں اعتقادی اختلافات کی ابتدا مسئلہ قدر تقدیر سے شروع ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی دنیا میں موجود ہی تھے کہ بعض لوگوں نے اس

Marfat.com

مسئلہ کو اہمیت دینی شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی دن بعد "معتزلہ" یا قدریہ کے نام سے اسلام میں ایک مستقل فرقہ کی بنیاد پڑ گئی۔ صحیح مسلم میں پہلی روایت امام مسلم نے جو درج کی ہے اسی میں ان الفاظ کے بعد

اول من قال فی القدر بالبصرۃ	مسئلہ قدر کا سب سے پہلے جس نے ذکر بصرہ
معبد الجھنی۔ (ص ۱۶ ج ۱)	میں چھیڑا وہ معبد جھنی نامی آدمی تھا۔

لکھا ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن عمر کے پاس اس کی شکایت کرتے ہوئے بھی پہنچے تھے۔

اس وقت اس روایت سے مجھے بحث نہیں ہے بلکہ بتانا چاہتا ہوں کہ عہد صحابہؓ ہی میں فرقہ بندی کی یہ بنیاد پڑ گئی تھی اس کی ابتداء کن لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی۔ مسلم کی مذکورۂ بالا روایت کا میں نے جو حوالہ دیا ہے اس میں "معبد الجھنی" کا نام جو لیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خود معبد بھی اس مسئلہ کا حقیقی بانی نہیں ہے۔ المقریزی نے لکھا ہے کہ

اخذ معبد ھذا الرائے من رجل	معبد نے یہ رائے ایک اور آدمی سے اخذ کی
من الاساورۃ یقال لہ ابو یونس	تھی جو "الاساورہ" کے گروہ سے تعلق رکھتا
سنسویہ ویعرف بالاسواری۔	تھا جس کی کنیت ابو یونس اور نام سنسویہ
مقریزی ص ۱۸۱ ج ۴	تھا۔ الاسواری کے نام سے مشہور تھا۔

سمجھا آپ نے کیا مطلب؟ "الاساورہ" اور "الاسواری" کے لفظ کا اطلاق کن لوگوں پر کیا جاتا تھا۔ البلاذری نے فتوح البلدان میں اس کے متعلق کافی معلومات جمع کر دیئے ہیں۔ میں اس کا حاصل درج کرتا ہوں، لکھا ہے کہ:۔

"یزدگرد شاہنشاہ ایران کے مقدمۃ الجیش کا کمانڈر یا سپہ سالار ایک شخص سیاہ نامی تھا جو سیاہ الاسواری کے نام سے مشہور تھا۔ یزدجرد جب اپنے پایۂ تخت مدائن سے بھاگ کر اصفہان پہنچا تو اس نے اپنی منتشر فوج کے سپاہیوں کی جستجو شروع کی خاص کر کے اس نے اسی سیاہ الاسواری کو ڈھونڈ کر اصفہان بلایا اور تین سو چیدہ سواروں کے ساتھ اس نے اصطخر کی حفاظت کے لیے اس کو مقرر کیا۔ ان تین سو سواروں میں ستر آدمی ایسے تھے جو ایران کے عظماء اور بڑے لوگوں میں شمار ہوتے

Marfat.com

تھے۔ یزدگرد نے سیاہ اسواری کو اس کا حکم بھی دیا تھا کہ ملک میں جہاں کہیں ایسے لوگ ملیں جن کو اپنی فوج میں وہ شریک کرنا چاہتا ہو، ان کو بھی ساتھ لے لے۔ سیاہ اسواری کو روانہ کرکے خود یزدگرد بھی اس کے بعد اصطخر کی طرف روانہ ہوا، اصطخر پہنچ کر سیاہ اسواری کو یزدگرد نے ابوموسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سوس بھیج دیا۔ یہاں یہ لوگ ابوموسیٰ کے مقابلہ میں پڑے ہوئے تھے کہ اچانک ان کو یزدگرد کی فاش شکست اور فرار کی خبر ملی تب ان اسواریوں نے طے کیا کہ ابوموسیٰ رض سے صلح کرلیں۔ صلح ہوگئی اس عرصہ میں یزدگرد کے اور بہت سے رفقاء اصفہان سے چل کر سیاہ سے آملے۔ ان لوگوں کے سامنے سیاہ اسواری نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں سے مقابلہ کا جو انجام ہوا وہ تم لوگ دیکھ چکے تم لوگ سنتے چلے آرہے تھے کہ اصطخر کے ایوان[1] میں مسلمانوں کے گھوڑے لید کریں گے اس کا تماشا بھی تمہارے سامنے پیش ہوچکا۔ پس یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہم لوگ اب کیا کریں بادشاہ تو بھاگ گیا۔ اسی کے بعد سیاہ نے تجویز پیش کی کہ اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دین میں ہم لوگ داخل ہوجائیں۔ اسی پر سارے اسواریوں کا اتفاق ہوگیا اور شیرویہ نامی سردار کو رئیس وفد بناکر دس آدمیوں کا ایک وفد حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کی خدمت میں اس تجویز کو لے کر حاضر ہوا۔ اسواریوں کی طرف سے جو شروط پیش ہوئے تھے وہ یہ تھے کہ :-

---

[1] اصطخر قدیم ایرانی سلاطین کے زمانہ میں ایران کا سب سے بڑا اور اہم مرکزی شہر تھا۔ یونانی اسی کو پرسی پوس کہتے تھے، ہخمنشی سلاطین کے زمانہ کے ایوان اور سنگین قلعوں کے آثار اب بھی اس مقام پر کھنڈر کی شکل میں موجود ہیں۔ ان محلات کی عظمت اور مہیب شکلوں کو دیکھ کر مسلمانوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں سے اس شہر کی تعمیر میں کام لیا تھا۔

کرسٹن کی کتاب تاریخ آل ساسان میں اس شہر کے ان ایوانات کا حال پڑھنے کے قابل ہے۔ ابن حزم نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ یہ پارسی مذہب کی کتاب جسے وہ اپنی آسمانی کتاب سمجھتے تھے اور "خدا نامہ" اس کو کہتے تھے۔ اس کتاب کے پڑھانے کی اجازت ایک زمانہ تک اصطخر کے موبدین (علمائے دین مجوس) کو تھی (ص ۱۳ ج ۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطخر کی حیثیت کسی زمانہ میں ایران میں وہی تھی جو مدت تک ہندوستان میں بنارس کو حاصل تھی۔ ۱۲۔

(۱) تمہارے دین میں داخل ہو کر ایرانیوں کے مقابلہ میں ہم لڑیں گے۔

(۲) لیکن خود عرب میں جب لڑائی ہو گی تو اس میں ہم شریک نہ ہوں گے۔

(۳) عرب اگر ہم پر چڑھائی کریں تو آپ لوگ ہماری مدد کریں گے۔

(۴) ہمیں اختیار ہو گا کہ مسلمانوں کے علاقہ میں جو جگہ بھی ہمیں پسند آ جائے وہیں ہم آباد ہو جائیں اور جس عربی قبیلہ سے خلافت کا معاہدہ ہم چاہیں کر لیں۔

(۵) فوجی خدمت کے صلہ میں خزانہ سے جیسے سب کو تنخواہ ملتی ہے ہم لوگوں کو بھی ملے گی۔

(۶) جو معاہدے ہمارے اور تمہارے درمیان طے ہوں اس کی توثیق تمہارے امیر (خلیفہ) کو کرنی پڑے گی۔

بڑے رد و کد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے "اسواریوں" کے سارے شرائط مان لیے گئے اور یوں "اسواریوں" یا "الاساورہ" کا یہ ایرانی گروہ مسلمانوں میں شریک ہو گیا۔ بصرہ میں ان لوگوں نے قیام اختیار کیا ان کا اپنا ایک خاص محلہ بھی "بنی تمیم" کے قبیلہ میں تھا۔ اور ایک نہر خاص ان لوگوں نے اپنے لیے کھودی تھی جس کا نام "نہر الاساورہ" تھا۔ (دیکھو البلاذری صہ ۳۸۱)

دیکھا آپ نے مسلمانوں کے فرقہ "قدریہ" یا "معتزلہ" کی تان کہاں جا کر ٹوٹی یزدگرد کے خاص فوجیوں کے آدمی میں اس عقیدہ کی بنیاد کا پتہ چلا۔ خود ان اساورہ کے سردار سیاہ کے حوالہ سے البلاذری نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ

انا دخلنا فی ھذا الدین فی بدء امرنا تعوذا وان کان اللہ قد رزق خیرا کثیرا۔ (صہ ۳۸۱)

ہم لوگ یہ واقعہ ہے کہ ابتداءً محض جان بچانے اور پناہ لینے کے لیے اس دین اسلام میں داخل ہوئے تھے اگرچہ اس کی بدولت ہمیں بہت سی بھلائیاں میسر آئیں۔

اور یہ ابو یونس الاسواری جس سے معبد جہنی نے اس عقیدہ کو حاصل کیا تھا اسی سیاہ الاسواری کی جماعت کا آدمی تھا۔ ابو یونس کنیت تو مسلمان ہونے کے بعد اس نے اپنی رکھ لی تھی، ورنہ اس کا اصلی نام سنسویہ تھا۔ جیسا کہ مقریزی نے لکھا ہے اس کا اصلی نام سیسویہ یا سوسن تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ظاہر ہے کہ ایرانی مجوسیوں کا یہ آبائی عقیدہ کہ خدا خالق شر نہیں ہے اسی کا شاخسانہ تو قدر

Marfat.com

کا یہ مسئلہ ہے۔ یعنی انسان کے بُرے بھلے افعال کا خالق خدا نہیں بلکہ خود بندہ ہے۔

اور ایک یہی مسئلہ کیا؟ اس زمانہ میں یہودیوں، عیسائیوں اور ایران ہندوستان چین وغیرہ ممالک کے باشندوں میں جس قسم کے اعتقادی جھگڑے چھڑے ہوئے تھے۔ تحقیق کرنے والوں کو نظر آئے گا کہ الفاظ اور تعبیر وغیرہ کے معمولی تفاوت سے ان ہی اقوام و ممالک کے لوگوں نے مسلمان بن بن کر اسلام میں بھی کسی نہ کسی شکل میں ان جھگڑوں کو داخل کر دیا تھا۔ ہندوستان ہی میں اس وقت یعنی چھٹی صدی عیسوی اور اس کے بعد کے زمانہ میں کرم کانڈ اور گیان کانڈ کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا، میمانسا والوں اور ویدانت والوں میں بڑے بڑے مناظرے ہو رہے تھے ان اصطلاحات سے جو واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مرجیہ اور معتزلہ کے درمیان ایمان و عمل کے متعلق جو جھگڑا تھا کہ نجات کی بنیاد ایمان پر ہے یا عمل پر ہے۔ یہ وہی کرم کانڈ اور گیان کانڈ ہی کے قصوں کا عربی ترجمہ تھا۔[1] اور یہ عجیب بات ہے کہ ان فتنوں کی زیادہ تر ابتدا بصرہ سے ہی ہوئی تھی۔ جہاں بحری راستوں سے مشرقی اور مغربی ممالک کے باشندوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہندوستان کے ساتھ بصرہ کے تعلق کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ جہاں پر یہ شہر آباد ہوا تھا اس کا نام پہلے ارض الہند تھا اور جیسے ان نومسلموں کی راہ سے اس قسم کے قصے مسلمانوں میں داخل ہوئے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مذہبی زندگی کا اعلیٰ معیار کیا ہونا چاہیے۔ اس سوال کے متعلق جو عملی مثالیں ان ہی ابتدائی صدیوں میں بعض افراد کی طرف سے پیش ہوتی ہیں یا اس سوال کے جواب میں جو کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی

---

[1] کرم کے معنی عمل کے ہیں۔ کرم کانڈ والے کہتے تھے کہ صرف عمل اور قانون کی پابندی پر نجات کا دار و مدار ہے اور گیان جس کے معنی معرفت کے ہیں اور دراصل یہ وہی ایمان کے لفظ کی تعبیر ہے اس گیان کانڈ والے ایمان ہی کو مدارِ نجات ٹھہراتے تھے۔ کرم کانڈ والوں کا قانون اور عمل پر اتنا زور تھا کہ ان کا ایک مکتبِ خیال جسے پورب میں میمانسا کہتے ہیں، اس خیال والے کہتے تھے کہ خدا پر ایمان لانا یعنی نجات کے لیے خود خدا کے ماننے کی ضرورت نہیں وہ عمل کے قانون اور جن الفاظ میں اس کی تعبیر کی گئی ہے اس کو قدیم مانتے تھے۔ ان کا مشہور عقیدہ یہ تھا کہ شبد (کلام) قدیم ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں کلام کے قدیم و حادث ہونے کا فتنہ جو اٹھا تھا کون کہہ سکتا ہے کہ غیر ادیان کے نومسلموں کی طرف سے یہ چیزیں اسلام میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ ۱۲۔

Marfat.com

ہیں۔ ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان جدید الاسلام لوگوں کے آبائی اور موروثی رجحانات ان میں قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

ان رجحانات کا پتہ عہد نبوّت ہی میں چلتا ہے

اور تو اور آپ کو صحیح حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود عہدِ نبوّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کے متعدد واقعات پیش آئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی زندگی کے مقابلہ میں بعض لوگوں نے ایسے معیار پیش کرنے کا ارادہ کیا جس سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شائد پیغمبر کی زندگی بھی ان کے مفروضہ بلند معیار کے مطابق نہیں ہے، بخاری و مسلم میں آپ کو ایسی روائیتیں مل جائیں گی جن سے میرے اس بیان کی توثیق ہوسکتی ہے۔ یہاں تک کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا[۱]

جب عہدِ نبوّت میں ہی ایسے رجحانات کا پتہ چلتا ہے تو نبوّت کے بعد اس راہ میں افراط و تفریط کی طرف بعض لوگوں کا مائل ہوجانا یقیناً محل تعجب نہیں ہوسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حالانکہ فرما بھی دیا تھا کہ دینی زندگی کا وہ معیار جسے تم

---

[۱] مثلاً بخاری کے ابتدائی اوراق میں آپ کو وہ روایت مل جائے گی جس میں ہے کہ تین آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے شب و روز کے مشاغل دریافت کیے۔ راوی کا بیان ہے کہ ان سے جب آنحضرت صلعم کے مشاغل بیان کیے گئے تو سن کر انہوں نے اس کو کم خیال کیا۔ راوی کے الفاظ ہیں کانہم تقالوھا گویا دینی زندگی کے بلند ترین معیار کا جو خاکہ ان کے دماغوں میں تھا اس پر آنحضرت صلعم کی زندگی بھی ان کے نزدیک منطبق نہ تھی مگر نبوّت کا احترام بہرحال ان کے قلب میں چونکہ تھا اس لیے تاویل کے نیچے انہوں نے پناہ لی کہ "پیغمبر کا کیا وہ تو مغفور ہیں"۔ پھر ایک نے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ رات بھر نمازیں پڑھتا رہے گا۔ دوسرے نے کہا کہ صائم الدہر بن جاؤں گا۔ تیسرے نے کہا کہ جیتے جی عورت کا منہ نہ دیکھوں گا جب رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو دیکھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر غصہ کے آثار ہیں اور فرما رہے ہیں تم سب سے زیادہ خدا کی معرفت اور خدا کا خوف مجھ میں ہے اور اعلان فرما دیا کہ میری راہ کو چھوڑ کر جو چلے گا وہ مجھ سے نہیں ہے اور یہ ایک ہی واقعہ نہیں ہے ایسی متعدد مثالیں عہدِ نبوّت میں ملتی ہیں۔ ۱۲۔

Marfat.com

ستجدون بقایاھم فی الصوامع والدیارات (جمع الفوائد بحوالہ ابوداؤد)

پاؤ گے تم ان کی بچی کھچی نشانیاں عیسائیوں کی خانقاہوں اور دیروں میں۔

یہ قابل رشک معیار نہیں ہے بلکہ " رہبانیت " کے نام سے تو خود قرآن نے اس زندگی پر تنقید کی تھی اور اسے عیسائیوں کا ایک خود تراشیدہ مسلک اور ایسا مسلک قرآن نے قرار دیا ہے جس کا نباہ آسان نہیں ہے۔ مگر پشتہا پشت سے " صوامع و دیارات " کی زندگی کا وزن جن لوگوں کے قلوب میں جاگزیں تھا اچانک مسلمان ہو جانے کے بعد اس کا ازالہ آسان نہ تھا۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے آبائی دین کے اثرات میں اور اسلامی تعلیم کے نتائج میں تطبیق کی راہ اس قسم کے لوگ نکال لیتے تھے۔

امام کا دنیا گریز رجحانِ تصوف اسلامی کے دائرے کے باہر کا اثر ہے

خیر یہ قصہ طویل ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ امام غزالی نے جن " قدماء متصوفہ " کی کتابوں کے مضامین سے نفع اٹھایا تھا ان کے متعلق یہ خیال کر لینا شاید صحیح نہ ہوگا کہ قدیم ہونے کی وجہ سے ان بزرگوں کی کتابوں کے سارے مضامین افراط و تفریط کے ان اثرات سے محفوظ تھے جو مسلمانوں میں داخل ہونے والی نسلوں کی راہ سے پھیل گئے تھے۔

آخر خود سوچئے کہ جس قرآن کی تعلیم

خلق لکم ما فی الارض جمیعا (البقرہ)

زمین میں جو کچھ ہے تمہارے ہی لیے پیدا کیا ہے۔

سخر لکم ما فی السموات والارض جمیعا منہ

تمہارے قابو میں کر دیا ان سب چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب کو۔

کے محور پر گھومتی ہو بار بار تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مختلف پیرایۂ بیان میں تفصیلاً و اجمالاً اسی مضمون کو مسلسل اس کتاب میں دہرایا گیا ہو۔ اسی کتاب کی آیت

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا (کہف)

زمین پر جو کچھ ہے اس کو ہم نے زمین کا سنگار بنایا۔ تاکہ ہم جانچیں کہ کون ہے اچھا۔ عمل کے حساب سے۔

درج کر کے اس کی تفسیر میں یہ قول جو امام غزالی نے نقل کیا ہے کہ

ایھم ازھد فیھا (احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۷۵)

یعنی زمین کا یہ سارا بناؤ سنگار زیب و زینت کا

Marfat.com

تماشا اس لیے کھڑا کیا گیا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے
کہ ان کے چھوڑنے اور ان سے بھاگنے میں سب
سے آگے کون ہوتا ہے۔

اور جس تصوف کے نظام کو اپنی کتاب میں انہوں نے پیش کیا ہے اس نظام کا اہم ترین جز اسی اصول کو انہوں نے قرار دیا ہے۔ اس دنیا گریز رجحان کے متعلق اس کے سواء اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی دائرے کے باہر ہی سے یہ اثر ان مسلمانوں میں داخل ہوا تھا اگر واقعی قرآن کی آیت کا یہی مطلب ہے کہ قدرتی پیداواروں کے پیدا کرنے سے پیدا کرنے والے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور اپنی ضرورتوں میں ان کو استعمال کریں بلکہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بھاگنے والے ان چیزوں سے بچنے اور بھاگنے میں کہاں تک ترقی کر سکتے ہیں۔ اور اسی راہ گریخت کی رفتار کی تیزی و سستی میں انسانیت کی بلندی و پستی کا راز پوشیدہ ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ قرآن کی تعلیم بھی اگر یہی ہے تو جس " دینی زندگی " کی تعلیم یہ کی گئی ہے کہ اس کا پابند

غذا کو بھی بلا کسی رغبت کے اسی طرح کھاتا ہے جس طرح ایک شخص جنگل سے گزر رہا ہوا اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے بچے کا گوشت کھا رہا ہو[1] (ص ۱۵۲ ج ۱)

ہندی فلسفہ گیتا۔

تو اس میں اور قرآن کی پیش کردہ زندگی میں تعبیری یا لفظی فرق کے سواء خود ہی سوچا جائے کہ اور کیا فرق باقی رہ جاتا ہے۔ حضرت امام نے اسی موقع پر جہاں انہوں نے قرآنی آیت کی مذکورہ بالا الفاظ میں تفسیر درج کی ہے یہ بھی لکھا ہے کہ محظورات (یعنی شریعت نے جن چیزوں کے استعمال کو ممنوع ٹھہرایا ہے) ان کا چھوڑ دینا یہ وہ معیاری زندگی نہیں ہے جس پر زہد کا اطلاق کیا جائے بلکہ

ترک المباحات التی حظ النفس (احیاء ص ۱۵۵ ج ۴)

جن چیزوں کو خدا نے مباح کر دیا ہے یعنی جن کا استعمال جائز ہے ان کو چھوڑنا یہ زہد ہے کہ نفس

---

[1] یہ ہندوستان کے مسلک (جوگیت) کی تعبیر ہے جس کے معنی یہی ہوئے کہ اپنے بچے کا گوشت کھانا اور قدرتی پیداواروں کا زندگی کی ضرورتوں میں استعمال کرنا اس مسلک کی رو سے برابر ہے۔ ۱۲۔

Marfat.com

کا حصّہ وہی ہے۔

مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے جن چیزوں کے استعمال کو منع کیا ہے ان کی تعمیل تو خدا کی مرضی کی تعمیل ہے اور خدا کی مرضی کی تعمیل کرنے والے خدا کے پاس اجر و ثواب کی اُمیدؔ اگر لگائیں تو اس کی اُمید ان کو کرنی چاہیئے لیکن خدا نے جن چیزوں کے چھوڑنے اور ترک کرنے کا مطالبہ نہیں کیا ہے ان کا ترک ظاہر ہے کہ خدا کی مرضی کی نہیں بلکہ یقیناً خود اپنے نفس کی خواہش کی پیروی ہے پھر ایسے عمل پر خدا کی مرضی کی نہیں بلکہ یقیناً خود اپنے نفس کی خواہش کی پیروی ہے پھر ایسے عمل پر خدا کے پاس اجر کی توقع آخر کس بنیاد پر قائم کی جائے گی۔ انہوں نے ایک مثال سے بھی سمجھانا چاہا ہے کہ مباحات کو جو موجودہ زندگی میں ترک کرتا ہے یعنی جن چیزوں کے استعمال سے خدا نے منع نہیں کیا ہے ان کے استعمال کو ترک کرنے والا زیادہ سے زیادہ ایک ایسی چیز سے دست بردار ہو رہا ہے جس کی حیثیت برف کے ٹکڑے جیسی ہے کہ زمانہ جیسے جیسے اس پر گزرتا جائے گا فنا ہوتا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں جو اجر آخرت میں اس کو ملیگا چونکہ وہ خیر و البقیٰ ہے یعنی بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے۔ اس سے سمجھنا چاہیئے کہ برف کے ٹکڑے کو بیچ کر یا دے کر الماس اور یاقوت کے ٹکڑے خرید رہا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ع عمر برف است آفتاب تموز دنیا کی نعمتوں کی بہت اچھی مثال ہے مگر ان نعمتوں کو خدا کی مرضی اور خدا کے حکم سے جو نہیں چھوڑتا ہے بلکہ جن کے استعمال کی اجازت خدا کی طرف سے ہے ان کو جو بھی چھوڑتا ہے اپنی مرضی سے اور اپنی خواہش سے چھوڑتا ہے مان لیا جائے کہ اس نے برف ہی کے ٹکڑوں کو چھوڑا لیکن ان کے معاوضہ میں خدا کے پاس جواہر (الماس و یاقوت) کے پانے کی امید آخر کس بنیاد پر کرتا ہے۔ جس نے خدا کی نہیں بلکہ اپنی مرضی کی پابندی کی ہے اسے چاہیئے کہ خود اپنے آپ سے اجرت طلب کرے نہ کہ خدا سے جس کی مرضی کی تعمیل میں اس نے ان مباحات کو قطعاً نہیں چھوڑا ہے۔

امام کے نظریات کے متعلق شاہ ولی اللہ نے جو یہ لکھا ہے پہلے بھی نقل کر چکا ہوں

از قبیل قضایا شعریہ و عظیہ تمسک می نمایند۔ تائید میں شاعرانہ مقدمات جو وعظوں میں استعمال ہوتے ہیں ان ہی کو پیش کرتے ہیں۔

غالباً ان کا اشارہ اسی قسم کی تمثیلی دلیلوں کی طرف ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس قسم کے

Marfat.com

دلائل کا بہت بڑا ذخیرہ ان کی کتابوں میں جمع ہو گیا ہے بظاہر یہ چیزیں بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کے مضامین سے اپنے لائحہ عمل کے آگے بڑھانے میں امام نے کام لیا ہے۔

> امام کا بڑا کارنامہ نظام اخلاق کی تباہی کو محسوس کرنا اور اس کے استحکام کی سعی بلیغ ہے۔

بہر حال میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ اپنے زمانہ کے حالات کا اندازہ کرنے کے بعد امام پر واضح ہوا کہ وہی دولت و امارت جس کے چبوترے پر مسلمان دنیا کے سامنے کھڑے تھے اس چبوترے کے باہر کچھ ہی نظر آتا ہو لیکن اس کے اندر بتدریج ایسے آتش فشاں مواد کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے کہ اس چبوترے پر کھڑے ہونے والے کو اگر نہ چونکایا گیا تو وہ خود اور وہ ساری چیزیں جس سے یہ بلندی ان کو حاصل ہوئی ہے اچانک اڑ جائیں گی میرا اشارہ مسلمانوں کے اخلاقی نظام کی غیر محسوس تباہی کی طرف ہے جس کی وجہ سے اندر ہی اندر ان کی اجتماعی زندگی کھوکھلی ہوتی جا رہی تھی وہ باہر سے جتنے بھی قوی دکھائی دے رہے ہوں لیکن حکیمانہ بصیرت کی روشنی سے جو سرفراز کیا گیا تھا اسی قوت میں ان کمزوریوں کی ساری پرچھائیاں جھانکتی نظر آ رہی ہیں جن سے عام مسلمان اس زمانہ میں غافل تھے یا ان سے وہ غافل رہنا چاہتے تھے۔ امام نے ان کو جھنجھوڑنے کا ارادہ فرمایا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طاقت سے انہوں نے اس کام کو انجام دیا وہ اپنی آپ نظیر ہے کہ آج سات آٹھ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اس چیخ اور پکار کی آواز باز گشت سے اسلامی دنیا گونج رہی ہے۔ جو امام حجۃ الاسلام کے سینے سے بلند ہوئی تھی ان کا حقیقی مقصد جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں یہی تھا۔ اسی لیے ان کی ساری توجہ اسی مسئلہ پر مرکوز نظر آتی ہے جھنجھوڑنے اور چونکانے کی اس مہم میں وہ کن کن چیزوں سے کام لے رہے ہیں جہاں تک میں سمجھتا ہوں شاید ان کی نظر میں ان کی چنداں اہمیت نہیں تھی جگا دینا چاہیئے، ان کے دل میں اسی آرزو کی آگ بھڑک اٹھی تھی اس آرزو کی تکمیل میں جس چیز سے مدد مل سکتی تھی اس سے نفع اٹھاتے تھے امام نے کوشش کی لوگوں کو نکتہ چینی کا موقع اسی لیے مل گیا، حالانکہ آپ دیکھ چکے عموماً کوتاہیاں ان لوگوں کی ہیں جن کی کتابوں سے امام نے استفادہ کیا۔ سب سے زیادہ حدیثوں کے باب میں ان کی کتابیں بدنام ہیں لیکن یہ ان کا نہیں ابو طالب مکی کا قصور ہے "قوت القلوب" میں جن رطب و یابس روایتوں کو اس شخص نے استعمال کیا تھا آنکھیں بند کر کے امام ان کو نقل کرتے چلے گئے۔ نیز ارباب صلاح و تقویٰ کے ساتھ جس قسم کا غیر معمولی حسن ظن زندگی

Marfat.com

کے آخری دنوں میں امام کے اندر پیدا ہوگیا جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں بہت کچھ دخل اس طرز میں ان کے اس حسن ظن کو بھی ہے۔

اخلاق کی تصحیح میں امام ارسطو کے قاعدۂ توسط سے متاثر ہیں

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خود "اخلاقیات" کے ابواب جن کا نام امام نے "مہلکات" رکھا ہے یعنی مسلمانوں کی ہلاکت کا راز ان اخلاقی ابواب میں ان کو نظر آرہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ بظاہر ان اخلاقی ابواب میں انہوں نے قرآنی آیات واحادیث وآثار سے بھی کافی استفادہ فرمایا ہے لیکن اخلاق وغرائز کی تصحیح میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے بجائے ازالہ کی لاحاصل کوشش کے امالہ[ا] کی راہ اس سلسلہ میں جو اختیار کی ہے اس اصول سے انہوں نے بہت کم کام لیا ہے یا کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ

[ا] کہنا یہ ہے کہ فضائل ہوں یا رذائل تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ عموماً یہ جبلی ہوتے ہیں فطرۃً بعض لوگ بخل وحسد کبر ونخوت کے صفات کو لے کر پیدا ہوتے ہیں اور جیسے رذائل کا یہ حال ہے یہی حال فضائل مثلاً شجاعت، سخاوت، ہمدردی مواساۃ جیسی اخلاقی خوبیوں کا بھی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جبلی صفات کا ازالہ اسی طرح ناممکن ہے جیسے خلقی شکل وصورت کا بدلنا آسان نہیں ہے جو چھوٹی چھوٹی آنکھیں لے کر پیدا ہوا ہے یا گربہ چشم پیدا ہوا ہے کیا اس کی آنکھوں کو کوئی بڑی بنا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ یا کرنجی آنکھوں کو سیاہ آنکھوں سے کوئی بدل سکتا ہے۔ الغرض جو حال جسد کے بیرونی اوصاف وخصوصیات کا ہے قریب قریب وہی حالت خلق کی بھی ہے اسی لیے ان جبلی اوصاف کے ازالہ کی جگہ اسلام نے یہ راہ اختیار کی ہے کہ صحیح مصرف کی طرف ان صفات کا رخ پھیر دیا جائے جن کا شمار رذائل کے ذیل میں کیا جاتا ہے۔ قرآنی آیات مثلاً اشداء علی الکفار رحماء بینھم (کافروں پر تو وہ سخت ہیں اور باہم آپس میں ایک دوسرے پر مہربان) یا اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین (ایمان والوں کے آگے جھکے ہوئے ــــ اور کافروں کے سامنے اونچے ہیں) وغیرہ میں اسی اصول کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انسانی فطرت کے سارے ایسے صفات جن میں سختی اور شدت پائی جاتی ہے کسقدر قیمتی بن جاتے ہیں گویا خس وخاشاک کے صاف کرنے کے لیے قدرت نے ان صفات کو آدمی میں پیدا کیا ہے۔ الغرض رذائل کا صحیح استعمال پیدا کرنا اسی تدبیر کا نام امالہ ہے۔ عداوت ایک بدترین رذیلہ سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن نے الشیطان کی طرف اس عزیزۂ انسانی کا رخ پھیر کر ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا کا حکم دے کر اسی عداوت کو جنت کی کلید کی شکل میں بدل دیا، وقس علی ہذا۔ اسی طرح فضائل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

لیا ہی نہیں ہے اور سارا زور انہوں نے یونانیوں کی اتھکس (اخلاقیات) کے اس عام اور مشہور قاعدے کے انطباق پر خرچ کر دیا ہے جس میں ہر انسانی خُلق میں اعلیٰ ادنیٰ اوسط تین مدارج پیدا کر کے بتایا جاتا ہے کہ ہر خلق کا وسطانی درجہ ہی مطلوب ہے اور اعلیٰ وادنیٰ کے حدود پر پہنچ کر سارے انسانی اخلاق غلط بن جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ توسط کا قاعدہ اخلاقیات میں ارسطو کا نکالا ہوا ہے۔

یہ نہیں ہے کہ حجۃ الاسلام کی حکیمانہ نظر سے اس راہ کے حقائق اور واقعات پوشیدہ ہیں رذائل ہوں یا فضائل عموماً یہ فطری ہوتے ہیں جن کے ازالہ کی کوشش لاحاصل کوشش ہے احیاء العلوم میں ہندوستان کے بعض لوگوں کے اس مسلک کا ذکر فرمانے کے بعد کہ ان میں بعض لوگ موجودہ زندگی ہی کو ساری مصیبتوں اور تباہیوں کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں اسی لیے اس مصیبت سے نجات کی راہ ان کے نزدیک خودکشی ہے ان میں بعض لوگ اپنے آپ کو آگ میں جلا ڈالتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مصائب سے ان کو نجات مل گئی پھر غالباً بدھ مذہب کے طریقہ عمل کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کرتے ہیں کہ " ان میں بعض خودکشی کا تو انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں اصل ضرورت ہے کہ ان بشری صفات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے بعض افراد اگر خالی ہوں تو ان کو اسلام ناکارہ نہیں ٹھہراتا بلکہ یہ تلاش کرتا ہے کہ اس قسم کے افراد سے جو کام بھی لیا جا سکتا ہے وہی لیا جائے۔ حضرت حسان بن ثابت صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فطرۃً جنگ کے مرد میدان نہ تھے ان میں شجاعت کی فضیلت نہیں پائی جاتی تھی جس کا وہ خود اقرار کرتے تھے۔ جنگ کے زمانہ میں ان کو عورتوں کے ساتھ پناہ گاہوں میں چھپنے کی اجازت دے دی جاتی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس فطری کوتاہی کی وجہ سے ان کو ناکارہ ٹھہرا کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ ان میں شاعری کا جو فطری کمال تھا اس کمال سے کفر کے مقابلہ میں کام لیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ حسان کے شعر تمہارے تیروں سے زیادہ کفار کے قلوب پر اثر ڈالتے ہیں (او کما قال) ان کے لیے مسجد نبوی میں کرسی بچھائی جاتی جس پر بیٹھ کر وہ اشعار سناتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بیچ بیچ میں دُعائیں دیتے جاتے کہ اے خدا روح القدس سے اس شخص کی مدد کر الغرض جو پیدا ہوا ہے ناممکن ہے کہ کسی کمالی وجود سے خالی ہو اگر وہ دماغ نہیں بن سکتا تو انگلیوں کا کام تو کر سکتا ہے تو استعمال لینے والے کے سلیقہ کی بات ہے کہ ہر پرزہ کو ٹھیک اس جگہ بٹھا دے جہاں پر بیٹھ کر مشینری کا وہ کوئی کارآمد صحیح جز بن جائے۔ ۱۲

Marfat.com

مار ڈالا جائے جن سے دنیا میں فساد پیدا ہوتا ہے اور نفس سے بالکلیہ ان کا ازالہ کر دیا جائے ان کا خیال ہے کہ خواہش اور غصہ سے پاک ہو جانا بس اسی میں سعادت انسانی کی ضمانت ہے۔"

اس کے بعد لکھا ہے کہ :-

"پھر وہ ان صفات کے ازالہ کی کوشش میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک اپنے اوپر سختی کر سکتے ہیں کیئے چلے جاتے ہیں۔ بسا اوقات ان سختیوں کی بدولت دیکھا گیا ہے کہ لوگ مر گئے ہیں بعض کی عقل میں خلل پیدا ہو گیا، بعض پاگل ہو گئے یا کسی ہولناک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ (ص ۱۵۹ ج ۳)

اور یہ دعویٰ کر کے کہ ان صفات کا ازالہ ناممکن ہے آگے بڑھ کر ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"مثلاً خواہش کا جذبہ آدمی میں بیکار نہیں پیدا کیا گیا ہے آخر بھوک ہی کی خواہش اور تقاضا جو آدمی میں پیدا کیا گیا ہے اگر اس کو مٹا دیا جائے تو کیا آدمی زندہ رہ سکتا ہے یا ہم بستری کی خواہش اگر غائب ہو جائے تو نسلِ انسانی کیا معدوم نہیں ہو جائے گی یہی حال غصہ کی صفت کا ہے آدمی میں اگر غصہ کا جذبہ نہ ہو تو ان دشمنوں کا مقابلہ کیا آدمی کر سکتا ہے جو اس کی ہلاکت یا اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

"اور جب تک ان خواہشوں اور آرزوؤں میں آدمی مبتلا رہے گا ان کی تکمیل کے لیے اسے مال و زر کی بھی ضرورت ہو گی اور یوں مال کی محبت بھی آدمی سے نکل نہیں سکتی۔" (ص ۱۴۱ ج ۳)

یہ اور اس قسم کی باتوں سے ان کی کتاب حالانکہ بھری ہوئی ہے مگر بایں ہمہ پھر پھر کر جب اخلاق انسانی کے معالجہ کی بحث شروع ہوتی ہے تو اس ارسطاطالیسی اصول کو عموماً پیش فرما دیتے ہیں یعنی

ولیس المطلوب اماطة ذالک بالکلیة بل المطلوب ردھا الی الاعتدال الذی ھو وسط بین الافراط والتفریط	ان صفات کا کلی ازالہ و استیصال یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط کے درمیان نقطۂ اعتدال پر ان لوگوں کو لانے کی کوشش کی جائے۔

(ص ۱۴۱ ج ۳)

پھر ہر ہر خلق کے تینوں مدارج کی تفصیل کر کے ہر ایک کی کمالی صورت کو آثار و علائم اور مثالوں

سے سمجھانے کی امام نے بلیغ کوشش کی ہے اگرچہ سب کچھ کہنے کے بعد آخر میں ان کو خود ہی یہ اقرار کرنا پڑا ہے۔

الوسط الحقیقی بین الطرفین فی غایۃ الغموض بل ھو ادق من الشعر واحد من السیف۔ (ص۴۷ ج-۳)

لیکن (ان صفات کے اعلیٰ و ادنیٰ مدارج کے بیچ میں) اس نقطہ کو معین کرنا جو ٹھیک وسط میں ہو حد سے زیادہ باریک مسئلہ ہے بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے بھی زیادہ تیز۔

ظاہر ہے کہ اصلاح کا ایک ایسا اجتماعی لائحہ عمل جس کا رُخ قوم کے ہر عام و خاص آدمی کی طرف ہو، اسی کو ایسی دقیق بنیاد پر قائم کرنا جس کا پتہ چلانا آسان نہ ہو بلکہ بال سے بھی جو زیادہ باریک اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہو کیا عملی نتیجہ کے پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے فلسفہ تو اس قسم کی باتوں کا بڑا خوشگوار اور ذہین آدمیوں کے لیے حد سے زیادہ لذیذ تیار ہو سکتا ہے لیکن بے چارے عوام سے اس کی توقع کہ ان فلسفیانہ الجھنوں کے لیے وقت بھی دے سکیں گے اور دیں بھی تو ان کے سلجھانے میں کامیاب بھی ہو سکتے ہیں کیا کسی حیثیت سے بھی بجا توقع ہو سکتی ہے؟ لیکن بات وہی ہے کہ نصب العین کو طے کر لینے کے بعد جس قسم کی کتابوں کے مضامین سے انہوں نے دیکھا کہ مدد مل سکتی ہے ان کو وہ نقل کرتے چلے گئے ہیں۔ جب "اخلاقیات" کی بحث کی نوبت آئی تو اس زمانہ میں ارسطا طالیسی اخلاقیات کے اصول پر لکھی ہوئی کتابیں عام طور پر دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں امام نے بھی ان ہی مضامین سے کام لیا ہو اد تو ان کتابوں سے لیتے ہیں اور پھر ان کی تشریح و تفصیل میں ان کی خداداد فطری قابلیت نے ایک ایسا نور پیدا کر دیا کہ پڑھنے والا جب پڑھتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس باب میں ان آیتوں اور حدیثوں کو بھی نقل کرتے ہیں جن میں "امالہ" والی تدبیر کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے لیکن نتیجہ ان سے بھی وہی نکالنا چاہتے ہیں جس سے توسط والے فلسفہ کی تائید ہوتی ہو، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:-

الشجاعۃ التی ترجع الی استعمال قوۃ الغضب علی شرط العقل وحد الاعتدال

شجاعت (جو بزدلی اور تہور کے درمیان کا اعتدالی نقطہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کے مشورے سے اعتدال کے نقطہ پر غضب اور غصہ

کی قوت کو لانے کی کوشش کی جائے۔

اسی کی تائید میں قرآن سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

فقد وصف اللہ تعالیٰ الصحابۃ فقال اشداء علی الکفار رحماء بینہم۔	اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ کافروں پر وہ سخت ہیں اور باہم ایک دوسرے پر مہربان۔

ظاہر ہے کہ اس قرآنی آیت میں "شدت" اور "رحمت" کے صفات کے صحیح محل استعمال ہی کو صرف بتایا گیا ہے، جو امالہ کی تدبیر کا حاصل ہے۔ اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ شدت کے صفات میں نقطۂ وسط یا رحمت کی صفت کو نقطۂ اعتدال پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن امام نے اسی کو پیش کیا ہے، اسی "نقطۂ اعتدال" والی تدبیر کی تائید میں حالانکہ خود ہی اس آیت کو نقل کرنے کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ :۔

اشارۃ الی ان للشدۃ موضعا وللرحمۃ موضعا فلیس الکمال فی الشدۃ بکل حال ولا فی الرحمۃ بکل حال۔ (ص ۴ ج-۲)	اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سختی کے استعمال کی جگہ ہے اور رحمت و مہربانی کی بھی خاص جگہ ہے پس نہ سختی ہر حال میں کمال ہے اور نہ رحمت و مہربانی ہر حال میں کمال ہے۔

جو بالکلیہ طریقہ امالہ ہی کی واضح تعبیر ہے لیکن اب اس کو کیا کہا جائے کہ ان کے نزدیک اس سے بھی اسی "نقطۂ اعتدال" کی تلاش کا نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔

امام کی تصنیفات میں سختی کا سبب

امام کا خیال تھا جس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ :۔

وھذا الزمان زمان لا ینبغی ان یستعمل فیہ مع الخلق اسباب الرجائل المبالغۃ فی التخویف ایضا تکادان لاترد ھم الی جادۃ الحق وسنن الصواب (ص ۱۱)	یہ ایسا زمانہ ہے جس میں یہ مناسب نہ ہوگا کہ لوگوں کے سامنے امید ہی کے اسباب بیان کیے جائیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ دھمکانے اور ڈرانے میں جب مبالغہ کیا جاتا ہے جب بھی یہ دھمکیاں لوگوں کو صحیح راہ کی طرف واپس لانے میں ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔

Marfat.com

بظاہر ان کی کتاب میں بعضوں کو جو سختیاں نظر آتی ہیں، اس کی ایک وجہ ان کا یہ احساس بھی ہے۔ اس احساس کی شدت ہی کا شاید یہ نتیجہ ہے کہ خود وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک نمونہ کو پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کی اتباع کی طرف توجہ دلاتے ہیں لیکن دوسرے مقام پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو پیغمبر کے اس نمونہ کا علم بھی نہ تھا، مثلاً خلاف دستور "صحیحین" کے نام کی تصریح کرتے ہوئے اس حدیث کو درج کرتے ہیں جس میں ہے کہ حبشیوں کی جماعت حراب (خنجر) کے ساتھ کھیلتی ہوئی عید کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلا کر ان کا تماشہ دکھایا تھا اور فرماتے جاتے تھے۔

دونکم بنی ارفدۃ۔ لینا ہے ارفدہ کے بچے۔

امام نے اس روایت کو درج کر کے حسب ذیل نتائج خود پیدا کیے ہیں۔

(۱) کھیل کود کی اجازت ہے۔

(۲) بلکہ کھیلنے والوں کی ہمت افزائی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

اور آخر میں فرماتے ہیں:

فیہ دلیل علی حسن الخلق فی تطییب قلوب النساء والصبیان بمشاھدۃ اللعب احسن من خشونۃ الزھد (ص۱۸۹ ج)	یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورتوں اور بچوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے کھیل کود کا تماشا دکھانا یہ بھی حسن خلق ہے اور زہد کی سختی سے یہ کہیں بہتر ہے۔

مگر وہی غزالی جو یہاں اتنے نرم نظر آتے ہیں تقریبات اور ضیافتوں کی خرابیوں کو گنواتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

منھا اجتماع النساء علی السطوح للنظر الی الرجال۔ (ص۲۳۶)	ان خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ بھی ہے کہ جو کوٹھوں پر عورتیں مردوں کو دیکھنے کے لیے جمع ہوتی ہیں۔

اور اس کے بعد دوسری چیزوں کے ساتھ اس فعل کے متعلق یہ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ:

کل ذلک محظور منکر یجب تغییرہ	یہ ساری چیزیں ناجائز ہیں، بری ہیں جن کا بدلنا واجب ہے۔

Marfat.com

حالانکہ شادی بیاہ کے موقع پر بیچاری عورتیں اس سے زیادہ اور کیا کرتی ہیں جسے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا تھا۔ آخر وہ کھیلنے والے حبشی مرد نہیں تھے تو کیا یہ عورتوں کا مجمع تھا۔

پس واقعہ وہی ہے کہ اپنے زمانہ کے حالات سے وہ اتنا زیادہ متاثر ہیں کہ بسا اوقات اس قسم کی چیزوں کا خیال بھی ان کو نہیں رہتا اور ان کی کتابوں میں ان مثالوں کی کمی نہیں ہے۔

ایک اور نکتہ

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک اور نکتہ کا بھی ذکر غالباً امام غزالی کے مسلک کے سمجھنے میں ممد ومعاون ہو سکتا ہے۔ میں نے کسی موقع پر ذکر کیا تھا کہ اس قسم کی غیر ضروری باتیں کہ دھوبی کے دھوئے ہوئے کپڑوں کو پھر دھویا جانا امام نے بھی ان امور کو " احتمالات دقیقہ " میں شمار کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ ایک دلچسپ نکتہ کا بھی ذکر کرتے چلے گئے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگ جن کا نام انہوں نے " بطالین " رکھا ہے یعنی بے کار وقت ضائع کرنے والے لوگ، ان کا ذکر کرکے فرماتے ہیں کہ اس طرح کے لوگوں کو اگر اسی قسم کے " احتمالات دقیقہ " میں مبتلا پایا جائے تو ان کو لوٹکنے کی ضرورت نہیں فرماتے ہیں کہ:-

لولم یشتغلوا بصرف الاوقات	اگر ان غیر ضروری تدقیقات میں مشغول نہ رہیں گے
فیہ لاشتغلوا بنوم او حدیث	تو پھر یا یہ سو کر وقت گنوائیں گے یا بے نتیجہ لاحاصل
فیما لا یعنی (ص۹۵)	گپ شپ میں وقت صرف کریں گے۔

اس قسم کے بطالین کے متعلق امام کی رائے ہے کہ مذکورہ بالا دینی تدقیقات ہی میں ان کو الجھا رہنے دیا جائے کیوں کہ اس قسم کے دینی مشاغل (خواہ وہ غیر ضروری ہی کیوں نہ ہوں ان سے اتنا تو ہوگا کہ اللہ کی یاد ان کے دل میں تازہ ہوتی رہے گی اور نماز وغیرہ کی طرف ان کا دھیان بٹا رہے گا۔ (ص۹۵ ج ۳)

ذرائع جو بھی اختیار کیے ہوں امام کا اخلاص بے نظیر ہے

کچھ بھی ہو حجۃ الاسلام غزالی نے ذرائع جو بھی اور جس قسم کے اختیار کیے ہوں لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو اٹھایا تھا اسی سچے اور صادق و محکم اخلاص نے جس کی جڑوں کا تعلق باہر سے نہیں بلکہ ان کی روح کی گہرائیوں سے تھا اسی لیے دوسروں کو مخاطب بنانے سے پہلے خود اپنی ذات اور اپنی زندگی ہی کو انہوں نے اپنا پہلا مخاطب بنایا، اُف صحرائے شام کا وہ منظر کتنا دردناک اور اثر آفرین تھا جس کی طرف شاید میں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے اور اس وقت خود ان ہی کے تلمیذ رشید

Marfat.com

علامہ ابو بکر بن العربی الاندلسی صاحب احکام القرآن کی چشم دید شہادت ان ہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں
علامہ ابن العربی اپنی کتاب زاد السالکین میں لکھتے ہیں۔ (ترجمہ ان کے عربی الفاظ کا یہ ہے)

" میں نے امام غزالی کو صحرا کے ریگستان بیابان میں دیکھا ان کے ہاتھ میں ایک شام لگی ہوئی لٹھیا تھی۔ بدن پر ایک پیوند دوز گودڑ تھا۔ مونڈھے پر ایک تام لوٹ، حالانکہ اسی امام کو خود میں نے بغداد میں دیکھا تھا کہ چار چار سو علماء ان کے حلقہ درس میں زانوئے تلمذ تہہ کیے ہوئے بیٹھے ہیں، ان میں ہر ایک عالم کے سر پر عمامہ ہوتا تھا اور ان کا شمار ممتاز اور بڑے لوگوں میں ہوتا تھا ہر ایک اپنے فن کا فاضل سمجھا جاتا تھا۔

ان الفاظ کے بعد علامہ ابو بکر فرماتے ہیں کہ :-

امام کو اس حال میں پاکر میں ان کے قریب گیا اور سلام عرض کیا پھر میں نے کہا کہ بغداد کے درس کا حلقہ کیا آپ کے اس حال سے بہتر نہ تھا۔

علامہ کہتے ہیں کہ

" میرے ان الفاظ کو سن کر میں نے دیکھا کہ امام نے بڑی تیز و تند نگاہ مجھ پر ڈالی اور اس کے بعد فرمانے لگے سعادت کی چودھویں رات کا چاند جب ارادت کے آسمان پر جلوہ گر ہو گیا اور وصال کا آفتاب اصول کے افق کے قریب غروب ہونے کے لیے جھک پڑا تو پھر..."

ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں امام نے چند اشعار عربی زبان کے اس کے بعد دہرائے۔ (جن کا لفظی ترجمہ یہ ہے

لیلیٰ اور سُعدیٰ کی محبت سے میں دست بردار ہو کر کنارہ کش ہو گیا۔ اور پہلی منزل کے درست کرنے کی طرف میں متوجہ ہو گیا۔

پھر شوق کے جذبات نے پکارنا شروع کیا کہ ذرا ٹھہر جا جسے تو چاہتا ہے اس کی راہ کی منزلیں یہی ہیں، تو ذرا تھم جا! اور اتر پڑ،

ہم نے ان لوگوں کے لیے ایسا تاگا کاتنا شروع کیا تھا جو بہت مہین اور باریک تھا مگر اپنے اسی کتے ہوئے تاگے کا بننے والا کوئی نظر نہیں آیا،

بس اپنے چرخے کو میں نے توڑ دیا [1]

---

[1] شذور الذہب لابن عماد صفحہ ۱۳ ج ۵۔

Marfat.com

دراصل اسی دل سے نکلی ہوئی چیخ پکار کی صدائے بازگشت ہے جو صدیوں گزر جانے کے بعد بھی اسلامی دنیا میں آج تک گونج رہی ہے اور کہنے والے خواہ کچھ ہی کہتے رہیں لیکن صادق کی صادق آواز کی لہروں اور ان کی ارتعاشی تموجات کو کوئی روک نہیں سکتا جو قلب کی گہرائیوں سے ابھری تھیں۔ تصنیف و تالیف کی دنیا میں شاذ ایسے خوش قسمت مصنفین انگلیوں پر ہی گنے جاتے ہیں جن کی کتابوں کے مطالعہ پر پہرے بٹھائے گئے ہوں۔ بقول شخصے

شہپر و زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست کایں کرامت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

یہ غزالی الامام کے کلام کی تاثیری قوت ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف مغرب اقصیٰ کی حکومت (جو ملثمین اور مرابطین کی حکومت کہلاتی تھی) اگر یہ فرمان نافذ کرتی ہے کہ غزالی کی جو کتاب بھی اس کے ممالک محروسہ میں پائی جائے اسے نذر آتش کر دیا جائے[1] تو دوسری طرف اندلس کے شہر غرناطہ کے مشہور عالم قاضی عیاض جو اپنی کتاب شفاء کی وجہ سے ہر خاص و عام میں پہچانے جاتے ہیں۔ امام غزالی کی کتابوں کے متعلق یہی فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ ابن عماد نے قاضی عیاض کے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

امر باحراق کتب الغزالی (صـ ۱۳۹ ج ۴) قاضی عیاض نے امام غزالی کی کتابوں کے جلانے کا حکم صادر کیا۔

امام غزالی کی کتابوں کے ساتھ اس قسم کے اور واقعات کا ذکر بھی لوگوں نے کیا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے لیے یہ سلوک باعث گرانی ہو لیکن میں نے تو ہمیشہ ان واقعات کو امام کی کتابوں کے نفوذ و تاثیر کی شہادت اور زندہ وثائق ہی کی حیثیت سے پڑھا، ذرا خیال تو کیجیے عجم بلکہ فردوسی کے وطن طوس کے ایک باشندے کو جس کی مادری زبان عربی نہ تھی اس نے اپنی کل کتابیں مشرق ہی میں بیٹھ کر لکھیں لیکن امام کی وفات پر تیس[2] سال سے زیادہ زمانہ بھی نہ گزرا تھا کہ ہم افریقہ کے مغربی گوشہ

---

[1] شذور صـ ۱۱۵ تا صـ ۱۲۴

[2] ضمناً اس سے اس عہد میں علم کی اشاعت اور دائرے کی عمومیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کتابیں مشرق کے ایک گوشہ میں لکھی جاتی تھیں اور آناً فاناً اسلامی ممالک کے آخری گوشوں تک حتیٰ کہ اسلام کے یورپی علاقہ اندلس تک پھیل جاتی تھیں۔ امام کی کتابوں کے جلانے کا واقعہ مغرب اقصیٰ اور اندلس میں امام کی وفات کے تیس چالیس سال کے اندر پیش آیا ہے

کی حکومت کو پایہ ہے ہیں کہ امام کی کتابوں کو جلوانے کا انتظام کر رہی ہے ۔ مرابطین کی اس حکومت کے اس طرز عمل کی ممکن ہے کہ کوئی سیاسی توجیہہ بھی کی جائے جس کی طرف میں نے پہلے بھی ایما کیا ہے لیکن قاضی عیاض کے فتوے کے متعلق اس توجیہہ کی گنجائش بھی پیدا نہیں ہوتی ۔ اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے امام کے قلم کا زور تھا جس کے آثار و نتائج کا مقابلہ ان لوگوں کے نزدیک آگ کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن نظر نہ آیا حیرت ہوتی ہے کہ عربی ادب و انشاء کی امام نے چنداں مشق بھی نہیں کی تھی بلکہ ان پر اعتراض کرنے والے طبقات کا منجملہ دوسری حرف گیریوں کے ایک اعتراض عربی ادب کی کمزوری کا بھی ہے جو ان لوگوں نے امام کی کتابوں میں دکھائی ہے لیکن بایں ہمہ خالص عربی بولنے والے ممالک اور قبائل کو امام کی گرفت سے محفوظ رکھنے کی صورت اس کے سوا اور کوئی نظر نہ آئی کہ ملک سے ان کی کتابوں کو معدوم کر دیا جائے ۔

امام کی کتابوں کے انقلابی اثرات

سچ پوچھیئے تو امام کی کتابوں خصوصاً احیاء العلوم کے حسن قبول اور اثر و نفوذ ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ خود حجۃ الاسلام کے حقیقی بھائی شیخ ابوالفتوح احمد الغزالی الواعظ کو احیاء العلوم کا ایک خلاصہ "لباب الاحیاء" کے نام سے تیار کرنا پڑا ۔ (شذرات ص۱۰ ج ۵) اور یہ تو خیر ان کے بھائی تھے باوجود حنبلی ہونے کے اسی صدی کے ایک دوسرے عالم ابوالخیر العمرانی باشندہ یمن نے بھی احیاء العلوم کی تلخیص کا کام انجام دیا حالانکہ عقیدۃً ان میں اور امام غزالی میں بہت زیادہ فرق تھا ۔ غزالی اشعری عقائد کے قائل تھے اور عمرانی نے اپنی کتاب الانتصار میں جیسا کہ ابن عماد نے لکھا ہے ۔

متحامل فیہ علی الاشاعرۃ	اشاعرہ پر اس کتاب میں عمرانی نے حملے کیے ہیں ۔
(ص۱۸۶ ج ۵)	

لیکن باوجود اختلاف عقیدہ کے غزالی کی کتاب ان کو اتنی پسند آئی کہ عوام تک ۔ اس کے مضامین کو پہنچانے کے لیے یہ خلاصہ لکھا تھا ۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری شہادتوں اور قرائن و حالات نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ مسلمانوں کی جس اجتماعی زندگی کے باطنی اضمحلال کا اندازہ کر کے امام نے جو تصنیفی خدمات انجام دیں اور جو سو رہے تھے ان کو جگانے کے لیے انہوں نے جو صور پھونکا تھا اس کی آواز بالکلیہ صدا بصحرا ثابت نہ ہوئی ۔

Marfat.com

خلفاء، سلاطین اور وزراء پر انقلابی اثرات

خلفائے عباسیہ کی حالت میں انقلاب

معنوی حیثیت خلافت عباسیہ بغداد کی تاریخ کے اس دور میں کچھ ہی ہوگئی ہو لیکن عمومی طور پر پھر بھی بلندی کا آخری نقطہ ساری دنیائے اسلام میں اس وقت تک خلافت کا وہی طرہ تھا جو خلفائے عباسیہ کی دستار پر لہرا رہا تھا۔ شمار کرنے کے وقت مسلمانوں میں سب سے پہلا نام خلیفۂ بغداد ہی کا لیا جاتا تھا [1]۔

---

[1] خلافت عباسیہ کا جو وقار اس وقت تک قلوب میں تھا اس کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ مستظہر باللہ جو امام غزالی کے زمانہ میں بغداد کا خلیفہ تھا۔ اسی کے جانشین اور بیٹے المسترشد باللہ خلیفہ بغداد سلجوقی بادشاہ مسعود بن محمد بن ملک شاہ میں جب جھگڑا ہوا اور شکست کھانے کے بعد مسترشد مسعود سلجوقی کے ہاتھ گرفتار ہوگیا۔ مسعود مسترشد کو قید کرکے اپنے ساتھ مراغہ لے گیا تو قطع نظر اس عام واویلا کے جو بغداد والوں میں برپا تھا۔ ابن جوزی جیسے ثقہ مؤرخ کا بیان ہے کہ خلیفہ کی گرفتاری کے بعد بغداد میں مسلسل زلزلوں کے جھٹکے لگنے شروع ہوئے۔ ایک ایک دن میں پانچ پانچ جھٹکے لگتے تھے۔ دنیا حیران تھی آخر بغداد کے ان عجیب و غریب حوادث کی خبر مسعود سلجوقی کے چچا سلطان سنجر شاہ خراسان تک جب پہنچی تو اس نے مسعود کے پاس فوراً اپنے آدمی ایک خط کے ساتھ روانہ کیے۔ خط میں سلطان سنجر نے بھتیجے کو لکھا تھا کہ جس وقت یہ خط تم کو ملے بغیر کسی تاخیر کے چاہیئے کہ تم فوراً امیر المؤمنین (یعنی قیدی مسترشد) کی خدمت میں اپنے آپ کو حاضر کرو اور جس طرح بھی ممکن ہو ان سے اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہو۔ سنجر نے اس کے بعد لکھا تھا کہ مسلسل آسمانی اور زمینی نشانیاں کچھ اس طرح رونما ہو رہی ہیں کہ ان کے سننے کی تاب اپنے اندر میں نہیں پاتا۔ بکثرت آندھیاں چلنے لگی ہیں۔ برق و رعد کی گرج اور کڑک سے لوگوں کے قلوب دہلے جاتے ہیں۔ زلزلوں پہ زلزلے ہو رہے ہیں۔ بغداد میں بیس دن تک یہی حال رہا۔ عام فوجیوں میں ہراسانی پھیل گئی ہے۔ ملک سخت اضطراب کی حالت میں ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اور لگاڑ کے جس اثر سے مسلمان بتدریج متاثر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس سے مسلمانوں کی یہ بڑی شخصیت بھی محفوظ نہ تھی جس کا اندازہ آپ کو عہد غزالی یا اس سے کچھ پہلے چند جو خلفاء گزرے ہیں۔ ان کے عام حالات ان کی دولت و ثروت شان و ابہت سے ہو سکتا ہے جن کے تذکروں سے ہماری تاریخیں معمور ہیں[1] مگر حافظہ کے نقوش کو تازہ کرنے کے لیے ایک ہلکی سی جھلک عباسی دربار کے شان و شوکت کی اس وقت بھی پیش کر دی جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ یہ اسی صدی کا واقعہ ہے جس میں امام غزالی پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی ۴۵۰ھ میں قسطنطنیہ سے رومیوں کی جو سفارت قیدیوں کے تبادلے اور صلح کی گفتگو کے لیے خلیفہ مقتدر باللہ العباسی کے زمانہ میں بغداد آئی تھی۔ مقتدر سے ملنے کے لیے جب دار الخلافہ کی طرف یہ سفارت روانہ ہوئی تو ملاحظہ کیجئے عباسیوں کے تزک و احتشام اور ساز و سامان کو ابن جوزی محدث کے الفاظ کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ان آسمانی اور الٰہی نشانیوں کی خبروں سے میرا زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے مسجدوں میں جانا ترک کر دیا ہے۔ خطباء خطبوں سے دست کش ہو گئے۔ پھر سمجھاتے ہوئے اپنے بھتیجے کو آخر میں اس نے حکم دیا تھا کہ "اللہ اللہ امیر المومنین کے حق میں جو واقعہ پیش آیا ہے کسی نہ کسی شکل میں اس کی تلافی ہونی چاہیئے۔ تلافی کی شکل یہی ہے کہ تم فوراً امیر المومنین کو ان کے دار الخلافہ واپس کرنے کا سامان کرو اور ہمارے باپ دادوں کی قدیم رسم جو یہ چلی آتی ہے کہ غاشیہ (شامیانہ) اٹھائے ہوئے امیر المومنین کے آگے آگے چلتے تھے تم بھی اپنی اسی آبائی رسم کو زندہ کرو۔ لکھا ہے کہ مسعود بھی اپنے چچا کے اس خط سے ہیبت زدہ ہو کر رہ گیا اور حسب الحکم مسترشد کے سامنے حاضر ہو کر زمیں بوس ہوا اور ممکنہ لجاجت سے اپنے قصور کی معافی چاہی (ص۸۰ شذورج ۵) ممکن ہے کہ زلزلے یا آندھیاں گرج اور کڑک کا تعلق عام حوادث سے ہو لیکن خلافت بغداد کا جو وقار قلوب میں اس وقت تک قائم تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ضرور ہوتا ہے۔ ۱۲

[1] امام غزالی سے کچھ ہی دن پہلے مقتدر باللہ عباسی کے حالات میں ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ایک ماما جو مقتدر کی ماں کی قہرمانہ (داروغن) تھی۔ اس نے جس شخص کو دودھ پلایا تھا اس کے لڑکے کی ختنہ کی تقریب میں جو دعوتیں اسی ماما کی طرف سے ہوئی تھیں ان کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ صرف چند کمروں میں مٹھائیاں اور چند کمروں میں میوجات اور پھل پھلاری بھرے گئے تھے۔ اور ہزار ہا اشرفیاں ان پر خرچ ہوئیں، مقتدر کی ماں (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

"فوج کو مسلح ہو کر پریڈ کا حکم دیا گیا جس کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ ان میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی فوج کے بعد دارالخلافہ کے خاص خدام اور غلاموں کی صفیں تھیں جو زرق برق لباسوں اور طلائی و نقرئی زیورول سے جگ مگ کر رہے تھے۔ ان خدام اور غلاموں کی تعداد سات ہزار تھی جن میں چار گورے رنگ کے غلام اور تین ہزار حبشی سیاہ تھے۔ پھر حُجّاب کی صفیں تھیں شمار میں سات سو تھے۔ سامنے دجلہ میں بے شمار کشتیاں مختلف قسموں کی آراستہ و پیراستہ ہو کر دُور تک پھیلی ہوئی تھیں جنہیں طیارات زبازب اور سمیریات وغیرہ ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سفراء روم اپنی فرودگاہ سے رُوانہ ہو کر پہلے اس حاجب (عرض بیگی) کے محل کے سامنے پہنچے جس کا نام نصر القشوری تھا۔ حاجب کے محل کی شان و شوکت دیکھ کر سفراء کچھ اس درجہ مبہوت ہوئے کہ اسی محل کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نے بطور تحفے اور تقریب میں امداد کرنے کے شاہانہ فرش فروش، ظروف طلائی و نقرئی اور قیمتی کپڑے بھیجے تھے۔ (دیکھو صلہ ج ۱۶ - ابن جوزی) اسی موقعہ پر مقتدر ہی کے زمانہ میں ایک اور لطیفہ کا ذکر ابن جوزی نے کیا ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے ایک دن مقتدر مشہور شاہی باغ "زبیدہ کی طرف نکل پڑا باڈی گارڈ کے کچھ لوگ ساتھ تھے اور مطبخ سے کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ "باغ زبیدہ" جانے کے لیے دجلہ کو عبور کرنے کی ضرورت تھی مقتدر کشتی میں سوار ہو گیا اور سوار ہونے کے بعد اس نے ناشتہ طلب کیا مطبخ والی کشتی ابھی نہیں پہنچی تھی لیکن اس نے تقاضا شروع کیا لوگ حیران تھے کشتی کا ملاح جس کا نام جعفر تھا اس نے عرض کیا کہ فقیر کا ماحضر کشتی میں موجود ہے حکم ہو تو وہی پیش کر دیا جائے۔ مقتدر نے حکم دیا کہ لایا جائے کھانا اگرچہ سادہ تھا لیکن لطافت کے ساتھ پکا ہوا تھا صاف میدہ کی روٹیاں تھیں اور حلوان کے گوشت کا ٹھنڈا کباب کچھ اچار اور سرکہ کی چیزیں تھیں مقتدر نے رغبت کے ساتھ جعفر ملاح کے ماحضر کو تناول کیا اس کے بعد حکم دیا کہ شاہی باورچی خانہ سے روزانہ ایک خوان کم از کم دس اشرفیوں کے خرچ سے جعفر ملاح کی کشتی میں روانہ کیا جائے تاکہ اسی طرح اتفاقاً میں کبھی نکل آؤں تو دشواری پیش نہ آئے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مقتدر کو دوبارہ پھر اس کشتی میں سوار ہونے کا موقع نہ ملا۔ لیکن دس اشرفیوں والا یہ خوان جعفر ملاح کی کشتی میں پہنچتا رہا۔ اگر کبھی نہ پہنچتا تو جعفر دام شاہی مطبخ سے وصول کر لیا کرتا تھا۔

Marfat.com

انہوں نے سمجھا کہ خلیفہ کا مکان ہے۔ ان کی غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا۔ وہ آگے بڑھے سامنے وزیر کا قصر نظر آیا۔ ان کو پھر یہی خیال ہوا کہ وہ نہیں تو ضرور یہی خلیفہ کا مستقر ہے مگر کہا گیا کہ یہ وزیر کا گھر ہے۔ وہ آگے روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کو اس طرح سے دارالخلافہ میں داخل کیا گیا کہ چاروں طرف پہلے وہ گھوم لیں۔ حالت یہ تھی کہ دارالخلافہ کے اطراف وجوانب اس کے مختلف ابواب اور مقامات پر ۳۸ ہزار پردے پڑے ہوئے تھے۔ جن میں بارہ ہزار پانچسو پردے تو خالص زرکش، دیبا اور حریر کے تھے، درمیان میں جو فرش فروش بچھائے گئے تھے ان کی تعداد بائیس ہزار تھی۔ دارالخلافہ کے احاطہ میں (جو خود ایک مستقل دنیا کی حیثیت رکھتا تھا) مختلف مقامات میں جنگلی جانوروں کی قطاریں بکھری ہوئی تھیں جو لوگوں سے مانوس تھے اور ان کو جو کھلاتا اس ہاتھ سے کھاتے اسی احاطہ میں مختلف قسم کے درندے (شیر، بھیڑیا وغیرہ) بھی زنجیروں میں بندھے ہوئے اپنے نگہبانوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ سفارت کو پھر اسی کوٹھی میں لے جایا گیا جس کا نام "دارالشجرہ" (درخت والا محل) تھا۔ اس کے احاطہ میں ایک طویل و عریض تالاب تھا جس میں صاف و شفاف پانی ہر وقت چھلکتا رہتا تھا۔ تالاب کے ٹھیک وسط میں ایک چبوترے پر ایک درخت تھا۔ یہ مصنوعی درخت تھا جس میں بڑی بڑی بارہ ڈالیاں اور ہر ڈالی میں بے شمار شاخیں اور ٹہنیاں تھیں۔ ان شاخوں پر مختلف اقسام کے پرندے اور چڑیاں طلاء اور نقرہ یعنی سونے چاندی سے ڈھال کر بنائی گئی تھیں اور یہی حال اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں کا تھا۔ یعنی ان میں بعض سونے سے بنائی گئی تھیں اور بعض چاندی سے، پتّے اس درخت کے بوقلموں رنگوں سے رنگین تھے۔ بنانے والوں نے ان مصنوعی چڑیوں کو اس طرح بنایا تھا کہ مسلسل چہچہانے کی آواز ان سے نکلتی رہتی تھی۔

"دارالشجرہ" کے بعد سفیروں کو اس محل میں لوگوں نے پہنچایا جس کا

Marfat.com

نام "الفردوس" تھا۔ اس قصر میں فرش فروش اور ظروف و آلات کی جو کثرت تھی ان کا شمار مشکل ہے۔ صرف اس کی دہلیزوں پر طلائی کڑیوں سے بنی ہوئی دس ہزار زرہیں لٹک رہی تھیں۔ اس کے بعد آبنوسی جڑاؤ تخت پر مقتدر باللہ کو جلوہ افروز پایا جس پر زرین جھالروں کی کارچوبی مخملی مسند پڑی ہوئی تھی۔ تخت کے داہنے جانب بھی اور بائیں جانب بھی خاص سلیقہ سے مختلف جواہر کے بنے ہوئے جالے کے نو نو عدد لٹکے ہوئے تھے جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ دن کی روشنی کو بھی ان کی روشنی مات کر رہی تھی۔ ؎ (ص ۱۴۴ ج ۶ المنتظم لابن جوزی)

خلیفہ مقتفی باللہ پر تعلیمات غزالیہ کا اثر

بہرحال یہ تو ایک ذیلی تذکرہ تھا میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ امام غزالی کی وفات کے کچھ دن بعد تک خلافت عباسیہ سلجوقی سلاطین کی باہمی کش مکش سے مختلف فتنوں کی آماجگاہ بنی رہی لیکن امام کی وفات پر پچیس سال سے بھی زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ ہم عباسی خلافت کی اسی گدی پر ایک ایسے خلیفہ کو پاتے ہیں جس کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ

" خلیفہ منتخب ہونے سے پہلے اس کا زیادہ وقت دینی مشاغل میں صرف ہوتا تھا، دینی علوم کی کتابیں لکھتا رہتا تھا یا قرآن کی تلاوت کرتا پھر جب خلیفہ منتخب ہوا تو زہد و عبادت تقویٰ و طہارت کی خصوصیتوں میں اس کے کسی

؎ ابن جوزی نے اسی کتاب میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ کسریٰ ایران اور اس کے سوا دوسرے سلاطین کے خزانوں کے جواہر پہلے تو بنی امیہ کے قبضہ میں آئے اور ان سے منتقل ہو کر یہ ذخیرہ عباسیوں کے جواہر خانہ میں داخل ہوا بعد کو وقتاً فوقتاً مختلف عباسی خلفاء نے اس ذخیرہ میں اضافے جو کیے ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مہدی عباسی نے "الجبل" نامی پتھر تین لاکھ اشرفیوں میں خریدا تھا اور ہارون نے دس لاکھ پونڈ تک میں ایک جوہر مول لیا تھا اسی عباسی جواہر خانے میں ایک دُرِ یتیم تھا جس کا وزن کہا جاتا ہے تین مثقال تھا، اگرچہ مقتدر اور القاہر و الراضی کے زمانہ میں بڑا ذخیرہ ان موروثی جواہر کا ضائع ہو گیا لیکن پھر بھی عباسیوں کا ہی خزانہ تھا۔ ۱۲

Marfat.com

قسم کی کمی نہ ہوئی امارت اور خلافت کے سارے آثار اور نشانات نے نئے
سرے سے اس کے زمانہ میں تر و تازگی حاصل کی حکومت کے کاروبار کو
براہ راست وہ خود انجام دیتا تھا بہ نفس نفیس جنگوں میں متعدد بار شریک
ہوا عدل و انصاف کے چمن میں پھر بہار اس کے عہد میں آئی، نیکی کے ابواب
پھر کھل پڑے۔

یہ الفاظ تاریخ کی کتابوں میں خلیفہ مقتفی باللہ کے متعلق نقل کیے گئے ہیں جو ۵۳۰ھ میں مسند آرائے خلافت ہوا، اور مسلسل ۲۵ سال تک حکمرانی کا موقع اس کو ملا۔ ابن جوزی کا بیان ہے کہ :-

مقتفی کے زمانہ میں بغداد اور عراق پھر خلیفہ کے قبضۂ اقتدار میں واپس
ہوا۔ ورنہ مقتدر باللہ کے زمانہ سے صورت حال یہ ہو گئی تھی کہ خلیفہ کا صرف
نام تھا اور حکومت ان سلاطین اور ملوک کی قائم تھی جنہوں نے جبراً خلفاء
کو اپنا تابع فرمان بنا لیا تھا۔

یہ بھی لکھا ہے کہ

سیر چشمی، رعایا پروری، رحم گستری کے ساتھ عباسیوں میں مقتفی ہی وہ حکمران
گزرا ہے جس کی نظیر دلیری اور شجاعت میں معتصم باللہ کے سوا کسی دوسرے
عباسی خلیفہ میں نہیں ملتی۔

اور یہ سب چیزیں تو خیر بجائے خود ہیں سب سے عجیب تر ماجرا یہ ہے کہ جس دار الخلافہ کا ایک منظر آپ کے سامنے ابھی گزرا ہے اب اسی کے بالمقابل سنیئے بیان کیا جاتا ہے کہ مقتفی نے اسی دار الخلافت میں خلافت کی باگ ڈور جب اپنے ہاتھ میں لی تو

دار الخلافہ بغداد اپنے سارے اثاثے فرش و فروش خیمہ و خرگاہ پردے
سرا پردے دواب چوپائے اور دوسرے جانوروں سے بالکلیہ تخلیہ ہو گیا صرف
چار گھوڑے اور دار الخلافت میں پانی پہنچانے کے لیے کل آٹھ خچر اصطبل
میں باقی تھے۔

دار الخلافت عباسیہ کے اس عجیب و غریب تاریخی تخلیہ کا ذکر سب ہی نے کیا ہے لیکن یہ صورت

Marfat.com

کیوں پیش آئی، اس سوال کے جواب میں لوگ مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سلجوقی بادشاہ مسعود نے جبراً خلیفہ کو اس تخلیہ پر مجبور کیا لیکن اسی کے مقابلہ میں بعضوں کا بیان ہے کہ مقتفی کا انتخاب ہی اسی شرط کے ساتھ مشروط تھا۔ اسی لیے خلیفہ ہونے کے بعد مقتفی نے خود اپنے عہد کو اس شکل میں پورا کیا۔ (واللہ اعلم واقعی اسباب تخلیہ کے اس عجیب و غریب عمل کے کیا تھے۔ ان ہی مورخین نے ایک اور بات بھی لکھی ہے جو صرف ان ہی کی خبر نہیں ہے بلکہ خود مقتفی نے خلیفہ ہونے کے بعد مقتفی کا جو لقب اختیار کیا اس سے بھی اس خبر کی تصدیق ہوتی ہے، لکھا ہے کہ خلیفہ منتخب ہونے سے چھ دن پہلے مقتفی کو ایک عام رویا ہوئی۔ خواب میں جمالِ جہاں آرا در رسالت پناہی صلاۃ اللہ علیہ سے سرفرازی نصیب ہوئی۔ مقتفی جس کا اصلی نام محمد تھا اسی کو خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ

سیصل ھذا الامر الیک فاقتف بی (شذورص ۷۳ ج ۵)	قریب ہے کہ یہ چیز (یعنی خلافت) تجھ تک پہنچے۔ جب ایسا ہو تو میرے نقش قدم کی پیروی کرنا۔

کہتے ہیں کہ اسی "رویا صادقہ" جس کی تعبیر چھٹے دن عالم بیداری میں اس کے سامنے آگئی۔ اس نے اپنا لقب المقتفی[1] رکھا۔ ایسی صورت میں اگر یہ سمجھا جائے کہ تخلیہ کا یہ عمل اسی ارشاد نبوی میں مقتفی سے ظاہر ہوا تو اس پر کم از کم مجھے تو تعجب کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی آخر سلجوقی سلاطین کے زیر اثر تو عباسی خلفاء ایک زمانہ سے تھے لیکن اس قسم کی جسارت جب ان کے بڑوں سے نہ ہو سکی جو کفر سے زیادہ قریب تھے تو مسعود سے اس کی توقع کیوں کی جائے خصوصاً سلجوقی سلاطین کا بغداد کی خلافت کے ساتھ جو نفسیاتی تعلق تھا اس کا ذکر ابھی مجھ سے آپ سن چکے کہ سنجر تک ان تکوینی آثار کی خبر سن کر گھبرا اٹھا جن کا ظہور مسترشد کی گرفتاری کے بعد دار الخلافت میں شروع ہو گیا تھا اور مسعود[2] کے عام حالات کتابوں میں

---

[1] اسم فاعل کا صیغہ اقتفاء سے بنا ہوا ہے جس کے معنی نقشِ قدم کی پیروی کرنا ہے۔ ۱۲۔

[2] ابن اثیر نے تو مسعود کو سلجوقی خاندان کا آخری چراغ قرار دیا ہے لکھا ہے کہ سارا سلجوقی اقبال مسعود کی وفات پر ختم ہو گیا پھر اس کی خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیر ہی نے نقل کیا ہے کہ بڑا فیاض سیر چشم بادشاہ تھا۔ اور رعایا کے مال کے متعلق بہت محتاط تھا، ابن اثیر کے الفاظ میں وکان احسن السلاطین فیھم سیرۃ
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو ملتے ہیں ان سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی۔ سارے سلجوقی سلاطین میں رعایا کے مال کے متعلق جب مورخین اس کو محتاط ترین بادشاہ قرار دیتے ہیں تو عباسی خلیفہ کے اموال کے سلسلہ میں اس کو اتنا ظالم و لیئم آخر کیوں قرار دیا جائے۔

بہرحال مجھے تو دار الخلافت بغداد کے اس تاریخی تخلیہ میں اقتفائی تعمیل ہی کی جھلک زیادہ نظر آتی ہے کیونکہ جہاں تک مقتفی کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا ہوں باوجودیکہ مسلسل پچیس سال اور وہ بھی کافی اقتدار و اختیار کے ساتھ حکمرانی کا موقع اس کو ملا لیکن بجز ایک واقعہ کے عموماً اپنے سچے خواب کی تعبیر میں وہ کوشاں نظر آتا ہے حالانکہ اس کے پیش رو عباسی خلفاء نے جن روایات کا سلسلہ قائم کر دیا تھا ان کے ہوتے ہوئے اتنی وفاداری کے ساتھ اس تعبیر کی تکمیل اس ماحول میں بظاہر آسان نہ تھی اور وہ واقعہ بھی جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا لکھا ہے کہ اپنی زندگی کے آخری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسعود کے مزاج میں ظرافت بھی تھی، مشہور قاضی کمال الدین شہرزوری کے متعلق لکھا ہے کہ مسعود کے کیمپ میں کسی ضرورت سے حاضر ہوئے مغرب کا وقت آگیا قریب ہی ایک خیمہ میں دیکھا کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے قاضی صاحب اسی خیمہ میں داخل ہو گئے اور نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ جواب میں کہا گیا کہ فلاں شہر کا قاضی ہوں شہرزوری نے کہا کہ تین قسم کے قاضی ہوتے ہیں جن میں دو جہنم میں اور ایک جنت میں جائیں گے جہنم میں جانے والے ہم تم دونوں قاضی ہیں۔ جو ان سلاطین کے آستانوں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور جنتی قاضی وہ ہے جس کی صورت نہ ان سلاطین نے دیکھی اور نہ اس نے ان سلاطین کی صورت دیکھی۔ در اصل یہ خود سلطان مسعود تھا۔ صبح کو قاضی شہرزوری جب سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو ہنستے ہوئے مسعود نے کہا کہ فرمایئے قاضی صاحب تین قاضیوں کا وہ کیا قصہ ہے۔ شہرزوری سمجھ گئے کہ خود سلطان سے مغرب کے وقت وہ گفتگو میں نے کی تھی، بولے جی ہاں واقعہ تو وہی ہے جو میں نے عرض کیا تھا سلطان نے کہا کہ سچ فرماتے ہیں آپ بلاشبہ وہ نیک بخت سعید آدمی ہے جس نے نہ ہماری صورت دیکھی اور نہ ہم نے اس کی صورت دیکھی ایک لطیفہ اس کا یہ بھی ہے کہ بغداد کی کسی سڑک سے گزر رہا تھا ایک عورت نے دوسری عورت سے جو ذرا دور تھی کہا کہ جلد آؤ! سلطان کو دیکھو! مسعود کے کان میں بھی اس کی آواز پڑ گئی ٹھہر گیا اور بولا کہ وہ بی بی آلیں تب چلونگا۔ (ص۶۰ ج ۱۰ کامل)

Marfat.com

دنوں میں مقتفی نے خالص عقیق سے اپنے لیے ایک تابوت تیار کیا تھا اور عقیق کے اسی تابوت میں وہ دفن کیا گیا تھا۔ عقیق کا شمار قیمتی پتھروں کی صف میں نہ ہوتا ہو لیکن پھر بھی ایک مسلم تابوت کے لیے عقیق جیسے پتھر کی جو مقدار مہیا کی گئی ہوگی اس پر یقیناً غیر معمولی مصارف عائد ہوئے ہوں گے اس لحاظ سے مقتفی کا یہ طرز عمل قابل تنقید ہے مگر مقتفی سے پہلے عباسی خلفاء کا جو حال ہوگیا تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجھے تو اس میں بھی دینی تاثر ہی کا کچھ نہ کچھ عکس نظر آتا ہے جن حکمرانوں کے دربار میں موت کا خیال بھی بدتر از خیال قرار دے دیا گیا تھا[1]۔ اسی دربار میں تابوت کی تیاری اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ تابوت مقتفی کی لاش کے برابر ہو یقیناً پیمائش وغیرہ کا کام بھی انجام دیا گیا ہوگا بلکہ تیار ہونے کے

---

[1] سلاطین وملوک کے درباروں میں موت اور موت کا ذکر ایک مدت تک لطیفہ بنا ہوا تھا مرنے والوں کی اطلاع کے لیے عجیب وغریب تعبیریں تراشی گئی تھیں جن کی تفصیل ایک مستقل مقالہ کی طالب ہے۔ دور کیوں جائیے ان ہی عباسی خلفاء میں واثق باللہ خلیفہ کا جو قصہ کتابوں میں نقل کیا گیا ہے —— وہ کیا کچھ کم عبرت انگیز ہے۔ الذہبی نے مختصر دول الاسلام میں نقل کیا ہے کہ الواثق باللہ کا خادم خاص جو الواثقی کے نام سے مشہور تھا اسی کا بیان ہے کہ واثق جب بیمار ہوا تو اس کی تیمارداری مجھ ہی سے متعلق تھی۔ حالت واثق کی جب خراب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس پر غشی طاری ہوگئی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ختم ہوگیا۔ پاس میں جو لوگ تھے ان کو بلایا اور ایک نے دوسرے سے اشارہ کیا کہ واثق کے قریب جا کر واقعی دیکھے کہ روح پرواز کر چکی یا کچھ رمق باقی ہے لیکن کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر میں ہی دل کو مضبوط کر کے آگے بڑھا میں نے آہستہ سے اس کی ناک پر سانس کا پتہ چلانے کے لیے انگلی رکھی کہ اچانک واثق نے آنکھیں کھول دیں، الواثقی کہتا ہے کہ نہ پوچھو کہ اس واقعہ کا مجھ پر کیا اثر مرتب ہوا اس کے الفاظ ہیں فکدت ان اموت (اتنا گھبرایا کہ قریب تھا کہ میں خود مر جاتا) گھبراہٹ اس کی تھی کہ موت کے انتساب کو واثق کی زندگی ہی میں گویا ممکن قرار دیا۔ بازپرس کے خوف نے اس پر یہ ہیبت طاری کی لیکن خیر گزری کہ واثق کی آنکھیں آخری دفعہ کھلی تھیں اور پھر ہمیشہ کے لیے بند ہوگئیں۔ الواثقی کہتا ہے کہ ڈر کے مارے میں گر پڑا تھا تلوار تک ٹوٹ گئی۔ اور میرے بدن میں کچھ گھس بھی گئی۔ بہرحال الواثق واقعی اسی کے بعد مر گیا تب واثقی نے یہ یقین کر لینے کے بعد کہ درحقیقت اب خلیفہ کی روح پرواز کر چکی ہے لاش پر چادر ڈال دی۔ اس عرصہ میں واثقی کو محسوس ہوا کہ آنکھوں کے سامنے کوئی چیز حرکت کر رہی ہے وہ پھر گھبرایا چادر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک چوہا واثق کی آنکھیں نکالے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بعد کیا تعجب ہے کہ اپنے اس تابوت میں خود مقتفی کسی وقت لیٹا بھی ہو اگر اس نقطۂ نظر سے سوچیئے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑے[1] واعظ کے وعظ کے لیے مقتفی نے اپنے کانوں میں انگلیاں نہیں ٹھونسی تھیں بلکہ عقیق ہی کی شکل میں سہی اس واعظ کو اپنے سامنے کھڑا کر کے اس وعظ کو سننا چاہتا تھا جس کے بعد شاید کسی دوسرے وعظ کے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ آخر جب الذہبی کے خشک قلم سے بھی جس خلیفہ کے ذکر میں یہ الفاظ پائے جاتے ہوں۔

کان سیدا دینا مہیبا شجاعا عدیم النظیر وعظیم المملکۃ بیدہٖ ازمۃ الامور۔ (ص ۵ ج ۲ مختصر دول اسلام)

وہ سردار تھا بڑا دیندار تھا ہیبت و جلال والا تھا بے نظیر تھا بڑی مملکت کا مالک تھا اور حکومت کے سارے معاملات کو اپنے قبضہ اقتدار میں لیے ہوئے تھا۔

میرے نزدیک تو مقتفی کی دینداری اور حکمرانی کی ذمہ داریوں کے صادق احساس کی یہ کافی سند ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا خواب جو اس نے دیکھا تھا اسی کی تعبیر وفاداری کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہم اسے قرار بھی دیں جب بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواب تو خواب ان ہی خلفاء میں بیسیوں گزرے تھے جن کے سامنے الکتاب والسنہ کی شکل میں بیداری کا پیام اسی پیغمبر کا موجود تھا جس کو مقتفی نے خواب میں دیکھا تھا اثر پذیری کی یہ غیر معمولی کیفیت مقتفی میں جو محسوس ہوتی ہے اس کو کس چیز کا نتیجہ ٹھیرایا جائے؟

اور بات صرف مقتفی ہی کی حد تک اگر محدود ہوتی تو استثنا اور شذوذ کے دعوے کی گنجائش بھی پیدا ہو سکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ امام غزالی کے بعد پے در پے پچاس ساٹھ برس کا زمانہ بغداد کی خلافت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھاگا جاتا ہے۔ بے ساختہ زبان پر الواثق کے جاری ہو گیا۔ لا اِلٰہ اِلّا اللہ۔ یہی آنکھ تھی جس کی معمولی حرکت سے کچھ دیر پہلے میں مرنے کے قریب ہو گیا تھا گر پڑا تلوار ٹوٹی اور چند لمحوں کے بعد اسی آنکھ کو ایک چوہا نکال کر لے بھاگا۔ ۱۲ (مختصر دول الاسلام ذہبی مطبوعہ دائرۃ المعارف ج ص ۱۰۹)

[1] کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کی انگوٹھی پر یہ فقرہ کھدا ہوا تھا یعنی کفی المرء بالموت واعظا (آدمی کے لیے موت کافی واعظ ہے) میں نے اسی فقرہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

پر ایسا گزرا ہے کہ اسی خلافت کی گدی پر بیٹھنے والوں کے پہلوؤں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان پچھلوں میں غیر معمولی انقلابی رنگ کیسے پیدا ہو گیا تھا، مقتفی کا حال تو آپ پڑھ ہی چکے مقتفی کے بعد اسی کا بیٹا یوسف مستنجد باللہ کے نام سے تخت خلافت پر امام غزالی کی وفات کے ٹھیک پچاس سال بعد متمکن ہوا، سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ

"مستنجد عدل اور نرم مزاجی کی خصوصیتوں سے موصوف تھا۔ سارے عراق سے ناجائز محصولوں کو اس نے اٹھا دیا تھا۔"

مگر باوجود اس نرم مزاجی کے سیوطی کا بیان ہے

"شر پسند مفسد عناصر کے قلع قمع میں مستنجد بہت سخت تھا۔"

علاوہ مذہبی علوم کے لکھا ہے کہ

"علم ہیئت سے خاص دلچسپی رکھتا تھا اور اس فن کے متعلقہ آلات، اسطرلاب وغیرہ کے بنانے میں بڑا ماہر تھا۔" (شذور ص ۲۱۹ ج ۴)

ابن اثیر کا فیصلہ تو اسی مستنجد کے متعلق یہ ہے کہ

كان احسن الخلفاء سيرة مع الرعيه (ص ۱۳۵ ج ۱۱)	عباسی خلفاء میں رعیت کے ساتھ بہترین سلوک کرنے میں مستنجد بہت اچھا خلیفہ تھا۔

مستنجد کے بعد اس کا بیٹا حسن المستضیٔ باللہ کے نام سے سریر آرائے خلافت ہوا اس سے بڑھ کر المستضیٔ کے متعلق شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ ابن جوزی جیسے بگڑے دل آدمی جو دوسروں پر جرح و تنقید کرنے میں تاریخی شہرت کے مالک ہیں، بخاری تک کے رواۃ پر نکتہ چینی سے ابن جوزی نہیں چوکتے مستضیٔ کو انہوں نے خود دیکھا تھا اور بہت قریب سے دیکھا تھا ان کی مجلس وعظ میں اکثر شریک بھی ہوتا تھا بہر حال منتظم میں اپنی چشم دید گواہی ابن جوزی ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

اظهر من العدل والكرم مالم نره فى اعمارنا (ص ۲۵ ج ۴)	عدل و کرم کا اظہار المستضیٔ نے جس پیمانے پر کیا ہم لوگوں نے ساری زندگی میں اس کی نظیر نہیں دیکھی۔

ابن اثیر نے بھی لکھا ہے:-

Marfat.com

"مستضئی کے عہد میں عام خلق اللہ کی زندگی بڑے امن و راحت میں گزری لوگوں نے
اس جیسا حکمراں نہیں دیکھا بڑا حلیم اور بردبار آدمی تھا۔"

آخر میں مشہور عربی فقرہ

فعاش حمیداً و مات سعیداً رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ص۱۳۷ ج-۱۱)

پس بڑی ہر دلعزیزی کے ساتھ اس نے زندگی بھی گزاری اور وفات بھی اس کی سعادت کے حالات کے ساتھ ہوئی۔

ایک عربی شعر بھی ابن اثیر نے مستضئی کے ذکر کو ختم کرتے ہوئے درج کیا ہے۔

کان ایامہ من حسن سیرتہ   مواسم الحج والاعیاد والجمع

یعنی اپنی سیرۃ و کردار سے مستضئی نے ایک ایسا حال پیدا کر دیا تھا کہ اس کی حکومت کا زمانہ گویا حج اور عید اور جمعہ کے دن تھے یعنی ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات کی کیفیت تھی۔

حالانکہ یہی بغداد تھا، ذرا غزالی سے پہلے بلکہ خود ان کے حالات کتابوں میں پڑھیئے عیاروں اور طراروں، لصوص یعنی چوروں بٹ ماروں کے دھاوے صبح و شام ہوتے رہتے تھے۔ دینی اور آئینی زندگی سے گریز کا رجحان روز بروز عباسی خلفاء میں بڑھتا چلا جا رہا تھا یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا جیسا کہ میں نے لکھا بھی ہے۔ اور لوگوں کو معلوم بھی ہے کہ ممالک عباسیہ کے مختلف جہات و اقطار میں ملوک و سلاطین زور آور بننے میں خلفاء کی ان ہی کمزوریوں نے مدد بہم پہنچائی۔ لیکن اچانک غزالی کے بعد ذمہ داریوں کا یہ احساس ان ہی خلفاء میں کیسے بیدار ہو گیا۔ اور امن و امان کا جو قصہ بغداد کی سرزمین کے لیے افسانہ بن چکا تھا۔ اسی بغداد کو عید کے ان دنوں اور شب برات کی ان راتوں میں سانس لینے کا موقع جو ملا تو لوگوں نے اس انقلاب کے سبب کو کیوں تلاش نہ کیا؟

سچی بات تو یہ ہے کہ یہی ملوک و سلاطین جن کو عباسی خلفاء کی کمزوریوں نے زور حاصل کرنے کا موقع عطا کیا تھا خود ان کی حالت بھی غزالی کے بعد اور غزالی سے پہلے اتنی مختلف ہو گئی ہے کہ اس اختلاف کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

میرا یہ مطلب ہے کہ دولت و ثروت کے جو لازمی نتائج ہیں ان میں تو خیر ہر زمانہ کے امراء کسی نہ کسی حیثیت سے مبتلا ہی نظر آتے ہیں۔ ہارون الرشید ہی کے زمانہ میں عباسی دربار کے امراء تکلف کے

Marfat.com

اس مقام تک چڑھ کر پہنچ چکے تھے جس کا اندازہ آپ کو ایک عباسی امیر کے اس قصہ سے ہو سکتا ہے جس کا نام ابراہیم تھا اور ابن شکلہ کے نام سے مشہور تھا۔ دمشق کی گورنری زمانہ تک اسی سے متعلق تھی۔ ہارون الرشید ایک دفعہ اس کا مہمان ہوا۔ اصل دستر خوان سے پہلے بطور نقلکہ کے کچھ چیزیں ہارون کے سامنے بڑھائی گئیں جن میں ایک پیالہ تھا۔ کہا گیا کہ قرلش[1] نامی مچھلی خاص طور پر بٹھائی گئی ہے۔ ہارون نے دیکھا کہ پیالے میں بہت ہی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارے باورچی نے اتنے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیوں بنائے ہیں۔ ابراہیم نے جواب میں عرض کیا کہ مچھلی کے گوشت کے یہ ٹکڑے نہیں ہیں بلکہ صرف اس کی زبان ہے۔ ہارون کو سن کر تعجب ہوا اور بولا کہ کتنی مچھلیوں کی یہ زبانیں ہوں گی سو سے کیا کم ہوں گی۔ ابراہیم کا داروغہ مطبخ مراقب نامی بھی سامنے کھڑا تھا اس نے کہا کہ جی نہیں سو سے بھی زیادہ مچھلیوں کی زبانیں نکالی گئی ہیں۔ داروغہ سے ہارون نے پوچھا کہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ ان مچھلیوں کی قیمت کیا تھی جن کی زبانوں سے پیالہ تیار ہوا ہے، بولا کہ "ہزار درم" سنا[2] آپ نے بطور نقلکہ اور نمک چشی کے جو کھانا پیش ہوا تھا اس کے ایک پیالہ کی قیمت ایک ہزار درم تھی، خود سوچئے تو اصل دستر خوان جب بچھا ہو گا اور جو کھانے اس پر چنے جاتے ہوں گے ان کی قیمت کیا ہوتی

---

[1] شیخ محی الدین بن عربی ؒ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ قرلش ایک بحری جانور ہے میں نے اس کو خود دیکھا ہے اس کا بدن باہم ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ گٹھا ہوا تھا۔ ان ہی کا بیان ہے کہ اہل مکہ نے اپنی اجتماعی زندگی کی جو تنظیم کی تھی اس لیے اس کا نام قرلش تھا یعنی سمٹ کر ایک نقطہ پر جمع ہو گئے تھے۔ (فتوحات ج ۳ صـ ۱۰۶)

[2] مشہور محدث ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس قصے کو نقل کیا ہے دیکھو ج ۲ صـ ۲۷۶ لیکن اس وقت تک ہارون جیسے خلفاء عباسی خلافت کی گدی پر بیٹھ رہے تھے اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک ہزار درہم کو سن کر ہارون کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پہلے تو اس نے ابراہیم کو مجبور کیا کہ ایک ہزار اشرفیاں غرباء میں تقسیم کرے تا کہ اس کا کفارہ ادا ہو پھر اس پیالے کو جس میں مچھلی کی زبانیں تھیں اور جس کی قیمت (۲۷۰) اشرفیاں تھیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ راستہ میں جو پہلا فقیر ملے اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ یہی کیا گیا۔ ابراہیم نے فقیر سے دو سو دینار دے کر اس جام کو پھر خرید لیا۔ ۱۲

Marfat.com

ہوگی۔ اور جب ہارونی عہد میں امراء و ملوک اسراف و تبذیر میں یہاں تک پہنچ چکے تھے تو ہارون کے بعد جو کچھ ہوا اس پر حیرت نہ ہونی چاہیئے، آپ مجھ ہی سے مسلمان امراء کی چونچلوں کی مختصر داستان کچھ دیر پہلے سن چکے ہیں، ایک ایک محبوبہ کو خوش کرنے کے لیے مسلمان امیر مشک کے ڈھیر پر کیوڑے اور گلاب کے عرق کو انڈیل کر مصنوعی کیچڑ پیدا کرتا تھا اور اس سلسلہ میں اسلامی ملوک و امراء نے جو زیادتیاں کی ہیں یقیناً موجودہ نسلوں کے لیے سرمایہ ندامت و شرمندگی بنی ہوئی ہیں میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر یہ کیا حال تھا غزالی سے کچھ ہی دن پہلے اسی صدی میں جس میں امام حجۃ الاسلام کی ولادت ہوئی مشہور دیلمی بادشاہ عضد الدولہ کے محل کے متعلق المقدسی نے یہ لکھ کر کہ

طفت فی ھذہ الدار کلھا سفلھا وعلوھا (ص۴۵۱ احسن التقاسیم)

میں اس محل میں خوب گھوما ہوں اس کے بالائی اور نیچے کی منزلوں سب ہی کو دیکھا ہے۔

پھر جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا اس کی تفصیل پورے ایک صفحہ میں کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ :-

"اس محل میں عضد الدولہ نے تین سو ساٹھ قصور یا کوٹھیاں تعمیر کی تھیں سال کا ایک ایک دن ہر قصر میں گزارتا تھا۔ حال یہ تھا کہ بالائی منزلوں میں ایک نہر چھ میل سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور اس کے نیچے جو مکانات بنے ہوئے تھے خس پوش تھے ادھر سے پانی مسلسل ان خس پوش مکانوں کی چھپروں پر بارش کی شکل میں برستا رہتا تھا اسی لیے ہمیشہ یہ حصے مکانوں کے تر رہتے اور یہی پانی بالائی منزلوں کے مختلف اردگرد بہتا بھی رہتا تھا۔ اس نہر کے سوا ایک دوسری نہر بھی اسی محل میں ایک میل کے فاصلہ کو قطع کر کے آئی تھی اور ان باغوں، خیابانوں، چمنستانوں کو سیراب کرتی تھی جس کا سلسلہ چاروں طرف اس محل میں پھیلا ہوا تھا اور جس سے یہ سارا علاقہ ڈھکا ہوا تھا دنیا جہان کے پھل اور پھول کے پودے اس میں لگائے گئے تھے یہ تین سو ساٹھ قصور جو بنے ہوئے تھے ان میں ہر ایک کا رنگ بھی مختلف تھا۔ کسی پر چینی کے برتن جیسا رنگ تھا کسی پر سنگی رنگ کی قلعی چڑھی ہوئی تھی، کسی کا

Marfat.com

رنگ بالکل سنہرا تھا۔ ان میں طرح طرح کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ سارے محلات پر بڑے بڑے قبے بنے ہوئے تھے۔

اور میں کہاں تک تفصیل کروں المقدسی کے تاثرات کا اندازہ اسی سے کیجیے جس کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"اس محل میں عامی آدمی اگر پہنچتا ہے تو بڑی سخت ایمانی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور عارف اس کو دیکھ کر ان نعمتوں کو یاد کرتا ہے جن کا وعدہ جنت میں نیک لوگوں کے لیے کیا گیا ہے۔"

آخر میں تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:۔

اظنه بناها على ما سمع من اخبار الجنة۔ (ص۴۵۱ مقدسی)

میں خیال کرتا ہوں کہ جنت کی خبروں کو سن کر عضد الدولہ نے یہ محل تیار کیا ہے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ عضد الدولہ آخر وقت تک اپنی آمدنی کی توفیر میں مشغول رہتا تھا۔ اس نے اعلان کر رکھا تھا کہ:۔

"اس وقت تک میری تشفی نہ ہوگی جب تک روزانہ میرے خزانہ کی آمدنی ایک ملین (دس لاکھ درہم) تک نہ پہنچ جائے۔" [1]

لیکن یہی بغداد کی خلافت سے اور اس خلافت سے بظاہر اپنے آپ کو وابستہ بنانے والے سلاطین و

---

[1] تقریباً اس عزم میں بھی وہ کامیاب ہوا۔ اس نے اپنے عزم کا نام ہی "عزم عضدیہ" رکھ چھوڑا تھا اس کا مشہور عربی شعر ہے۔ لا کبن عزیمه عضدیه تدع الانوف من الزمان رواغما۔ (یعنی میں عضدی عزم کی پشت پر سوار ہو جاؤں گا اور اونچی اونچی ناکوں کو ہمیشہ کے لیے گرد آلود بنا کر چھوڑ دونگا) تاہم (۴۷) سال کی عمر میں مرگی کے مسلسل حملوں سے آغوش مرگ میں جا سویا لکھا ہے کہ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو قاسم بن عبید اللہ کا قصیدہ اس کی زبان پر جاری ہوا جس کا حاصل یہ تھا کہ میں نے اپنے وقت کے بادشاہوں کو پچھاڑ پچھاڑ کر گرایا۔ ان کو پورب پچھم جدھر بھی وہ بھاگ سکے بھگا کر بکھیر دیا لیکن میرے اقبال کا ستارہ عروج کے آخری نقطہ تک جب پہنچ گیا تو اچانک زمانہ کے تیر سے میں گھائل ہو کر گر پڑا۔ اب میں ہوں اور قبر کا گڑھا میرے سامنے ہے آج مجھ سے زیادہ بدبخت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ملوک میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک بادشاہ کے شُحِّ[1] نفس کا یہ حال ہے۔ زندگی کے کسی شعبہ میں کسی حد پر ٹھہرنا نہیں چاہتا، صرف مکان کے مسئلہ میں گرما و سرما کی موسمی مکانوں کے حدود سے بڑھ کر سال کے ہر دن کے لیے مستقل بنگلے اور کوٹھی کی ضرورت کے اسی "شح" نے اس کے لیے پیدا کی تھی۔ ایک ایک دن میں لاکھ دو لاکھ کی آمدنی بھی اس کے لیے کافی نہیں تھی۔ چاہتا تھا کہ روزانہ کم از کم دس لاکھ درم تو اس کی جیب تک پہنچ جائیں۔

نورالدین زنگی پر ان تعلیمات کا اثر

مگر غزالی الامام کی وفات پر ابھی پورے چالیس سال بھی نہیں گزرے ہیں یعنی کل ۳۶ سال اسی بغدادی خلافت کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور کون ہوگا جس کی دنیا بھی برباد ہوئی اور اپنی حماقت سے اپنے دین کو بھی کھو بیٹھا، کہتے ہیں کہ سکرات میں جب مبتلا ہوا تو قرآنی آیت ما اغنی عنی مالیہ ھلک عنی سلطانیہ (میرا مال مجھے کام نہ آیا میری حکومت اور میرا غلبہ ختم ہوگیا) وہ بہت بڑا سیاس تھا، تمام سیاسی و جنگی تدبیروں کے سوا بعض چالیں جو اس کی طرف منسوب ہیں وہ عجیب ہیں۔ روضۃ الصفا میں آل بویہ کی تاریخ سے بعض چیزیں نقل بھی کی ہیں تفصیل تو روضہ میں دیکھئے مثلاً قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ جو عیسائی تھا اس بے چارہ پر عضدالدولہ نے لکھا ہے کہ اس تدبیر سے اثر قائم کیا یعنی کسی طریقہ سے قسطنطنیہ کے قریب کسی کھنڈر میں لوہے کا ایک صندوق عضدالدولہ نے گڑوا دیا جس میں قدیم یونانی حروف میں کچھ پیشین گوئیاں لکھوا کر رکھ دی گئی تھیں۔ یہی صندوق شاہ قسطنطنیہ تک پہنچا، کاغذات پڑھوائے گئے تو اس میں یہ لکھا ہوا بھی ملا کہ "فلاں زمانے میں عضدالدولہ نامی بادشاہ دیلم سے سر نکالے گا۔ دنیا کے سلاطین اس کے سامنے جھک جائیں گے اور اطاعت سے جو انکار کرے گا تباہ ہو جائے گا" شاہ قسطنطنیہ اس مغالطہ کا شکار ہو گیا، عضدالدولہ کے پاس سفارت بھیجنے کی تیاری کی۔ سفراء روم سے جب آئے تو ایک تالاب کے کنارے خیمہ میں عضدالدولہ رات کو ان سے ملا۔ مینڈک شور کر رہے تھے عضدالدولہ نے اپنے آدمی سے کہا کہ مینڈکوں سے جا کر کہہ دو کہ آج بادشاہ سلامت آئے ہوئے ہیں شور نہ کریں۔ مینڈک واقعی اس پیام کو سن کر چپ ہو گئے۔ لکھا ہے کہ مینڈکوں کو چپ کرنے کے لیے پانی میں ایک خاص قسم کی چیز ڈال دی تھی لیکن رومی سفیروں نے خیال کیا کہ یہ تو سلیمان وقت ہے۔ ۱۲

[1] المفلحون یعنی بامراد بننے کے لیے قرآن نے وصیت کی ہے کہ نفس کے شح یعنی لالچ سے بچایا جائے۔ ۱۲۔

Marfat.com

ایک متوسل سلطان کو ہم "نورالدین زنگی" رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے پاتے ہیں۔ عضدالدولہ سے بھی زیادہ طویل و عریض زرخیز و زرریز علاقوں پر قابض ہے یعنی شام الجزیرہ مصر اس کے ممالک محروسہ کے اجزا تھے حرمین اور یمن تک میں اس کا نام خلیفہ بغداد کے نام کے ساتھ خطبوں میں پڑھا جاتا تھا۔ مگر جانتے ہو اور تو اور اپنی ملکہ تک کے مصارف کے لیے اس نے جو نظم کیا تھا۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ :-

"شام کے شہر حمص میں تین دوکانیں تھیں (جنہیں نورالدین زنگی نے مال غنیمت کے حصّہ سے خریدا تھا) ان ہی تین دوکانوں کے کرایہ کی آمدنی ملکہ کے لیے نورالدین نے مختص کر دی تھی سالانہ کل بیس دینار اس ذریعہ سے ملکہ کو ملتے تھے۔"

سال کے بارہ مہینے کے خرچ کے لیے کل بیس اشرفیاں؟ ایک معمولی غریب آدمی کے لیے بھی اس کا سوچنا دشوار ہے۔ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ ملکہ نے نورالدین سے تنگی اور ضیق معیشت کی شکایت کرتے ہوئے چاہا کہ اس کی تنخواہ میں کچھ اضافہ منظور کیا جائے۔ جواب میں نورالدین نے کہا کہ :-

لیس لی الاھذا و جمیع ما فی یدی	میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ باقی میرے
انا فیہ خازن للمسلمین لا اخونہم	قبضہ میں (حکومت کی جو آمدنی ہے) سو اس میں
فیہ ولا اخوض نار جہنم لاجلک	مسلمانوں کا میں صرف خزانچی ہوں۔ میں اس مال
(ص ۱۵۱ ج ۱۱ کامل)	میں خیانت کر کے جہنم کی آگ میں تمہارے لیے گھس نہیں سکتا۔

اور جب اسی سلطان نورالدین انار اللہ برہانہ کی وفات ہوئی تو ابن اثیر سے خود اس طبیب نے بیان کیا تھا جو بادشاہ کا معالج تھا کہ خناق کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد دوسرے اطباء کے ساتھ قلعہ دمشق میں مجھے بھی طلب کیا گیا جب میں پہنچا تو میں نے اس بادشاہ کو دیکھا کہ :-

ھو فی بیت صغیر	ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں پڑا ہوا ہے۔

طبیب کا بیان ہے کہ :-

کان یخلو فیہ للتعبد	اسی کوٹھڑی میں سب سے الگ ہو کر تنہائی میں بادشاہ عبادت کیا کرتے تھے۔

اسی میں بیمار ہوئے اور مرض بڑھتا گیا لیکن اس کوٹھڑی سے وہ منتقل نہ ہوئے اطباء نے بالاتفاق

Marfat.com

فیصلہ کیا کہ :-

" سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس تنگ و تاریک حجرے سے آپ منتقل ہو کر کسی ہوادار روشن مکان میں قیام اختیار کیجیے کیوں کہ اس مرض میں خصوصیت کے ساتھ مکان کی تنگی اور تاریکی کو بہت دخل ہوتا ہے۔"

اس وقت مرض کی شدت اس نوبت کو پہنچ چکی تھی کہ بادشاہ اپنی آواز دوسروں تک نہیں پہنچا سکتا تھا، آخر اسی مرض میں وفات ہوئی [۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شاہزادہ اسماعیل پر اثر

اور ایک نور الدین ہی کیا اسی کا شاہزادہ اسماعیل جو باپ کے بعد حلب کا حکمران تھا کل (۱۹) سال کی عمر میں اس بے چارہ کی قولنج کے مرض سے وفات ہوئی ہیں تو دنگ ہو کر رہ گیا جب مؤرخین کی کتابوں میں یہ واقعہ پڑھا کہ عین ریعان شباب میں حکومت کی باگ حالانکہ اس کے ہاتھ میں آئی تھی لیکن وہی شراب جس کے ملوک و سلاطین امراء و اعیان تو خیر سچی بات تو یہ ہے کہ متوکل جیسے متعصب دیندار بادشاہوں تک کی مجلس نشاط جس کے دور سے خالی نہ ہوتی تھی لیکن شاہزادہ اسماعیل جب قولنج میں مبتلا ہوا تو اطباء نے یہ طبی تجویز پیش کی کہ تھوڑی سی شراب استعمال کیجیے مرض کا ازالہ ہو جائے گا، اطباء اصرار کر رہے تھے مگر نوجوان شاہ زادے نے کہا۔

---

[۱] سلطان نور الدین جن کا نام محمود تھا ان اسلامی سلاطین میں ہیں جن سے بہ نسبت مشرق کے مغرب زیادہ واقف ہے ان کی عمر کا بیشتر حصہ یورپ کے عیسائیوں کی صلیبی لڑائیوں میں بسر ہوا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے قلعے عیسائیوں سے چھین کر مسلمانوں کے سپرد کیے۔ میدان جنگ میں سپاہیوں کے ساتھ بھی شریک ہوتے تھے۔ دو دو کمانیں اور دو دو ترکش اپنے ساتھ رکھتے تھے ایک عالم قطب المنادی کے ایک دفعہ نور الدین سے کہا کہ خدا کے لیے مسلمانوں پر آپ رحم کیجیے خود میدانِ جنگ میں جایا کیجیے خدانخواستہ آپ کام آ گئے تو مسلمانوں کا کیا انجام ہوگا۔ نور الدین نے قطب المنادی کے یہ الفاظ سن کر کہا کہ لاحول ولا قوۃ محمود کون ہے جس کے متعلق آپ یہ فرماتے ہیں، اسلامی بلاد اور مسلمانوں کی حفاظت محمود سے پہلے جو کرتا چلا آیا ہے۔ وہی قادر مقتدر اللہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ نور الدین علم و عمل میں اپنے زمانہ میں اپنی آپ نظیر تھا۔ مؤرخین اسلام بالاتفاق اس کی سوانح عمری میں اس شعر کو ضرور نقل کرتے ہیں۔

جمع الشجاعۃ والخشوع لربہ ۔۔۔ ما احسن المحراب فی المحراب

یعنی راتیں شب بیداری اور مالک سے مناجات میں ان کی گزرتی تھیں اور دن میدان جہاد میں، محراب (میدان جنگ)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

لا افعل حتیٰ اسال الفقہاء — میں فقہاء سے جب تک نہ پوچھ لوں گا یہ نہ کروں گا۔

آخر فقہاء بلائے گئے شافعی مذہب کے علماء نے بالاتفاق جواز کا فتویٰ دیا، اس نے حنفی فقہاء کو خطاب کیا، آپ لوگ کیا فرماتے ہیں۔ لکھا ہے کہ صاحب بدائع علامہ ابوبکر کاسانی مشہور حنفی امام نے بھی کہا کہ جس حال میں آپ ہیں شرعاً

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کو محراب (عبادت کی کمان) کے ساتھ یوں اس شخص نے جمع کیا تھا، فقہ خصوصاً حنفی فقہ کے مستند عالم تھے لیکن بے تعصبی کا یہ عالم تھا کہ علاوہ حنفی فقہ کے مدارس کے بیسیوں مدارس شافعی علماء کے لیے جاری کیے۔ موصل کی جامع مسجد تعمیر کرائی۔ ایک بزرگ الملا نامی کے سپرد تعمیر کا کام تھا، ملا جب حساب کا دفتر لے کر بادشاہ کے سامنے آئے تو کہا کہ اس دفتر کو دجلہ کے حوالے کیجئے حساب تو یوم الحساب کے دن پیش ہوگا۔ کتابوں میں جو یہ واقعہ ان کے متعلق نقل کیا جاتا ہے یعنی یورپ کے کسی بادشاہ نے دو عیسائیوں کو مدینہ اس لیے بھیجا تھا کہ کسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد انور تک رسائی حاصل کر کے حضور کے جسد مبارک کو نکال لائیں ان عیسائیوں نے مسلمانوں کا بھیس بدل کر مدینہ میں قیام کیا اور ایک کمرہ سے جس میں رہتے تھے سرنگ لگانی شروع کی۔ نورالدین اس زمانہ میں دمشق میں تھے خواب میں سرور کائنات صلعم کی زیارت کی دیکھا کہ ان ہی دونوں کو پکڑے ہوئے آپ فرما رہے ہیں کہ ان دونوں سے مجھے بچاؤ نورالدین بیدار ہو کر مدینہ منورہ پہنچا تحقیقات کے بعد ان عیسائیوں کو پکڑ لیا، جرم کا دونوں نے اقرار کیا۔ ص ۲۳۱ شذور۔ بعض کتابوں میں ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے بعد نورالدین پر رقت طاری ہوئی۔ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتے ہوئے گھومتا تھا اور کہتا تھا غلام کا انتخاب سرکار نے فرمایا اللھم صل علیہ وسلم نورالدین نے پھر سیسے کی دیوار زیر زمین چاروں طرف سے قائم کردی۔ بہر حال اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو ان کی ولایت میں کیا شبہ ہے۔ ۱۲۔

لہ اصل یہ ہے کہ جب تک بدل مل سکتا ہے امام ابوحنیفہ شرعی محرمات کا دواءً استعمال بھی جائز نہیں سمجھتے مگر ان کے سوا عام ائمہ فقہا حتیٰ کہ خود امام صاحب کے تلامذہ بھی دواءً استعمال کی اجازت دیتے ہیں خواہ بدل سے علاج ممکن ہو یا نہ ہو، اسی لیے شاہزادے نے امام ابوحنیفہ کی فقہ کے عالم ابوبکر کاسانی سے فتویٰ طلب کیا۔ غالباً علاج کی آخری شکل اطباء نے یہی قرار دی ہوگی یا کاسانی نے امام کے تلامذہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔ ابوبکر کاسانی ان ائمہ میں سے ہیں جن کی بیوی بھی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ لکھا ہے کہ ہر فتوے پر علامہ کی دستخط کے ساتھ ان کی بیوی بھی دستخط ثبت کرتی تھیں۔ خود بہت بڑے عالم کی صاحبزادی تھیں۔ تفصیلات دوسری کتابوں میں پڑھیے۔ ۱۲۔

Marfat.com

شراب کا استعمال آپ کے لیے جائز ہے۔ مگر پوچھ گچھ کے بعد جو بجائے خود اس عہد کے ایک شہزادے اور وہ بھی نوجوان شہزادے سے کچھ کم اعجوبہ چیز نہیں ہے سننے کی بات یہ ہے کہ شافعی و حنفی علماء کے ان فتووں کے باوجود شاہزادے نے پوچھا کہ " میری موت کی مقررہ مدت اگر ابھی ہے تو شراب پینے سے کیا وہ ٹل جائے گی؟" — اس کا جواب جو ہو سکتا ہے وہی دیا گیا یعنی قرآن جس چیز کو مؤجل قرار دے چکا ہے جس میں گھڑی بھر کے لیے بھی تقدیم و تاخیر کا کسی کو اختیار نہیں دیا گیا ہے بھلا دوا اور علاج سے کون اس کو ٹال سکتا ہے۔ شاہزادے نے اس جواب کو سن کر جو کہا حوصلہ کی بلندی، ایمانی بردوسکینت کی یہ کتنی اثر انگیز و عجیب و غریب مثال ہے! اس نے علماء کو خطاب کرتے ہوئے اپنے دل کی بات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:-

" ایسی چیز جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے استعمال کر کے خدا کی قسم میں اللہ سے ملاقات نہیں کرونگا"۔ (شذورص ۲۵۸ ج ۴)

مؤرخین نے لکھا ہے

ومات ولم یشربه رحمه الله تعالیٰ۔	شاہ زادہ اسمٰعیل مرگیا اور شراب نہیں استعمال کی، خدا کی رحمت ان پر نازل ہو۔

آپ ہی بتائیے کہ آخر مسلسل پیش آنے والے ان واقعات کی جو غزالی کے بعد اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں میں کیا توجیہہ کروں؟

سلطان صلاح الدین ایوبی پر اثر

نور الدین زنگی کے بعد صلیبی حروب کی قیادت جس عالمگیر شہرت رکھنے والے بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ آئی خود اسی کے حالات کیا کچھ حیرت انگیز نہیں؟

امام غزالی کی وفات کے ستائیس سال بعد امام صلاح الدین کی ولادت ہوئی ان کی مجاہدانہ زندگی سے تو خیر دنیا واقف ہے میں اس وقت یہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ اتنی عظیم سلطنت کے تاجدار ہونے کے باوجود ذاتی حال اس سلطان کا یہ تھا جیسا کہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وفات کے بعد ان کے ذاتی خزانہ کا جب جائزہ لیا گیا تو :-

ماخرج غیر دینار واحد صوری واربعین درهما ناصریة۔	ایک صوری اشرفی اور چالیس ناصریہ درم کے سوا اور کچھ نہ نکلا۔

ص ۲۵ ج ۱۲

حالانکہ اسی سلطان کے بھائی قراتگیں جو یمن کا حکمراں تھا اسی کے متعلق لکھا ہے کہ سونے

کو چکیوں کے پاٹ کی شکل میں ڈھلوا کر اس نے رکھ چھوڑا تھا۔[1] ایک طرف عضد الدولہ چاہتا تھا کہ روزانہ اس کے خزانہ میں دس لاکھ درم جب تک داخل نہ ہو نے لگیں گے دم نہ لوں گا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ باوجود اتنی کثیر دولت و ثروت کے عضد الدولہ ایک ایک پیسہ پر کڑی نگرانی رکھتا تھا۔ دوسری طرف صلاح الدین کا یہ حال ہے کہ اپنے خزانہ میں کچھ نہ چھوڑوں گا حالانکہ بقول ابن اثیر فاطمیوں کے مصری خزانہ کا صلاح الدین تنہا وارث ہوا تھا مگر ان ہی کی شہادت ہے اور ان سے بڑھ کر اس خاندان کے متعلق اور کس کی شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے۔ کامل میں مصری خزائن کا ذکر کر کے وہی لکھتے ہیں۔

نفرقه جميعه (ص ۳۹ ج ۱۲) سلطان نے سارے خزانہ کو تقسیم کر دیا۔

یا ایک کیفیت وہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر پر چڑھنے والے خطباء اور علماء تک بھی غیر شرعی لباس سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ علماء دین کے خچروں تک کے گلے میں طلائی طوق پڑے رہتے تھے۔ اور ایک حال صلاح الدین کا یہ ہے کہ

لم يلبس شيئاً مما ينكره الشرع — خود ایسی کوئی چیز استعمال نہ کی نہ پہنی جسے شریعت نے ناجائز ٹھیرایا ہو۔

یوسف بن عبد المومن کا حال

آخر آپ ہی بتائیے کہ اتفاق و بخت کے نیچے آدمی کہاں تک پناہ ڈھونڈے۔ لوگوں کو کیا کہئے امام غزالی کے بعد اسلام کے مغربی علاقے (مغرب اقصیٰ وغیرہ) میں موحدین کی جو حکومت دینی جاہ و جلال کے ساتھ قائم ہوئی اور کیسا جاہ و جلال؟ کہ موحدین کا دوسرا بادشاہ یوسف بن عبد المومن کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ "صحیح بخاری" اس کو زبانی یاد تھی۔ جہاد کی حدیثیں خود املا کراتا تھا۔ ساری زندگی یورپ کے عیسائی سلاطین سے اسلامی علاقوں کے واپس لینے میں اس کی گزری یوسف کے بعد اس کا بیٹا یعقوب جانشین ہوا یافعی کے الفاظ یعقوب کے متعلق یہ ہیں جن کا ترجمہ ہے۔

" لوگوں کو اس نے شریعت کے قانون کی طرف واپس کیا، حدود قائم کیے،

---

[1] شذور ۵: "سبكه وجعله مثل الطواحين"

سلطان صلاح الدین اپنی مستقل سوانح عمری رکھتے ہیں، اردو زبان میں بھی غالباً چند کتابیں ترجمہ و تالیف

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس باب میں اس نے اپنے قبیلہ اور اپنے خانوادے کے افراد کو عام لوگوں
کے برابر کر دیا۔"

آگے لکھا ہے

"شریعت کو پوری طاقت سے اس نے پکڑا تھا معروف کا حکم دیتا تھا منکرات
کو اس نے روک دیا۔ اس معاملے میں بڑا دلیر تھا کسی جھجک کے بغیر وہ ان
امور کو انجام دیتا تھا۔"

حالانکہ مغربی افریقہ کے سوا اس نے اندلس پر بھی دوبارہ اسلامی اقتدار قائم کر دیا تھا، یورپ کے سلاطین سے بڑی بڑی جہادی مہمیں اسے لڑنی پڑیں۔ بے تحاشہ دولت کا مالک تھا مگر با ایں ہمہ بالاتفاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی شکل میں ان کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ابن اثیر نے تو صرف درم ودینار کے متعلق لکھا ہے۔ ابو الفدا جو اسی خاندان سے نسبی تعلق رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ لم یخلف عقاراً ولا داراً (سلطان نے کوئی غیر منقولہ جائداد زمین وغیرہ کی شکل میں چھوڑی نہ کوئی ذاتی مکان چھوڑا) ص۸۶ ج ۳۔ وفات کا حال بھی ابو الفدا نے تفصیل سے لکھا ہے جس کا یہ جز کتنا درد انگیز ہے۔ لکھا ہے کہ آخری دفعہ سلطان شہر سے اس قافلہ کے استقبال کے لیے نکلے جو حج کر کے واپس آ رہا تھا، جب حجاج سے ملاقات ہوئی تو دیکھا گیا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، حج کی سعادت سے محرومی کے احساس نے اس کیفیت کو پیدا کیا تھا۔ واپسی پر بیمار ہوئے اور چند دن بعد وفات ہو گئی۔ ابن اثیر کے لکھا ہے کہ صلاح الدین کی وفات پر گریہ وبکا کا جو ہنگامہ برپا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا دمشق ایک شخص بن کر رو رہا ہے۔ سلطان خود عالم تھے حدیثوں کے سننے کا خاص شوق تھا، ابو الفدا کا بیان ہے کہ کل (۵۷) سال کی عمر ہوئی لیکن نماز ہمیشہ وقت پر جماعت ہی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ بندگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ دستخط کے لیے غلام نے کاغذات پیش کیے۔ سلطان فرش پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ ان کا پھیلا ہوا تھا ان کے ہاتھ پر غلام کا پاؤں پڑ گیا اور اسے خبر نہ ہوئی۔ وہ دستخط پر اصرار کر رہا تھا تب سلطان نے کہا کہ پہلے میرے ہاتھ کو تو آزادی عطا کرو۔ بے چارہ شرم سے عرق عرق ہو گیا۔ اس قسم کے بیسیوں قصے کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں۔ حلقہ حدیث کے ساتھ سلطان حلقۂ سماع میں بھی کبھی کبھی ارباب تصوف کے ساتھ شریک ہوتے اور کسی صوفی پر جب حال آ تا تو لوگ جیسا کہ رسم سے کھڑے ہو جاتے تو سلطان بھی اس کے ساتھ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک صاحب حال کا ازالہ نہ ہوتا۔ ۱۲

Marfat.com

مورخین کا بیان ہے کہ:۔

کان یلبس الصوف ویقف للمرأۃ والضعیف فیاخذ لھم حقھم من کل ظالم عنیف (صہ ۴۸۲ ج ۳ الیافعی)	بال کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتا (یعنی کمبل پوش تھا) معمولی عورت اور کسی کمزور غریب کے لیے بھی کھڑا ہو جاتا اور بڑے سے بڑی ہیکڑی دکھانے والے ظالموں سے حق دلا کر رہتا۔

اور سب سے عجیب و غریب بات جو اس کے متعلق لوگ روایت کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ زندگی کے آخری دنوں میں کہتے ہیں کہ حکومت سے دست بردار ہو کر فقیری اختیار کر لی تھی۔ مغرب سے مشرق چلا آیا اور مشرق میں بحالت گمنامی وفات ہوئی۔[1]

محمد بن تومرت کا تاثر بہر حال موحدین کی حکومت کے ان حکمرانوں کے متعلق تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ محمد بن تومرت جو اس حکومت کا حقیقی بانی تھا امام غزالی سے براہ راست متاثر ہو کر اس قسم کی دینی حکومت کے قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ محمد ابن تومرت[2] نے امام غزالی سے کہتے ہیں کہ ملاقات کی اور

فاوضہ بذات صدرہ بذلک فارادہ علیہ لما کان فیہ الاسلام	دونوں میں تبادلہ آراء ہوا امام ہی نے اس کو آمادہ کیا کیوں کہ ساری دنیا میں حکومت

---

[1] بعض کہتے ہیں کہ بحر محیط کے کنارے مغربی افریقہ کے آخری حدود پر سلا نامی مقام کے سامنے ٹھیک اسکندریہ کے نقشہ پر اس نے بڑا شہر آباد کیا جس کی سڑکیں بڑی وسیع اور کشادہ تھیں، بڑا پر فضا مقام تھا، پھر وہ مراکش واپس ہوا اور مراکش ہی میں انتقال ہوا اس نے وصیت کی تھی کہ کسی عام گزرگاہ پر اسے دفن کر دیا جائے شاید کسی راہ گیر کو رحم آ جائے اور میرے لیے دعا کرے۔ (الیافعی صہ ۴۸۲ ج ۳)

[2] موحدین کی حکومت کے ساتھ امام غزالی کے تعلق کی طرف میں نے پہلے ہی اشارہ کیا ہے۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی واسطہ اس سیاسی انقلاب کا یہی محمد بن تومرت نامی شخص تھا، مورخین نے بڑی تفصیل سے اس کے حالات لکھے ہیں۔ الذہبی کا بیان ہے کہ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ رنگ گندمی نظر میں بلا کی تیزی تھی، چہرہ پر جلال و ہیبت انگیز تھا، بہت خاموش رہتا تھا اور چال ڈھال، رنگ ڈھنگ سے عاجزی انکساری کی شعاعیں ہر وقت پھوٹتی رہتی تھیں۔ سیاسی اقتدار کے حاصل کرنے میں کامیاب ہونے کے بعد اس کی زندگی فقیرانہ ہی رہی۔ امام غزالی سے اس نے تعلیم بھی حاصل کی تھی ان سے رخصت ہو کر مکہ پھر مصر اور مصر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

یومئذٍ باقطار الارض من اختلال الدولة و تقویض ارکان السلطان الجامع للامة المقیم للملة لبعد ان ساله عمن له العصابة والقبائل التی یکون بها الاعتزاز والمنعة ونشاء بها (طبقات ص ۲۲۶ ج ۶)

کی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی نظام درہم وبرہم ہوتا چلا جارہا تھا کوئی ایسی مرکزی طاقت باقی نہ رہی تھی جس پر سارے جہان کے مسلمان جمع ہوسکتے ہوں اور ملت کو استواری حاصل ہوسکتی ہو امام غزالی نے محمد بن تومرت سے یہ دریافت کیا کہ کس قبیلہ سے اس کا تعلق ہے اور ان کی مدد سے وہ کیا کچھ کرسکتا ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہے،

مغرب جو امام غزالی کے وطن سے ہزارہا میل دُور تھا۔ جب وہاں کے انقلاب میں لوگوں کو امام غزالی کا ہاتھ نظر آتا ہے تو آخر میرے پاس اس تاثر کو بے بنیاد ٹھہرانے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ کہ جب مشرق کے ان خلفاء وسلاطین وملوک کے ان حالات میں مجھے غزالی کی روح کارفرما محسوس ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ غزالی کے بعد خلفاء ملوک وسلاطین کے ان طبقات میں غیر معمولی انقلاب کی جن موجوں کو ہم متلاطم پاتے ہیں۔ ان کے متعلق اس کا ثابت کرنا تو مشکل ہے کہ براہ راست امام کے کارندوں نے ان لوگوں کو متاثر کیا تھا بلکہ محمد بن تومرت کے ساتھ بھی امام غزالی کے جن تعلقات کا لوگ تاریخوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے براہ سمندر وہ مغرب اقصیٰ کے شہروں میں گھومتا ہوا آخر مراکش پہنچا۔ لوگ اس کے معتقد ہوئے حتیٰ کہ مرابطین کا بادشاہ بھی جس کا نام علی بن یوسف بن تاشفین تھا، پھر بڑے قصے پیش آئے۔ بالآخر تینمل نامی پہاڑ میں اپنے رفقاء کے ساتھ مقیم ہوگیا اور وہیں سے جہاد کی تیاری شروع کی۔ عبدالمومن کو اس نے امام وامیر بنایا اور مرابطون کی حکومت پر اس کی جماعت غالب آئی۔ حکومت موحدین کے نام سے محمد بن تومرت کی جماعت کی حکومت قائم ہوئی۔ یوسف یعقوب اسی حکومت کے دیندار سلاطین تھے۔ کہتے ہیں کہ کام چلانے کے لیے ابن تومرت نے اپنے آپ کو مہدی کے نام سے بھی مشہور کیا تھا۔ موحدین کی حکومت کا دینی غلو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ یعقوب نے اپنے زمانہ میں حکم دیدیا تھا کہ عدالت کے سارے فیصلے براہ راست قرآن وحدیث کی روشنی میں کیے جائیں۔ تقلید سے اس نے حکماً علماء کو روک دیا تھا۔ اسی زمانہ میں بعض ظاہری علماء پیدا ہوئے۔ شیخ محی الدین بن عربی بھی فروعاً ظاہری تھے اور یعقوب ہی کے زمانہ میں تھے ۱۲۔

Marfat.com

ہیں تذکرہ جن الفاظ میں کرتے ہیں ان سے عام تاریخی یقین کا پیدا ہونا بھی دشوار ہے اور ذکر بھی اس واقعہ کا اتنا سرسری طور پر دوسرے واقعات کے تذکرہ کے ضمن میں کر دیا گیا ہے کہ عوام ہی نہیں خواص تک کو بھی اس کی خبر نہ پہنچ سکی، امام غزالی کے مستقل سوانح نگاروں کی بھی توجہ جب اس کی طرف نہ ہوئی تو عوام بیچاروں کی رسائی وہاں تک کیسے ہو سکتی ہے۔

اسی لیے میرا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ امام کی عملاً ارادی کوششوں سے ان نتیجوں کو میں وابستہ کرتا ہوں بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ غزالی کے دل سے ایک آواز نکلی تھی ان کے سامنے یہ قطعاً نہ تھا کہ کس کو سنا رہے ہیں خلفاء کو، یا سلاطین کو، امراء کو یا وزراء کو، عوام کو یا خواص کو بس وہ صرف سنانا چاہتے تھے اور امید قائم کی ہوگی کہ سننے کی جس میں صلاحیت ہوگی اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس کو سنے گا۔ اور فائدہ اٹھائے گا اور یہی واقعہ پیش بھی آیا۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ غزالی کے بعد ایک بڑا طبقہ ملوک و امراء بلکہ علماء و فقہاء تک ہیں ایسا بھی پایا گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ غزالی کی تلقین ان کے لیے مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ کتابوں کی آواز بازگشت یقیناً ان کے کانوں میں بھی گونجی ہوگی جیسے دوسروں کے کانوں سے وہ ٹکرائی مگر بجائے دل کے ان سینوں میں پتھر تھے جو کچھ اس سے ٹکراتا تھا واپس ہو جاتا تھا۔

وزیر ابن ہبیرہ کے اقوال عالیہ

مگر اسی کے مقابلہ میں اثر پذیر قلوب بھی تھے۔ آپ کے سامنے اب تک تو صرف ان خلفاء اور ملوک ہی کی مثالیں گزری ہیں جو یکے بعد دیگرے مشرق و مغرب میں غزالی کے بعد نمایاں ہوتے رہے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا غزالی کے سامنے کوئی خاص طبقہ نہ تھا۔ سارے مسلمانوں کے لیے ان کا خطاب عام تھا۔ ذرا خلافت و سلطنت کے بلند زینوں سے نیچے اتر کر دیکھئے یہ اسی مقتفی باللہ کے وزیر ابن ہبیرہ ہیں۔ امام غزالی کی وفات کے کل (۳۰) سال بعد خلافت عباسیہ کے وزیر مطلق کے عہدے پر سرفراز ہوتے ہیں۔ نام تو ان کا یحییٰ تھا، ہبیرہ جو ان کے دادا تھے ان ہی کی طرف منسوب ہو کر ابن ہبیرہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ بارگاہ خلافت سے جیسا کہ اس زمانہ میں عام دستور ہو گیا تھا طویل عریض القاب ارکان حکومت کے نام کے آگے پیچھے لگائے جاتے تھے ابن ہبیرہ کو بھی وزیر العالم، العادل، عون الدین، جلال الاسلام صفی الامام، شرف الانام، معز الدولہ، عماد الامۃ، مصطفی الخلافت، تاج الملوک والسلاطین صدر الشرق والغرب، سید الوزراء کا لمبا چوڑا خطاب ملا تھا، مگر جو حالات کتابوں میں ان کے ملتے ہیں ان کو دیکھ کر یہی خیال

Marfat.com

گزرتا ہے کہ خود ابن ہبیرہ کے قلب میں نہ ان الفاظ کا کوئی وزن تھا اور نہ اس عہدے پر سرفرازی کے بعد آدمی جس جاہی، و مالی اقتدار کا مالک ہو جاتا تھا۔ اس اقتدار کی وقعت و قیمت بھی ان کی نگاہ میں پرِ پشہ سے زیادہ نہ تھی۔

ابن جوزی ابن ہبیرہ کے صرف دیکھنے والے ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے حلقۂ درس حدیث میں بیٹھنے والوں میں سے ایک ہیں۔ بڑی تفصیل سے عباسی خلافت کی اس عجیب و غریب شخصیت کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے[1] حالت یہ تھی کہ وزارت پر سرفراز ہونے کے بعد "الافصاح" نامی کتاب جو خود ابن ہبیرہ کی تصنیف ہے اور صحاح ستہ کی حدیثوں کی شرح انتہائی تدقیق و تحقیق سے اس میں کی گئی ہے اسی کا درس ایک دن ابن ہبیرہ دے رہے تھے، ایک مالکی مذہب کے فقیہہ نے خواہ مخواہ ایک مسئلہ میں الجھنا شروع کیا، علماء کا حلقہ تھا، ہر ایک فقیہہ کو سمجھاتا تھا فن کی معتبر کتابیں لا لا کر دکھلائی جا رہی تھیں مگر مرغی کی ایک ٹانگ پر ملا

---

[1] ابن ہبیرہ مستحق ہیں کہ ان کی مستقل سوانح عمری مرتب کی جائے۔ عراق کے دیہاتی علاقے کے باشندے تھے۔ ابتداء جوانی میں بغداد چلے آئے اور طلب علم میں مشغول ہوئے۔ یہ زمانہ بڑی تکلیف میں گزرا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ وزارت عظمیٰ کے اس عہدے پر پہنچنے کے بعد بھی غربت کے ایام کے قصے سنایا کرتے تھے۔ شروع میں کافی مجاہدہ اور ریاضت میں بھی مشغول رہے۔ الزبیدی ان کے پیر تھے اونٹ پر بیٹھ کر شہر کا دورہ کرتے اور شتربانوں کی طرح ابن ہبیرہ ان کے اونٹ کی نکیل پکڑے پکڑے آگے آگے چلتے جہاں اترنا ہوتا ابن ہبیرہ زور سے لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ یحییٰ و یمیت و ہو حی لا یموت بیدہ الخیر و ہو علیٰ کل شئی قدیر پڑھتے۔ پھر حکومت کی ملازمت میں شریک ہوئے۔ خزانہ کی افسری تک ترقی کرنے کے بعد دیوان خاص کی ولایت سپرد ہوئی بالآخر مقتفی نے وزیر اعظم اپنا بنالیا۔ اس کے بعد بھی آخر دم تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ یہ قصہ بھی ابن جوزی نے براہ راست ابن ہبیرہ سے نقل کیا ہے حلقۂ درس میں ایک دن کہنے لگے کہ وزارت کے اس عہدے پر اپنے آپ کو پاکر تعجب کر رہا ہوں اور افسوس ہوتا ہے کہ کس حال سے منتقل ہو کر میں کہاں چلا آیا۔ کہتے تھے کہ میرے گاؤں کی مسجد میں کھجور کا بڑا تناور درخت تھا، سالانہ اس میں پانسو سیر سے کم کھجور حاصل نہیں ہوتے تھے، ہم اپنے بھائی محب الدین سے کہتے تھے کہ بس اسی مسجد میں ہم دونوں قیام کریں! اور ساری زندگی یادِ خدا میں گزار دیں۔ اس درخت کا پھل سالانہ خوراک کے لیے ہم دونوں کے واسطے کافی ہوگا۔ اور آج یہ حال ہے کہ میرے لیے وزارت کی آمدنی بھی کافی نہیں۔ یہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ وزیر پر کبھی فرض نہیں ہوئی۔ سب خرچ ہو جاتی تھی۔ دلدادگی کا یہ حال تھا کہ درس کی بھری مجلس میں اعتراف کر لیتے کہ فلاں لفظ یا عبارت کا مطلب مجھے نہیں معلوم ہے اور دلچسپ حالات کا لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ (منتظم ابن جوزی ج ۱۰ ص ۲۱۶)

Marfat.com

کا اصرار برابر جاری رہا۔ قدرتاً ابن ہبیرہ کو اس اصرار بے جا پر غصہ آگیا اور زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکل گیا۔

بھیمۃ انت اما تسمع ھؤلاء لیشھدون والکتب المصنفۃ وانت تنازع وتفرق المجلس (ص۱۹۳ شذرات ج ۴)

تم جانور ہو، کیا نہیں سن رہے ہو یہ لوگ کس بات کی شہادت دے رہے ہیں اور کتابوں سے کیا معلوم ہوتا ہے مگر تم ہو کہ جھگڑتے ہی چلے جاتے ہو۔ اور مجلس میں گڑبڑ پیدا کر رہے ہو۔

کہنے کو تو ابن ہبیرہ نے اس وقت ان کو بہیمہ (جانور) کہہ دیا لیکن اس کے بعد ان کے شریف نفس میں ذمہ داری کا احساس جب بیدار ہوا تو پھر کس حال میں وہ مبتلا ہوئے یہی سننے کی بات ہے۔ لکھا ہے کہ اس دن کی مجلس تو ختم ہو گئی دوسری مجلس میں جب لوگ جمع ہوئے اور قاری نے قرأت کرنی چاہی تو ابن ہبیرہ نے اس کو روک دیا اور مالکی فقیہہ کی طرف خطاب کر کے کہنا شروع کیا کل آپ کے اصرار بے جا نے خواہ مخواہ ایک ایسے لفظ کو میری زبان پر جاری کر دیا کہ جب تک اسی لفظ سے آپ مجھے مخاطب نہ کریں گے سبق شروع نہیں ہو سکتا، کہہ رہے تھے " آخر آپ کو بہیمہ کہنے کا مجھے کیا حق حاصل تھا؟ میں اپنے اندر کوئی ترجیحی وجہ نہیں پاتا مجلس سناٹے میں آگئی خلافت عباسیہ کا وزیر اعظم الحاح و زاری کے ساتھ معمولی مولوی کے سامنے قصور کا اعتراف کر کے یہ استدعا کر رہا ہے کہ مجھے "بہیمہ" یعنی جانور آپ جب تک نہ کہیں گے میرے دل کو اطمینان نہیں ہوگا، بیان کیا گیا ہے کہ اہل مجلس پر رقت طاری ہو گئی لوگ رونے لگے مالکی فقیہہ بھی حد سے زیادہ شرمندہ تھا وزیر سے کہہ رہا تھا کہ قصور تو میرا تھا مجھے معذرت پیش کرنی چاہیئے مگر ابن ہبیرہ چلا چلا کر القصاص القصاص بدلہ بدلہ کے لفظ دہراتے چلے جاتے تھے آخر چند لوگ آگے بڑھے اور عرض کیا کہ ہم لوگوں کی رائے ہے کہ مالکی فقیہہ کو آپ مالی شکل میں کچھ معاوضہ ادا کر دیں مگر فقیہہ کو اس سے بھی انکار تھا، لوگوں کے سمجھانے بجھانے سے سو اشرفیوں کے لینے پر بیچارہ آمادہ ہو گیا، اور یوں بات رفع دفع ہوئی۔ پورے قصے کا ذکر ابن عماد نے شذرہ میں کیا ہے[۱] اسی میں یہ بھی ہے کہ دعوتوں کا ابن ہبیرہ کو خاص ذوق تھا جن میں زیادہ تر فقرا اور معذور

---

[۱] ابن جوزی نے اس قصے کو نقل کرتے ہوئے بجائے "بہیمہ" کے لکھا ہے کہ مالکی فقیہہ کو ابن ہبیرہ نے "حمار" گدھا کہہ دیا تھا اسی لیے اقرار کرتے تھے کہ جب تک بھری مجلس میں مجھے بھی تم "گدھا" نہ کہو گے میرے دل کی بے کلی نہ مٹے گی۔ ۱۲

Marfat.com

لوگ مثلاً اندھے لنگڑے لولے طلب کیے جاتے تھے، وزیر سب کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتا اور کھانا کھاتا، ایک دن یہ لطیفہ پیش آیا کہ مہانوں میں ایک اندھا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چیخنے لگا کہ میرا سب کچھ چلا گیا اب کہاں سے لاؤں گا پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا جوتا چوری گیا، ابن ہبیرہ چپ چاپ اس کے پاس آئے اور اپنی جوتیوں کو اندھے کے پاؤں کے پاس رکھ کر کہا کہ دیکھو یہ تمہارا جوتا ہے؟ پاؤں ڈال کر بولا ہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہی ہے۔ وزیر نے کہا کہ اب مت چلاؤ شور نہ کرو، تمہارا جوتا مل گیا۔ بیچارہ خوش خوش روانہ ہو گیا جب چلا گیا تب وزیر نے اہل مجلس سے کہا کہ

" میں ڈر رہا تھا کہ بڑے میاں کہیں مجھے ہی چور قرار نہ دے بیٹھیں۔ غنیمت ہے کہ اس کا خیال ان کو نہ آیا۔" (شذور ص ۱۹۶)

حدیث نبوی کے احترام کے سلسلے میں لوگوں نے لکھا ہے کہ افصاح پڑھا رہے تھے کہ وزیر کے زنانخانے سے گریہ و بکا کی آواز بلند ہوئی کتاب بند کر کے اندر گئے تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور حکم دیا کہ درس جاری رہے۔ جب درس ختم ہوا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا قصہ تھا تب انہوں نے خبر دی میرے ایک بچے کا انتقال ہو گیا۔ یہ شور و ہنگامہ اسی لیے برپا ہوا تھا۔ آخر میں مجلس سے وہ کہہ رہے تھے:۔

لولا تعین الامر علیّ بالمعروف فی الانکار علیھم ذلک الصیاح لما قمت عن مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	عورتوں کی چیخ پکار کا روکنا اگر میرے فرائض میں نہ ہوتا تو میں رسول اللہ کی مجلس سے اٹھ کر میں کبھی اندر نہ جاتا۔

(شذور ص ۱۵۵ ج ۴)

طالب العلمی کے زمانہ میں کسی سپاہی نے جب سڑک پر جا رہے تھے پھل کے ایک ٹوکرے کے اٹھانے کا حکم دیا تھا انکار کرنے پر بے چارے کو مارا اور ایک تھپڑ اس زور سے رسید کیا کہ ابن ہبیرہ کی داہنی آنکھ کی روشنی جاتی رہی لیکن زندگی بھر اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا، اتفاقاً وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں بجرم قتل وہی شخص گرفتار ہو کر ابن ہبیرہ کے سامنے لایا گیا۔ انہوں نے خوں بہا ادا کر کے خون کے مدعیوں کو روانہ کر دیا اور اس کو بھی پچاس اشرفیاں دے کر رخصت کیا۔ لوگوں نے اس غیر معمولی سلوک کی وجہ پوچھی تب کہا کہ میری داہنی آنکھ کی روشنی غائب ہے غالباً اس کا علم آپ لوگوں کو نہ ہوگا، قتل کے اسی مجرم کی کرتوت کا نتیجہ ہے پھر قصہ سنایا۔ آخر میں بولے کہ بدی کا بدلہ نیکی سے دینا چاہیے اس پر عمل کرنے

Marfat.com

کے بیٹے دل بے چین ہوگیا۔ اسی لیے اس کے ساتھ ہیں نے یہ خصوصی برتاؤ کیا (ص۱۹۴) میں کہاں تک بیان کروں نمونے کے لیے یہی چند واقعات کافی ہیں۔

قاضی فاضل کے احوال

غزالی کے بعد وزراء کے طبقہ میں بھی ابن ہبیرہ تنہا نظر نہیں آتے بلکہ ان کی کافی تعداد پائی جاتی ہے کم ازکم سلطان صلاح الدین کے وزیر باتدبیر قاضی فاضل سے کون ناواقف ہے۔ ابن عماد نے شذرات میں لکھا ہے کہ وہ قرآن کے حافظ تھے اور سارے علوم میں دستگاہ رکھتے تھے آخر میں اس کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

كان نزها عفيفا نظيفا قليل اللذات كثير الحسنات دائم التهجد ملازم القرآن والاشتغال بعلوم الادب (ص۳۲۵ ج۴)	بڑے پاکباز، پارسا، باصفا بزرگ تھے، لذتوں کا حصہ ان کی زندگی میں بہت کم تھا نیکیوں اور بھلائیوں کی ان کے یاں کثرت تھی، تہجد کے پابند تھے اور قرآن کے ساتھ لزومی وابستگی رکھتے تھے نیز ادبی علوم میں مشغول رہتے۔

ذرا خیال تو کیجئے جس شخص کی مالی حالت یہ ہو کہ علاوہ وزارت عظمیٰ کی تنخواہ کے ہندوستان[1] و مغرب میں وسیع پیمانہ پر تجارتی کاروبار اس کے پھیلے ہوئے ہوں جاگیروں کا حال یہ تھا کہ صرف ایک گاؤں ترنجہ

---

[1] ابن عماد نے لکھا ہے کہ " التجارات بین الهند والمغرب " ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھا اپنے وقت کے زبردست منشی تھے صلاح الدین کے زمانہ میں اور اس کے بعد ان کے مراسلات جو عربی زبان میں تھے ان کی ضخامت سو جلدوں تک پہنچ گئی تھی کتابوں سے عشق تھا عبداللطیف بغدادی ان کا معاصر مورخ ہے ان کے کتب خانہ کے ملازم کی زبانی یہ روایت درج کی ہے کہ دو لاکھ چودہ ہزار تک کتابوں کی تعداد پہنچ گئی تھی۔ ایک ایک کتاب کے متعدد نسخے مختلف خصوصیتوں کی وجہ سے خرید اکرتے۔ حماسہ پڑھنے کے لیے ان کے صاحبزادے کو ضرورت ہوئی کتب خانہ سے ۳۵ نسخے نکال کر قاضی کے سامنے پیش ہوئے ہر ایک کو دیکھتے جاتے اور کہتے جاتے کہ یہ فلاں خطاط کا خط ہے۔ بچوں کے مناسب نہیں۔ آخر حکم دیا کہ بازار سے نیا نسخہ خرید کر دیا جائے ان کے حالات پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے ان کا اصلی نام عبدالرحیم تھا بیسان سے وطنی تعلق تھا لکھا ہے کہ یہ تین بھائی تھے جن میں دو صاحب یعنی قاضی فاضل اور دوسرے بھائی کو کتابوں کی " ہوبی " (یعنی شغل) تھی اور تیسرے بھائی کو مہروں مٹی کے برتنوں ٹھیکریوں کی مختلف قسموں کے جمع کرنے کا خبط تھا۔ قاضی فاضل ذرا کم رو آدمی تھے اور کوزہ پشتی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

نامی سے ابن عماد نے لکھا ہے کہ

تعمل اثنی عشر الف دینار (ص ج ۴) بارہ ہزار اشرفیاں آمدنی ہوتی تھیں۔

مگر اس ساری آمدنی میں قاضی فاضل کا ذاتی حصہ کتنا تھا لکھا ہے:۔

کان لباسہ لا یساوی دینارین — دو اشرفی سے زیادہ قیمت اس لباس کی نہ ہوتی تھی جو قاضی پہنتے تھے۔

سواری جب نکلتی تو ایک غلام کے سوا کوئی ساتھ نہ ہوتا۔

کان یکثر زیارۃ القبور و تشییع الجنائز ولیعود المرضی و کان لہ صدقات و معروف کثیر فی الباطن (ص ۳۲۵) — قبروں کی زیارت کا خاص شوق تھا اور جنازے کے ساتھ جانے کا، بیماروں کی عیادت کا، نیز پوشیدہ طور پر بکثرت خیر و خیرات کیا کرتے تھے

کیسی عجیب بات ہے جس زمانہ کے علماء دین بھی موکب میں نکلتے تھے آگے آگے ان کے غاشیہ بردار چلتے تھے نقیب کڑکتا جاتا تھا کہ ہٹ جاؤ ملک العلماء یعنی علماء کے بادشاہ کی سواری آرہی ہے۔ نحویوں کے بادشاہ یعنی ملک النحاۃ کے لفظ سے جو خطاب نہ کرتا جس زمانہ کے مولوی اس سے بگڑ جاتے تھے اسی میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابن ہبیرہ ایک معمولی مالکی فقیہ سے کہہ رہا ہے۔

لست بخیر منکم ولا انا الا کاحد کم (شذور ص ۱۹۳ ج ۴) — تم میں کسی سے میں زیادہ اچھا نہیں ہوں، میں تم ہی لوگوں میں سے ایک معمولی آدمی ہوں۔

یا قاضی فاضل ایک غلام کے سوا باہر نکلنے میں کسی کو اپنے آگے پیچھے نہیں رکھتے تھے۔ علماء تک کا حال جس زمانہ میں یہ تھا کہ بڑے بڑے قاضی اور مفتی ریشمین لباس سے پرہیز نہیں کرتے تھے لیکن اسی زمانہ میں ابن ہبیرہ مقتفی کے سامنے یہ درخواست کرتے ہیں کہ:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا عیب ان میں پایا جاتا تھا لیکن صلاح الدین نہ صرف ان کے علم بلکہ للٰہیت کا معتقد تھا ایک دن غسل خانے میں گرم پانی رکھنے کا حکم دیا۔ ان کی صاحبزادی خبر دینے گئی کہ پانی تیار ہے قاضی صاحب کو دیکھا کہ خاموش بیٹھے ہیں ڈرتے ڈرتے آگے بڑھی دیکھا کہ ختم ہو چکے ہیں۔ (ص ۳۲۶ شذور)

Marfat.com

"میں حریر کا لباس استعمال نہیں کروں گا۔"

لکھا ہے کہ خلیفہ کو بالکلیہ مایوس کر دینے کے لیے

حلف ان لا یلبسھا (شذرات ص۱۹۱ ج۴) ابن ہبیرہ نے قسم کھائی تھی کہ میں اس کپڑے کو ہرگز نہ پہنوں گا۔

یا قاضی فاضل جیسا کہ لکھا ہے:۔

ثیابہ البیاض سفید سوتی کپڑے ہی ان کا لباس تھا۔

اور سچ تو یہ ہے کہ جب ان کے سلطان صلاح الدین نے ہی ریشم اور غیر شرعی لباس کو ہاتھ نہ لگایا تو قاضی فاضل کے اس طرز عمل پر کیوں تعجب کیجئے۔

Marfat.com

علمائے دین پر انقلابی اثرات

اور اس میں شک نہیں کہ علمائے دین میں اب بھی ایسی ہستیاں پائی جاتی تھیں جن کی زندگی شرعی حدود سے ہٹی ہوئی تھی۔ لیکن جیسے آپ خلفاء و ملوک امراء و وزراء میں امام غزالی کے بعد ایک غیر معمولی انقلاب کو پا رہے ہیں دینی نمائندوں کا طبقہ بھی اس انقلاب سے کافی متاثر نظر آتا ہے۔

عبد الرحمن بن ابی الفتح

یا ایک زمانہ تھا کہ علوم سے فارغ ہونے کے بعد عام دستور تھا کہ سلاطین اور امراء و وزراء کی درباداریوں میں مولویوں کا عام وقت صرف ہوتا تھا تا آنکہ قضا احتساب و افتاء یا اسی قسم کے خدمات کے حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو جاتے تھے یا ہم غزالی کے بعد پاتے ہیں کہ بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں سرکاری خدمات سے سخت کارہ اور متنفر ہیں ایک بڑا گروہ ان ہی کا اپنی پیشانی کے پسینے سے روٹی کمانے کی کوششوں میں مشغول ہے۔ علامہ عبد الرحمن بن ابی الفتح جن کی وفات غزالی کی وفات سے چالیس سال بعد ہوئی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر اکتالیس جلدوں میں ان کی تالیف ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ معاش کے لیے

کان یتجر فی الخل ویقتنع به (شذور صفحہ ۱۴۴ ج ۴) سرکہ کی تجارت کرتے تھے اور اسی تجارت کی آمدنی پر قانع تھے۔

حکیم النہروانی

ان ہی کے ہم عصر ابو حکیم النہروانی ہیں بڑے زبردست مدرس تھے۔ بغداد کے باب الازج میں ان کا ذاتی مدرسہ تھا، اسی سے ان کے علم و فضل کا اندازہ کیجیے کہ ابن جوزی جیسے حضرات ان کے شاگردوں میں ہیں۔ ابن جوزی کا بیان ہے:

قرأت علیه القرآن والمذهب والفرائض (صفحہ ۱۴۶ ج ۴ شذور) میں نے ابو حکیم نہروانی سے قرآن اور مذہب کی کتابیں اور علم فرائض کی تعلیم حاصل کی۔

مگر بایں ہمہ ابن جوزی ہی کا بیان ہے کہ ان کی آمدنی کا ذریعہ خیاطی تھا۔ اور کیسی خیاطی، ابن جوزی

Marfat.com

کے الفاظ ہیں کہ :-

کان یکسب بیدہ واذا خاط ثوبا فاعطی الاجرۃ مثلاً قیراطا اخذ منہ حبۃ ونصفا ورد الباقی وقال خیاطتی لا تساوی اکثر من ھذہ ولا یقبل من احد شیئًا (ص ۱۲۶)

اپنے ہاتھ سے کماتے تھے قاعدہ تھا کہ جب کوئی کپڑا سیتے اور اس کی اجرت مثلاً ایک قیراط دینے والا دیتا تو اس سے ایک پیسہ اور نصف لے لیتے پھر کہتے کہ میری سلائی کی اجرت اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کسی سے کچھ نہیں لیتے۔

شیخ محمد بن عبدویہ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ابن رجب نے لکھا ہے کہ نو جلدوں میں ہدایہ کی شرح لکھی جو پوری کتاب کی شرح نہیں ہے البتہ حکومت کی دست نگری ایسا معلوم ہوتا ہے ایک بڑے طبقہ کی نظر میں عار بن گئی تھی۔ اور بجائے اس کے دستکاری صنعت و حرفت تجارت وغیرہ معاشی ذرائع کی طرف لوگوں کی زیادہ توجہ ہو گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں بعضوں کی تجارت نے تو غیر معمولی فروغ حاصل کیا تھا، امام غزالی کی وفات کے کل دس سال بعد جزیرہ کمران میں شیخ محمد بن عبدویہ کی وفات ہوئی۔ بغداد سے شیخ ابو اسحاق شیرازی کی مشہور کتاب مہذب یمن میں پہلی دفعہ یہی صاحب لے گئے۔ بہر حال معاشی زندگی کے لیے کہنا یہ ہے کہ شیخ محمدؒ نے تجارت کا کاروبار شروع کیا لکھا ہے کہ آخر زمانہ میں

کان عبیدہ یسافرون الی الحبشہ والھند ومکۃ وعدن للتجارۃ فاخلفہ اللہ مالا (شذور ص ۴۳ ج ۴)

ان کے غلام حبشہ، ہندوستان، مکہ، عدن وغیرہ کے سفر میں گھومتے رہتے تھے کافی مال اس راہ سے ان کے پاس جمع ہوا۔

لیکن پھر ساری دولت جیسا کہ ابن عماد نے نقل کیا ہے ان طلبا، پر خرچ ہوتی تھی جو دور دور سے ان کے پاس پڑھنے کے لیے آتے تھے اور خود ان کی غذا یہ تھی کہ

لا یاکل الا رزیاتی من بلاد الھند[1] (ص ۴۷)

نہیں کھاتے تھے مگر ایک خاص قسم کا چاول جو ہندوستان سے برآمد ہوتا تھا۔

---

[1] جزیرہ کامران میں کہتے ہیں کہ شیخ کا مزار اس وقت تک زیارت گاہِ عوام ہے علاوہ علوم ظاہری کے باطنی دولت (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

محمد بن عبد الباقی

اس سلسلہ میں علماء دین ہی کے طبقہ کے ایک بزرگ کی بیدار ضمیری کا واقعہ عجیب وغریب ہے۔ ان کی وفات امام غزالی کی وفات سے تیس سال بعد ہوئی ہے۔ ابن عماد نے مشہور ثقہ وامام علامہ ابن رجب حنبلی کے حوالہ سے یہ واقعہ اگر نقل نہ کیا ہوتا تو میرے لیے سچی بات یہ ہے کہ واقعہ کا باور کرنا آسان نہ تھا۔

یہ ایک حنبلی امام کا واقعہ ہے جن کا نام محمد بن عبد الباقی تھا البزاز کے نام سے مشہور تھے۔ غالباً کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اسی لیے یہ خطاب ان کا مشہور ہوا اپنے وقت کے مستند علماء میں ان کا شمار تھا۔ مسند العراق سمجھے جاتے تھے۔ بڑے بڑے اساتذہ مثلاً قاضی ابو یعلیٰ علامہ ابو الطیب الطبری، ابو محمد الجوہری وغیرہ کے مختلف علوم وفنون میں شاگرد تھے۔ دینی علوم فقہ وحدیث وتفسیر کے سوا ہندسہ وحساب جبر ومقابلہ میں بھی کمال تھا۔ علمی شوق ہی کا نتیجہ تھا کہ ایک دفعہ رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ڈیڑھ سال جیل خانہ میں رہنا پڑا خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ:-

> "جیل میں ایک معلم بھی آیا کرتا تھا (غالباً محافظین جیل کے بچوں کو پڑھایا کرتا تھا اور رومی حروف بھی سکھاتا تھا میں نے اس موقعہ کو غنیمت خیال کر کے اسی سے رومی خط سیکھ لیا۔"

بہر حال اسلام کی علمی ودینی تاریخ میں ان کا نام نمایاں ہے۔ ابن جوزی نے منتظم میں ان کا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ذکر کیا ہے کہ میں نے بھی ان سے استفادہ کیا۔

بہر حال میری غرض یہاں اس قصہ کا تذکرہ ہے جس کا ذکر ابن رجب نے اپنے طبقات میں کیا ہے۔ قصہ کو خود ان ہی علامہ محمد بن عبد الباقی البزاز سے ابن ابی الفوارس نے سنا تھا کہتے تھے کہ میں مکہ میں مجاور تھا اتفاقاً ایک دن یہ صورت پیش آئی کہ کھانے کے لیے میرے پاس کچھ نہ تھا بھوک سے حالت بہت زیادہ نڈھال ہوتی چلی جا رہی تھی، اسی حال میں جا رہا تھا کہ سامنے ایک بٹوہ جو راستہ میں پڑا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے حصہ وافر ان کو ملا تھا آخر عمر میں موتیا بند کی وجہ سے بینائی جاتی رہی۔ لوگوں نے قدح کا مشورہ دیا جواب میں چند اشعار سنائے جن کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جس حال میں رکھا ہے اسی کے ساتھ راضی رہنا زیادہ بہتر ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چند دن بعد خود بخود روشنی آ گئی۔ (ص ۲۶ ج ۴)

Marfat.com

تھا اس پر میری نظر پڑی میں نے اُسے اٹھا لیا۔ یہ ریشم کا بٹوہ تھا اور ریشم ہی کی ڈور سے بندھا ہوا تھا گھر لا کر میں نے جب اس کو کھولا تو دیکھا کہ موتیوں کا ایک مالا اس میں رکھا ہوا تھا۔ یہ ایسے موتی تھے کہ کم از کم میں نے زندگی بھر ان جیسے موتی نہ دیکھے تھے۔ میں نے اسی حال میں اس کو رکھ دیا اور گھر سے باہر نکلا سامنے دیکھا کہ ایک شخص پکار رہا ہے، ہاتھ میں اس کے رومال تھا جس میں کچھ بندھا ہوا تھا کہہ رہا تھا کہ میرا بٹوہ جس میں موتیوں کا ہار تھا گم ہو گیا ہے جو صاحب اس کا پتہ دیں گے ان کو یہ پانسو اشرفیاں جو تھیلی میں بندھی ہوئی ہیں اسی وقت انعام میں دوں گا۔ یہ دیکھ کر میں نے بڑے میاں کو بلایا اور ساتھ لے کر گھر پہنچا، بٹوہ کے ڈورے اور کپڑے کی حالت موتیوں کی تعداد وغیرہ دریافت کی اس نے جو کچھ بتایا اسی بٹوے اور ہار میں ساری علامتیں پائی جاتی تھیں۔ تب میں نے نکال کر اس کے حوالے کیا۔ بڑا ممنون ہوا اور حسب وعدہ پانچ سو اشرفیاں مجھے دینے لگا، اس وقت بڑی کم ہمتی سی معلوم ہوئی کہ اس عمل کا اس سے معاوضہ لوں۔ میں نے شکریہ کے ساتھ اشرفیاں واپس کر دیں مگر وہ اصرار کرنے لگا بات بہت دیر تک ہوتی رہی، آخر بے چارہ تنگ آ کر چلا گیا میں نے اس سے کچھ نہ لیا۔

یہاں تک تو خیر معمولی قصہ ہے شیخ کا بیان ہے کہ پھر کچھ دن گزرے میں مکہ سے روانہ ہوا جہاز میں سوار ہو کر سفر کر رہا تھا کہ اچانک طوفانی ہوا کا زور بندھا جہاز کے ٹکڑے اڑ گئے۔ مسافر سب ڈوب مرے صرف کسی تختہ پر بیٹھ کر میں سمندر کے کنارے قریب کے ایک جزیرے کے ساحل تک پہنچ گیا۔

اب یہیں سے اصل عبرت انگیز داستان شروع ہوتی ہے قدرت کی کارفرمائیوں پر تعجب ہوتا ہے شیخ نے دیانت و امانت کے حقوق ادا کیے تھے چاہتے تو موتیوں کے اس ہار کو دبا بیٹھتے سیکڑوں فقہی حیلوں سے اسے جائز بھی ٹھہرا سکتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عمل حق تعالیٰ کو بہت پسند آیا اور گو دنیا دار الجزا نہیں ہے لیکن اہل ایمان کی تسلی و اطمینان کے لیے کبھی کبھی اسی زندگی میں بھی اعمال کی جزائی شکلوں کا ظہور ہو جاتا ہے[1] یہی صورت شیخ کے ساتھ پیش آئی ہے کہتے تھے کہ اس جزیرے میں لوگ آباد تھے ان

---

[1] شیخ کے سامنے تو ان کی نیکی جو صرف خدا کی نگرانی کے زندہ احساس ہی سے پیدا ہو سکتی تھی جس کی شکل سامنے آئی اس کا حال تو آپ آگے پڑھیں گے لیکن اس کے بالمقابل برائی نے برائی کرنے والے کا گلا اسی زندگی میں اسی وقت پکڑ لیا جس وقت اس کا ظہور ہوا تھا۔ اس کی ایک مثال کا ذکر ہمارے حب صمیم حضرت امجد حیدر آبادی حکیم الشعراء نے اپنی سوانح عمری (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ہی کے پاس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ سب مسلمان ہیں ایک مسجد پر نظر پڑی وہیں جاکر ٹھہر گیا۔ نمازی نماز کے لیے آئے تو مجھ سے حال دریافت کیا جو گزری تھی بیان کیا، لوگ مجھ سے مانوس ہو گئے ان پر جب یہ واضح ہوا کہ میں قرآن پڑھا ہوا ہوں اور پڑھا سکتا ہوں تو لوگ مجھ سے قرآن پڑھنے کے لیے آنے لگے۔ اسی عرصہ میں ان کو معلوم ہوا کہ پڑھنے کے سوا قرآن لکھ بھی سکتا ہوں تب تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور اپنے اپنے بچوں کو لے کر میرے پاس آئے کہ ان کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔ لڑکوں کے ساتھ نوجوان بھی مجھ سے پڑھنے لگے اور اب میں ہی ان لوگوں کا مرجع وہادی بن گیا۔ کافی مالی امداد بھی ان لوگوں سے مجھے ملتی رہی۔ آخر میں ان کی دلچسپیاں میرے ساتھ اس درجہ بڑھ گئیں کہ مجھے متاہل کرکے اپنے ہی پاس رکھ لینے کا فیصلہ ان لوگوں نے کیا۔ میرے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے یہاں ایک مالدار یتیم لڑکی ہے جس کا عقد ہم کسی اچھے آدمی سے کرنا چاہتے ہیں۔ تم سے بہتر شوہر اس لڑکی کے لیے کون ہو سکتا ہے اس لیے ہم سب کی متفقہ رائے ہے کہ اس لڑکی سے تم نکاح کرلو۔ ردوکد کے بعد شیخ کو بالآخر لوگوں کی اس درخواست کو قبول کر لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ عقد ہو گیا جب خلوت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) میں کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ والد کے سائے سے محروم ہونے کے بعد اپنی اکیلی ماں کے ساتھ جس زمانہ میں یتیمی کے دن اسی حیدرآباد میں گزار رہے تھے عمر آٹھ نو سال کی ہوگی پانی برسا اور ان کی ماں کا کچا مکان اس سے متاثر ہوا۔ سامنے ایک امیر کی حویلی تھی، حویلی کے احاطہ کے قریب جو میدان تھا اس سے چند دفعہ کیچڑ اٹھا کر اپنے مکان کی کچی دیوار پر تھوپا اس عرصہ میں امیر کے کسی ملازم کی نظر پڑی مٹی اٹھانے سے روک بھی دیا اور اپنے آقا سے جاکر شکایت بھی کی اسی وقت امیر نے امجد صاحب کو بلا بھیجا اور بلا کر سخت و سست الفاظ جو کچھ کہہ سکتا تھا کہتا رہا، امجد صاحب کا بیان ہے کہ اپنی یتیمی بے کسی اور اس کے جبر و تکبر کا مجھ پر غیر معمولی اثر پڑا لیکن مجبور تھا اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ سامنے کی مسجد میں گھس گیا۔ وضو کرکے دوگانہ ادا کیا اور خوب ڈھاڑیں مار مار کر خدا کے سامنے رویا۔ دل رونے سے ٹھنڈا ہو گیا، گھر چلا آیا، شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہی امیر اس وقت تک بڑبڑا رہا ہے اور مجھے صلواتیں سنا رہا ہے۔ رات گئی صبح ہوئی خبر ملی امیر کی بڑبڑاہٹ اسی طرح جاری ہے۔ واقعہ پیش یہ آیا کہ اس پر جنون کا دورہ پڑ گیا۔ غالباً اسی حال میں کچھ دن بعد وہ مر گیا۔ جمال سلمی نامی کتاب مصنفہ حضرت امجد صاحب میں اصل قصہ پڑھیے۔ میں نے اپنے حافظہ سے مدد لے کر جو کچھ یاد رہ گیا لکھ دیا۔ ۱۲

Marfat.com

میں شیخ اپنی بیوی کے ساتھ ہوتے تو اچانک ان کی نظر ایک ایسی چیز پر پڑی کہ جسے دیکھ کر ان کی آنکھ پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ موتیوں کا وہی ہار جو بٹوے میں بمقام مکہ راستہ پر پڑا ان کو ملا تھا بجنسہٖ وہی ہار اس لڑکی کے گلے میں پڑا ہوا ہے جو ان کی دلہن بن کر اس وقت ان کے سامنے بیٹھی ہے دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تھا۔ یہ لڑکی اسی حاجی کی تھی جسے شیخ نے محض اللہ کے لیے ہار کو واپس کر دیا تھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ لڑکی کا باپ حج سے جب اپنے جزیرے میں واپس ہوا تو ہار کے گم ہونے اور پھر جس طرح وہ ملا اس کا ذکر کر کے کہا کرتا تھا کہ

ما وجدت فی الدنیا کهذا الذی — جس شخص سے یہ ہار مجھے واپس ملا ایسا مسلمان

ردعلی هذا العقد۔ — آدمی میں نے دُنیا میں نہیں دیکھا۔

لوگ یہ بھی روایت کرتے تھے کہ یہ دعا بھی کیا کرتے تھے کہ :-

"کاش اس شخص سے میری دوبارہ ملاقات ہوتی تو اپنی لڑکی سے اس کا عقد کر دیتا۔"

مگر اسی عرصہ میں ان کی حیات پوری ہو گئی اس لڑکی کے سوا کوئی دوسری اولاد نہ تھی۔ دوسری چیزوں کے ساتھ اس ہار کی بھی تنہا وارث ہوئی۔ شیخ بیان کرتے ہیں کہ اس بیوی سے چند اولاد بھی خدا نے مجھے عطا فرمائی پھر بے چاری کا انتقال ہو گیا۔ اس ہار کے وارث میرے بچے ہوئے کچھ دن بعد بچے بھی وفات پا گئے۔ اور یوں گھوم گھما کر یہ ہار میرے قبضہ میں آیا جسے میں نے ایک لاکھ اشرفیوں میں فروخت کیا۔ ابن رجب نے لکھا ہے کہ شاگردوں سے شیخ کہا کرتے تھے کہ میرے پاس مال و منال جو کچھ تم دیکھتے ہو یہ اسی ایک لاکھ دینار کے سرمایہ سے حاصل ہوا ہے۔ (شذورصفحہ ۱ج ۴)

بہرحال یہ تو شیخ کا وہ عجیب و غریب قصہ ہے جو اپنے آخری جز کے اعتبار سے یقیناً حیرت انگیز طلسمی کرشمہ ہے، میں نے جیسا کہ عرض کیا ابن رجب جیسے محدث اپنی کتاب میں اس قصے کو اگر جگہ نہ دیتے تو شائد میں نقل بھی نہ کرتا اور میرے مقصود کا سچ پوچھئے تو اس جز سے چنداں تعلق بھی نہیں ہے میں تو قصے کے پہلے حصہ کو پیش کر کے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ شدت فاقہ اور شدید ضرورت کے باوجود امانت و دیانت کے احساس میں اتنی ذکاوت شیخ میں جو پیدا ہو گئی تھی کہ ہار تو ہار اس انعام کے لینے پر بھی وہ آمادہ نہیں ہوئے جو ہار کا مالک بخوشی ان کو دے رہا تھا۔

Marfat.com

جس زمانہ کا یہ قصہ ہے اس کے لحاظ سے یقیناً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دینی بیداری کی پیدائش کے اسباب کیا تھے؟[1]

---

[1] شیخ نے انعام کا لینا کیوں پسند نہ کیا، ابن حماد نے اس سوال کو فقہی نقطہ نظر سے اٹھایا ہے۔ پھر خود جواب دیا ہے کہ شیخ مسلکاً حنبلی تھے اور امام احمدؒ کا فتویٰ ہے کہ گم شدہ چیز کے پانے والوں کے لیے معاوضہ لینا اس وقت درست نہ ہوگا جب معاوضہ کی نیت سے گم شدہ چیز کو اس نے اٹھایا ہو، ظاہر ہے کہ تقویٰ کا یہ مقام جو اس فتویٰ پر عمل کرنے پر آدمی کو آمادہ کرے ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔ ۱۲-

Marfat.com

سارے سلاسلِ تصوّف کے بانی امام غزالی کے بعد ہیں اور تعلیماتِ غزالیہ سے متاثر بھی!

ممکن ہے کہ شذوذ واستثناء، ذاتی رجحان اور اس قسم کی بار دتا دیلوں سے لوگ دل کی تسلّی حاصل کریں مگر میں تو اسی سوال کو ذرا اور زیادہ آگے بڑھا کر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ حجۃ الاسلام غزالی کی مذکورہ بالا صدی کی ان انقلابی مثالوں پر آپ شخصی واستثنائی کا پردہ اُڑھا دیجئے لیکن سوچنے والوں نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ شخصی نہیں بلکہ مسلمان عالم میں صدہا سال سے صوفیہ کے وہ سارے سلاسل اور طرق جو مختلف خانوادوں کے نام سے اسلامی ممالک میں مروج ہیں مثلاً قادریہ، رفاعیہ، بدویہ، سہروردیہ، شاذلیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ وغیرہ ان تمام طریقوں کی مرکزی ہستیاں یعنی جن اسمارگرامی کی طرف یہ طریقے منسوب ہیں کیا ان میں کوئی بھی ایسی ہستی ہے جو امام غزالی سے پہلے پیدا ہوئی ہو؟ اور پہلے کیا معنی؟ سہروردیہ طریقہ کے بانی ومؤسس یعنی حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر السہروردی کے متعلق تو لوگوں نے لکھا بھی ہے۔

صحب الشیخ حماد الدباس واحمد الغزالی (ص ۲۰۹ ج ۴ شذور)

شیخ حماد دباس اور احمد غزالی کی صحبت میں رہے۔

رزقِ حلال کی تلاش میں شیخ حماد دباس کے جس جہد بلیغ کا میں نے ذکر کیا ہے غزالی کی تلقین سے اس کو غیر متعلق قرار دینے پر کوئی اصرار کرے تو کر سکتا ہے لیکن احمد غزالی تو امام غزالی کے بھائی ہیں وہی بھائی جنہوں نے احیاء العلوم کے افادے کو عام کرنے کے لیئے اس کا خلاصہ تیار کیا تھا اور لوگوں کو شاید اس کا علم یا شعور نہیں ہے کہ ساحلِ دجلہ سے علم وعرفان کا نہ ڈوبنے والا آفتاب غوثیت وقطبیت کے آسمان[1]

---

[1] اشارہ قصیدۂ غوثیہ کے اس مشہور شعر کی طرف ہے یعنی ؎ افلت شموس الاولین وشمسنا ابدا علی فلک العلی لاتغرب (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

پرچمکا، اور اس وقت تک جو چمک رہا ہے صدیاں گزر گئیں حکومتیں الٹتی پلٹتی رہیں، نہ عباسی رہے اور نہ دیالمہ نہ سلاجقہ رہے نہ سلاجقہ کے جانشین زنگیوں اور ایوبیوں کا خاندان اور نہ آل عثمان اور نہ ان کا جبروت وجلال، خود لاکھوں لاکھ کی آبادی رکھنے والا مدینۃ الاسلام بغداد ایک معمولی قصبہ کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ یہ سب کچھ ہے لیکن لاہوتی گرج اور کڑک کے ساتھ اسلامی ایمانیات کا گھنگھور بادل اسی بغداد کے باب الازج سے اٹھ کر مراکش سے چین تک کو سیراب کرتا رہا۔ اور آج تک کر رہا ہے۔ میرا اشارہ خود سیدنا الجیلی الامام قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ذات قطبی[1] صفات، غوثی سمات کی طرف ہے۔ عوام نہیں تو خواص بھی کیا اس سے ناواقف ہیں کہ معارف وحقائق کے اس سیل جرار کی ابتدا امام غزالی کی وفات کے کل پندرہ سال بعد شیخ ابوسعد المبارک المخرمی کے مدرسہ سے ہوئی تھی۔ محدث جلیل حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ :۔

ظھر الشیخ عبد القادر للناس وجلس للوعظ بعد العشرین وخمس مائۃ	ظاہر ہوئے شیخ عبد القادر عام لوگوں کے سامنے اور وعظ کے لیے بیٹھے ۵۲۰ھ کے بعد۔

(شذرات ج ۴ ص ۲۰)

امام غزالی کی وفات جیسا کہ معلوم ہے ۵۰۵ھ میں ہوئی۔

اور تقریباً یہی حال سلسلہ رفاعیہ کے بانی حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے! امام غزالی کی وفات سے پانچ سال پہلے ۵۰۰ھ میں حضرت کی ولادت عراق ہی کے ایک گاؤں ام عبیدہ میں ہوئی۔ جو واسط اور بطائح کے درمیان دجلہ کا ایک جزیرہ تھا۔ رفاعیہ فقرا کا آج کچھ بھی حال ہو لیکن علم ظاہر کے ساتھ آپ کے باطنی کمالات نے مسلمانوں کے قلوب میں غیر معمولی کشش آپ کی طرف جو پیدا کر دی تھی۔ اس کا اندازہ امام سبط[2] جوزی کی اس چشم دید گواہی سے ہو سکتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (پہلوں کے آفتاب ڈوب گئے اور میرا آفتاب عزت وبلندی کے آسمان پر ہمیشہ کے لیے ہے جو کبھی غروب نہ ہوگا۔ [1] حضرت غوث اعظم کے وعظ کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں غیر معمولی کڑک اور گرج کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ شیخ محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ در کلام آنحضرت نوع سرعت وجہد بود (یعنی حضرت والا کے کلام میں ایک قسم کی تیزی اور روانی بلند آواز کے ساتھ پائی جاتی تھی۔) تاثیر کا یہ حال تھا کہ مسلمان تو مسلمان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

حضرت عندہ لیلۃ نصف شعبان وعندہ مائۃ الف انسان۔ (صـ۲۶ ج ۴ شذرات)

شعبان کی پندرھویں رات کو میں سید رفاعی کے ہاں حاضر ہوا ایک لاکھ آدمی ان کے ہاں جمع تھے۔

غالباً بعد کو رفاعی سلسلہ میں یہ طریقہ جو جاری رہا جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے:۔

لھم مواسم یجتمع عندھم من الفقراء عالم لا یعد ولا یحصی ویقومون بکفایۃ الکل [1] (نقلاً عن یافعی صـ۴۱ ج ۳)

ان کے میلے کے موسم مقرر ہیں جن میں بیشمار فقراء جمع ہوتے ہیں خود بھی لوگ ان کے طعام وقیام کا نظم کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہود ونصاریٰ کی کافی تعداد صرف آپ کے مواعظ سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔

[2] یہ مشہور ابن جوزی کے پوتے ہیں۔ جمال الدین لقب یوسف نام ابوالمظفر کنیت تھی اگرچہ خود اپنے دادا ابن جوزی سے بھی تعلیم پائی تھی لیکن ان کے حنبلی مسلک کو ترک کر کے حنفی ہو گئے تھے۔ چالیس جلدوں میں مرآۃ الزمان نامی تاریخ ان کی دنیا کی غیر معمولی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ طرب قبو (قسطنطنیہ) میں یہ کتاب موجود ہے انیس جلدوں میں تفسیر بھی ہے۔ بہرحال اسی موقع پر انہوں نے لکھا ہے کہ شیخ رفاعی کے پاس ایک لاکھ کے اس مجمع کو جب میں نے تعجب سے دیکھا تو شیخ نے مجھ سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا حشر ہامان جیسا ہو اگر لمحہ بھر کے لیے دل میں اس کا خطرہ آیا ہو کہ میں ان لوگوں کا پیشوا ہوں اور یہی چیز ان سارے بزرگوں کی زندگی کی روح تھی تم خالق کے لیے ہو جاؤ اپنی ساری خلقت کو خالق تمہارے لیے کر دے گا یہی نکتہ ارباب شرک سے اوجھل تھا وہ خدا کی کسی مخلوق مثلاً ملائکہ آفتاب ماہتاب سے نفع اٹھانا چاہتے تو خود ان ہی مخلوقات کے آگے جھک جاتے لیکن نبوت کی توحیدی راہ پر چلنے والوں نے اس راز کو واضح کیا کہ ملائکہ تک کو جو قالو میں لانا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ ربنا اللہ (اللہ ہی ہمارا رب ہے) پر ڈٹ جائے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ قرآنی آیت کا یہی مطلب ہے۔ سید رفاعی کی سب سے بڑی خصوصیت حق کے سامنے ان کی ربودگی تھی۔ عربی کی ایک توحیدی غزل پر لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت کی وفات ہوئی۔ ۱۲۔

[1] تاریخ بغداد کے مصنف ابن نجار کے حوالہ سے لوگوں نے سیدنا الامام الجیلی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کھانا کھلانے سے بہتر کام مجھے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا میرا دل چاہتا ہے کہ دنیا کی دولت میرے ہاتھ میں ہوتی تو بھوکوں کے کھلانے پر سب کو صرف کر دیتا۔ صـ۲۰ ج ۴۔ میں نے اپنی کتاب نظام تعلیم وتربیت میں ایک مستقل باب ہی میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے علاوہ دوسرے اغراض کے صوفیوں کے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

یہ حضرت ہی کے اس اسوہ کی تقلید تھی، باقی رفاعیہ جو کسی زمانہ میں احمدیہ اور بطائحیہ فقرا بھی کہلاتے تھے اور تاتاریوں نے اسلامی ممالک کو جب پامال کر کے اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا تو اس وقت ان ہی فقیروں کے متعلق دیکھا جاتا تھا کہ کبھی زندہ سانپوں کو نگل رہے ہیں، دہکتے ہوئے تنور میں کود پڑتے تھے۔ یا حماموں کے آتش خانوں میں گھس جاتے۔ اسی طرح دھمال کھیلنے کا طریقہ شاداب بھی ان میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ابن خلکان نے جس کے متعلق لکھا ہے:۔

توقد لهم النار العظیم ویقام السماع فیرقصون علیها الی ان تنطفی النار۔ (شذور ص۲۶ ج۴)	بڑا الاؤ ان کے لیے جوڑا جاتا پھر یہ اسی آگ پر ناچتے ہیں تا اینکہ آگ بجھ جاتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب اس کی اصل کیا ہے ذہبی وغیرہ نے تو حسب عادت سخت کرخت الفاظ میں رفاعی فقیروں کے اس طرز عمل پر تنقید کی ہے لیکن قطع نظر اس سے یہ تحقیق طلب ہے کہ آخر اس خاص طریقہ کے فقیروں میں یہ باتیں کس راستہ سے آئیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان اس سلسلہ میں آگے آرہا ہے ممکن ہے کہ اس سے اس مسئلہ پر کوئی روشنی پڑے۔

اس وقت تو میری غرض فقط اتنی ہے کہ امام غزالی کے طریقہ خاص کی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت یہی ہے کہ دماغی بیداری کے ساتھ قلبی بیداری کے مسئلہ کو بھی انہوں نے شریک کر دیا تھا، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے مدرسہ کے ساتھ خانقاہ یا خانقاہ کے ساتھ مدرسہ کو جوڑنے کا کام جہاں تک میں جانتا ہوں سب سے پہلے امام غزالی ہی نے شروع کیا۔ جس کی تفصیلی بحث گزر چکی اور بجنسہ یہی خصوصیت سہروردیہ قادریہ رفاعیہ سلسلہ کے ان تینوں معماروں کی تعلیم و تربیت میں پائی جاتی ہے تینوں حضرات نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد باطنی اصلاح کی طرف توجہ کی اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی بانی سلسلہ سہروردیہ کے متعلق مورخین اگر یہ لکھتے ہیں کہ:۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خانقاہی نظام کی ایک بڑی غرض یہی معلوم ہوتی ہے کہ غربا تک ان نعمتوں کو پہنچایا جائے جن پر امیروں نے خصوصی اقتدار جما رکھا ہے۔ بیسیوں تاریخی مثالیں اس سلسلہ میں میں نے پیش کی ہیں۔ سید رفاعی کبیر کے متعلق بھی لوگوں نے لکھا ہے کہ نذر و فتوحات وغیرہ ذرائع سے جو آمدنی بھی ہوتی تھی سب غربا کو کھلا پلا دیا کرتے۔ ۱۲

Marfat.com

جس کھنڈر میں ایام سلوک کو حضرت نے گزارا تھا اسی میں آپ نے ایک جانب تو رباطہ (خانقاہ) بنوائی جن میں آپ کے برگزیدہ صالح اصحاب قیام کرتے تھے اور دوسری جانب اسی میں آپ نے مدرسہ تعمیر کیا تھا۔

(ص ۲۰۹ ج ۴ شذور)

کہتے ہیں کہ اسی جامعیت کی وجہ سے عام طور پر آپ کو لوگ ـــــ

مفتی العراقین و قدوۃ الفریقین (ص)	دونوں عراق، عراق عرب عراق عجم کے مفتی اور دونوں فریق (علماء و صوفیہ) کے پیشوا

کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ اور بجنسہٖ یہی حال ہم سیدنا الامام جیلی القطب کا پاتے ہیں۔ معارف و حقائق کے سوا جن کے متعلق ظاہر ہے کہ کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ کے مدرسہ میں لوگ آپ سے دن کے اگلے پچھلے حصہ میں تفسیر اور علوم حدیث اخلاقیات اصول اور نحو کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ نیز تمام قرأۃ متواترہ کے ساتھ قرآن ظہر کے بعد خود بہ نفس نفیس لوگوں کو پڑھایا کرتے تھے علاوہ اس کے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی فقہ کی بنیاد پر استفتاؤں کا جواب بھی دیا کرتے تھے۔ (ص ۱۲۶ طبقات صوفیہ)

اسی کا نتیجہ تھا جیسا کہ ابن عماد نے لکھا ہے:۔

لقب مجمع الفریقین و موضح الطریقین وکریم الجدین ومعلم العراقین وتلمذ لہ اکثر الفقہاء فی زمنہ و لبس منہ الخرقۃ المشائخ الکبار۔ (شذور ص ۱۹۹ ج ۴)	لوگوں نے دونوں فریق (علماء و صوفیہ کے جمع کرنے والے اور دونوں راستوں کے شارح کریم الجدین (یعنی دادیہال اور نانیہال ہر طرف سے شریف النسب سید) دونوں عراق کے استاذ و معلم کا خطاب آپ کو دے رکھا تھا فقہاء علماء ظاہر کی اکثریت آپ کی شاگرد تھی اور بڑے صوفیوں نے آپ سے خرقہ درویشی حاصل کیا۔

اور حضرت سید احمد کبیر الرفاعیؒ کے متعلق اس کا ذکر تو کسی نے نہیں کیا ہے کہ علاوہ باطنی و اخلاقی

Marfat.com

تربیت وسلوک کے رسمی علوم کی بھی تعلیم آپ کے یہاں دی جاتی تھی لیکن اسی کے ساتھ بالاتفاق لوگوں نے لکھا ہے کہ آپ نے باضابطہ فقہ شافعی کی تعلیم پائی تھی۔ ابن قاضی شہبہ کے الفاظ ابن عماد نے نقل کیے ہیں۔

کان فقیہاً شافعیاً اقرأ التنبیۃ وله شعر حسن (صفحہ ۲۶۰ ج ۴ شذور)

سید احمد کبیر رفاعی شافعی فقیہ تھے۔ التنبیہ کتاب خصوصیت سے پڑھی وہ اچھے اشعار بھی کہتے تھے،

اور سچ تو یہ ہے خود سید احمد کبیر سے جب یہ منقول ہے کہ ایک دفعہ ارشاد ہوا کہ

سلکت کل الطرق الموصلة فما رایت اقرب ولا اسهل ولا اصلح من الافتقار والذل والانکسار۔

ان ساری راہوں پر میں چلا ہوں جو خدا تک پہنچاتی ہیں مگر سب سے آسان اور مناسب ترین راہ مجھے محتاجی و نیازمندی اور شکستگی سے زیادہ کوئی نظر نہ آئی۔

پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ اس محتاجی و نیازمندی و شکستگی کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے فرمایا اور اسی کو میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تعظم امر الله وتشفق علی خلق الله ولقتدی بسنة رسول الله (صفحہ ۲۶ ج)

خدا کے حکم کا احترام کرو اور خدا کی مخلوق کے ساتھ شفقت و مہربانی کے ساتھ پیش آؤ اور رسول اللہ (صلعم) کی سُنت یعنی طریقہ کی پیروی کرو۔

ظاہر ہے کہ امر اللہ یعنی حق تعالیٰ کے حکم کے احترام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی شکل ظاہری علوم قرآن وحدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کیے بغیر یقیناً ناممکن ہے اور خلق اللہ کے ساتھ شفقت و مہربانی بھی ان قوانین کے علم ہی پر تو موقوف ہے جو مخلوقات کے باہمی تعلقات کے متعلق خدا کی طرف سے عطا ہوئے ہیں [۱]

---

[۱] سید کبیر کا حال اس باب میں عجیب و غریب تھا، بچوں، بوڑھوں معذوروں کی خدمت ان کی زندگی کا سب سے بڑا محبوب مشغلہ تھا۔ اور آپ کی مہربانیاں انسانوں سے متجاوز ہو کر جانوروں تک کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے تھیں، باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بہر حال اسلام کی چھٹی صدی جسے میں امام غزالی کی صدی کہتا ہوں مسلمانوں میں ہر طبقہ میں عوام ہوں کہ خواص ہوں، خلفاء ہوں یا سلاطین وزراء ہوں یا امراء علماء ہوں یا صوفیاء ہر طبقہ میں ایسی ہستیاں نمایاں نظر آتی ہیں جن کو دیکھ کر اوروں کو نظر آتا ہو نہ آتا ہو لیکن اضطراراً میرا ذہن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مخلصانہ کوششوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ نتائج تلقین غزالی سے کسی نہ کسی حیثیت سے متاثر ہیں۔

اس تصوف و سلوک کے طریقہ کو دیکھئے، پانسو سال کے اس طویل عرصے میں مختلف بزرگوں کی طرف سے یہ راہ بھی مسلمانوں کے سامنے مختلف خصوصیات کے رنگ میں رنگین ہو کر پیش ہوتی رہی لیکن علوم ظاہری و رسمی تعلیم کے ساتھ باطنی سلوک و تربیت کے دامن کو باندھ کر چلنا امام غزالی کو یہ راہ اسی شکل میں ملی۔ وہ پہلے وقت کے سب سے بڑے عالم کی حیثیت سے نمایاں ہوئے۔ پھر جیسا کہ آپ دیکھ چکے حقیقت و صداقت کی تلاش کا جذبہ ان پر مسلط ہوا۔ اپنی تلاش میں کامیاب ہونے کے بعد دوسروں کے سامنے بھی آپ نے اسی راہ کو پیش کیا۔ اور یوں طریقہ غزالیہ کی ابتداء ہوئی پھر ان کے بعد اسی صدی میں جس میں وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے ظاہر و باطن کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے والے بزرگوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے جس میں سیدنا الامام الجیلی اور شیخ سہروردی سید کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی بغداد اور اس کے اطراف و نواحی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ مشہور ہے کہ بلی ایک دفعہ اسی کپڑے پر سو گئی جو آپ پہنے ہوئے تھے نماز کا وقت آگیا بجائے بلی کے جگانے کے آپ نے کپڑے کو قینچی سے تراش نماز سے فارغ ہو کر جب آئے بلی اٹھ چکی تھی بطور پیوند کے پھر اس کو سلوا لیا گیا۔ آپ کے گاؤں کے باہر ایک کتا بیمار زخموں سے چور پڑا ہوا تھا خبر ملی وہیں تشریف لے گئے کتے پر خیمہ نصب ہوا اس کو غسل دیا جاتا تھا۔ تیل کی مالش ہوتی تھی، آخر میں مر گیا تو بڑے دھوم دھام سے دفن کیا گیا۔ اسی سلسلہ کا مشہور لطیفہ آپ کا بھی ہے۔ خواب میں ایک صاحب نے حضرت والا کو مقعد صدق، جو قرب کے قرآنی مقام کی تعبیر ہے دیکھا آ کر مرید ہوا اچانک ایک دن اس نے دیکھا کہ آپ کی بیوی صاحبہ آنچ دینے کی لکڑی زنان خانے میں تڑاتڑ مار رہی ہیں سید صاحب خاموش پٹ رہے ہیں۔ مرید کو بڑا طیش آیا، مہر دریافت کر کے رقم کے ساتھ حاضر ہوا کہ ایسی عورت کو الگ کر دیجئے فرمایا کہ مقعد صدق میں مجھے تم ہرگز نہ پاتے اگر ان کے سلوک پر صبر سے کام نہ لیتا

(شذور ص۲۶ ج۴)

Marfat.com

ہیں اسی اجتماعی طریقہ کے احیاء و اشاعت میں منہمک نظر آتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان بزرگوں کے دیکھنے والوں کے سامنے امام غزالی اور ان کی خانقاہ و مدرسہ اور ان کی کتابیں احیاء العلوم و کیمیائے سعادت جھانکنے لگیں تو اس پر تعجب کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

ہوا یہی کہ سلوک و معرفت کے اور طریقے جو امام غزالی سے پہلے مروج تھے گو کسی نہ کسی شکل میں وہ ہاں آئندہ بھی رواج پذیر رہے۔ لیکن غزالی کے طریقہ خاص کو اجاگر کرنے والی ہستیاں پے در پے مسلمانوں میں جو جلوہ گر ہوتی رہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثریت کا رجحان اس سلسلہ میں اسی طریقہ کی طرف ہو گیا۔ سب سے بڑا فائدہ اس کا یہ ہوا کہ علماء صوفیاء یا رسمی علوم کے نمائندے ملا اور مذہب کی روح کو زندہ کر کے قدم بڑھانے والے فقراء میں ابتک ایک قسم کی دوئی جو نظر آتی تھی اس خاص طریقہ کی ترویج عام نے اس خلیج کو بڑی حد تک پاٹ دیا۔ بھی آپ نے سیدنا الامام الجیلی اور شیخ ابو النجیب سہروردی کے متعلق مسلمانوں کے تاثرات کی تاریخی تعبیرول کو قدوۃ الفریقین موضح الطریقین مجمع الفریقین وغیرہ الفاظ کی شکل میں جو پایا تو دراصل یہ اسی تاریخی مصالحت کا اجتماعی اعتراف ہے۔

Marfat.com

طریقۂ غزالیہ کے حسنِ قبول کی وجوہ

قلب و قالب کی وابستگی بہر حال ذکر حجۃ الاسلام امام غزالی اور ان کے طریقۂ خاص کے نتائج کا ہو رہا تھا، کہہ یہ رہا تھا کہ اس وقت مسلمانوں میں جن طرق وسلاسل کو عام حسن قبول حاصل ہے اور مختلف بزرگوں کے اسمائے گرامی کی طرف وہ منسوب ہیں، میرا خیال ہے کہ ان کی عام مقبولیت کی وجہ یہی ہوئی ہے کہ اسلام کے جسم اور روح یا قالب قلب دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ پیوستہ اور وابستہ رکھنے کی کوشش ان عام طریقوں میں چونکہ کی گئی ہے شعوری اور غیر شعوری طور پر مسلمانوں کی عمومیت کا یہی مطالبہ بھی تھا اسی لیے ان ہی طریقوں کو حسن قبول بھی حاصل ہوا۔

میں نے عرض کیا تھا کہ ان سارے طرق اور سلاسل کے مرکزی اکابر امام غزالی کی صدی یا اس صدی کے بعد ہی پیدا ہوئے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ امام غزالی کے مساعی کو اس میں دخیل نہ سمجھا جائے، اور یہ بڑا کام تھا جو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ مدرسہ اور خانقاہ میں اسی کے بعد چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔ عام طور پر مسلمانوں میں واقعی صاحب کمال وہی سمجھے جانے لگے جو دماغ کے ساتھ دل کو اور دل کے ساتھ دماغ کو بیدار رکھنے میں کامیاب نظر آتے تھے۔ علماء اور صوفیہ میں امام غزالیؒ سے پہلے چند صدیوں سے ایک قسم کی خلیج حائل ہو گئی تھی جس کا زبانی چرچا مختلف لطیفوں کی شکل میں گو بعد کو بھی باقی رہا بلکہ اب بھی باقی ہے، اس قسم کے فقرے کہ ایں قال است ترا ازیں خبرے نیست یا اس کے برعکس ایں است کہ ترا ازیں خبرے نیست [۱] یا جیسا کہ خود امام غزالی

---

[۱] مولینا روم اور پیر شمس تبریز کی ابتدائی ملاقات کے وقت کہتے ہیں کہ دونوں کا یہ مکالمہ اس وقت ہوا تھا جب شمس تبریز نے مولینا کی قلمی کتابوں کو حوض میں ڈال کر جوں کی توں نکال کر دکھایا تھا کہ کتابیں پانی سے قطعاً تر نہ ہوئی تھیں۔

Marfat.com

ہی کے متعلق خود ان کے بھائی احمد غزالی کا یہ لطیفہ کتابوں میں جو نقل کیا جاتا ہے کہ :۔

کسے از حال برادرش حجۃ الاسلام پرسیدہ کہ کجاست، گفت در خون نشستہ، چوں تفتیش کردند در فکر مسئلہ حیض بود۔ (صنہ ۳۸۰ لطائف اشرفی)	کسی نے (احمد غزالی) سے ان کے بھائی امام حجۃ الاسلام کے متعلق پوچھا کہ کہاں ہیں بولے خون میں بیٹھے ہیں جب دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حیض کے مسئلہ میں غور و فکر کر رہے ہیں۔

ملائیت و صوفیت میں اتحاد

بہر حال اس واقعہ کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی کے اندر علماء اور صوفیہ کے نام سے دو طبقے خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہو گئے تھے۔ اور باہم ان دونوں طبقوں میں ایک خاص قسم کا تعلق پیدا ہو گیا تھا علماء کے طبقے سے تعلق رکھنے والے حضرات میں صوفیوں کی جانب سے گونہ گرانی پائی جاتی تھی اور یہی حال صوفیوں کا بھی تھا، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی تعلیمات نے ان دونوں طبقوں کو ملا دیا۔

Marfat.com

قبل امام دور میں صوفی و ملا کی آویزش کے دو تاریخی واقعے

(۱) صوفی بہ تعاقب ملا

پہلا واقعہ ایک صوفی کا ہے جس کی طرف سے ایک عالم کی گرفت کی گئی دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی ہجری کی ابتدائی سالوں کے ایک مشہور بزرگ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ شیخ سعدی نے بوستاں میں ان کے اصم (بہرے) کے نام سے مشہور ہونے کی وجہ[۱] بیان کر کے عوام میں بھی ان کی شہرت کو عام کر دیا ہے، خلیفہ ہارون الرشید اور اس کے بعد بھی بہت سے خلفاء عباسی کا زمانہ انہوں نے پایا ہے بہرحال جس واقعہ کا ذکر میں کرنا چاہتا ہوں وہ یہ

---

[۱] اس قصہ کا ذکر خطیب نے بھی اپنی تاریخ بغداد میں کیا ہے۔ ابوالحسن بن علی الدقاق اس کے راوی ہیں، کہتے تھے کہ حاتم سے کوئی عورت کوئی مسئلہ پوچھ رہی تھی اسی حال میں اس سے باد مخالف کا صدور ہو گیا عورت بیچاری شرما گئی حاتم نے اسی وقت اپنے اوپر ایسا حال طاری کیا کہ گویا وہ اونچا سنتے ہیں، اور مسئلہ کو اس طرح دریافت کرنے لگے جیسے کوئی ثقل سماعت میں مبتلا دریافت کرتا ہو۔ عورت یہ خیال کر کے کہ ان کو خبر نہ ہوئی اطمینان کیا اس کے بعد میں کہتے ہیں کہ حاتم جب تک زندہ رہے اس حال کو باقی رکھا اور اسی لیے وہ اصم (بہرے) کے نام سے مشہور ہوئے، (خطیب صفحہ ۲۴۲ ج ۸) حاتم بڑے ذہین اور ظریف آدمی تھے کسی نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے، بولے کہ اسی جگہ جا کر گناہ کیا کرو جہاں اللہ میاں نہ ہوں۔ کہا کرتے تھے کہ گھر میں سب کچھ رکھتے ہوئے جو خدا کے آگے گڑگڑاتے ہیں خدایا مجھے روزی دے یہ کتنے مسخرے ہیں نہ رہے تب مانگنا ٹھیک ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بہت مطمئن نظر آتے ہیں بولے کہ جس کو یقین ہو کہ میری روزی دوسرا کھا نہیں سکتا وہ متردد کیوں ہو ایک دفعہ کہا کہ جب سے اپنے آپ کو زمین پر چلنے والا داتبہ (چوپایہ) میں نے یقین کیا ہے اسی وقت سے یہ یقین بھی پیدا ہو گیا کہ میری روزی کے متکفل اللہ میاں ہیں، قرآن میں بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ ۱۲۔

Marfat.com

ہے کہ بلخ سے حاتم حج کے ارادہ سے نکلے، راستہ میں شہر رے میں ٹھہرے ایک تاجر کے مہمان تھے تاجر نے ایک دن ان سے پوچھا کہ شہر کے ایک عالم بیمار ہیں میں ان کی عیادت کے لیئے جا رہا ہوں۔ حاتم نے کہا کہ عالم ہیں تو میں بھی چلتا ہوں، فرمایا کہ :-

النظر الی الفقیہ عبادۃ فقیہہ کی طرف دیکھنا تو عبادت ہے۔

دراصل یہ رے کے قاضی القضاۃ محمد بن مقاتل تھے اس زمانے میں بیمار ہو گئے تھے جب تاجر کے ساتھ قاضی صاحب کے دروازے پر حضرت حاتم اصم پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ کیا ہے وہ تو بڑی عظیم الشان ڈیوڑھی کا آستانہ ہے بولے کہ :-

باب عالم ھذا الحال ایک عالم کے دروازہ کا یہ حال؟

اتنے میں اندر سے طلبی آئی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ :-

پھولوں کا چمن ایک طرف ہے فوآرے سے پانی اچھل رہا ہے، آگے ہر ہر کمرے کے سامنے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لوگوں کا ایک مجمع ہے (یعنی نوکروں چاکروں کا)

حاتم اصم کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی آخر قاضی صاحب کے سامنے پہنچے دیکھا کہ :-

"ایک مکلف گدا بچھا ہوا ہے اور اسی پر قاضی صاحب آرام فرما رہے ہیں۔"

مہمانوں کو دیکھ کر قاضی صاحب اپنی مسند پر بیٹھ گئے اور حاتم اصم سے بھی کہا کہ تشریف لائیے، بیٹھیئے، لیکن وہ کھڑے ہی رہے جب قاضی صاحب نے بیٹھنے پر اصرار کیا اور ان کو دیکھا کہ انکار پر مصر ہیں تو حاتم سے پوچھا کہ کیا آپ کسی ضرورت سے تشریف لائے ہیں، بولے ہاں! قاضی نے کہا تو فرمائیے کیا ضرورت ہے؟ حاتم نے کہا کہ ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، قاضی نے کہا پوچھئے، بولے ذرا اطمینان کے ساتھ آپ بیٹھ جائیے، غلام سامنے کھڑے تھے، تکیئے قاضی صاحب کی پیٹھ کے پیچھے رکھ دیئے گئے اور ان ہی سے ٹیک لگا کر وہ بیٹھ گئے انتظار کرنے لگے کہ حاتم کیا پوچھتے ہیں۔ پھر یہ مکالمہ دونوں میں شروع ہوا۔

حاتم :- آپ نے یہ علم کن لوگوں سے سیکھا ہے؟

قاضی :- بڑے بڑے معتبر اساتذہ سے۔

Marfat.com

حاتم :- ان کے پاس علم کہاں سے آیا تھا ؟

قاضی :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے

حاتم :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے پاس علم کہاں سے آیا تھا۔

قاضی :- جبرئیل علیہ السّلام لائے تھے۔

حاتم :- ہاں! تو ذرا یہ فرمایئے آپ کے پاس علم کا جو ذخیرہ ہے وہی ذخیرہ جسے اللہ سے جبرئیل نے پایا اور جبرئیل نے رسول اللہ کو پہنچایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذخیرہ صحابیوں تک پہنچا، اور صحابیوں سے آپ کے بڑے بڑے معتبر اساتذہ تک پہنچا، اس ذخیرے میں کہیں اس کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ جس کا گھر امیروں کے گھر کے مانند ہوگا اور جس کے پاس امیرانہ ٹھاٹ باٹ ہوگا اللہ کے نزدیک اسی کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہوگا۔

قاضی :- نہیں یہ تو میں نے نہیں سنا۔

حاتم :- یہ نہیں سنا تو پھر کیا اس کا علم بھی آپ تک پہنچا ہے یا نہیں کہ دنیا سے رخ پھیر کر آخرت کی تعمیر میں جو زیادہ مشغول رہیں گے اور غربا و مساکین سے جو زیادہ محبت کریں گے اور آئندہ زندگی کی تیاری کرتے رہیں گے خدا کے نزدیک ان ہی کا مرتبہ بلند ہوگا ؟ اسی کے ساتھ حاتم اصم کو جوش آیا اور اسی جوش میں فرمانے لگے،

تم نے اپنے آپ کو کن لوگوں کی زندگی سے مطمئن کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابیوں اور امّت کے صالحین کی زندگی سے ؟ یا فرعون اور نمرود کی زندگی میں تمہارے قلب نے اطمینان کو پایا ہے وہی فرعون اور وہی نمرود جس سے اینٹ اور چونے کی تعمیر کی ابتدا ہوئی۔

قاضی ابن مقاتل سن رہے تھے اور حاتم فرماتے جاتے تھے کہ

اے علماء سوء (بُرے علماء) تم ہی جیسوں کو ایک بیچارا غریب جاہل مسلمان دنیا دار دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ جب عالم اس حال میں ہے تو پھر اپنے آپ کو میں اس سے زیادہ بُرے حال میں نہیں پاتا۔

کہتے ہیں کہ بیچارے قاضی صاحب کے ہوش حاتم کی اس تقریر سے جاتے رہے۔ بجائے گھٹنے

Marfat.com

کے بیماری میں اور اضافہ ہوگیا۔ اسی حال میں چھوڑ کر حاتم ان کے گھر سے باہر نکل آئے۔ [ل]

خطیب نے محمد بن مقاتل کے حال میں لکھا ہے کہ :۔

انتقل بالآخرۃ الی مکۃ فجاور بہا حتی مات (ص۲۷۵ ج ۳)

آخر میں محمد بن مقاتل مکہ منتقل ہو گئے اور وہیں قیام اختیار کیا، تا آنکہ مکہ میں ہی وفات ہوئی۔

کون کہہ سکتا ہے کہ حاتم اصم کے اسی وعظ نے ان میں اس انقلاب کو پیدا نہیں کیا تھا ؟

(۲) مُلّا بہ تعاقب صوفی

خیر یہ قصہ تو ایک صوفی کا تھا جس میں بتایا گیا ہے کہ عالم کی ڈھٹر پکڑ کی گئی اور غریب مولوی سٹ پٹا کر رہ گیا۔ اب سنئیے دوسری داستان جس میں صوفی کا تعاقب طبقۂ علماء کے ایک بزرگ کی طرف سے ہوا۔ میرے نزدیک یہ ملائیت اور صوفیت کی تاریخ کا بڑا اہم واقعہ ہے۔ بہر حال میں نے پہلے بھی کہیں لکھا ہے کہ المحاسبی جن کا نام حارث بن اسد

[ل] لکھا ہے کہ قزوین کے طنافسی سے بھی حاتم اصم کی ملاقات ہوئی، تکلف اور ترفع میں ابن مقاتل سے بھی وہ بڑھے ہوئے تھے، حاتم نے ایک ناواقف کی شکل میں قاضی طنافسی سے وضو کرنے کا طریقہ پوچھا انہوں نے بتادیا، بولے کہ میں آپ کے سامنے وضو کرکے دکھاتا ہوں کوئی غلطی رہ جائے تو درست کر دیجیے گا۔ یہ کہہ کر وضو کرنے لگے، ابتدا میں تو تین تین دفعہ ہر چیز کو دھویا جب ہاتھ دھونے کی باری آئی تو بجائے تین دفعہ کے چار دفعہ ہاتھوں کو دھویا۔ طنافسی نے ٹوکا کہ تم نے غلطی کی، بولے کیا غلطی ہوئی قاضی نے کہا کہ تین بار سے زیادہ دھونا پانی کو بیکار ضائع کرنا ہے اور شریعت میں اس کو بھی اسراف (فضول خرچی) قرار دیا گیا ہے۔ تب حاتم نے سر اٹھایا اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ قاضی صاحب میں غریب آدمی تو ایک چلو بہا کر اسراف کا مرتکب ٹھہرایا گیا اور جناب والا نے یہ طمطراق جو اکٹھا کر رکھا ہے آخر یہ کیا ہے۔ طنافسی نے گردن جھکالی، حاتم بھاگ گئے، یہ سارے قصے حلیۃ الاولیاء میں ہیں اسی میں ہے کہ حاتم جب مدینہ پہنچے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا مدینہ (شہر) ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے یعنی رسول اللہ کا شہر ہے۔ بولے ہیں اس محل میں نماز دو رکعت ادا کرنا چاہتا ہوں جس میں رسول اللہ رہتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محل کہاں تھا کھجور کی شاخوں پر مٹی لیپٹ کر جس مکان کی دیوار بنائی گئی تھی اس میں رہتے تھے۔ حاتم نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی کوٹھیاں کہاں ہیں یہی جواب اس کا بھی دیا گیا۔ فرمایا تب بگڑے کہ تم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کو نمرود اور فرعون کا شہر بنا رکھا ہے۔ (ص۸۲ ج ۸ حلیۃ الاولیاء۔)

Marfat.com

ہے۔ دوسری صدی کے آخر اور تیسری کے ابتدائی سالوں میں بغداد میں انہوں نے شہرت حاصل کی ان کی جلالت قدر کے لیے یہی کافی ہے کہ صوفیہ کے سید الطائفہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز کا بھی شمار محاسبی کے صحبت یافتوں میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صوفیہ کے نام سے مسلمانوں میں ایک طبقہ کا ظہور تو محاسبی سے بہت پہلے ہو چکا تھا، حبیب عجمی، فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، شفیق بلخی، ذوالنون مصری عبدالرحیم دیلمی، حاتم اصم، اور بھی بیسیوں اکابر محاسبی سے پہلے گزر چکے تھے لیکن اسلام کے جس شعبہ خاص کی خدمت اور نمائندگی کی وجہ سے اس طبقہ کو امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اب تک اسلامی علوم کے اس شعبہ کے مسائل و حقائق کو باضابطہ کتابی قالب کسی نے عطا نہیں کیا المحاسبی پہلے بزرگ تھے جنہوں نے دوسری صدی ہجری کے آخری سالوں میں اس کام کو شروع کیا۔ خطیب نے لکھا ہے کہ :-

للحارث کتب کثیرۃ فی الزھد (ص۲۱۱ ج ۸) — زہد (تصوف) میں حارث کی بہت سی کتابیں ہیں۔

کتب کثیرۃ الفوائد جمۃ المنافع (ص؟) — ان کی کتابیں فوائد سے لبریز اور بہت زیادہ نفع بخش ہیں۔

حارث کی ان کتابوں کو مسلمانوں میں بڑا حسن قبول خود ان کی زندگی ہی میں حاصل ہوا۔ عام طور پر بکثرت ان کی کتابیں لوگ پڑھنے لگے، علماء جو اب تک صوفیوں کے وجود ہی سے پریشان تھے جب "صوفیت" کتابی قالب میں گھر گھر پہنچنے لگی تو مخالفت کہئے یا رقابت کا جو جذبہ اب تک کچھ دبا دبا سا تھا زیادہ تر اس کا اظہار اشاروں اور کنایوں میں کبھی کبھی کھلے کھلے الفاظ میں معمولی لوگوں ہی کی طرف سے نہیں بلکہ بڑی بعض بڑی ذمہ دار ہستیوں کی طرف سے "صوفیت" پر سخت تیز و تند تنقیدیں ہونے لگیں۔ انتہا یہ کہ وقت کے امام المحدثین رئیس الحفاظ امام ابو ذرعہ[1] رازی کی طرف تو لوگوں نے یہ الفاظ منسوب کیے ہیں کہ محاسبی کی کتابوں

---

[1] علم حدیث کے ائمہ رجال سے جو ناواقف ہیں زہادان کے لیے اتنے معلومات غالباً حافظ ابو زرعہ کی اہمیت کے لیے کافی ہو سکتے کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ بغداد کے پل سے گزر کر آنے والوں میں ابو ذرعہ سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں آیا۔ ان ہی کا بیان ہے کہ نفلی عبادتوں کو ابو ذرعہ کے علمی مذاکرے کا میں نے بدل خیال کیا۔ چھ لاکھ حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے متعلق فرمایا کرتے تھے،

هذه كتب بدع وضلالات — یہ ساری کتابیں صرف خود ساختہ بدعات اور گمراہیاں ہیں۔

(ص۲۱۵ ج ۸)

جنہیں حارث کی کتابوں میں پڑھنے میں مزہ ملتا تھا اور فائدے حاصل ہوتے تھے، جب حافظ سے کہتے کہ حضرت ان کتابوں سے بڑی چونک پیدا ہوتی ہے، تو بگڑتے اور فرماتے،

من لم يكن له في هذا الكتاب عبرة فليس له في هذا الكتب عبرة۔ — اللہ کی کتاب سے جس میں چونک نہ پیدا ہو تو ان کتابوں سے بھی اس میں چونک پیدا نہ ہوگی۔

پھر غصے میں عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرماتے:۔

لوگو بتاؤ کیا مالک بن انس، سفیان ثوری، اوزاعی، یا ان ہی جیسے دوسرے ائمہ جو پہلے گزرے ہیں ان بزرگوں نے اس قسم کے مسائل جن سے (حارث) اپنی کتابوں میں بحث کرتے ہیں یعنی وساوس خطرات اور وہی باتیں جو وہ کرتے اور لکھتے ہیں کیا کسی نے ان پر کتابیں لکھی ہیں؟

پھر علانیہ اپنا یہ دوٹک فیصلہ سناتے کہ

هؤلاء قوم خالفوا اهل العلم — صوفیوں کا گروہ اہل علم (یعنی طبقۂ علماء) کے خلاف چل رہا ہے۔

(ص۲۱۵ ج۸)

فرماتے کہ یہ صوفی

ياتونا مرة بالحارث المحاسبي و مرة بعبد الرحيم الديبلي و مرة بحاتم الاصم ومرة بشقيق — کبھی ہمارے سامنے حارث محاسبی کا قول پیش کرتے ہیں کبھی عبد الرحیم دیبلی کا کبھی حاتم اصم کا کبھی شقیق کا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہتے تھے کہ دو لاکھ حدیثیں مجھے اس طرح ازبر ہیں جیسے قل ہو اللہ کی سورۃ انہیں کا لطیفہ ہے کہ ایک شخص گفتگو میں قسم کھا بیٹھا کہ حافظ ابو زرعہ کو دو لاکھ حدیثیں زبانی یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے، قسم کے بعد حافظ کے پاس آیا بولے کہ تمہاری بیوی کو طلاق نہ پڑی مطمئن رہو۔ ۱۲

پھر مسلمانوں میں عام عقیدت صوفیہ کی طرف سے جو پھیل چکی تھی اور پھیلتی جا رہی تھی خصوصاً حارث محاسبی کی کتابوں نے اس کی اشاعت عام میں تازیانے کا جو کام کیا، اسی حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حافظ فرماتے کہ :-

ما اسرع الناس الی البدع — بدعت کی طرف چل پڑنے میں لوگ کتنی جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔

یہ ایک ہزار سال سے زیادہ زمانے کا قدیم ترین وثیقہ "مُلّا اور صوفی" کی باہمی لاگ ڈانٹ کی تاریخ کا ہے، جہاں تک میرے محدود معلومات ہیں ان کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اتنے صاف صاف کھلے کھلے تیز و تند الفاظ میں صوفیوں کی تنقید طبقۂ علماء کی طرف سے شاید اب تک نہیں کی گئی تھی اور یہ عجیب بات ہے کہ آج بھی جب کوئی مولوی صوفی کے خلاف کچھ کہتا ہے تو تقریباً ان ہی باتوں کو دہراتا ہے جو حافظ ابوذرعہ نے ہزار سال پہلے سنائی ہیں، فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو تصوف کی تاریخ لکھنے والوں کے لیے تو ابوذرعہ کی یہ تنقید سنگِ میل کا کام دے سکتی ہے۔

حارث سے متعلق امام احمد بن حنبل کی رائے

بہر حال میں جس قصے کو سنانا چاہتا تھا اب اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، مطلب یہ ہے کہ المحاسبی کی کتابوں سے مسلمانوں میں عام ہلچل جو پیدا ہوئی اور روز بروز دیکھا جا رہا تھا کہ اس کی شدت بڑھتی جا رہی ہے تو عام علماء جیسا کہ عموماً دستور رہا ہے تجربہ سے پہلے تنقید پر آمادہ ہو گئے لیکن اسی زمانہ میں مسلمانوں کو حضرت امام احمد بن حنبل نور اللہ مرقدہ کی شکل میں ایک ایسی نعمت عطا ہوئی تھی جس کی بدولت خدا ہی جانتا ہے کہ فتنوں کے کتنے دروازے بند ہوئے۔ دین کے فروعی یا غیر بنیادی مسائل کی تشریح و توجیہہ میں اہلِ علم کے مختلف نقاطِ نظر کی وجہ سے حنفیت و مالکیت شافعیت و حنبلیت وغیرہ کی شکل میں جو اختلافات امت مرحومہ میں پائے جاتے ہیں اور آج ان اختلافات کو ہم جو اس حال میں پا رہے ہیں کہ ایک حنفی اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا کہ جس مصنف کی کتابیں وہ پڑھ رہا ہے وہ امام مالک کی تشریحی مہارت پر اعتماد رکھتا ہے یا امام شافعی جو توجیہہ ان مسائل کی کرتے ہیں ان کو مانتا ہے، یہی نہیں بلکہ استاد تک بنانے میں مسلمانوں نے اس کی پروا نہ کی، حد یہ ہے کہ استاد سے بھی جس کا مرتبہ بلند اور کہیں زیادہ بلند ہے یعنی پیر تک بنانے میں یہ نہیں دیکھتے کہ ہم جسے اپنا پیر بنا رہے ہیں اور جس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ

Marfat.com

ان اماموں میں سے کس امام کا پیرو ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے پیر سیدنا الامام الشیخ الجیلی رضی اللہ تعالیٰ سمجھے جاتے ہیں، جیسا کہ دنیا جانتی ہے آپ حنبلی تھے لیکن آپ کے ماننے والوں میں جہاں تک میں جانتا ہوں زیادہ تر تعداد ان ہی کی شریک ہے جو حنبلی نہیں ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اختلافات کے باب میں رائی کو پہاڑ بنا دینا جس انسانی فطرت کا ادنیٰ کرشمہ ہے بحیثیت انسان ہونے کے چاہیئے تو یہی تھا کہ مسلمان بھی اپنے گھر کے ان اختلافات کو باہر کا اختلاف بنا لیتے لیکن اسلامی فقہ کی تاریخ سے جو واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے مسلک صلح کل نے ابتداہی میں فتنے کی اس آگ کو ایسے حکیمانہ طریقوں سے سجھا دیا کہ اختلافات گو باقی رہے لیکن بجائے "زحمت" کے "امت" مرحومہ کی دینی زندگی کے وقتی مشکلات کے حل کرنے میں یہی اختلاف رحمت کا کام دیتا رہا[۱] جس کا قصہ طویل ہے میری غیر مطبوعہ کتاب" تدوین فقہ" سے حضرت امام کے ان مساعی قیمہ کا آپ کو اندازہ ہوگا، جو اس راہ میں آپ نے انجام دی ہیں" صلح کل" اور اختلافات کے باب میں ہر فریق کے

---

[۱] اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے میرا مقالہ" تدوین فقہ" پڑھیئے افسوس ہے کہ صرف ایک مقالہ کی شکل میں مضمون کا ابتدائی حصہ اب تک شائع ہو سکا ہے تاہم اس میں بھی آپ کو اس سلسلہ کے متعلق بعض اہم باتیں مل جائیں گی اپنی کتاب میں میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی فقہ حقیقی معنوں میں امام ابوحنیفہ کی فقہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شخصی طور پر فتووں کے جو جوابات دیئے تھے بعد کو ان کے مذہب کے ایک عالم اسد بن فرات نے حنفی فقہ کی تعلیم حاصل کر کے اسی ترتیب پر امام مالک کی فقہ کو مرتب کر دیا۔ یوں مالکی فقہ نے ایک مستقل مکتب خیال کی شکل اختیار کی اس کے بعد امام شافعی آئے ان کی حیثیت تدوین قوانین اسلامی کے سلسلہ میں حزب مخالف کی ہے یعنی شریعت کی اصل سرچشمہ (کتاب و سنت) کو پیش نظر رکھ کر فقہی نتائج کی تنقید امام شافعی کا حقیقی کام یہی ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مذاہب و ادیان کی طرح اسلام اپنے سرچشمہ سے دور نہیں ہوا، امام شافعی کے بعد امام احمد بن حنبل نے مصالحت کی راہ پیش کی تقریباً ہر اختلافی پہلو کے جواز کی گنجائش اپنے وسیع معلومات کی روشنی میں آپ نے نکالی، میرا خیال ہے کہ فقہی اختلافات نے کسی زمانے میں خطرناک صورت اسلام کی طویل تاریخ میں جو اختیار نہیں کی تو اس میں بہت زیادہ دخل امام احمدؒ کی مخلصانہ کوششوں کو ہے۔ بہرحال اسی کا نتیجہ ہے کہ پچاس ساٹھ کروڑ کی تعداد میں ہونے کے باوجود مسلمانوں میں فرقہ بندی کا عارضہ نہ پھیل سکا۔ بحمد اللہ سارے عالم کے مسلمانوں کی اکثریت اہل سنت و الجماعۃ کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، ان کے مقابلہ میں اقلیت قلیلہ صرف ارباب امامیہ یعنی شیعوں کی ہے۔ ۱۲

Marfat.com

صیحح نقطۂ نظر کی تحقیق کا جو فطری میلان امام احمد میں قدرتًا ودیعت تھا، جہانتک میں خیال کرتا ہوں اسی کا نتیجہ تھا کہ محاسبی کے خلاف جو طوفان عام طبقۂ علماء میں پھوٹ پڑا تھا اس کے متعلق بھی امام نے بجائے سنی سنائی باتوں کے چاہا کہ واقعہ کی براہِ راست خود تحقیق کرنی چاہیئے۔ ایک صاحب جن کا نام اسماعیل بن اسحاق السراج تھا شمار ان کا وقت کے معتبر محدثین میں کیا گیا ہے، بڑے بڑے ائمہ سے حدیث کا علم انہوں نے حاصل کیا تھا، رہنے والے نیشاپور کے تھے بغداد میں تجارت کا کاروبار کرتے تھے اور اسی کے ساتھ علم حدیث کی خدمت میں بھی وہ اپنی بساط کے مطابق مشغول رہتے یوں تو عام اہل علم و دین سے ان کا میل جول تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے خطیب نے ان کے اساتذہ کے نام گنواتے ہوئے امام احمد کا نام جہاں لیا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ :-

کان لہ اختصاص باحمد بن حنبل — امام احمد بن حنبل کے ساتھ خاص تعلق ان کا تھا۔

(تاریخ بغداد صـ۹۲ ج ۶)

بہر حال اسماعیل میں معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری علوم کے ساتھ کچھ دوسری لٹک بھی پائی جاتی تھی، حارث محاسبی سے ان کا تعلق اسی جستجو کے سلسلہ میں پیدا ہو گیا تھا، محاسبی ان کے یاں آمد و رفت رکھتے تھے اور وہ بھی ان کے حلقۂ خاص میں کبھی کبھی شریک ہوا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے اسماعیل[1] ہی کو واسطہ بنانے کا ارادہ کیا۔ خطیب کی روایت ہے کہ ایک دن امام نے اسمٰعیل سے پوچھا کہ :-

مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ حارث یعنی المحاسبی کی تمہارے پاس بہت زیادہ نشست رہتی ہے،

اس تمہید کے بعد امام نے فرمایا کہ :-

کیا ایسا کر سکتے ہو کہ اپنے گھر تم حارث کو بلاؤ اور مجھے کسی ایسی جگہ بٹھا دو کہ وہاں سے حارث کی باتیں براہ راست میں خود سن سکوں۔

میرے نزدیک امام جیسے بھاری بھرکم آدمی کے لیے اس طریقہ سے چھپ کر بیٹھنے کا ارادہ اور اس

---

[1] جیسا کہ بتا چکا ہوں دراصل یہ نیشاپور کے رہنے والے تھے لیکن طلب علم کے شوق میں خود بھی اور ان کے بھائی ابراہیم و محمد بغداد چلے آئے تھے۔ پڑھنے کے بعد حدیث کا درس بغداد میں دینے لگے۔ ۲۹۳ھ میں بمقام بغداد ہی وفات (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ارادے کا اظہار اور اس سے بھی زیادہ کسی کو کسی خاص کام کے لیئے تکلیف دینے پر آمادہ ہوجانا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے حضرت امام کے حالات اور ان کی فطری خصوصیات[۱] سے جو واقف ہیں یقیناً ان کے لیئے اس کا باور تک کرنا مشکل ہے کہ اپنے کسی شاگرد سے انہوں نے ایسی خواہش کی تھی؟ اور اسی سے فتنہ کی اس آگ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے جو علماء اور صوفیہ کے درمیان اس زمانے میں خصوصاً حارث کی کتابوں کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہوئی۔ ایک دلچسپ لطیفے کا خطیب ہی نے ان کی وفات کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے یعنی اسمٰعیل کی وفات کے بعد ان کے بھائی محمد بن اسحٰق بغداد سے چلے گئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے بغداد جیسے شہر کو کیوں چھوڑ دیا، بولے کہ بھائی کیا کہوں میرے بھائی پچاس سال تک بغداد میں رہے لیکن ان کی وفات ہوئی اور جنازہ اٹھایا گیا تو سڑک پر میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ کس کا جنازہ ہے، جواب میں کہا گیا کہ۔ غریب کان هنا (یعنی ایک پردیسی غیر ملکی بغداد میں رہتا تھا اسی کا جنازہ ہے) محمد کہتے تھے کہ جس وقت یہ فقرہ میرے کان میں پڑا بے ساختہ انا للہ میری زبان پر جاری ہوگیا، دل میں کہنے لگا کہ پچاس سال تک قیام اور علم میں مشہور ہونے کے بعد بھی کہا جاتا ہے کہ غریب غیر ملکی یہاں تھا بس اسی کے بعد بغداد سے روانہ ہوجانے کا میں نے فیصلہ کر لیا۔ (ص ۲۹۳ ج ۶)

[۱] امام کے وقار و تمکین کا اندازہ آپ کو ان مثالوں سے ہوسکتا ہے جس کا ذکر ان کے سوانح نگار اپنی کتابوں میں کرتے ہیں، اسمٰعیل بن علیہ مشہور محدث و فقیہہ ہیں تیس سال کی عمر تھی جب امام احمد ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اسمٰعیل بوڑھے تھے کہتے ہیں کہ حلقہ میں ایک شخص کسی بات پر ہنس پڑا۔ اسماعیل نے تیز نگاہ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ تم ہنستے ہو اور احمد اس مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں واسط کے مشہور محدث یزید بن ہارون کے حلقہ میں لکھا ہے کہ ان کی حدیثوں کو جو دہراتا تھا اس سے یزید نے درمیان میں کچھ مذاق کی بات کی حلقہ کافی بڑا تھا اچانک ایک گوشہ سے کھانسنے کی آواز آئی یزید کو جب معلوم ہوا کہ امام احمد کھانس رہے ہیں تو سر پیٹ لیا، اور بولے کہ تم لوگوں نے مجھے پہلے سے مطلع نہ کیا کہ احمد حلقہ میں آچکے ہیں تاکہ مذاق کی جرأت مجھ میں پیدا نہ ہوتی۔ (ابن عساکر ص ۳۱ ج ۲) بڑی سے بڑی مصیبت گزر جاتی لیکن امام کی عادت ہی نہ تھی کہ اس کا ذکر کسی سے کرتے اس سلسلے میں بیسیوں واقعات کا کتابوں میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

Marfat.com

وجہ سے بھڑک اٹھی تھی۔ بہر حال خطیب نے لکھا ہے کہ اسمٰعیل بن اسحاق کے سامنے امام نے اپنی اس عجیب و غریب خواہش کا اظہار کیا تو اسماعیل ہی کا بیان ہے کہ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی میں نے عرض کیا "بسر و چشم" اسماعیل حارث محاسبی کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ کے خاص اصحاب کے ساتھ میں دعوت کرنا چاہتا ہوں محاسبی نے کہا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر خود ہی فرمائش کی کہ دعوت میں بس "کسب[1] اور کھجور ہو۔ مقدار ان کی جتنی زیادہ بڑھا سکتے ہو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔"

خلاصہ یہ کہ المحاسبی سے تاریخ وغیرہ دعوت کی طے کر کے اسمٰعیل امام کی خدمت میں حاضر ہوئے طے ہوا کہ مغرب کے بعد اسماعیل کے مکان پر صوفیوں کا مجمع جمع ہو گا امام احمد مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر اسماعیل کے مکان میں آ گئے ابھی المحاسبی اور ان کے رفقاء نہیں پہنچے تھے اسماعیل نے اپنے مکان کے بالاخانے پر پہنچا دیا۔ وہیں اپنے ورد و وظائف میں مشغول رہے تا اینکہ حارث اپنے رفقاء کہئے یا موجودہ اصطلاح میں مریدوں کو لے کر پہنچ گئے پہلے تو دستر خوان بچھایا گیا کھانے سے لوگ فارغ ہوئے اس کے بعد عشاء کی نماز ہوئی نماز کے بعد حلقہ بنا کر سب بیٹھ گئے۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ المحاسبی نے اپنی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا۔ آدھی رات تک یہ سلسلہ بغیر کسی انقطاع کے جاری رہا۔ درمیان میں بعضوں نے سوال کیا، حارث اس کا جواب دیتے تھے حال یہ تھا کہ حارث کہتے جاتے تھے اور سارا مجمع خاموشی سے سن رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے۔ تقریر سننے والوں میں بعض لوگ رونے بھی لگتے تھے۔ اور بعضوں کو ہچکیاں لگ گئیں مگر حارث اپنے کلام میں مستغرق تھے۔

اسمٰعیل کہتے ہیں کہ آدھی رات جب گزر گئی تب میں نے خیال کیا کہ امام کو بھی جا کر تو دیکھوں وہ کس حال میں ہیں، کہتے ہیں کہ میں اس غرفے (کمرے) میں گیا تو دیکھا کہ امام پر غشی طاری ہے معلوم ہوا کہ روتے روتے بالآخر بے ہوش ہو گئے میں نے اسی حال میں ان کو چھوڑ دیا اور نیچے اتر کر پھر حارث کے حلقہ میں شریک ہو گیا تا اینکہ صبح کا سپیدہ نمودار ہو گیا۔ تب یہ لوگ اٹھ کر چلے گئے میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت تک ان کو افاقہ ہو چکا تھا۔ تاہم بقول شخصے "شبینہ" کا اثر امام پر پھر بھی باقی تھا۔

---

[1] واللہ اعلم کسب سے اس زمانہ میں کیا مراد لیتے تھے عام طور پر تو لغت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ روغنی دانوں کی کھلی کو کہتے ہیں، شاید کوئی خوراک اس مادہ سے اس زمانہ میں تیار کی جاتی ہو ورنہ صرف کھلی تو بظاہر کھانے کی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ ۱۲

اسمٰعیل کے الفاظ ہیں،

فصعدت الی ابی عبد اللہ وھو متغیر الحال (ص۲۱۵) — میں چڑھ کر اس کمرے میں گیا جس میں ابو عبد اللہ (یعنی امام احمد) تھے اور ان کی حالت اب متغیر تھی،

اسمٰعیل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ "آپ نے لوگوں کو اے ابو عبد اللہ کیسا پایا؟"

جواب میں ارشاد ہوا کہ:-

ما اعلم انی رائیت مثل ھؤلاء القوم — میں نہیں جانتا کہ اس قسم کے لوگوں کو میں نے کبھی دیکھا ہے۔

یہ تو المحاسبی کے اصحاب کے متعلق امام کی رائے تھی جو "شنیدہ" نہیں بلکہ "دیدہ مشاہدات" کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی، پھر المحاسبی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ

ولا سمعت علم الحقائق مثل کلام ھذا الرجل (ص۲۱۵) — اور حقائق و واقعات کے متعلق جیسی گفتگو اس شخص نے کی میں نے نہیں سنی تھی۔

اور یہ تھا وہ فرق جو "ملا اور صوفی" میں پایا جاتا تھا، حاتم اصم نے قاضی محمد بن مقاتل اور قاضی طنافسی کو دیکھ کر جو رائے قائم کی تھی اسے بھی آپ پڑھ چکے ہیں اور طبقۂ علماء کے سرخیل کبیر امام الائمہ حضرت امام احمد بن حنبل ایک صوفی کو اس کے حلقے اور حلقہ کی گفتگو کو دیکھ کر اور براہ راست سن کر جس حال میں مبتلا ہوئے یعنی روئے خوب روئے اتنا روئے کہ بالآخر بے ہوش ہو گئے یہ حال تھا جو امام پر طاری ہوا اور اس مشاہدہ اور تجربہ کے بعد جس قال کو اسمٰعیل نے آپ سے نقل کیا اسے بھی سن چکے امام احمد ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے علم حدیث کی تلاش میں اس زمانے کے عام اسلامی ممالک کا متعدد بار دورہ فرمایا تھا مشکل ہی سے اس زمانے کی کوئی ممتاز ہستی ہوگی جس سے آپ نہ ملے ہوں اور ان کی باتیں آپ نے نہ سنی ہوں ان کے حال کو نہ دیکھا ہو، اس کے بعد ان کے اس قول کا وزن محسوس ہو سکتا ہے کہ:-

"نہ میں نے (حارث کے اصحاب کے مانند) دیکھے ہیں اور نہ علم حقائق پر اس شخص کی گفتگو جیسی گفتگو میں نے سنی ہے۔"

شیخ عبد الوہاب شعرانی نے طبقات الصوفیہ الکبریٰ میں بھی امام احمد اور حارث محاسبی کے درمیان جو یہ واقعہ گزرا ہے اس کا ذکر کیا ہے واللہ اعلم کس ذریعہ سے انہوں نے امام کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں یعنی آخر

Marfat.com

ہیں فرمایا کہ

کنت اسمع عن الصوفیۃ خلاف ھذا — صوفیوں کے متعلق میں نے اس کے مخالف اور برعکس باتیں سنی تھیں۔

شعرانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مذکورہ بالا فیصلہ کے بعد امام نے فرمایا کہ

استغفر اللہ العظیم (طبقات ص۷۵ ج ۱) — میں خدائے بزرگ و برتر سے اس کی مغفرت چاہتا ہوں۔

شعرانی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعد کو امام یہ بھی فرماتے تھے کہ حلقے والے المحاسبی سے ریا اخلاص اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کے متعلق سوالات اس مجلس میں کرتے تھے اور میں نے دیکھا کہ المحاسبی ان سوالات کے جوابات کو بیان کرتے ہوئے

استشھد علیہ بالآی والحدیث — ذیل میں قرآنی آیتوں اور حدیث کو بطور شہادت کے پیش کرتے تھے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا مجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ امام شعرانی تک اس مجلس کے متعلق یہ باتیں کس سے پہنچی ہیں لیکن جہانتک اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر میرا احساس ہے کہ شعرانی نے کسی معتبر کتاب ہی سے ان اجزار کا اضافہ اپنے بیان میں کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

لم ینکرہ من احوالہ ولا من احوال اصحابہ شیئًا (ص۷۵) — یعنی اس ذاتی مشاہدے کے بعد امام نے نہ محاسبی کے کسی حال پر اعتراض کیا اور نہ ان کے اصحاب (مریدوں) کے حالات میں ان کو کوئی قابل اعتراض بات نظر آئی۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ شعرانی کے بیان میں یہ زائد تفصیلات جو پائی جاتی ہیں اگر انصاف اور فکر معقول سے کام لیا جائے تو خطیب والی روایت جسے انہوں نے مسلسل سند کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے خود اس روائت کے اجمالی بیان سے بھی ان ہی نتیجوں کو پیدا کیا جا سکتا ہے آخر حاصل خطیب والی روائت کا بھی تو یہی ہے کہ امام احمد بن حنبل محاسبی کے کلام سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے۔ اتنے متاثر کہ گریہ طاری ہوا، بے ہوش ہو گئے۔ پھر جن الفاظ میں محاسبی اور ان کے اصحاب کے متعلق اپنے تاثر کا اسمٰعیل بن

Marfat.com

اسحاق کے پوچھنے پر اظہار فرمایا ان کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز اس مجلس کی قابل اعتراض حضرت امام کو نظر نہ آئی گویا اپنے "دیدہ" کو انہوں نے "شنیدہ" روایات کے مطابق نہیں پایا یا زائد شنیدہ روایات جن کو سن کر ان کے دوست حافظ ابوزرعہ نے نہ صرف المحاسبی سے پہلے طبقہ صوفیہ کے اکثر سربرآوردہ اکابر شفیق بلخی، حاتم اصم، عبدالرحیم دیبلی سب ہی پر انکار و اعتراض کی بارش برسا ئے ہے تھے، بلکہ آپ سن چکے کہ ان تمام بزرگوں کے طریقۂ زندگی پر "بدعت" ہونے تک کا فیصلہ صادر فرما چکے تھے۔

میرے نزدیک ان ہی وجوہ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مشاہدہ اور اس مشاہدے کے تاثرات تصوف کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، مسئلہ خلق قرآن کے امتحان کے گزرنے کے بعد "محبوبیت عامہ" کی جو عجیب و غریب کیفیت عام مسلمانوں میں آپ کو حاصل ہوگئی تھی اس کی تو خیر شائد مشکل ہی سے نظیر مل سکتی ہے لے لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بہت پہلے جس زمانے میں حضرت امام بھی نوجوان تھے اور امام شافعی کی ملاقات بعد میں اسی زمانہ میں ان سے ہوئی تھی۔ جب بغداد سے امام شافعی تشریف لے گئے تو لوگوں کا بیان ہے کہ اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے کہ

"میں نے بغداد میں تین عجیب چیزیں دیکھیں ایک تو نبطی (غیر عربی

لے قطع نظر اس سے کہ واقعہ خلق قرآن کے بعد بالاتفاق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسلامی تاریخ کی ایک ایسی منزل قرار دیئے گئے جس کی چند ہی مثالیں ان سے پہلے گزری تھیں یعنی کہا جاتا تھا کہ ابوبکر یوم الردہ وعمر یوم السقیفہ وعثمان یوم الدار وعلی یوم صفین واحمد یوم المحنۃ (ابوبکر ارتداد کے زمانہ میں عمر سقیفہ کے دن عثمان دار والے دن اور علی صفین کے دن احمد بن حنبل محنت کے دن) ابن عساکر ص۴۲ ج ۲) لیکن اس کا اندازہ تو خواص کر سکتے تھے عوام پر امام کا جو اثر تھا اس امر کا ظہور آپ کے جنازے میں ہوا جس میدان میں نماز پڑھی گئی تھی جب اس کی پیمائش کر کے حساب کیا گیا جو اس میدان میں بھرے ہوئے تھے تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی تو تیرہ لاکھ آدمیوں کا تخمینہ کیا گیا، بلکہ لوگ تو مسلمانوں سے آگے بڑھ کر لکھتے ہیں کہ بغداد کے یہود و نصاریٰ اور مجوس سب ہی امام کے ماتم میں شریک تھے کہتے تھے کہ بعض تو اتنے متاثر ہوئے کہ مسلمان ہو گئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ان نو مسلموں کی تعداد جو امام کی وفات کے دن مسلمان ہوئے تھے چودہ ہزار تھی۔

(صفحہ حلیۃ الاولیاء ج ۹)

النسل عجمی آدمی تھا) جو نحوی تھا (یعنی زبان کے قواعد وضوابط کا عالم تھا) اور ایک اعرابی کو دیکھا (جو عربی النسل اور عرب کا باشندہ ہونے کے باوجود) لحان تھا۔ (یعنی غلط عربی بولتا تھا)"

بغداد کے ان دو اعجوبوں کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ

ورائت شابا اسود الراس واللحیۃ اذا قال حدثنا قال الناس کلھم صدق وھو احمد حنبل۔

ص۳۱ ج ۲ تاریخ دمشق ابن عساکر)

اور میں نے ایک جوان کو دیکھا جس کا سر بھی سیاہ تھا اور زلفیں بھی سیاہ تھیں (یعنی ابھی شباب کی عمر میں تھا) اس کا حال یہ ہے کہ جب وہ حدثنا کہتا ہے (یعنی اس لفظ کو بیان کرکے حدیث بیان کرتا ہے) تو لوگ کل کے کل کہتے ہیں کہ سچ کہتا ہے۔

جوانی میں عامۃ الناس کے قلوب میں جس کے متعلق اعتماد ووثوق کی یہ عمومی کیفیت پائی جاتی ہو سمجھا جاسکتا ہے کہ بعد کو جب اس کے علمی وعملی کمالات کا ظہور پختہ سالی کے زمانہ میں ہوا تو اس کی ہر دلعزیزی اور غیر معمولی حسن قبول کا کیا حال ہوگا؟

ایسی صورت میں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ المحاسبی اوران کے اصحاب کے متعلق امام احمد کے اس ذاتی مشاہدے اور اس مشاہدے کے تاثرات ونتائج کا چرچا عوام میں جب پھیلا ہوگا اور پھیلے بغیر وہ کیسے رہ سکتا تھا تو اس کا اثر تصوف اور تصوف کے ان ممتاز نمائندوں کے متعلق عام مسلمانوں پر کیا پڑا ہوگا؟

اگرچہ ترتیب کے ساتھ تاریخ میں ہم ان واقعات اوران نتائج کو نہیں پاتے لیکن ابھی کچھ دیر پہلے آپ مجھ ہی سے سن چکے کہ امام احمد ہی کے زمانہ میں تصوف اور صوفیوں پر یہ تنقید ہو رہی تھی کہ یہ لوگ اہل علم اور علماء کے مخالف ہیں، ان کے خلاف یہ دعوے علماء کی طرف سے دائر ہو رہا تھا کہ جن مسائل پر یہ لوگ بحث کرتے ہیں ان پر امام مالک سفیان ثوری اوران ہی جیسے ائمہ متقدمین نے کیا کبھی کوئی بحث کی تھی، یا ان مسائل کے متعلق ان بزرگوں کی کوئی کتاب پائی جاتی ہے؟ میں نے عرض کیا تھا کہ کسی معمولی مولوی کی طرف سے نہیں بلکہ حافظ الحدیث امام ابوزرعہ جیسے بزرگ مذکورہ بالا الفاظ میں علانیہ تصوف اور صوفیوں پر تنقید فرما

Marfat.com

رہے تھے اور ان کو بدعتی قرار دے رہے تھے، لیکن اچانک اسی زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ان ہی بدنام صوفیوں کے چند سربرآوردہ نفوس (جن میں خود المحاسبی بھی ہیں) ان کا تذکرہ مورخین ان الفاظ میں کر رہے ہیں، یعنی المحاسبی کا نام لے کر لکھتے ہیں کہ یہ ان پانچ

الخمسة من الشیوخ الجامعین بین علم الظاهر والباطن فی عصر واحد هم ابوالقاسم الجنید وابو محمد رویم ابوالعباس بن عطاء وعمرو بن عثمان المکی رحمهم الله تعالٰی

شیوخ (صوفیہ کے سربرآوردہ) لوگوں میں ہیں جن میں علم ظاہر و علم باطن جمع ہوگیا ہے۔ یہ پانچوں ایک ہی زمانے میں تھے یعنی ابوالقاسم جنید ابو محمد رویم ابوالعباس بن عطا عمرو بن عثمان مکی رحمہم اللہ تعالٰی۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی زمانہ میں ایک حال یہ تھا کہ بجز ان مسائل کے جن کا ذکر امام مالک و سفیان ثوری وغیرہ ائمہ فقہ کی کتابوں میں پایا جاتا ہے ان کے سوا علم کے احاطہ میں کسی دوسری چیز کی شرکت کو علماء برداشت نہیں کر سکتے تھے گویا اس وقت تک سارا دین از سر تا پا ان ہی فقہی مسائل کے اندر منحصر سمجھا جاتا تھا ان کے سوا آپ سن چکے کہ وساوس و خطرات اور اسی قبیلہ کے وہ سارے مسائل جن سے بیچارے صوفی بحث کرتے تھے ان کو صاف صاف کھلے لفظوں میں "بدعت" یا دوسرے الفاظ میں دین میں خود ساختہ اضافہ قرار دیا جا رہا تھا۔ حافظ ابوزرعہ جیسے امام فی الحدیث سب کو "ضلالات و بدعات" کہنے سے نہیں جھجکتے تھے پھر یہ کیا ہے کہ اچانک اسی زمانہ میں علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کو بھی علم ہی کے ذیل میں داخل کر لیا جاتا ہے اور تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ بعض لوگ علم کے ان دونوں شعبوں کے جامع ہیں جن میں ایک المحاسبی بھی ہیں بلکہ جہاں جہاں کتابوں میں اس فقرے کو لوگوں نے نقل کیا ہے سب سے پہلے المحاسبی کا نام عموماً سرفہرست نظر آتا ہے۔ نقطۂ نظر کے اس اچانک فجائی انقلاب میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس تاریخی رات ہی کی تاریکی میں غالباً یہ روشنی پیدا ہوئی جو اپنی افتاد طبع کے خلاف امام احمد نے اسماعیل

لے قرآن حکیم انسانی دماغ کی منطق کو سلجھانے کے بعد جس عقل کو آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے اور اس عقل سے حکمت کے جو سرچشمے جاری ہوتے ہیں اسی قرآنی حکمت کے یہ چند خاص برگزیدہ حکما ہیں ان میں ہر ایک مستحق ہے کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی جائیں جن لوگوں کو شوق ہو حلیۃ الاولیاء ابونعیم صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی وغیرہ میں ان کے حالات و مقالات پڑھ سکتے ہیں۔

Marfat.com

بن اسحٰق کے بالاخانے پر گزاری تھی وہی رات جس میں بچشم خود معائنہ فرمانے کے بعد آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ یہ صوفی بے چارے مظلوم ہیں ان کے متعلق پھیلانے والے جو کچھ پھیلاتے رہتے ہیں واقعہ کے خلاف ہے یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی کہ دین کے ایک خاص حصّے کو اپنی فکری و نظری قوتوں کی جولاں گاہ بنا کر جیسے فقہائے اُمّت نے نتائج پیدا کیے ہیں بجنسہٖ یہی کام یہ صوفی دین ہی کے دوسرے خاص حصّے کے متعلق انجام دے رہے ہیں[۱]، بہرحال میرا خیال ہے کہ عوام میں صوفیہ تصوّف اور تصوّف کے مسائل کے متعلق جو بدگمانیاں طبقۂ علماء کی طرف سے پھیلائی گئی تھیں۔ کوئی وجہ نہیں ہوسکتی کہ امام احمد کے اس مشاہداتی اور تجربی فیصلہ کے بعد وہ باقی رہ سکتی تھیں اسی لیے میں تو سمجھتا ہوں کہ صرف فقہی اختلافات کی سمیت کے ازالہ میں حضرت امام احمد بن حنبل کامیاب نہیں ہوئے ہیں بلکہ " ملا اور صوفی " کے قضیئے کو بھی قدرت نے امام ہی کی مبارک کوششوں سے طے کرا دیا گو اختلافات فقہی مکاتب خیال میں بعد کو بھی باقی رہے بلکہ اب تک باقی ہیں! اور شاید رہتی دنیا تک اسلام کے ساتھ ساتھ یہ اختلافات بھی باقی رہیں گے۔ کبھی کبھی خود ان اختلافات کی وجہ سے نہیں بلکہ ان اختلافات کو غلط استعمال کی وجہ سے جدال پسند جھگڑالو طبائع بعض ناگوار حالات کو بھی پیدا کر دیتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ اختلافات کا نہیں بلکہ ان سے غلط استعمال لینے والی ہستیوں کی فطری نہاد افتاد طبع اور ذاتی رجحانات کا نتیجہ ہوتا

---

[۱] شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب طبقات الصوفیۃ الکبریٰ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ فقہ کے ائمہ مجتہدین جیسے کتاب و سنّت کے کلیات سے جزئیات پیدا کر کے ان پر فرض و واجب، سنّت و مستحب یا حرام و مکروہ خلاف اولیٰ ہونے کا حکم لگاتے ہیں، آخر تصوف کے ائمہ عارفین کتاب و سُنّت کے اس حصہ میں جن سے ان کے متعلقہ مسائل کا تعلق ہے اگر جزئیات پیدا کریں اور ان پر حکم لگائیں تو اس پر تعجب کیوں کیا جائے۔ آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ لیس ایجاب مجتہد باجتہادہ شیئاً لم یصرح الشریعۃ بوجوبہ اولیٰ من ایجاب ولی اللہ تعالیٰ حکما فی طریق لم تصرح الشریعۃ بوجوبہ (یعنی شریعت میں جن امور کے وجوب کی تصریح نہیں ملتی لیکن ایک امام مجتہد اپنی اجتہادی کوششوں سے ان کے وجوب کا حکم اگر بتلا دے سکتا ہے تو اپنے طریقہ خاص (یعنی تصوف) کے متعلق اللہ کا ولی کسی ایسے مسئلہ پر وجوبی حکم اگر لگاتا ہے جس کی تصریح شریعت میں نہیں پائی جاتی تو دونوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔ (طبقات الصوفیۃ الکبریٰ ص۴ ج ۱۔) واقعہ یہ ہے کہ اتنے صاف اور واضح مسئلہ کو سمجھنے سے بعض لوگ نہ معلوم کیوں گریز کرتے ہیں۔ ۱۲

Marfat.com

ہے جھگڑوں کو ان اختلافات کی طرف منسوب کرنا بجنسہ وہی بات ہے کہ عام طور پر جب دنیا مذہب کے زیر اثر تھی، اور لڑتی تھی، تو پچھلے دنوں یہ فیصلہ کر دیا گیا تھا کہ لڑائی جھگڑوں کے یہ سارے قصّے مذہب سے پیدا ہوتے ہیں مگر لامذہبیت کے موجودہ دور میں بھی جنگ و جدال کا یہ سلسلہ جب نہ رکا بلکہ نسبتاً وہ زیادہ بڑھ گیا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے تب لوگوں کی سمجھ میں آیا اور نہ آیا ہے تو اب سمجھ میں آنا چاہیئے کہ مذہب نہیں بلکہ ان لڑائیوں کو خود انسان یا انسانوں کے وہ افراد پیدا کرتے ہیں جن کی فطرت ہی لڑاکو اور جنگ و جدال کے میلانات کو لے کر پیدا ہوتی ہے، اسی طرح گو ملائیت اور صوفیت کی باہمی چشمکوں اور نوک جھونک کا سلسلہ رکا تو نہیں ہے اور شاید آئندہ بھی نہ رکے لیکن مسلمانوں کی عمومیت نے یہ تسلیم کر لیا کہ پیغمبرؐ نے جو دین کا ذخیرہ "الکتاب و السنۃ" کی شکل میں ان کو عطا کیا ہے یہ ذخیرہ صرف ان ہی مسائل پر مشتمل نہیں ہے جن سے فقہی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے بلکہ دین کا بڑا اور بہت بڑا حصہ ان کے سوا بھی ہے جنہیں تصوف یا معارف و حقائق کے ائمہ نے اسی دینی ذخیرے سے برآمد اور استنباط کیا ہے جیسے فقہی مسائل کے ائمہ امام ابوحنیفہ، مالک و شافعی وغیرہ نے فقہی مسائل کو اسی ذخیرے سے پیدا کیا ہے۔[1]

---

[1] ہمارے استاذ امام علامہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں خشوع خضوع مسئلہ ظاہر ہے کہ قرآنی مطالبہ ہے لیکن فقہ کی کتابوں میں سالہاسال سے تلاش کر رہا ہوں کہ فقہا نے اس مسئلہ کا کہیں اپنی کتابوں کا ذکر کیا ہے یا نہیں فرماتے تھے کہ مدت کے بعد ایک غیر مطبوعہ کتاب میں صرف ایک فقرہ ملا کہ نماز کے مستحبات میں یہ بھی ہے، واقعہ وہی ہے کہ فقہاء نے اسلام کے قالب پر اپنی بحث کا موضوع بنایا اسی لیئے صرف ان ہی عناصر کا ذکر اپنی کتاب میں کرتے ہیں جن سے اس اسلامی قالب کی تعمیر میں مدد ملتی ہو باقی اسلام کا قلب اور اس کی روح اس کے عناصر و اجزا دیہ بالکلیہ جدا گانہ چیزیں ہیں۔ کتاب سنت کا جو حصہ ان پر مشتمل ہے فقہاء نے اپنی فقہی کتابوں میں دین کے اس حصہ پر بحث کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا ہے مثلاً روزے کے مسائل میں آپ کو ہر فقہی کتاب میں یہ مسئلہ ملے گا کہ غیبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا یعنی روزے کا قالب متاثر نہیں ہوتا۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ روزے کا قلب اور اس کی روح غیبت سے نکل جاتی ہے۔ صحیح حدیثوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصریح کی ہے۔ ۱۲

Marfat.com

طریقۂ غزالیہ کے "مذہب اوائل" ہونے کا مفہوم

میرا مطلب یہ ہے کہ غیر اطلاقی تصوّف کے زیر اثر کرنے والے جو کچھ کرتے کہتے اور سنتے رہے اسلام اور اسلامی وثائق متندات سے وہ قطعاً جاہل ہے۔ جو ان کو اسلامی تعلیمات کے دائرے سے باہر کی چیزیں سمجھتا ہے امام احمد بن حنبل کی تصحیح و توثیق کے بعد اس قسم کی ہرزہ درائیوں پر وہی جری ہو سکتے ہیں جو نہ اسلام ہی سے واقف ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ اسلام کے فروع و اصول کے علم میں امام رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام تھا۔

جہاں تک میرا خیال ہے تصوّف اور صوفیت کا وہ خاص طریقہ جس کی نمائندگی امام احمد کے زمانے میں حارث اور حارث کے اصحاب کرتے رہے تھے بعد کو امام غزالی نے اسی طریقہ کا احیاء فرمایا۔

تصوّف کے جزئیات تک نصوص وآثار سے مؤید ہیں!

بلاخوف تردید یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ صوفیہ کے مختلف طرق و سلاسل میں جن اشغال و اعمال اور ان کے نتائج و ثمرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے نہ صرف ان کے کلیات بلکہ جزئیات تک کی تائید قرآنی نصوص اور آثار و روایات سے ہوتی ہے جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے بلکہ ایک مستقل کتاب کا وہ مضمون ہے۔ مثلاً سرسری طور پر لوگوں کو ان ہی عام باتوں پر غور کرنا چاہیئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے حق تعالیٰ نے جب بلایا تو اربعین یا چلہ کی تکمیل کا حکم ان کو کیوں دیا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کیا خود خاتم المرسلین کے قلب مبارک میں الخلوت کی خواہش نزول وحی سے پہلے جو پیدا کی گئی حراء میں آپ کا تحنث کیا صوفیوں کی چلہ کشی کی تصحیح کے لیے کافی نہیں، شہادت یا ناسوتی آثار میں الجھی ہوئی روح پر غیبی تجلیات کا انعکاس یکسوئی کے ان خاص طریقوں کے ساتھ صوفی جو کہتے ہیں کہ وابستہ ہے کیا ان کا یہ دعوی قطعاً بے بنیاد ہے۔ حرائی زندگی میں انوار غیبی اصوات کا تجربہ و مشاہدہ اور آخر میں غیب کے ساتھ تعلق کو مستحکم کرنے کے لیے جبرئیل امین کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دبانا اور اتنا دبانا کہ بلغ الجھد منی حتی ظننت انہ الموت (کشمکش انتہا کو پہنچ گئی میں نے خیال کیا کہ بس موت

Marfat.com

آگئی، بلکہ اسی سلسلہ میں بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سانس رک گئی، یا روک دی گئی کیا صوفیہ کا طریقہ توجہ اور حبس دم وغیرہ کی تصحیح کے لیے اتنی واضح شہادتیں کافی نہیں ہوسکتیں واقعہ شق الصدر اور لطائف و اسرار کا جو مسئلہ صوفیہ بیان کرتے ہیں دونوں کی باہمی مناسبت کا کیا کوئی انکار کرسکتا ہے خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شق صدر کا واقعہ ہی پانچ دفعہ پیش آیا اور لطائف و اسرار کی تعداد بھی صوفی بتاتے ہیں کہ پانچ ہی ہے۔

رہا سیر و سلوک سو معراج و اسراء کے واقعات کا کسی رنگ میں اُمتیوں کو بھی مشاہدہ کرایا جاتا ہو تو اس کے انکار کی کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ والقصۃ بطولہا۔

Marfat.com

طریقہ غزالیہ
پر
مولینا گیلانی کی تنقید

تصوف یا صوفیانہ زندگی کا معاملہ دینی علوم کی دوسری شاخوں سے کچھ مختلف ہے حدیث ہو یا فقہ، کلام ہو یا عقائد، یہ علوم ہیں، مگر تصوف یا صوفیت سچ پوچھئے تو مومن کی شخصی زندگی کے دین کے "جمالی قالب" کی یہ تعبیر ہے۔ اپنی دینی زندگی کو اسی "جمالی قالب" میں ڈھالنے کا ذوق اگر کسی پر ہو جائے تو دوسروں کے حاصل کردہ کمالات سے اس بیچارے کو اپنے شخصی ایمان و دین کے حسن و جمال کے اضافہ میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔

ایسی صورت میں تصوف یا "صوفیانہ زندگی" کو اسی خاص طریقہ ہی کے ساتھ اگر مختص سمجھا جائے جس کی نمائندگی "طریقہ غزالیہ" کرتا ہے، تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ دنیا تو دنیا دین کے بھی دوسرے اہم شعبوں کی تکمیل میں جو مشغول ہیں اور ان کی یہ مشغولیت کسی حیثیت سے بھی "طریقہ غزالیہ" کے تصوف کی مشغولیت سے کم اہم اور ضروری نہیں ہے۔ ان بے چاروں کے دین کے اس "جمالی قالب" کے حصول کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

سچ پوچھئے تو "ملا" اور "صوفی" کی باہمی رقابت و لاگ ڈانٹ میں بہت کچھ دخل اس نقطہ نظر کو بھی ہے۔ ایک محدث علم حدیث اور اس کی مختلف شاخوں کی تحقیق و تدقیق میں مشغول ہے یا ایک فقیہہ مسلمانوں کی عملی زندگی کے آئینی پہلوؤں کی تشریح و توضیح کو اپنی زندگی کا سودا بنائے ہوئے ہے ایک مورخ مسلمانوں کے حال کو ان کے ماضی کے ساتھ مسلسل مربوط رکھنے کے لیے کتابوں کا کیڑا بنا ہوا ہے بلکہ ایک مجاہد فن حرب و مقاتلہ کے عملی مشقوں میں اپنی ساری توانائیوں کو دین ہی کی حمایت و صیانت

Marfat.com

کے لیے خرچ کر رہا ہے حالانکہ یہ سب کچھ کر رہے ہیں دین ہی کے لیے کر رہے ہیں لیکن ان مشاغل کے ساتھ طریقہ غزالیہ کے تصوف کے مطالبات کی تکمیل کا موقع ان بیچاروں کو چونکہ میسّر نہیں آ رہا ہے اس لیے فیصلہ کرنا پڑے گا کہ اپنے دین کو "جمالی قالب" میں ڈھال کر قرآن کے "المحسنوں" کے طبقہ میں شریک کرنے کا کوئی موقع ان کے لیے باقی نہیں رہتا ہے "الاحسان" کے جس لفظ سے ایمانی حسن و خوبی کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی فرمائی ہے مذکورہ بالا نوعیت کے مشاغل رکھنے والے مسلمان اپنے شخصی ایمان و اسلام کو اس مقام تک ترقی دے کر پہنچانے سے گویا محروم ہو جاتے ہیں، کہنے والوں نے کنز و ہدایہ کا نام لے کر یہ طنز جو کیا ہے کہ ان کتابوں میں خدا نہیں مل سکتا، یجوز و لا یجوز کی بحثوں میں پھنسنے والے اس سے بھی آگاہ نہیں ہو سکتے کہ خود ان کا شخصی وجود "یجوز و لا یجوز" کے چکر سے نکلا بھی ہے یا نہیں یہ سارے قصے اسی مفروضہ پر مبنی ہیں کہ "الاحسان" کا مقام تصوف اور صوفیت کے ثمرات ان ہی مشاغل کی پابندیوں کے ساتھ وابستہ ہیں جن میں مشغول ہونے والوں کے لیے ضروری ہے کہ دین و دنیا کے دوسرے مشاغل سے اپنے آپ کو بیگانہ کر لیں۔

آپ دیکھیے ان ہی اسمٰعیل بن اسحٰق السراج کو غالباً ان کے مختصر سے حالات خطیب کے حوالہ سے کہیں درج کر چکا ہوں لہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ دینی حیثیت سے ان کا خصوصی مشغلہ روائت حدیث تھا خطیب ہی نے لکھا ہے کہ

نزل بغداد وحدث بہا — یعنی (اصل وطن تو ان کا نیشاپور تھا) بغداد آئے اور یہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔ (صـ۲۹۲ ج ۶)

اور معاشی مشغلہ ان کا تجارت تھا تاریخ بغداد ہی میں ہے۔ "کہ علم (حدیث) اور تجارت میں وہ مشہور تھے۔" صـ۲۹۳

آپ ہی بتائیے کہ ایک ایسے مرد مومن کے لیے جو معاش تو تجارت سے حاصل کرتا ہوا اور دینی خدمت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی اشاعت و تدریس کو اس نے اپنا مشغلہ بنا لیا ہوا اس بیچارے کے لیے اس کا کہاں موقعہ تھا کہ حارث جیسے صوفیوں کی زندگی اختیار کر سکے، حارث کا حال تو

لہ ملاحظہ ہو مضمون "طریقہ غزالیہ" کی آخری بغلی سرخی "ملا بہ تعاقب صوفی" (غ م)

Marfat.com

یہ تھا کہ باپ نے لاکھوں لاکھ روپے چھوڑے تھے، لیکن اس مال کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور بقول خطیب

وان الحارث لمحتاج الی دانق فضۃ — حارث چاندی کے ایک حبہ کے محتاج تھے

(ص ۲۱۲ ج ۸)

حضرت جنید فرمایا کرتے تھے

کان الحارث کثیر الضر — سخت تکلیف کی حالت میں رہتے تھے یعنی فقر وفاقہ کی مصیبت میں مبتلا رہتے تھے۔

(ص ۲۱۲ ج ۸)

سوال یہی ہے کہ دین کے اس "جمالی قالب" کے حصول سے ان غریبوں کو کیا بالکلیہ مایوس ہونا چاہیئے؟

یہ صحیح ہے کہ نیت کو درست کر لینے کے بعد دین اور علم دین کے جس شعبہ کی خدمت جس سے بن پڑے گی آنے والی زندگی میں امتیازی مراتب و مدارج سے وہ محروم نہ رہے گا۔ جس نے فقہ کی یا حدیث و تفسیر کی یا دین کی کسی اور راہ میں کوئی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے انشاءاللہ آخرت میں اپنی غیر معمولی خدمت کے صلہ کو بھی غیر معمولی شکلوں میں اپنے آگے پائے گا۔

مگر ایمان کے "احسانی مقام" یا دین کے "جمالی قالب" کے ثمرات ونتائج کا ظہور جیسا کہ تجربہ شاہد ہے، مرنے سے پہلے اسی زندگی میں شروع ہو جاتا ہے کچھ نہیں تو بجائے خود ان کی ایمانی زندگی حسن و جمال کے اس قالب میں ڈھل جانے کے بعد مومن کے لیے سرمایۂ نشاط اور سرچشمۂ سرور بن جاتی ہے ہم تصوف اور صوفیت کو طریقۂ غزالیہ ہی کے اندر اگر منحصر یقین کر لیں تو دین و ایمان کے اس نقد لذت و بہجت نشاط و سرور سے تو ان لوگوں کی محرومی کا قطعی فیصلہ کرنے پر مجبور رہوں گے جن کو طریقۂ غزالیہ کے مطالبات کی تکمیل کا موقع دوسرے اہم دینی و دنیوی مشاغل کی وجہ سے میسر نہیں آ رہا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے قول سے تائید

میرا خیال تو یہی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن اسحاق السراج سے آخر میں جو یہ فرمایا کہ تمہارے لیے حارث اور ان کے اصحاب کو پسند نہیں کرتا[1]، اس سے غرض غالباً یہی تھی کہ جن مشاغل

---

[1] خطیب نے جو الفاظ نقل کیے بجنسہ ان کو درج کر دیتا ہوں، لکھا ہے کہ امام نے فرمایا:-

وعلی ما وصفت من احوالھم فانی — میں نے جو کچھ حال ان لوگوں کا (یعنی حارث اور

ہیں تم مشغول ہو ان سے خواہ مخواہ تم کو الگ ہونا پڑے گا۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اس جمالی قالب کا حصول امام ہمام کے نزدیک بھی حارث محاسبی کے اس خاص طریقۂ سلوک کے ساتھ وابستہ نہ تھا اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ تصوف کے ان غیر اطلاقی طریقوں کے سوا جن کی قدر مشترک خصوصیت یہ ہے کہ دین و دنیا کے عام مشغلوں سے الگ ہو کر اسی میں استغراق تام اور کلی انہماک کے بغیر نتائج و ثمرات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اسلام میں الاحسان یا دین کی اسی "جمالی قالب" میں اپنی زندگی کو ڈھالنے کا ایک اطلاقی طریقہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے چلا آتا ہے خود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ساری دنیائے اسلام کی خاک چھان کر اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایک ایک جزئیہ الفاظ اقوال ملفوظات و حالات کے جمع کرنے میں اتنی غیر معمولی کامیابی حاصل کی کہ اس کامیابی کی نظیر نہ اس سے پہلے ملتی ہے ورنہ ان کے بعد، آج بھی ان کی مسند شریف سیرت طیبہ کی تحقیق کی سب سے بڑی محیط یا دائرۃ المعارف ہے۔ اسی کے ساتھ فقہی مکاتب خیال میں آپ کی مصالحانہ روش نے مسلمانوں کے اندر فقہ کے متعلق ایک خاص قسم کی رواداراانہ ذہنیت جو پیدا کی دینی علوم کے ان مہمات کی مشغولیت کے ساتھ ظاہر ہے کہ غیر اطلاقی تصوف کے مشاغل کے لیئے وقت نکالنا آسان نہ تھا پھر کیا یہ مان لیا جائے کہ کسی اور کا نہیں بلکہ امام احمد جیسے اکابر اسلام کا ایمان احسانی خوبیوں کی رعنائیوں سے (العیاذ باللہ) محروم تھا اور جمالی قالب ان ہی جیسے بزرگوں کا اسلام حاصل نہ کر سکا، اپنی عقل و خرد کے ساتھ اس قسم کی جاہلانہ بے باکیاں خود سوچیئے کہ تمسخر و استہزا کے سوا اور کیا ہے۔

صحابۂ کرام کی زندگی سے تائید

اور سچ تو یہ ہے کہ نبوت کبریٰ کے براہ راست فیض یافتہ بزرگوں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کے متعلق ذہنی تشویشوں سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی تدبیر ان لوگوں کے لیئے کیا ہے، جو تصوف

لا اری لک صحبتہم۔

(ص۲۱۵ ج ۸ تاریخ بغداد)

حارث کے اصحاب کا) بیان کیا باوجود اس کے پھر بھی میرا خیال یہی ہے کہ ان لوگوں کی صحبت تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔

صوفیوں یا تصوف کے نمائندوں کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات کی روداد کے اسی آخری فقرے کو جہاں تک میرا خیال ہے "اطلاقی تصوف" کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

کو ہی اسلام وایمان ہی کے احسانی وجمالی ارتقا کی شکل یقین کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس عقیدت کو بھی اپنے اندر سے وہ نکال نہیں سکتے کہ اسلامی تاریخ کا بہترین طلائی قرن ہر لحاظ سے وہی ہے جس میں خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی نگرانی میں صحابۂ کرام کو دینی تربیت اور اس تربیت کے زیر اثر روحانی ارتقاء کا موقع میسر آیا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی اصحاب جو کشور کشائی اور جہاں گیری کے عام مشاغل کے سوا جہاں داری اور دین پناہی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے میں اپنی آپ نظیر تھے، صوفیانہ زندگی کے نتائج وثمرات کو اگر ان ہی پابندیوں کے ساتھ مختص اور محدود کر دیا جائے گا، جن کو غیر اطلاقی تصوف کے لوازم قرار دیتا ہوں تو صحابۂ کرام کی پاک زندگیوں میں ان پابندیوں کی جستجو میں آپ خود سوچیئے کہ اسلامی تاریخ کا کوئی طالب علم صحیح معنوں میں کیا کامیاب ہو سکتا ہے؟

غلط فہمی کی وجہ

واقعہ یہ ہے کہ " طریقۂ غزالیہ " جس آن وبان شان وشوکت طرز وبیان کے ساتھ مسلمانوں میں پیش ہوا تھا اور نہ صرف نظری بلکہ عملی حیثیت سے پے در پے اسلامی ممالک کے مختلف اقطار وجہات میں بڑی بڑی گرامی ہستیاں اس طریقہ کی پشتی بانی اور اس کے آگے بڑھانے کے لیے جس عزم وارادے کے ساتھ کھڑی ہوگئیں جیسا کہ گزر چکا کہ اونچے نیچے متوسط مسلمانوں کے ہر قسم کے طبقات میں اس طریقہ کو عمومی حسن قبول حاصل ہوا۔ علماء میں سلاطین میں وزراء میں امراء میں غرباء میں آپ دیکھ چکے کہ تصوف کے اس طریقہ کی عملی تشکیل وتعمیل میں امام غزالی کے بعد لوگ مصروف نظر آتے ہیں ایسی صورت میں باور کرنے والے اگر یہ باور کرنے لگے ہوں کہ صوفیانہ زندگی یا بالفاظ دیگر اسلام وایمان کے " جمالی قالب " اور " احسانی مقامات " ان کے فیوض وبرکات کے لیے " طریقۂ غزالیہ " کی پابندی کرنا ناگزیر ہے تو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے۔

Marfat.com

اختلافِ سلاسل کی حیثیت

Marfat.com

فہرست مضامین

(۱) تمہید

(۲) کوئی اساسی اختلاف نہیں۔

(۳) اختلاف کا تعلق جبلی شاکلہ اور ماحول سے ہے۔

(۴) خواجہ حسن بصریؒ اور علامہ محمد بن سیرینؒ کی تقابلی مثال۔

(۵) حسن بصریؒ کے شخصی مزاج اور تربیتی ماحول کا ان کی تعلیمات پر اثر۔

(۶) ابن سیرینؒ کے شخصی مزاج اور تربیتی ماحول کا ان کی تعلیمات پر اثر۔

(۷) حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا موازنہ

(۸) درس عبرت (دینِ خالص اور شخصی دین میں فرق کیجئے!)۔

(۹) علمائے دیوبند سے دردمندانہ اپیل۔

Marfat.com

اختلافِ سلاسل کی حیثیت

تمہید اتنی بات تو عوام وخواص سے تقریباً مخفی نہ ہوگی کہ تصوف یا صوفیت کا نام پانے والوں میں بیسیوں ہی نہیں بلکہ کہا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیکڑوں طرق مروج ہیں۔ سلاسل و طرق کے نام سے کتابوں میں ایک طویل فہرست ان کی پائی جاتی ہے بلکہ پچھلے چند دنوں سے عام مذاق لوگوں میں جو یہ پھیل گیا ہے کہ طریقہ یا سلسلہ کے مرکزی ہستی کے اسم مبارک کے انتساب کو گویا کافی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اپنے پیر سے شروع کرکے نسبتوں میں اضافوں کا طریقہ مروج ہو گیا ہے۔ مثلاً صرف قادری یا چشتی لکھنے سے جی نہیں بھرتا بلکہ براہ راست جس پیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی لوگ سعادت حاصل کرتے ہیں، خود ان کے نام ان کے پیر کے نام پھر پیر کے نام کی طرف منسوب کرکرکے نسبتوں کے اس سلسلے کو دراز سے دراز تر کرتے چلے جانے کی عام عادت روز بروز دیکھ رہا ہوں کہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ میرے خیال میں لفظی زنجیرہ بندیوں سے اس کاروبار کی ہمت افزائی غالباً مناسب نہ ہوگی، آخر اس سلسلۂ درازی کی درازی کہاں تک پہنچ کر رہے گی۔

کوئی اساسی اختلاف نہیں! خیر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ طرق وسلاسل کی یہ کثرت جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں صرف اسمی کثرت نہیں ہے بلکہ انتساب کی تبرکی سعادت کے ساتھ ساتھ سب کے متعلق تو کہنا دشوار ہے، لیکن تصوف کے بڑے بڑے اہم مرکزی طریقوں کے متعلق اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں ہر ایک طریقہ اپنی کچھ خصوصی شان بھی رکھتا ہے اور زیادہ انتسابات سے ان ہی خصوصیتوں کو لوگ ظاہر کرنا چاہتے ہیں، یا کم از کم انتساب کی زنجیرہ بندیوں کا عارضہ جب تک نہیں پھیلا تھا اس وقت تک بڑی غرض ان نسبتوں کے استعمال کرنے کی عموماً یہی ہوتی تھی لیکن ہر طریقہ اور سلسلہ کی اسی خصوصی شان کی بنیاد پر یہ خیال کر لینا کہ تصوف کے ان طرق وسلاسل میں کوئی اساسی اور بنیادی اختلاف ہے۔ اہل طرق جانتے ہیں کہ یہ بھی قطعاً بے بنیاد خیال ہے، اسی لیے

Marfat.com

تصوف اور صوفیت کے جس اختلاف کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اس سے مراد طریقوں کے "خصوصی شان" کا یہ اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف کی یہ صورت کتنی غیر اہم ہے اس کا اندازہ آپ کو بزرگوں کے اس مشہور قول ہی سے ہو سکتا ہے، یعنی اردو زبان میں ہم اس کو یوں ادا کر سکتے ہیں کہ جیسے ہر شخص دوسرے شخص کی سانس سے مختلف ہے۔ اسی طرح صوفیت کے طریقے اور سلسلے بھی مختلف ہیں "عدد الطرق الی اللہ للناس بعدد الانفاس" یا اسی کے قریب قریب الفاظ میں اسی مفہوم کو لوگوں نے ادا کیا ہے۔

اختلاف کا تعلق جبلی شاکلہ اور ماحول سے ہے

اس قسم کے اختلافات کا تعلق زیادہ تر صاحب طریقہ کے خصوصی افتادِ طبع اور ان کے جبلی شاکلہ[1] سے ہوتا ہے، یا جس ماحول اور جن لوگوں میں بزرگوں نے ابتداءً کام کیا تھا ان لوگوں کے فطری اقتضاؤں کو ان میں دخل ہوتا ہے طریقۂ نقشبندیہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات میں فرماتے ہیں کہ:

ان الشیخ بہاء الدین نصب مجددا للاحسان فی ارض الترک وکانوا قوی البہیمیۃ وکان ہو مجذوبا قد قبل سرہ الملکی لنور الٰہیا وتدلیا فتولد من نسبتہ وتربیت طریقۃ مفیدۃ غایۃ الافادہ۔
(ص ۸۶ ج ۱)

مقام احسان کی تجدید کے لیے شیخ بہاء الدین نقشبند (مؤسس طریقہ) ترکوں کی سرزمین میں مقرر کیے گئے اور ترکوں کا بہیمی پہلو بہت پر زور تھا، خود (حضرت خواجہ) مجذوب تھے (یعنی ذات حق نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا) ان کی فطرت کے ملکی پہلو نے الٰہی نور کو قبول کر لیا اور نورِ الٰہی کی تدلی ان پر ہوئی اسی وجہ سے ان کی شخصی نسبت اور جن لوگوں کی تربیت ان سے متعلق تھی دونوں کی اجتماعی اقتضاء نے حد سے زیادہ فائدہ بخش طریقہ کو پیدا کیا۔

[1] اشارہ ہے آیت پاک قل کل یعمل علی شاکلتہ کی طرف (غ م)

Marfat.com

تدلی یا بہیمی وملکی قوت وغیرہ کے خاص الفاظ شاہ صاحب کے اصطلاحات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، اس وقت تو مجھے صرف اپنے خیال کی تائیدی شہادت پیش کرنی تھی سو آپ دیکھ رہے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ کی خصوصی شان میں دونوں باتیں یعنی صاحب طریقہ کے شخصی خصوصیات اور جس قوم (ترک) میں کام کرنے کے لیے قدرت کی طرف سے وہ مقرر ہوئے تھے۔ ان کے قومی رجحانات دونوں کو شاہ صاحب کے قول کے مطابق کتنا دخل ہے[1]

خواجہ حسن بصریؒ اور علامہ محمد بن سیرین کی تقابلی مثال

حقیقت یہ ہے کہ رسمی علوم کے سلسلے کے اختلافات ہوں، یا باطنی طرق وسلاسل کے اختلافات ہر ایک میں اختلافات کی عمومی نوعیت یہی ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری سے تو لوگ واقف ہی ہیں ظاہری وباطنی علم کے ان دونوں حلقوں میں آپ کا احترام مساوی طور پر کیا جاتا ہے۔ ان ہی کے ہمعصر اور ہم شہر دوسرے پاک نفس بزرگ محمد بن سیرین ہیں ان دونوں بزرگوں نے صحابہ کرام کی آنکھیں دیکھی تھیں اور صحابہ ہی کی صحبتوں میں ظاہری وباطنی کمالات کی دولت دونوں نے کمائی تھی، محمد بن سیرین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی تلمیذ اور ان کے علم کے راوی عمل کے نمونہ تھے۔ کہنا یہ ہے کہ اعتقادی یا کلامی مسائل کے متعلق اختلاف کی ابتدا بصرہ ہی سے ہوئی۔ قدریہ اور مرجیہ دو اعتقادی فرقے سب سے پہلے اسی شہر میں پیدا ہوئے ان دونوں فرقوں کے اختلافات

---

[1] سیدنا الامام القطب الجیلی شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے متعلق اسی موقع پر شاہ صاحب نے اپنا یہ کشفی وجدان ظاہر کیا ہے کہ ان الشیخ عبدالقادر لہ شعبۃ من سریان فی العالم وذلک انہ لما مات صار بھمتہ الملاء الاعلیٰ وانطبع فیہ الوجود الساری فی العالم کلہ (ص ۸۵) اصطلاحات خاص جن کا شاہ صاحب نے اس عبارت میں استعمال فرمایا ہے۔ ان کے جانے بغیر مطلب کا سمجھنا عوام کے لیے دشوار ہے اس لیے ترجمہ غیر ضروری معلوم ہوا۔ شاہ صاحب سے عقیدت رکھنے والے علماء کے لیے بلاشبہ یہ عبارت قابل توجہ ہے۔ ۱۲

Marfat.com

کا اصلی منشا جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ تھا کہ بعض لوگ صرف عمل پر زور دیتے تھے، علم صحیح یعنے ایمان کے ذریعہ جن صحیح معلومات کا یقین آدمی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے محض اس ایمان اور یقین کی ان نگاہوں میں کوئی قیمت نہ تھی، اسی کے مقابلہ میں بعض لوگ ایمانی معلومات ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اسی لیے عمل کو وہ چنداں اہم نہیں خیال کرتے تھے۔ بحث و مباحثہ میں ان ہی دو مختلف نقاط نظر نے بالآخر یہ شکل اختیار کی کہ ایک طرف قدریہ جس کا نام بعد کو معتزلہ ہوا ان کے نزدیک سب کچھ عمل و کردار ہی تھا اسی بنیاد پر ان کا خیال تھا کہ معمولی کمزوریاں تو نہیں لیکن دین کے اہم عملی مطالبات میں سے کسی ایک مطالبہ کی بھی خلاف ورزی نجات سے آدمی کو قطعاً محروم کر دیتی ہے۔ اسی کی تعبیر یہ کی گئی ہے کہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان جنت میں نہیں جا سکتا، بالفاظ دیگر صرف ایمان اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اسی مقابلہ میں مرجیہ اس بات پر مدعی ہو گئے کہ اصل چیز فقط ایمان ہے جب ایمان کی دولت سے ایک شخص سرفراز ہو چکا ہے تو نجات کی حقیقی ضمانت اس کو مل چکی اب جہنم سے اس کا کیا تعلق اسی خیال کو مدرسوں میں یوں ادا کرتے ہیں کہ مرجیہ کے نزدیک نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے عملی کمزوریاں خواہ جیسی کچھ بھی ہوں ان کی وجہ سے مسلمان جہنم میں نہیں جا سکتا ظاہر ہے کہ دونوں عقیدے صرف افراط و تفریط اور بحث و مباحثہ کی گرماگرمی ہی سے پیدا ہوتے ہیں، مسلمانوں کے عام جمہور جو اہل السنت والجماعت کے نام سے موسوم ہیں ان کا فیصلہ یہ ہے کہ نجات کے باب میں عمل کو قطعاً بے قیمت اور غیر موثر سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ قرآنی آیت

لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت — یعنی آدمی نے جو کیا اس کا نفع بھی اسی کے لیے ہے اور نقصان بھی اس کے کرتوتوں کا اس کو پہنچتا ہے۔

جب قرآنی نص ہے تو یہ خیال کہ عملی مکاسب و اعمال سے نہ ضرر ہی پہنچتا ہے اور نہ نفع قطعاً غلط ہے۔ قرآنی بیان کی تکذیب ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ عمل کی قیمت ایمان ہی سے پیدا ہوتی ہے ایمان کے بغیر صحیح عمل سے نجات تو نجات اسلامی دائرے میں شریک ہونے کے لیے بھی وہ کافی نہیں۔[1]

---

۱ قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بلکہ بار بار نجات کی اس جوہری بنیاد کو دہرا دہرا کر بیان کیا گیا ہے کہ عمل صالح بارآور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

برعکس اس کے ایمان کا حال یہ ہے کہ بڑے سے بڑا کٹر کافر ایمان کی راہ سے علمی تصحیح کی توفیق پانے کے ساتھ ہی کفر کی جماعت سے نکل کر مومنین کے حلقہ میں داخل ہو جاتا ہے خواہ دین کے عملی مطالبات میں سے کسی ایک مطالبہ کی تعمیل نوبت اسے نہ آئی ہو۔ بلکہ اس علمی تصحیح سے پیشتر اس نے بحالت کفر جو کچھ کیا کرایا تھا سب حرف غلط بن جاتے ہیں۔ اسی بنیاد پر اہل سنت کا عام عقیدہ یہ ہے کہ مومن ہونے کے بعد عملی غلطیوں میں جو مبتلا ہو گا اس کا معاملہ خدائے غفور و رحیم کے سپرد ہے۔ چاہے اس کی غلطیوں سے درگزر کرے قرآن ہی میں ہے کہ شرک کے سوا سارے عملی اغلاط کا مسئلہ مشیت الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے چاہے بخشدیا جائے چاہے ان کے مرتکب کو جہنم میں بھیجا جائے لیکن کافروں اور منکروں کی طرح اگر جہنم ہی میں وہ بھی پڑا ہی رہا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایمان کی کوئی قیمت اس کو نہیں ملی اسی لیے اپنی غلط کاریوں کے خمیازوں کو بھگت لینے کے بعد ایمان کا اقتضاء بھی پورا ہو گیا۔ یعنی جہنم سے نجات پائے گا، قرآنی آیات اور صحیح حدیثوں کو مجموعی حیثیت سے پیش نظر رکھنے کے بعد اسی نتیجہ تک ہر صاحب انصاف پہنچ سکتا ہے۔

مگر میں نے جیسا کہ پہلے بھی کہیں لکھا ہے کہ دراصل طبائع کے انفرادی رجحانات سے اس قسم کے مسائل کی ابتداء ہوتی ہے پھر بحث و مناظرہ، مجادلہ و مقابلہ کی گرم بازاریوں کے بعد جن کی طبیعتوں میں صحیح اعتدال و توازن نہیں ہوتا وہ کسی ایک پہلو پر بیجا اصرار کر کے اپنا ایک مستقل مسلک بنا لیتے ہیں۔[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نتیجہ خیز اسی وقت ہو سکتا ہے جب مومن ہونے کے بعد کیا جائے آخر ایسی آیتیں مثلاً ومن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا یخاف ظلما ولا ھضما (ط) ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثیٰ وھو مومن (نساء) کی کیا کمی ہے نحل میں سورہ مومن میں سورہ بنی اسرائیل میں جہاں چاہے آپ کو اس مضمون کی آیت مل جائے گی اور یہ تو معمولی قرآن کے تلاوت کرنے والے جانتے ہیں کہ عملوا الصالحات سے پہلے آمنوا کا ذکر قرآن کا ایک دوامی التزام ہے یہی فطری بات بھی ہے علم ہی جب کہ غلط ہو گا اس کے عمل کی درستی کی شکل ہی کیا ہے اصل چیز تو عمل میں یہ ہے کہ کس کے لیے کیا گیا اور کس کے حکم سے کیا گیا لاکھ اچھے کام کسی نے کیے ہوں لیکن اللہ کے لیے اللہ کے حکم سے اگر نہیں کیا تو حق تعالیٰ سے جزاء کی توقع آخر کس بنیاد پر۔

[1] اسی مسئلہ میں یاد ہو گا کہ دنیا کے پرانے ادیان تک کی تاریخوں میں دو مستقل مختلف الخیال فرقے نظر آتے ہیں۔ ہندو مذہب میں کرم کانڈ اور گیان کانڈ دو اسکول جو پائے جاتے ہیں وہ اسی مسئلہ کی ہندی تعبیر ہے حضرت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بہرحال میں کن قصوں میں پڑ گیا یہ بیان کر رہا تھا کہ بصرہ کے یہ دونوں بزرگ جن کے متعلق اسی زمانہ میں جب صحابہ کرام سے ابھی بصرہ بالکل خالی نہ ہوا تھا یہ سمجھا جاتا تھا کہ دونوں شہر بصرہ کے سردار ہیں عربی النسل مسلمانوں کے بھی اور غیر عربی النسل مسلمانوں کے بھی [1]۔

یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ ہی کا دَور ختم نہیں ہو چکا تھا بلکہ حجاج جیسے لوگوں کو مسلمانوں پر جو حکومت مطلق العنان حاکم بنا کر مسلط کر سکتی تھی بنی امیہ کی وہی حکومت اپنے تمام لوازم و آثار کے ساتھ قائم ہو چکی تھی فیتوحات کی وسعت اور ایرانی و رومانی تمدن و عمران کی وراثت نے ان سارے جذبات و کیفیات کو پیدا کر دیا تھا۔ جو اس قسم کے تمدن و حضارت کے لازمی نتائج ہیں، تکاثر فی الاموال و تفاخر فی الاولاد کے مقابلہ کا بازار چار سو گرم تھا۔ تفصیل کے لیے تو اس عہد کی معاشرتی و اجتماعی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے لیکن مثالاً وہی واقعہ جس کا حافظ ابو نعیم نے خواجہ حسن بصری کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے اندازے کے لیے کافی ہو سکتا ہے کہ ابوبکر ہذلی جو خواجہ حسن بصری کے حلقہ نشینوں میں تھے وہی بیان کرتے ہیں کہ:

حسن بصری کے شخصی مزاج کا اور تربیتی ماحول کا ان کی تعلیمات کا اثر

ہم لوگ حسن کے حلقہ میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر یہ خبر سنائی کہ ابھی عبداللہ بن الاہتم کے پاس سے میں آرہا ہوں اپنی آخری سانسیں وہ پوری کر رہے تھے میں نے عبداللہ سے پوچھا کہ کیا حال ہے تو جواب میں کہنے لگے کہ سخت تکلیف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مسیح علیہ السلام کے نام سے سینٹ پال نے عیسائیوں میں جہاں دوسری باتیں پھیلائیں کہتے ہیں کہ ان میں ایک ارجاء کا خیال بھی تھا۔ سینٹ پال کی طرف جو خطوط یا مکتوب منسوب ہیں ان میں اب تک اس قسم کے فقرے پائے جاتے ہیں، مثلاً گلیتوں والوں کے موسومہ مکتوب میں ہے کہ

آدمی شریعت (تورات کے عملی مطالبات) کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے۔ (مکتوب مذکور باب ۲، ۱۶)

غلو کہیے یا بیباکی ہیں اس حد تک پال پہنچ گیا تھا کہ اسی خط میں دوسری جگہ اسی کے الفاظ ہیں:

جتنے شریعت کے اعمال پر بھروسہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے تحت ہیں (باب ۳، ۱)

[1] ابن سعد صہ ۱۴۳ ج ۷

بیں ہوں۔

اسی کے بعد عبداللہ بن اہتم نے جو بات کہی وہی سننے کی ہے یعنی تکلیف کا ذکر کر کے ایک صندوق کی طرف جو سامنے رکھا ہوا تھا اشارہ کر کے کہہ رہے تھے

"اس ایک لاکھ کا کیا ہوگا جو اس صندوق میں رکھا ہوا ہے۔ جس کے ایک پیسہ کی نہ زکوٰۃ ہی ادا ہوئی اور نہ رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنے میں،[1] کچھ خرچ ہوا۔"

---

[1] شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تفہیمات میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے زمانہ میں مخاطب کرتے ہوئے ان کی غیر اسلامی زندگی پر جو بہری تنقیدیں فرمائی ہیں ان میں اس کی شکایت کرتے ہوئے کہ زکوٰۃ کے فرض کو تم نے بھلا دیا آگے ایک چیز آپ کے قلم سے نکل گئی ہے۔ عبداللہ بن الاہتم کے ان الفاظ پر شاہ صاحب کی اس بات کا خیال آیا جی چاہتا ہے کہ اپنے عہد کے اہل ثروت و نعمت تک شاہ ولی اللہ کی یہ بات پہنچا دی جائے۔ شاہ صاحب نے اسی شکایت کے بعد لکھا کہ

کوئی ایسا امیر و تونگر آدمی نہیں ہے جس کے رشتہ داروں میں ایسے غریب غربا اور نادار لوگ نہ ہوں جو مستحق ہوتے ہیں کہ انہیں کھلایا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے۔ مالداروں کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کچھ حسن سلوک کے مواقع جو مل جاتے ہیں ان کے متعلق زکوٰۃ کی اور حکم الٰہی کی تعمیل کی نیت کر لیا کرے۔ یہ لوگ اتنا بھی کریں تو ان کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔

شاہ صاحب کے عربی الفاظ یہ ہیں یعنی لو انہ نوی الزکوٰۃ والعبادۃ لکفاہ (ص۲۱۹ ج ۱)

یہ ایک محدث جلیل اور فقیہ نبیل کا فتویٰ ہے کاش کچھ نہیں تو اسی نیت کی توفیق مسلمانوں کے ارباب ثروت و سرمایہ کو میسر آجائے کیونکہ رشتہ داروں کے ساتھ اس قسم کے حسن سلوک بہرحال عموماً لوگ کیا ہی کرتے ہیں الا یہ کہ کوئی اشقی القوم و اقسی القلب ہو، یہاں ایک فقہی جزئیہ کا ذکر بھی غالباً بے محل نہ ہوگا۔ علامہ سہیلی نے روض الانف میں حنفیوں کے امام ثانی ابو یوسف کی طرف اس فتوے کو منسوب کیا ہے کہ سادات (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے آل میں جو لوگ داخل ہیں اگرچہ زکوٰۃ ان پر حرام ہے لیکن تحل لھم صدقۃ بعضھم علی بعض وھم بنو ھاشم و بنو عبدالمطلب (یعنی خود باہم سادات کی زکوٰۃ سادات کے لیے حلال ہے۔ ص۱۴۲ ج ۱ روض الانف —— شاہ ولی اللہ کے مشورہ سے قاضی ابو یوسف کے اس فتویٰ کی بنیاد پر سادات بھی اپنے اقربا و اعزہ کے ساتھ حسن سلوک کر کے چاہیں تو نفع اٹھا سکتے ہیں قاضی ابو یوسف کے اس فتویٰ کا ذکر حنفیوں کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

خواجہ حسن بصری سے جو صاحب اس قصہ کو بیان کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ میں نے تب عبداللہ سے کہا کہ آخر اس طریقہ سے آپ نے یہ رقم کس لیے جمع کی تھی۔ عبداللہ بولے کہ

"کیا کہوں خدا کی قسم، گردش ایام کے خوف اور حکومت کی بے اعتنائیوں کے اندیشے، ان ہی کے ساتھ اپنے کنبہ میں مالی برتری حاصل کرنے کا جو شوق مجھ میں تھا، ان ہی باتوں کا یہ نتیجہ ہے۔"

(حلیۃ الاولیا صفحہ ۱۴۵ ج ۲)

اور یہ ایک اعترافی نمونہ ہے ان جذبات اور خیالات کا جن میں مسلمان اسی زمانہ میں ماحول کے زیر اثر مبتلا ہو چکے تھے، یا ہوتے چلے جا رہے تھے۔

خود خواجہ حسن بصری کے ملفوظات و اقوال جن کا کتابوں میں کافی ذخیرہ پایا جاتا ہے ان میں بھی بکثرت اس قسم کی چیزیں جو ملتی ہیں، مثلاً راستباز مرد مومن کی علامتوں کو بتانے کے بعد یعنی کسی قسم کے نیک اعمال کی توفیق اسے میسر آئی ہو۔ مگر اپنے حسن انجام کے متعلق کبھی وہ مطمئن نہیں ہوتا، خواہ اس نے پہاڑ ہی کے برابر مال اللہ کی راہ میں کیوں نہ خرچ کر دیا ہو۔ لیکن نتیجہ جب تک اس کے سامنے نہ آجائے اس وقت تک وہ ڈرتا ہی رہتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں نام نہاد مسلمانوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ

"سواد اعظم یعنی عام مخلوق (عموماً میری ہی جیسی ہے) پس سب کے ساتھ ہم بھی بخش دیے جائیں گے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ (اسی قسم کی طفل تسلیوں کے بعد) عمل خیر میں سستی سے وہ کام لیتے ہیں اور دل میں خدا کے متعلق من مانی آرزویں پکارتے رہتے ہیں۔"

(صفحہ ۱۵۳ ج ۲ علیہ)

کبھی فرماتے کہ

"سب سے بڑا بدکردار فاسق وہ ہے جو ہر قسم کے کھلے اور بڑے گناہوں کا ارتکاب بھی کیے جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے کوئی خطرے کی بات نہیں اور میرے لیے کوئی کھٹکا نہیں ہے۔" (صفحہ ۱۴۸ ج ۲ حلیۃ الاولیاء)

Marfat.com

ایک دن آپ نے ایک طویل تقریر فرمائی جس میں یہ بتاتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور ماننے والوں نے آپ کو اللہ کا رسول مان لیا تو پھر دیکھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت اور طریقہ زندگی کے اختیار کرنے میں ان ماننے والوں میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ صحابہ کی اسی قسم کی خصوصیتوں کے ذکر کے آخر میں فرمایا کہ

"خدا کی قسم ان کے پاس یہ بڑی بڑی دیگیں (لذیذ کھانوں سے بھری ہوئی) صبح و شام پیش نہیں ہوتی تھیں، نہ آنے والوں کے لیے اپنے دروازوں پر وہ پہرے بٹھلاتے تھے اور نہ دربان ان کی ڈیوڑھیوں پر رکھے گئے تھے۔"

پھر مسلمانوں کی خود ان کے زمانے میں جو حالت ہو چکی تھی اس کا اظہار ان الفاظ میں انہوں نے کیا ہے:۔

"یہ بدکردار، پاجی، گنوار، سود خواروں اور بددیانتی کرنے والے مالدار لوگ ہیں جنہیں حق تعالےٰ نے ٹھکرا دیا ہے وہ (سب کچھ کیے چلے جاتے ہیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے چلے جاتے ہیں کہ) ہم جو کچھ کھا پی رہے ہیں، گھروں کو پردوں سے جو مڑھ رہے ہیں اور تعمیری طمطراق سے جو کام لے رہے ہیں ان سے کسی قسم کا کوئی خطرہ اور کھٹکا ان کو نہیں ہے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ مشہور قرآنی آیت یعنی من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق (کس نے زیب و زینت کی ان چیزوں کو حرام کیا جو خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور پاک ستھری غذاؤں کو) اسی آیت سے ان تکلفات لاطائل کی تصحیح کرتے تھے، لکھا ہے کہ خواجہ حسن بصری اسی آیت کو تلاوت کر کے فرماتے کہ

"آیت کو غلط مقام پر وہ استعمال کر رہے ہیں یہ سچ ہے کہ ہمارے بدن کے لیے خدا نے زینت پیدا کی (یعنی ستر پوشی کے لیے لباس عطا کیا ہے) اور ہمارے شکم کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے غذا پیدا کی ہے۔"

اسی کے بعد کہتے ہیں کہ

"پھر تم میں لوگ خدا کی نعمتوں کو لیتے ہیں اور ان کو لے کر کبھی اپنے پیٹ

Marfat.com

کے ساتھ کھیلتے ہیں اور کبھی اپنی شرم گاہوں کے ساتھ کھیلنے کا ذریعہ ان
ہی خدائی نعمتوں کو بناتے ہیں اور کبھی ان نعمتوں کو لے کر اپنے بدن کے
ساتھ بازی گری کرتے ہیں،

آخر میں قرآن کی دوسری آیت جس میں اسراف اور فضول خرچی سے رد کا گیا ہے اس کا حوالہ دے کر کہتے تھے کہ خدا کی نعمتوں سے استفادہ حدود میں رہ کر کرنا چاہیئے۔ اپنے پیٹ، اپنے بدن، اپنی شرمگاہوں کے ساتھ کھیلنے کا ذریعہ جو ان کو بنا رہے ہیں قیامت کے دن اس کے وبال کو دیکھیں گے (حلیہ ص۱۵۴ ج ۲)۔

کوفہ کا گورنر ابو ہبیرہ تھا، غالباً دورے پر بصرہ بھی پہنچا اور کسی ضرورت سے خواجہ کو بھی اس نے بلایا مل کر جب واپس ہو رہے تھے تو دروازے پر چند علماء کو پایا جنہیں اس زمانے میں القرار کہتے تھے، دیکھ کر بدن میں آگ لگ گئی بے ساختہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ فضیل بن جعفر جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ خواجہ اس زمانے کے ان مولویوں کو کہہ رہے تھے۔

"کیا تم ان گندوں اور خبیثوں کے پاس جانا چاہتے ہو خدا کی قسم تمہاری نشست یہاں ابرار اور نیک لوگوں کی نشست نہیں ہے۔ بھاگو! یہاں سے خدا تمہاری جان کو تمہارے جسم سے جدا کرے تم لوگوں نے اہل علم کو رسوا کیا خدا تمہیں رسوا کرے۔ خدا کی قسم اگر تم اس چیز سے جو ان (امیروں) کے پاس ہے بے نیازی اختیار کرتے تو جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کے یہ طالب بن جاتے لیکن ان کے پاس جو کچھ ہے اسی کو تم نے مطلوب بنا لیا تو جو کچھ تمہارے پاس ہے اس سے وہ بے نیاز ہو گئے"۔ (ص۱۵۱ حلیہ)

نمونے کے ان چند اقتباسات کا اندازہ اس عہد کی معاشرت اور اس ماحول سے کیا جا سکتا ہے۔ جو بتدریج مسلمانوں کو اپنے گھیرے میں لاتا چلا جا رہا تھا جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں خواجہ حسن بصری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں آنکھیں کھولی تھیں، بڑے بڑے صحابی مثلاً ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس، عمران بن حصین، سمرۃ بن جندب وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں روایت کرتے تھے خود کہتے تھے جیسا کہ حلیہ میں ہے:۔

Marfat.com

ادرکت سبعین بدریا۔ (ص۳۴ ج ۲) میں نے بدر میں شریک ہونے والے صحابیوں میں سے ستر کو پایا۔

ممکن ہے کہ ستر سے کثرت تعداد ہی مراد ہو جیسا کہ عربی زبان کا عام محاورہ ہے تاہم بدری صحابیوں کی کثیر تعداد کے دیکھنے کا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو موقع ملا تھا، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں خواجہ حسن کی والدہ رہتی تھیں۔ (بعض کہتے ہیں کہ ام المومنین کی شرعی خادمہ تھیں) بہر حال نبوت کبریٰ کی صحبت میں جن لوگوں کی تربیت ہوئی تھی ان کے دیکھنے والے کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت جب اس حال میں پہنچ گئی ہو۔ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس پر کیا گزرتی ہوگی، خود ہی فرمایا کرتے تھے :۔

" ساری جانی پہچانی باتیں گم ہوگئیں، اور جن باتوں کو کوئی نہیں پہچانتا وہی باقی رہ گئیں۔"

کبھی ان ہی صحابیوں کو یاد کر کے اپنے زمانے کے مسلمانوں سے کہتے کہ :۔

" خدا کی قسم ان کو (یعنی رسول اللہ کے صحابیوں کو) تم اگر دیکھتے تو سمجھتے کہ پاگل لوگ ہیں، اسی طرح اگر تم کو (حضرات صحابہ دیکھ پاتے) تو جو تم میں نیک سمجھے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر کہتے کہ (دین میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے) اور جو بُرے ہیں تو ان کے متعلق فیصلہ ان کا یہی ہوتا کہ حساب کے دن کو یہ نہیں مانتے"

پیغمبر کی صحبت و تربیت نے جاہلی عرب میں جس انقلاب کو پیدا کیا تھا اپنی چشم دید شہادت اسی کے متعلق ان الفاظ میں ادا کرتے :۔

" میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جن کی نظر میں دنیا اس سے بھی زیادہ بے قدر تھی جتنی بے قدر و بے قیمت تمہاری نظروں میں تمہارے پاؤں کے نیچے کی گرد ہے میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ جن کے گھر رات آتی اور بجز اتنی غذا کے جو صرف انہیں کے لیے کافی ہو، ان کے پاس اور کچھ نہ ہوتا اس پر بھی وہ کہتے کہ صرف اپنے پیٹ میں اسے ڈال دوں یہ مناسب نہیں ہے بلکہ یہ کروں گا کہ کچھ خود کھاؤں گا اور کچھ اللہ کی راہ میں تقسیم کروں گا۔ حالانکہ

Marfat.com

اللہ کی راہ میں جو کچھ وہ دیتے تھے اس کے خود ہی زیادہ محتاج ہوتے تھے۔
(ص ۱۳۴ ج ۴)

کبھی ان ہی بزرگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے :۔

" مسلمانوں کے یہ دانشمند لوگ یہ سمجھتے تھے (کہ اصل کام وہی ہے جو) صبح و شام اور کچھ رات کی تاریکیوں میں بن پڑے (یعنی خدا سے مناجات کا موقع نماز میں جو مل جائے) اسی پر ڈٹے رہنا (یہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا)۔"

پھر اپنے زمانے کے لوگوں کے طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر فرماتے :۔

" بہشت خدا کو دھوکہ دے کر کوئی حاصل نہیں کر سکتا صرف آرزوؤں سے کچھ نہ ملے گا۔ لالچ کا کتنا زور بڑھ گیا ہے لوگ صرف آرزوؤں میں غرق ہیں اسی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔"

خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایک ذکی الحس آدمی جیسے خواجہ رحمۃ اللہ علیہ تھے مسلمانوں کے دو متخالف حالات جن کا مشاہدہ زندگی کے دو مختلف ادوار میں خود ان کو کرنا پڑا تھا اس کا اثر ان کے دل پر کیا پڑ سکتا تھا ان کی سوانح عمریوں میں بکثرت اس کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ ہمیشہ وہ مغموم وملول رہتے تھے۔ ان کے شاگرد ابراہیم بن عیسیٰ الیشکری کہتے تھے کہ

حسن سے زیادہ مغموم آدمی میں نے نہیں دیکھا جب ان پر نظر پڑتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ کسی زندہ مصیبت میں یہ شخص مبتلا ہے۔

حمید نامی دوسرے صاحب ہیں جن کا بیان ہے کہ

رجب کا مہینہ تھا مسجد میں حسن بصری کو میں نے دیکھا کہ کلی کر رہے ہیں اور سرد آہیں کھینچ رہے ہیں پھر ڈھاڑیں مار کر رونے لگے ان کے دونوں مونڈھے کانپ رہے تھے۔ (ص ۱۴۳)

دوامی حزن وملال، غم وکرب کی اس کیفیت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چہ می گوئیاں بھی ہوتی تھیں، اپنی تقریر میں جیسا کہ راوی کا بیان ہے۔ خواجہ نے ایک دن فرمایا :۔

Marfat.com

"خدا کی قسم ایسا آدمی جس نے قرن اول کو پایا ہو (یعنی صحابہ کرام کو دیکھا
ہو) اور پھر وہ تم لوگوں کے درمیان بھی رہ گیا ہو کوئی دوسری صورت
اس کے لیے نہیں ہے بجز اس کے کہ صبح کو جب اٹھے تو مغموم اٹھے
اور جب شام ہو تو اس وقت بھی وہ مغموم ہی رہے۔"
(حلیہ ص ۱۳۳)

کبھی کہتے کہ
"موت دنیا کو رسوا کر رہی ہے کسی دانشمند کے لیے مسرت کی یہاں
گنجائش ہی اس نے کب چھوڑی ہے۔"

خواجہ حسن بصری کے ان ہی باطنی تاثرات اور اندرونی بے چینیوں، دوامی قلق اور کبیدگیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی گفتگو، تقریر، تحریر سب میں غیظ و غضب کا جوش و خروش بھرا رہتا تھا اس قسم کے فقرے تو جہاں چاہیے آپ ان کے کلام میں پا سکتے ہیں مثلاً

"ارے آدم کے بچے تجھ پر افسوس ہے کیا اللہ سے جنگ کی سکت اپنے
اندر رکھتا ہے دیکھ جو خدا کے حکموں سے سرتابی کر رہا ہے وہ خدا سے
جنگ میں مصروف ہے۔"

اور اس قسم کے فقرے تو ان کی تقریروں اور خطبوں میں محوری عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً :۔

"آدم کے بچے! عمل صرف تیرا عمل، یہی تیرا گوشت ہے یہی تیرا خون
ہے تیرا عمل ہی تولا جائے گا، برا بھی اور بھلا بھی۔ پھر کسی بھلائی کو
حقارت کی نظر سے نہ دیکھنا اور کسی برائی کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ وہ
تو معمولی ہے۔ تم لوگوں کو گھسیٹ رہے ہو اور قیامت تمہیں گھسیٹ
کر اپنے قریب لا رہی ہے آخر کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا سن مکھ
ہو جانے کا؟ تو دیکھ! وہ سامنے ہے۔"

مسلمانوں کو خطاب کر کے کہتے :۔

"تمہاری کتاب (قرآن) کے بعد پھر کوئی کتاب نازل نہ ہوگی، تمہارے

Marfat.com

حاشیہ میں ان کے والد سیرین کا مختصر حال میں نے درج کیا ہے اس سے اتنا تو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ ایک کھاتے پیتے خاندان کے آدمی تھے۔ والد سے ترکہ میں کافی سرمایہ اور جائداد بھی ملی تھی لیکن ابتداء ہی سے ان کا جو فطری میلان تھا اس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جرجرایا نامی ضلع میں ان کے والد نے جو زمین خریدی تھی اور وراثتاً اس کا جو حصہ ابن سیرین تک پہنچا اس زمین میں انگور کی کاشت ہوتی تھی۔ تاکستان کے ساتھ انہوں نے کسی کے ہاتھ اس زمین کو بندوبست کر دیا۔ کافی زر لگان پر معاملہ طے ہو چکا تھا اتنے میں ابن سیرین کو معلوم ہوا کہ تاکستان کے انگوروں سے بندوبست لینے والے شراب بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں انہوں نے یہ سن کر کہا کہ کیا ان کو تم پھلوں کی صورت میں فروخت نہیں کر سکتے۔ بولے کہ ایسی صورت میں نفع نہ ہو گا۔ تب ابن سیرین نے کہا کہ کشمش بنا کر یعنی انگوروں کو خشک کر کے بیچو۔ بولے کہ یہ جس قسم کے انگور ہیں ان سے کشمش نہیں بن سکتی یہ سن کر ابن سیرین نے لینے والوں سے معاملہ فسخ کرا لیا لکھا ہے کہ اس کے بعد

ضرب الکرم القاہ فی الماء — تاکستان کی تمام بیلوں کو کاٹ دیا اور سب کو پانی میں بہا دیا۔

ابن سعد ص۱۴۴ ج ۷/۲

دینی شائستگی کا حال یہ تھا کہ گفتگو کرتے ہوئے ایک شخص کے متعلق زبان سے ان کے نکل گیا کہ

"اس کالے آدمی کو میں نے نہیں دیکھا۔"

پھر خود کہنے لگے کہ میں نے اس شخص کی غیبت کی اور استغفار کرنے لگے، ایک صاحب ان سے طبیب کے متعلق مشورہ لے رہے تھے کہ علاج کس سے کراؤں، پہلے ایک طبیب کا نام لیا مگر پھر ان کو کچھ خیال آیا تو بولے کہ "فلاں طبیب مگر اس سے بھی زیادہ ماہر اور عالم ہے۔" کہنے کو تو کہہ گئے لیکن پھر خود فرمانے لگے "استغفر اللہ! میں خیال کرتا ہوں کہ اس پہلے طبیب کی غیبت کا میں مرتکب ہوا" یہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے ان کے نازک ترین دینی احساس کا انداز ہوتا ہے۔ اسی لیے ابن عون کہا کرتے تھے کہ

"ابن سیرین تو تلوار کی دھار پر چلتے تھے۔" (ص۱۴۴ ج ۷/۲ ابن سعد)

اور یہ قصے تو ان کی جوانی کے دنوں کے ہیں، ان کی زندگی کا سب سے بڑا عبرت انگیز واقعہ تو وہ ہے

Marfat.com

جسے سن کر آج بھی طبیعت بے چین ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو سرمایہ ان کو والد سے ملا تھا اسی سے بصرہ میں ابن سیرین کپڑے اور غلہ کا کاروبار کرتے تھے اور ان کا یہ کاروبار بڑے پیمانہ پر زمانہ تک جاری رہا۔ بڑی خوش حال زندگی گزر رہی تھی[1]۔ ایک دفعہ یہ صورت پیش آئی کہ چالیس ہزار کا غلہ انہوں نے خریدا مال ایسے موقعہ سے مل گیا تھا کہ تقریباً اسّی ہزار نفع بھی اس پر حاصل ہوا، لیکن اچانک ان کو محسوس ہوا کہ اس معاملہ میں شرعی نقطہ نظر سے کچھ نقص رہ گیا۔ بالاتفاق لوگوں کا بیان ہے کہ یہ نقص ایسا نہ تھا جس کی وجہ سے معاملہ کو شرعاً حرام یا قطعی ناجائز ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ بلکہ جتنا صاف اور کھرا معاملہ کرنے کے ابن سیرین عادی تھے یہ کیفیت اس معاملہ کی نہ تھی[2]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابن سیرین نے اصل مع نفع سب کو خیرات کر دیا، مگر اسّی ہزار کا یہ خسارہ معمولی خسارہ نہ تھا دیوالہ نکل گیا، قرض داروں نے مطالبہ شروع کیا جن میں ایک بدبخت عورت بھی تھی۔ اس نے جیل دینے کی درخواست حکومت میں ابن سیرین کے لیے دے دی بے چارے قید ہو گئے اور زمانہ تک قید کی سزا بھگتی جسے بخوشی برداشت کرتے رہے۔

فراغ بالی اور رفاہیت کی زندگی کے بعد عمر کے آخری حصے میں دین اور جیل کی اس مصیبت میں ابن سیرین

---

[1] خوش حالی کے ان دنوں میں ابن سیرین کی سب سے بڑی خصوصیت مہمان نوازی اور احباب پروری تھی۔ ان کے ملنے والوں کا بیان ہے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ان کے پاس ہم میں سے کوئی جاتا اسے بے کھلائے پلائے وہ رخصت کرتے اس سلسلے میں بڑے دلچسپ قصے کتابوں میں لوگوں نے نقل کیے مگر اسی قرض کے بعد ان کی مالی حالت خراب ہو گئی اس زمانے میں چھوٹی مچھلیوں کے سالن کے سوا روٹی کے ساتھ اور کچھ نہ کھاتے۔

[2] میں نے اس قصہ کو ابن سعد سے نقل کیا ہے۔ مختلف روایتوں کو جمع کر کے مجموعی نتیجہ جو پیدا ہوتا ہے اسی کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ابن سیرین معاملہ کی صفائی میں کتنی نزاکتوں سے کام لیتے تھے۔ میمون بن جبران کہتے تھے کہ کوفہ میں کپڑوں کا معاملہ میں نے ابن سیرین سے کیا تھا۔ ہر ہر تھان پر کہتے کہ تم لینے پر راضی ہو چکے۔ خرید لیا۔ میں کہتا ہاں! پھر تین دفعہ اس کو مجھ سے دہراتے اس کے بعد دو آدمی کو گواہ بنا کر کہتے کہ اس معاملہ کے گواہ رہو۔ میمون کہتے تھے کہ میرا پہلا تجربہ تھا ان کے اس احتیاط کو دیکھ کر میں نے قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ ابن سیرین کی دوکان میں جو چیز مل سکتی اس کو دوسری جگہ نہیں خریدتا حتیٰ کہ کپڑوں کی گٹھڑیوں کا لفافہ بھی۔ (ص ۱۴۷ ج ۷)

Marfat.com

جب مبتلا ہوئے تو دوسروں کا نہیں خود ابن سیرین کا خیال اپنے ان مصائب کے متعلق کیا تھا؟ اخلاقی قوانین کی گرفت کے متعلق ابن سیرین کی حسی ذکاوت کا چونکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے اسے بھی سن لیجئے۔ شاگردوں سے ڈاڑھی کو ہاتھ سے پکڑتے ہوئے کہتے کہ :-

" اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے سے میں آپ لوگوں کو جو روکا کرتا تھا وہ اسی خطرے کا احساس تھا۔ جو آج میرے سامنے ہے یہ اسی شہرت کا نتیجہ ہے جو تم لوگوں کی آمدورفت کے بدولت مجھے حاصل ہوئی اور شہرت نے بالآخر اس مقام پر مجھے پہنچایا کہ پولیس کی چوکی پہ کھڑا کیا اور کہنے والے یہ کہہ رہے ہیں کہ :-

هذا ابن سيرين قد اكل اموال الناس — یہ ابن سیرین ہے جس نے لوگوں کا مال مارا ہے۔ "

عام شاگردوں سے تو یہ کہتے، لیکن خاص محرم اسرار ابن عون کہا کرتے تھے کہ ابن سیرین نے ایک دن مجھ سے کہا کہ :-

" یہ قرض کی مصیبت جو آج میرے سامنے آئی ہے چالیس سال پہلے کی ایک غلطی کا خمیازہ ہے۔ "

یہ غلطی جو چالیس سال پہلے ان سے سرزد ہوئی تھی کیا تھی؟ خود ہی اس کی خبر ان الفاظ میں ابن عون کو دی کہ :- قلت لرجل من اربعين سنة يا مفلس — ایک شخص کو چالیس سال ہوئے ہیں نے اسے قلانچ (مفلس) کہہ دیا تھا۔ (ص۲۷۱ ج ۲ حلیۃ الاولیا)

اسی کے ساتھ ابن سعد کی اس روایت کو بھی حافظے میں محفوظ کر لیجئے یعنی بکار بن محمد کہتے تھے کہ :-

" ابن سیرین کی ایک ہی بیوی سے تیئس اولاد ہوئی جن میں ان کے بیٹے عبداللہ بن محمد کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ " (ابن سیرین کے سامنے سب کی وفات ہوئی)

(ص۱۴۱ ج ۷/۱)

بچپن ہی سے کچھ ثقل سماعت کی بھی ابن سیرین کو شکایت تھی۔ (ص۱۴۱ ج ۷/۱)

ان حالات کے بعد آپ کے سامنے خواجہ حسن بصری کے مقابلہ میں ابن سیرین کی افتاد طبع اور فطری رجحان کا اندازہ ان کے سوانح نگاروں کے ان بیانات سے کیجئے، مثلاً :-

Marfat.com

"ابن سیرین کا عام طریقہ یہ تھا کہ ان کی مجلس میں جو لوگ آتے ان سے خوب گھل مل کر باتیں کرتے اور بیچ بیچ میں ہنستے بھی جاتے، دنیا کی خبریں پوچھتے۔" (ص ۱۴۲ ابن سعد ج ۷)

انہیں کے ایک دوسرے شاگرد کا بیان ہے کہ:۔

"ابن سیرین اشعار بھی اپنے مطلب کے ادا کرنے کے لیے بطور مثال کے پڑھا کرتے تھے اور باتیں کرتے ہوئے ہنستے رہتے تھے۔ (ص ۲۷۵ حلیہ ج ۲)

اور کیسا ہنسنا ایک نہیں دو دو شاگردوں یعنی سری بن یحییٰ، اور ابن شوذب دونوں کے حوالہ سے حافظ ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔

کان ابن سیرین ربما ضحک حتی یستلقی و یمد رجلیہ۔ (ص ۲۷۵ ج ۲)

بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ابن سیرین ہنستے اور اتنا ہنستے کہ لیٹ جاتے اور پاؤں پھیلا دیتے۔

حبیب بن شہید کہتے کہ:۔

"ابن سیرین اتنا ہنستے تھے کہ آنکھوں میں پانی نکل آتا تھا۔"

اور صرف ہنسی ہی نہیں ہنسی کے ساتھ ظرافت اور خوش طبعی کا جو فطری میلان ان میں پایا جاتا تھا اسی کو ظاہر کرتے ہوئے ان کے حلقہ ہی کے ایک صاحب ابوسہل کہا کرتے تھے کہ:۔

کان ابن سیرین کثیر المزاح وکثیر الضحک (ص ۲۷۴ ج ۲)

خوش طبعی اور ظرافت بھی ابن سیرین بہت کیا کرتے تھے اور ہنستے بھی بہت زیادہ تھے۔

مزاح اور طیبت میں کہاں تک بڑھ جاتے تھے جویریہ نامی صاحب اپنا قصہ اس سلسلہ میں خود یہ سناتے تھے کہ:۔ "میں نے ایک دفعہ ابن سیرین سے ذکر کیا کہ جو چھوکری (جاریہ) میں نے خریدی ہے اس کے ہونٹ بہت بڑے اور موٹے ہیں۔"

کہتے ہیں سننے کے ساتھ بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کہ:۔

"بوسہ لینے میں زیادہ سہولت ہوگی۔" (ص ۲۷۵ حلیہ ج ۲)

ایک صاحب نے عقد کے متعلق مشورہ لیا، کہنے لگے ایسی عورت کرو جس کی نظر تمہارے ہاتھ کی طرف رہے، نہ کہ ایسی جس کے ہاتھ پر تمہاری نگاہ رہے[1]

---

[1] مطلب یہی تھا کہ بیوی کی راہ سے دولت حاصل کرنے والوں کی نظر ہمیشہ بیوی کے ہاتھ ہی کی طرف رہتی ہے۔ ۱۲۔

Marfat.com

انار کے چند پھل ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے، سعید بن ابی عروبہ کا بیان ہے کہ:۔

"ابن سیرین کہہ رہے تھے، پھلوں میں انار کی حیثیت وہی ہے جو جبرئیل کی ملائکہ میں۔" (رر)

ایک شخص ان کے پاس آیا اور بولا! آپ کی میں نے غیبت کی ہے فاجعلنی فی حل (میرے لیے اس کو حلال کر دیجیے) یعنی معاف کر دیجیے۔ ابن سیرین نے جواب میں کہا کہ:۔

"اللہ میاں کی حرام کی ہوئی چیز کو میں کیسے حلال کر دوں۔"

یہ بھی خوش مزاجی ہی کا ایک حملہ تھا،

ان کے دیکھنے والوں اور ان کی مجلس میں شریک ہونے والوں نے اس سلسلہ میں ایک بڑی داستان چھوڑی ہے۔ بے تکلفی کی یہ حد تھی کہ ایسے اشعار جن میں شراب، محبوب، اور ساقی وغیرہ ساری چیزوں کا ذکر ہوتا لوگوں کو سناتے ہوئے مصلے پر پہنچ جاتے اور عربی کا ایک شعر جس کا ترجمہ ہے:۔

مجھے اطلاع ملی ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ میری منگنی ہوئی ہے اس کی ایڑیاں اتنی لمبی ہیں جیسے ماہ رمضان کے دن لمبے ہوتے ہیں۔

ادھر شعر ختم ہوا، راوی کا بیان ہے کہ ثم قال اللہ اکبر (حلیہ صفحہ ۲۷۵ ج ۲) یعنی اسی کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز کی نیت باندھ لی ——— لیکن اسی کے ساتھ راویوں کا یہ بیان بھی ہے کہ دستور ابن سیرین کا یہ تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ روزانہ بلا ناغہ غسل کے عادی تھے حلیہ والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہنسی مذاق کی گفتگو ہو رہی ہے لیکن کہیں اس عرصہ میں موت کا نام بھی کسی نے اگر لے لیا، تو ایسا معلوم ہوتا کہ ابن سیرین کے جوڑ موڑ پر موت طاری ہو گئی، (صفحہ ۲۶۲ حلیہ)

اور یہی حال ان کا اس وقت ہو جاتا تھا جب دین کا مسئلہ کوئی پوچھتا۔ طبقات ابن سعد میں ہے:۔

"یوں تو ابن سیرین ہنسی مذاق کرتے رہتے لیکن جوں ہی فقہ کے کسی مسئلہ کا یا حلال وحرام کا ذکر چھڑ جاتا ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ایسا معلوم ہوتا کہ اب یہ وہ آدمی نہیں ہیں جو پہلے تھے۔" (صفحہ ۱۴۲ ج ۷/۲)

اس سلسلہ میں ان کے تقوائے طہارت ان کے ذکر وشغل کی ایک طویل فہرست لوگوں نے نقل کی ہے ان کے پڑوسی کہا کرتے تھے کہ ہم تو اسی احاطہ میں رہتے تھے جس میں ابن سیرین کا گھر تھا۔ واقعہ یہ تھا:۔

Marfat.com

کنا نسمع بکاءہ باللیل وضحکہ بالنہار۔ (حلیہ ص۲۷۲)

رات کو تو اس شخص کے رونے کی آواز سنتے تھے اور دن کو ہنسنے کی۔

یونس ابن عبید جو ابن سیرین کے خاص آدمیوں میں تھے وہ کہتے تھے کہ:

لم یعرض لہ امران فی دینہ الا اخذ باوثقھما۔ (حلیہ ص۲۶۸)

جب دینی معاملات کے سلسلہ میں دو باتیں پیش ہوتیں تو ان میں سے ہر لحاظ سے جو پہلو زیادہ پختہ اور احتیاط کا ہوتا اسی کو ابن سیرین اختیار کرتے تھے۔

دیکھا آپ نے دونوں دین کے چوٹی کے پیشواہیں دونوں کی تربیت وتعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کی گود میں ہوئی ہے۔ ایک ہی زمانہ، ایک ہی شہر میں دونوں موجود ہیں مسلمانوں پر دونوں ہی کے علم و دین کا غیر معمولی اثر ہے، لیکن ایک طرف خواجہ حسن بصری کا حال وہ تھا کہ صبح کو بھی اٹھتے تو غمگین ہی اٹھتے اور شام ہوتی تو کبیدہ خاطر ہی رہتے۔ پیغمبرؐ کی اُمت کی حالت پر ان کا دل کڑھتا رہتا تھا اور چوبیس گھنٹے یہی چیز ان کو مرغ بسمل بنائے رکھتی تھی، ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے تھے۔ یہی ایک آرزو تھی کہ کاش سارے مسلمان سچے مسلمان بن جاتے، بڑھتے ہوئے ان میں یہی جذبہ ترقی کرکے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ گلیوں میں، سڑکوں پر، گھروں میں، اندر میں، باہر میں جو بھی ان کو نظر آتا تھا، ان کو نام نہاد مسلمان یعنی منافق خیال کرنے لگے۔ بھری مجلسوں میں ان کے گندے اور خبیث اعمال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے کہ خدا کے انکار کے سوا ان لوگوں کے عمل کی کیا توجیہہ کی جائے۔ بہر حال جو کچھ فرماتے تھے ان کا کافی حصہ آپ کے سامنے گزر چکا ہے ——— مگر علم میں، تقویٰ میں، دیانت میں، امانت میں خواجہ حسن بصری سے ابن سیرین جیسا کہ اس وقت بھی سمجھا جاتا تھا اور اب تک بھی علمی حلقوں میں اسی نظر سے وہ دیکھے جاتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ان کا کیا حال تھا، ظرافت اور خوش مزاجی تو خیر ان کی فطرت تھی ہی لیکن ان ہی مسلمانوں کے متعلق ان کا نقطۂ نظر کیا تھا، افسوس ہے کہ کلّی شکل میں ان کے مسلک کا صراحۃً کتابوں میں ذکر نہیں پایا جاتا لیکن اس سلسلہ میں مختلف روائتیں جو مجھ تک پہنچی ہیں ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنی آدم کی اجتماعی زندگی کی صحت وسلامتی جن قدرتی قوانین کے ساتھ وابستہ بلکہ اس دنیا میں جکڑی ہوئی ہے ان قوانین کی پابندی میں ابن سیرین کا نقطۂ نظر حد سے زیادہ محتاط بلکہ سخت تھا، ابن سعد

Marfat.com

نے طبقات میں اور حافظ ابونعیم نے حلیہ میں ان کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ دنیاوی کاروبار خصوصاً تجارت اور بیوپار کی غرض سے جب کوئی سفر پر جاتا، اور رخصت ہونے کے لیے ابن سیرین کے پاس آتا تو جس چیز کی شدید تاکید اس کو کرتے وہ یہی تھی کہ

اتق اللّٰہ واطلب ما قدر لك من الحلال۔ — اللہ سے ڈرتے رہنا اور حلال (یعنی جائز قانونی ذرائع سے) جو روزی تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے بس اسی کو اپنا مطلوب بنانا۔

پھر اسلام کے مسئلہ تقدیر سے جو اہم عملی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے کہ "دیکھو! تمہاری تقدیر میں جو کچھ روزی لکھی گئی ہے اس کے سوا کچھ بھی تم کر کے حاصل نہ کر سکو گے۔" (ص۲۶۳ ج ۲)

حافظ ابونعیم نے حلیہ میں اس روایت کو جن الفاظ میں ادا کیا ہے ان کا حاصل تو یہی ہے لیکن ابن سعد والی روایت میں یہ الفاظ جو پائے جاتے ہیں کہ

فانک ان اخذته من حرام لم تصب اکثر مما قدر لك (ص۱۴۶ ج ۷) — یعنی حرام (غیر قانونی ذرائع) سے بھی اگر کچھ حاصل کرو گے تو مقدار وہی رہے گی جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔

میرے نزدیک اسلامی تعلیمات سے ابن سعد کی روایت کی یہ تعبیر زیادہ قریب ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس وقت تو مجھے ابن سیرین کے اس نقطۂ نظر کو پیش کرنا ہے جو اجتماعی زندگی کے قوانین کے متعلق وہ رکھتے تھے۔ جن میں سب سے اہم یہی مالیات کا مسئلہ ہے کسی قوم و ملک میں افراد باہم ایک دوسرے میں مالیات کے متعلق اعتماد پیدا کرنے میں جب تک کامیاب نہ ہوں گے اجتماعی زندگی کی گاڑی زیادہ دیر تک فطری رفتار کے ساتھ رواں نہیں رہ سکتی، آدمی جن حالات اور جن جذبات کو لے کر زمین کے اس کرے پر پیدا کیا گیا ہے ان کا یہ ناگزیر اقتضاء ہے۔ قوموں کا اجتماعی شیرازہ اسی وقت منتشر اور پراگندہ ہوتا ہے جب مالی لین دین میں ایک دوسرے پر اعتماد باقی نہیں رہتا، اسی کا نام ساکھ ہے۔ اس ساکھ کو کھو کر دنیا میں آج تک کوئی قوم پنپ نہیں سکی ہے۔

خیر میں ذکر ابن سیرین کے طرز عمل کا کر رہا تھا ایسے مسلمان جن کی زندگی اسلام کے دینی مطالبات

پر منطبق نہ ہو، ابن سیرین کا خیال اس قسم کے مسلمانوں کے متعلق کیا ہے، اس کا تذکرہ ابھی آپ سنیں گے لیکن مالیات کے مسئلہ میں وہ یہی کہتے تھے

المسلم المسلم عند الدرھم والدینار — درہم اور دینار (یعنے روپے پیسے) کے سامنے جو بھی مسلمان رہ جائے وہی مسلمان ہے۔ (ص ۲۶۷ حلیہ ج ۲)

ان ہی باتوں کے وہ نتائج تھے کہ اپنے ہاتھوں سے لگے لگائے تاکستان کو کاٹ کر ابن سیرین نے پھینک دیا تھا، بلکہ آپ سن چکے کہ جیل تک کی مصیبت بھی اسی مالی قصہ میں انہوں نے برداشت کی،

مال کے بعد اجتماعی زندگی میں ایسا معلوم ہوتا ہے ان کی نگاہ میں لوگوں کی عزت و آبرو کا مسئلہ تھا، اجتماعی فسادات کی یہ دوسری اساسی بنیاد ہے، آپ سن چکے کہ (اسود) کالا ہونے کی صفت کے انتساب کو یا ایک طبیب کے مقابلہ میں دوسرے طبیب کو زیادہ ماہر قرار دینے تک کو بھی غیبت قرار دے کر ابن سیرین استغفار کرتے تھے۔ بلکہ ابن عون سے قید اور قرض کی مصیبت کی توجیہہ کرتے ہوئے انہوں نے اس کا اعتراف جو کیا تھا کہ "یا مفلس" کے ساتھ ایک شخص کو میں نے چالیس سال پہلے جو خطاب کیا تھا، یہ اسی کا خمیازہ ہے۔ ان ساری باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج سے وہ بہت خوفزدہ رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان قوانین کی خلاف ورزی کی سزا اسی زندگی میں افراد و اقوام[1] کو بھگتنی پڑتی ہے، مگر اسی کے مقابلہ میں مذہبی مطالبات کے ایسے عناصر جن کا آدمی کی انفرادی زندگی سے تعلق ہے مثلاً نماز و روزہ وغیرہ۔ ذاتی طور پر عملاً ان مطالبات کی تعمیل میں

---

[1] قرآن کی سورۂ انفال میں ایک مستقل رکوع میں اس مضمون کو ادا کر دیا گیا ہے کہ قدرت کی طرف سے فاسد عناصر کو جلا کر اجتماعی زندگی کو پاک کرنے کا ارادہ جب کیا جاتا ہے، قرآن میں جس کا نام "فتنہ" ہے۔ تو فتنہ کی ایسی بھٹی میں بُروں کے ساتھ بھلوں کو بھی جھونک دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اصلاح و تطہیر کا اسی وقت اختیار کیا جاتا ہے جب امانت اور دیانت کے جذبہ کو لوگ کھو بیٹھتے ہیں، اسی سورہ کی مشہور آیت یعنی واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ (اور ڈرو اس آزمائش سے جو تم میں سے فقط ظلم کرنے والوں کی حد تک محدود نہیں رہتی) اس آیت کے ساتھ اور لاحقہ آیتوں کے مضامین کو ملا کر غور کیجئے انشاء اللہ اسی نتیجہ تک آپ بھی پہنچیں گے۔ حدیثوں میں بھی فرمایا گیا ہے کہ قرآن کے مطالبات کی تعمیل کی پہلی شرط یہی ہے کہ امانت کے جذبہ کو پہلے زندہ اور بیدار کیا جائے۔ مشہور حدیث لا ایمان لمن لا امانۃ لہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ان کا جو حال تھا اجمالاً اس کا ذکر آپ سن چکے۔ بھلا صوم داؤدی (یعنی ایک دن افطار ایک دن روزہ) جس کی زندگی کا دوامی دستور ہو ذکر اللہ کے ساتھ انہماک کی حالت جس کے یہ ہو کہ ایسے وقت میں جب بازار میں لوگوں کی بھیڑ لگی ہوتی یعنی نصف النہار میں دیکھا جاتا کہ

یدخل السوق ویکبر ویسبح ویذکر اللہ تعالیٰ۔ (حلیہ صـ۲۷۲ ج ۲)

بازار میں داخل ہوتے اور تکبیر و تسبیح، اللہ کے ذکر کا مشغلہ بھی جاری رکھتے۔

کسی نے کہا بھی کہ کونسا موقع ہے۔ جواب میں بولے کہ انہا ساعۃ غفلۃ (یہی تو غفلت کی گھڑی ہوتی ہے) لیکن اسی کے ساتھ دیکھئے اور اوراد و اشغال میں ان کا طریقہ ان لوگوں کے مانند نہ تھا کہ جس ورد کے لیے جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس کی حیثیت گویا فرض و واجب کی ہو جاتی ہے، اسی پابندی کو دینی احساس کی بلندی خیال کرتے ہیں لیکن ابن سیرین کے متعلق لوگ بیان کرتے ہیں کہ چوبیس گھنٹوں میں سات وظیفے پڑھا کرتے تھے۔

فاذا فاتہ شئی من اللیل قرءہ بالنہار۔ (صـ۱۴۵)

اگر رات میں (اس ورد میں مشغولیت) کا موقع نہ ملتا تو دن میں پڑھ لیا کرتے۔

اور وظائف کا مسئلہ تو اتنا اہم نہیں ہے، حافظ ابو نعیم نے تو ایک روایت بھی درج کی ہے کہ

ان محمد انام عن العشاء حتی تفرطت ثم قام فصلاھا۔ (حلیہ صـ۲۷۲ ج ۲)

محمد بن سیرین ایک دفعہ عشاء کی نماز سے پہلے سو گئے یہاں تک کہ وقت تنگ ہو گیا تب اٹھ کر عشاء کی نماز ادا کی۔

غالباً عشاء کی فرض نماز ہی سے اس روایت کا تعلق معلوم ہوتا ہے، یقیناً ان جیسے آدمی کے لیے اتفاقی واقعہ ہے جو کسی وجہ سے پیش آ گیا، لیکن مالی معاملات میں جس شخص کا حال یہ ہو کہ جب کسی سے تول کر کوئی چیز قرض لیتے تو لکھا ہے کہ جس باٹ سے وہ چیز تولی جاتی تھی تو نشاید کاغذ یا کپڑے وغیرہ میں اس کو لپیٹ کر

ختمہ فاذا اقتضاہ وزنہ بذلک الوزن

اس پر مہر لگا دیتے اور جب قرض کو ادا کرتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (جس میں امانت نہیں ہے اس میں ایمان بھی نہیں ہے) اس کا حاصل بھی یہی ہے یہ ایک مستقل مقالہ کا مضمون ہے میں نے صرف اشارہ کر دیا۔ ۱۲

Marfat.com

ثم دفعہ الیہ ۔ (ص۱۴۷ ج ۷، ابن سعد) تو اسی مُہر زدہ باٹ سے تول کر واپس کرتے۔

خود اپنے اس فعل کی توجیہہ بیان کرتے تھے، باٹ کا وزن گھٹ بڑھ جاتا ہے جس کا بہ ظاہر مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ پتھر جس سے عموماً تولنے کا کام لیا جاتا ہے کچھ ذرات اس کے جھڑ گئے ہوں اور یوں وزن میں کمی پیدا ہو جانے کے اندیشہ کی گنجائش ان کے نزدیک پیدا ہو جاتی تھی، مگر مالی معاملات میں جو اس درجہ محتاط تھا خیال تو کیجیے کہ اسی کو ہم دیکھتے ہیں کہ متغزلانہ شعر پڑھتے ہوئے نماز کے مصلّے پر جانے سے نہیں جھجکتا بلکہ آپ سن چکے کہ شعر ختم کر کے "اللہ اکبر" کہتے ہوئے نماز کی نیت باندھ لیتے تھے۔

حیرت ہوتی ہے کہ مالیات میں جس کی احتیاط کا وہ حال ہو، اور مالیات ہی نہیں انسانوں کی عزت و آبرو کے مسئلہ میں جس کے احساس کی نزاکت کی یہ کیفیت ہو کہ زندہ تو زندہ مرنے والوں اور ان میں بھی آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ حجاج جیسے آدمی کے متعلق حافظ ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ ابن سیرین کے کان میں آواز آئی کہ حجاج کو کوئی صاحب بُرا بھلا کہہ رہے ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میاں! اگر آخرت کا خیال تمہارے سامنے ہے تو اپنے چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو تم پاؤ گے کہ تمہاری نظر میں حجاج کے بڑے سے بڑے جرم سے بھی زیادہ اہم ہے، کیونکہ جرم خواہ کتنا ہی بڑا ہو، دوسرے کو اس کی کیا پڑی ہے اس کا خمیازہ مجرم کو ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ بخلاف اپنے گناہوں کے کہ خواہ جتنے بھی معمولی ہوں لیکن خطرہ تو اس کا لگا رہتا ہے کہ اس کی سزا دوسرے نہیں بلکہ کرنے والے ہی کو بھگتنی پڑے گی۔ لکھا ہے کہ حجاج کی مذمت کرنے والے صاحب سے ابن سیرین نے اس کے بعد یہ بھی کہا کہ:۔

"حق تعالیٰ سب سے بڑے عادل حاکم ہیں، حجاج کے مظالم کا بدلہ اگر ان لوگوں کی طرف سے لیں گے جن پر حجاج نے ظلم توڑے ہیں تو حجاج کی طرف سے بھی تو ان لوگوں سے بدلہ لیں گے جو اس پر ظلم کریں گے۔"

آخر میں فرمایا:۔

فلا تشغلن نفسک بسب احد (ص۲۷۱ ج ۲) — پس چاہیئے کہ کسی کی مذمت اور اس کو بُرا بھلا کہنے میں اپنے آپ کو مت پھنساؤ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی کا سدھار جن قوانین پر مبنی ہے ان کی ذمہ داریوں کے احساس میں جتنی زیادہ نزاکت اور ذکاوت بڑھائی جائے۔ ابن سیرین مسلمانوں کے لیے اس کی ہمت افزائی میں

Marfat.com

قولاً وعملاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوشش کا کوئی دقیقہ بچا نہتے تھے کہ اٹھا نہ رکھا جائے۔ خود تاجر تھے، لکھا ہے کہ لین دین میں کھوٹے یا ستوقہ[1] قسم کے دراہم اگران کے یاں آجاتے توان کو استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے الگ گوشہ میں ان کو ڈال دیتے تھے۔ مرنے کے بعد جب ان کی چیزوں کا جائزہ لیا گیا تو اس قسم کے دراہم پانچ سو کی تعداد میں معلوم ہوا کہ جوں کے توں ان کے یاں پڑے ہوئے تھے۔

مگر اسی کے مقابلہ میں دین ہی کے دوسرے شعبوں میں اس قسم کی حسی نزاکتوں کو وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ مثلاً ان ہی کے زمانے میں بعض لوگوں کو دیکھا جاتا تھا کہ قرآن جب سنتے ہیں تو چیخ مارتے ہیں۔ ابن سیرین سے کسی نے پوچھا کہ آپ کا ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے۔ بولے :-

"ان لوگوں کو کسی دیوار پر بٹھا دیا جائے اور اس کے بعد اول سے آخر تک قرآن ان کے سامنے پڑھا جائے میں جب جانوں کہ دیوار سے چیخ مار کر یہ گر پڑیں۔

(ص۲۶۵ ج ۲)

اسی طرح کھانے، پینے، پہننے میں خواہ مخواہ غیر ضروری پابندیوں کو اپنے اوپر جو عائد کر لیا کرتے تھے ان کو بھی ابن سیرین اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس عہد کے ایک صاحب فرقد سنجی بھی ہیں، ترک دنیا اور زہد میں مشہور تھے۔ ابن سیرین کے یاں کوئی تقریب تھی، فرقد بھی مدعو تھے آئے۔ مہمانوں کے لیے ایک قسم کا حلوا جسے خبیص کہتے تھے پیش کیا جارہا تھا۔ فرقد کے سامنے بھی حلوے کی رکابی رکھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے اٹھالو میرے کھانے کی چیز نہیں ہے۔ اٹھا لیا گیا۔ بجائے اس کے شہد اور روٹیاں لاکر ان کے سامنے رکھی گئیں کھانے لگے تب ابن سیرین نے فرمایا :-

"تم نے جس چیز کو چھوڑا اسی کو تو کھا رہے ہو"۔ ص۲۶۹ حلیہ)

یعنی خبیص حلوا بھی تو گھی، شہد اور آٹے ہی سے بنایا جاتا ہے، بجز نام کے اور فرق کیا ہوا؟

یہی حال لباس میں تھا۔ فرقد سنجی جیسے بزرگوں کا دستور تھا کہ کمل سے لباس بناتے اور اسی کو تقوے کا تقاضا خیال کرتے تھے، لیکن ابن سیرین فردہ (پوستین) بھی پہنتے تھے! اور طیلسان بھی استعمال کرتے تھے،

---

[1] ستوقہ فارسی لفظ سہ طاقہ سے بنا ہے۔ تانبے کے سکے پر اوپر نیچے دو طبق چڑھا دیتے تھے ظاہر دیکھنے میں چاندی کا سکہ معلوم ہوتا، لیکن زیادہ مقدار اس میں تانبے کی ہوتی تھی یہ سکہ میں جعل سازی کی ایک شکل تھی۔ ۱۲

Marfat.com

کتان جو اس زمانے کے قیمتی کپڑوں میں شمار ہوتا تھا۔ ابن سیرین اس کے استعمال سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے اور اپنی والدہ جن کے احترام میں اپنی نظیر آپ تھے[1]۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ان ہی کے لیے جب کپڑے خرید تے تو

الین ما یجد لا ینظر فی بقائہ — نرم سے نرم جو کپڑا مل سکتا تھا اسی کو لیتے یہ نہیں دیکھتے تھے کہ مضبوطی میں اس کا کیا حال ہے۔ (ص ۱۴۴)

اوران امور کا تعلق تو ایک حد تک معاشی مسائل سے ہے۔ ایسی باتیں جو قطعی دینی ہیں اور معادی ثمرات فوائد کی ضامن ہیں مگر ابن سیرین کا نقطۂ نظر ان کے متعلق بھی عجیب تھا، نماز اور وہ بھی جنازے کی نماز جو دنیا سے رخصت ہو کر آخرت کے حدود میں قدم رکھنے والے کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتی ہے، کسی نے ابن سیرین سے پوچھا کہ ایک شخص ثواب کی نیت سے نہیں بلکہ برادری کی شرما شرمی اور موتیٰ کے رشتہ داروں کی مروت سے جنازے میں شریک ہوتا ہے، آپ کا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے؟ جواب میں جانتے ہو ابن سیرین نے کیا کہا، حافظ ابو نعیم حلیہ میں راوی ہیں کہ پوچھنے والے سے وہ (یعنی ابن سیرین) کہہ رہے تھے۔

ایک اجر اور ثواب؟ اس نے تو ایسا کام کیا جس پر دو اجر اور دو ثوابوں کا وہ مستحق ہے۔

پھر اپنے دعوے کی دلیل خود ہی ان الفاظ میں پیش کی۔

اجر بصلاتہ علی اخیہ و اجر بصلتہ الحی۔ (حلیہ ص ۲۶۴ ج ۲) — ایک ثواب و اجر تو اس کا کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے جنازے کی نماز اس نے پڑھی اور دوسرا اجر و ثواب اس بات کا کہ قبیلہ والوں کے

---

[1] لکھا ہے کہ والدہ سے جب بات کرتے تو ہمہ تن متوجہ ہو جاتے۔ آواز میں ابن سیرین کے اتنی پستی پیدا ہو جاتی تھی کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ شائد بیمار ہیں۔ پھر دریافت سے معلوم ہوتا کہ ماں کے ساتھ گفتگو کرنے کا طریقہ ہی ان کے یہی ہے جب عید آتی تو والدہ کے کپڑوں کو خود رنگتے ان کی والدہ رنگ کو پسند کرتی تھیں۔ (ص ۱۴۴ ابن سعد

کو جھٹلا کر ان سے رشتہ توڑنے کا مجرم نہیں ہے کیونکہ اس جرم کا مجرم تو مسلمان ہی باقی نہیں رہتا بہرحال مسلمان جہنم میں داخل نہ ہوگا اس کے سوا کوئی دوسرا مطلب اس آیت کا اس وقت تک نہیں لیا جا سکتا جب تک کہ قرآنی الفاظ کے ساتھ خود اپنے الفاظ کو بھی باہر سے شریک نہ کیا جائے جعلی تاویل والوں نے یہی کیا بھی ہے۔[1]

---

[1] کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن ہی میں دوسری جگہ جب یہ فرمایا گیا ہے کہ شرک کے سوا اور جتنے جرائم ہیں ان کی معافی کو خدا نے اپنے اختیار اور مشیت کے ساتھ متعلق کر دیا ہے اب اگر اس آیت کا وہی مطلب لیا جائے جو بظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے تو شرک کے سوا دوسرے سارے جرائم کے متعلق یہ ماننا پڑے گا کہ ان کے مرتکب کو سزا نہیں دی جائے گی یعنی سزا کی معافی مشیت کے ساتھ وابستہ نہ رہی لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جہنم سے بچ جانے کا مطلب یہ کیسے لے لیا گیا کہ سزا سے بھی مجرم بچ گیا۔ کیا سزا کے لیے جہنم جانا ضروری ہے؟ آخر حدیثوں میں جو آیا ہے کہ دنیا کے مصائب گناہوں کے کفارہ بن جاتے ہیں تو اس کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیاوی مصائب کی شکل میں بھی مجرم سزا بھگت لیتا ہے قرآنی آیت من یعمل سوءًا یجز بہ (جو کرے گا برائی اس کا بدلہ اس کو دیا جائے گا) جب نازل ہوئی تو بخاری وغیرہ میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہر گناہ کا جب بدلہ ضروری ہے تو ہم میں ایسا کون ہے جس سے برائی صادر نہیں ہوئی ہے؟ مطلب یہ تھا کہ مغفرت و شفاعت وغیرہ کی گنجائش اس آیت کے بعد باقی نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی یہی سمجھایا تھا کہ سزا کے لیے یہ کیوں سمجھتے ہو کہ مجرم کو جہنم ہی میں جانا پڑے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دنیا کے مصائب حتیٰ کہ پاؤں میں کسی کے کانٹا بھی جو چبھ جاتا ہے یہ بھی جرم کی سزا کی ایک شکل ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ رح نے اسی کی تعبیر یہ کی ہے کہ سزا کی تخفیف و تحویل کی یہ شکل ہے مثلاً مجرم قتل کا مستحق تھا اس کی گریہ وزاری پر قتل کی سزا حبس سے یا حبس کی سزا تازیانے سے یا تازیانے کی سزا زبانی تحقیر و اہانت سے بدل دی جائے رحم و مغفرت کا برتاؤ بھی مجرم کے ساتھ کیا گیا اور جرم کی سزا بھی اس نے چکھ لی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ "اہل کبائر کہ گناہ ایشاں بمغفرت نہ آمدہ اند بہ توبہ یا شفاعت یا بہ مجرد عفو و احسان و نیز آں کبائر را آلام و محن دنیوی باشد و سکرات موت مکفر نہ ساختہ، امید است کہ در عذاب آنہا جمعے را بہ عذاب قبر کفایت کنندہ و جمعے دیگر را با وجود منتہائے قبر با احوال قیامت و شدائد آں روز اکتفا فرمایند و از گناہاں باقی نگذارند کہ محتاج "بعذاب نار" گردند" ص ۳۱۸ ج ا مکتوب ۲۶۶ جس کا مطلب یہی ہوا کہ کبیرہ گناہوں کے مجرموں کی سزا کے لیے جہنم کے عذاب کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ توبہ و شفاعت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے اختلاف کا موازنہ!!

بہرحال ابن سیرین اور خواجہ حسن بصری سلف کے ان دو بزرگوں کے منونوں کا ذکر جس غرض کے لیے کرنا چاہتا تھا غالباً اس کے لیے اتنی تفصیل کافی ہوگی، قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کی پاک صحبتوں کے نتائج سے دونوں ہی کے سینے لبریز تھے، علم ہو یا عمل کسی حیثیت سے بھی کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی پس یہ اختلاف جو کچھ بھی تھا فطری افتادِ طبع اور ان رجحات و میلانات کا نتیجہ تھا جو ان دونوں بزرگوں کی سرشت میں خالق کی طرف سے ودیعت کیے گئے تھے مسلمانوں کی تربیت اس اُمت کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلافات کے مسئلہ میں جس طریقہ سے فرمائی تھی اور جب تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یا حق تعالیٰ کے فضل و کرم کی دستگیریوں سے اگر وہ محروم ہو گئے تو دنیاوی سکرات موت کی سختیوں اور قبر یا برزخ کی پریشانیوں پھر میدان قیامت کی ہولناکیاں یہ سب مل ملا کر اتنی کافی سزا کی صورتیں ان لوگوں کے لیے ہیں کہ جہنم جانے کی سزا پانے کے لیے ان کو ضرورت نہ ہوگی۔ اس بنیاد پر قرآنی آیت میں قطعاً کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ابن سیرین سے یہ روایت جو نقل کی گئی ہے کہ چالیس سال سے پہلے کسی کو انہوں نے یا مفلس جو کہہ دیا تھا اس کی سزا ان کو تجارتی خسارہ اور قید میں بھگتنی پڑی۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بجائے جہنم کے اس قسم کی سزاؤں کو مسلمانوں کے لیے کافی سمجھتے تھے جو جہنم سے پہلے اسی زندگی میں یا برزخی یا حشری زندگی میں لوگوں کو جھیلنی پڑے گی پس یہ عقیدہ کہ مسلمان جہنم نہ جائے گا اور اپنی بدکرداریوں کی سزا بھی بھگتے گا دونوں میں کوئی تعارض و تناقص باقی نہیں رہتا۔ البتہ مسلمانوں کے لیے یہ دشواری ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ سزا و جزا کے جس قصے کو عموماً یہ سمجھ کر کہ جب پیش آئے گا دیکھا جائے گا۔ یعنی ادھار سودے کے خریداروں کی ذہنیت جو ہوتی ہے، عموماً اسی ذہنیت میں مسلمان بھی مبتلا نظر آتے ہیں اس کو بدلنے کی ضرورت ہوگی کیوں کہ ادھار کے قصے کا زیادہ تر تعلق غیر مسلم اور ان اقوام کے ساتھ محدود ہو کر رہ جاتا ہے جو اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جھٹلانے پر اصرار کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں کے لیے بجائے ادھار کے نقد یعنی اسی زندگی میں اپنے کرتوتوں کی سزاؤں کے بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے یا زیادہ سے زیادہ قبر و حشر جس تک ان کے لیے سزایابی کا وہ میدان وسیع باقی نہیں رہتا۔ جو جھٹلانے والے کفار کے لیے جہنم کی لامحدود زمانے کی شکل میں کھلا ہوا ہے۔ ۱۲۔

Marfat.com

اس تربیت کے آثار و نتائج کسی نہ کسی شکل میں مسلمانوں کے اندر باقی رہے اختلافات کی ان ناگزیر قدرتی شکلوں سے بجائے نقصان کے ان کو ہمیشہ فائدہ ہی پہنچتا رہا۔ ابوبکرؓ کی رافت و نرمی اور فاروقیؓ شدت و گرمی دونوں ہی کے استفادہ کا عجیب و غریب سلیقہ اس قوم میں پایا جاتا تھا۔

یہی خواجہ حسن بصری اور ابن سیرین ہیں، بصرے کے مسلمان سنتے تھے، دونوں کو اپنا بزرگ خیال کرتے تھے۔ مگر دونوں کے طریقۂ فکر و شیوۂ کار کا خلاصہ بصرے کے ان مسلمانوں نے جو نکال لیا تھا حقیقت رسی اور اس کی صحیح تعبیر کی یہ کتنی اچھی مثال ہے۔ حافظ ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ کہنے والے ان دونوں بزرگوں کے نقاط نظر کا جب ذکر کرتے تو کہتے کہ

قال الحسن انما ھی اطاعۃ اللہ او النار — حسن کہتے تھے۔ خدا کے احکام کی تعمیل یا جہنم

وقال ابن سیرین انما ھی رحمۃ اللہ او النار۔ (ص ۲۷۰ ج ۳) — اور ابن سیرین کہتے تھے اللہ کی رحمت یا جہنم،

گویا جس طول طویل بیان کو کئی صفحوں میں آپ کے سامنے پیش کیا خلاصہ سب کا یہی تھا۔ پھر اس خلاصہ کے بعد عمومیت کا فیصلہ دونوں بزرگوں کے ان دو مختلف مسلکوں کے متعلق جو تھا ابن سعد نے غالب قطان کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے، یعنی فیصلہ کیا گیا تھا کہ

خذوا بحلم محمد و لا تاخذوا بغضب الحسن۔ (ص ۱۴۲ ج ۷) — محمد ابن سیرین کے حلم (یعنی مسلمانوں کے لیے جس گنجائش کو وہ پیدا کرتے ہیں اس کا) اعتماد کرو اور حسن بصری کے غصہ کا خیال نہ کرنا چاہیے

حاصل جس کا یہی ہوا کہ سننے کے لیے دونوں ہی سنا کرتے تھے۔ احترام کے مستحق دونوں ہی سمجھے جاتے تھے اور اختلاف کے اس قصہ کو یوں چکایا جاتا تھا کہ خواجہ حسن بصری کے مزاج میں غصہ زیادہ ہے تقریر کے وقت چونکہ غیظ و غضب کا فطرۃً ان پر غلبہ ہو جاتا ہے اس لیے ایسی باتیں ان کی زبان مبارک پر جاری ہو جاتی ہیں جن میں سخت گیری کا رنگ غالب ہوتا ہے مگر اسی کے ساتھ نیت دونوں بزرگوں کی عوام کے نزدیک نیک ہی کہا جاتا تھا کہ حسن بصری جو کچھ کہتے ہیں ثواب و اجر ہی کی نیت سے کہتے ہیں،

قال الحسن احتسابا و سکت محمد احتسابا (ص ۱۴۲ ابن سعد) — اور محمد ابن سیرین اگر (مسلمانوں کے طرز عمل سے) خاموش رہتے ہیں تو یہ بھی اجر و ثواب ہی کی

نیت سے ایسا کرتے ہیں،

کاش! آئندہ بھی مسلمانوں میں توازن و اعتدال کا یہ موروثی سلیقہ اسی طریقہ سے منتقل ہوتا رہتا تو پچھلے دنوں اہل علم کے بعض اختلافات نے جو گھناؤنی شکلیں اختیار کیں۔ اپنے تو اپنے غیروں کے سامنے جگ ہنسائی کی رسوائی میں مسلمانوں کو جو مبتلا ہونا پڑا یقین کیجیے کہ اس کی کبھی نوبت نہ آتی یہی اختلاف جو ان دونوں بزرگوں میں تھا چاہا جاتا تو اس کو کیا کچھ نہ بنا لیا جاتا، بھلا ایک طرف یہ خیال کہ مسلمان جہنم کی صورت بھی نہ دیکھے گا دوزخ مسلمان کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئی ہے اور دوسری طرف یہ حال کہ مسلمانوں کی بستیوں کی ہر گلی اور ہر کوچہ ہر گھر اور چھپر کے نیچے ان کو منافق ہی منافق نظر آتے تھے مگر نقطہ نظر کے اس شدید اختلاف کے قصے کو بھی مسلمان اس طرح پی گئے کہ تاریخ کی ورق گردانی کیے بغیر اس اختلاف کا علم بھی لوگوں کو نہیں ہو سکتا۔

درس عبرت مگر سچ پوچھیے تو بجائے عوام کے جہانتک میرا خیال ہے پچھلے دنوں جو کر وہ تلخیاں ان ہی مذہبی مسائل کے اختلافی قصوں کی وجہ سے پیدا ہوئیں ان کی ذمہ داری خواص کے ان ہی افراد پر عائد ہوتی ہے جن کے علمی نقاط نظر زیادہ تر ان کے فطری رجحانات اور افتاد طبع کے تابع تھے لیکن ان کو خود اندازہ نہ ہو سکا کہ جن اختلافی نتائج پر وہ اصرار کر رہے ہیں۔ ان کا دامن ان کے علم اور معلومات سے زیادہ ان کے دل و دماغ کی قدرتی ساخت اور ان کے فطری میلانات کے ساتھ بندھا بلکہ سلا ہوا ہے جنہیں لے کر وہ دنیا میں آئے ہیں جو غیر مخلص تھے اور اختلافات کی گرم بازاری سے اپنے بازار کی رونق بڑھانا چاہتے تھے۔ ملعونوں کے اس گروہ کو تو خیر خدا اور خدا کے فرشتوں کی لعنت کے حوالہ کیجیے، لیکن ان میں جو نیک نیت تھے ان سے بھی یہ کوتاہی ضرور ہوئی کہ دین کی جو شکل ان کے خصوصی اور شخصی مزاج کے قالب میں ڈھل کر تیار ہوئی تھی اس شکل کو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش فرمودہ "خالص دین" کی واقعی شکل کو ایک یقین کیا اور ہر اس شخص کو محمد رسول اللہ کے دین ہی کے دائرے سے ڈھکیلنے پر اصرار کرنے لگے۔ جس کی دینی زندگی کا کوئی پہلو ان کے "شخصی مزاج کے قالب والے دین"[1]، پر کسی حیثیت سے منطبق نہ تھا خود بھی اسی پر اصرار کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں میں

---

[1] حدیث نبوی مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ، سے اصل دین کے سوا "شخصی مزاج کے قالب
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اصرار بے جا کے اسی جذبہ کی پرورش وحوصلہ افزائی میں انہوں نے غلو سے کام لیا[1]

کاش! اپنے اسلاف کے نقش قدم کی جستجو ان میں پیدا ہوتی مگر اس سے ان میں لاپروائی پیدا ہوئی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلافات کی برداشت اور تحمل کا جو سلیقہ اپنی اُمّت میں پیدا کیا تھا عمومیت کے اس موروثی اور قیمتی سلیقہ کی بربادی میں ان کے طرز عمل سے کافی نقصان پہنچا اگرچہ بحمداللہ مسلمان بالکلیہ اپنے پیغمبر کے عطا فرمودہ اس نعمت سے ابھی محروم نہیں ہوئے ہیں، کاش! ان کے خواص اب بھی بزرگوں کے نشان راہ کے دیکھنے کی زحمت گوارا فرماتے، یہی خواجہ حسن بصری اور ابن سیرین کے اس اختلافی قصہ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) والے دین" (اسلام المؤمن) کی صاف تائید ملتی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ہمارے صلحاً و اتقیا دین خالص اور شخصی قالب والے دین کے فرق کو فراموش نہ فرمائیں۔ (غ م)

[1] اس موقع پر حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انفاس العارفین میں اس واقعہ کو درج فرمایا ہے۔ میں فتوحات شیخ ہی کی کتاب سے اس کا خلاصہ نقل کر رہا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ۵۹۰ھ میں جب میں تلمسان میں اپنے پیر شیخ ابو مدین کی خدمت میں تھا خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک شخص کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ ہمارے حضرت ابو مدین سے وہ کینہ رکھتا ہے، اسی وجہ سے میرے دل میں اس شخص کی جانب سے گرانی تھی۔ خواب میں جمال جہاں آرا نبوت سے جب سرفرازی ہوئی تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ فلاں شخص کو تم کیوں ناپسند کرتے ہو، میں نے عرض کیا کہ شیخ ابو مدین سے وہ بغض رکھتا ہے۔ فرمایا اللہ اور رسول کو تو دوست رکھتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں! تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے اس لیے تم بھی اس سے خفا ہو۔ لیکن مجھ سے اور اللہ سے وہ محبت رکھتا ہے اس تعلق سے تم اس سے محبت کیوں نہیں کرتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اسی وقت میں نے توبہ کی اور اقرار کیا کہ بلاشبہ اب وہ میرا محبوب ہے۔ بیدار ہو کر میں اور میرا شیخ اس شخص کے پاس گئے، خواب کا ماجرا بیان کیا کچھ تحفے تحائف پیش کیے۔ وہ بے چارہ بھی رونے لگا اور شیخ ابو مدین سے اس کو جو نفرت تھی وہ بھی اس کے دل سے نکل گئی۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس شخص سے شیخ نے پوچھا کہ شیخ ابو مدین جیسے بزرگ سے تمہارے دل میں نفرت کیسے پیدا ہوگئی تھی بولا کہ کچھ نہیں فقیر عید کے دن ان کے پاس تھا بہت سے بکرے آئے۔ سب کو دیا اور مجھے نہ دیا اسی سے دل میں گرانی ہوگئی تھی۔ (ص ۶۴۶ ج ۱ فتوحات مکیہ)

Marfat.com

ملاحظہ فرمائیے، عام مسلمانوں کے جس طرزِ عمل کا نمونہ آپ کے سامنے گزرا، جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کارفرما طاقت کونسی تھی۔

بڑا دلچسپ لطیفہ ہے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے، حاصل جس کا یہ ہے کہ خواجہ حسن بصری سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد یوں تو بے شمار تھی لیکن سب میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحب کو امتیاز خصوصی خواجہ صاحب کی ذات سے حاصل ہوا وہ اسی بصرے کے مشہور عالم و محدث و درویش ثابت البنانی تھے۔ خواجہ کی وفات کے بعد ان کے جانشین علماً و عملاً یہی ثابت البنانی سمجھے جاتے تھے اگرچہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت وعظ و نصیحت میں جتنا انہماک خواجہ کو تھا۔ ثابت البنانی خود کہتے تھے کہ اتنی محنت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ ابن سعد ہی میں ان کا یہ فقرہ منقول ہے یعنی کہا کرتے تھے۔

لولا تصنعوا بی ما صنعتم بالحسن لحدثتکم احادیث مونقۃ ثم قال منعوہ القائلۃ منعوہ النوم (ص ۲ ج ۷)	اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ جو کچھ تم لوگوں نے حسن کے ساتھ کیا وہی میرے ساتھ بھی کرنے لگو گے تو میں بڑی ستھری حدیثیں تمہیں سناتا، پھر کہتے کہ حسن کو تو لوگوں نے دوپہر کے لوٹ پوٹ سے بھی روک دیا سونے تک سے بھی روک دیا۔

بہرحال قصہ یہ پیش آیا کہ جس زمانے میں نبی امیہ کا طاغیہ حجاج ثقفی مسلمانوں کی امتیازی ہستیوں کے درپے آزار تھا خواجہ حسن بصری بھی لوگوں کے مشورے سے کچھ دن کے لیے روپوش ہو گئے تھے[1]۔ اتفاق کی بات اسی روپوشی کے زمانہ میں جب خواجہ اپنے کسی عقیدت مند کے گھر چھپے ہوئے تھے ان کی صاحبزادی

---

[1] اگرچہ یہ روپوشی زیادہ دن تک ان سے نبھ نہ سکی باہر نکل آئے۔ حجاج سے ان کی گفتگو ہوئی آخر میں اس نے خواجہ کو چھوڑ دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی کو انتہائی بے دردی کے ساتھ حجاج نے جب شہید کیا اور اسی کے بعد ایک خاص قسم کے جنون میں مبتلا ہو گیا۔ سوتا تھا تو خواب میں بھی سعید ہی نظر آتے اور کہتے کہ کس جرم میں تو نے مجھے قتل کیا۔ اور آنکھ کھلتی تو اس وقت بھی حجاج کا بیان تھا کہ سعید کو سامنے کھڑا پاتا ہوں۔ اسی زمانے میں حجاج کے پیٹ میں سرطانی پھوڑا نکلا۔ جس کی سمیت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اسی اندرونی گھاؤ کی وجہ سے ایک اور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کا انتقال ہو گیا۔ ثابت البنانی نے اس حادثہ کی خبر دہیں جا کر خواجہ کو سنائی۔ سننے کی بات یہی ہے، ثابت البنانی کو جس قسم کی خصوصیت خواجہ سے تھی خود ان کا بیان ہے کہ اسی بنیاد پر خیال کیے ہوئے تھا کہ جنازے کی نماز پڑھانے کا حکم مجھ ہی کو دیں گے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ

رجوت ان یامرنی ان اصلی علیہا

(ص۱۴۵ ج ۱/۷)

مجھے امید[1] تھی کہ اس بچی کے جنازے کی نماز پڑھانے کا حکم حسن مجھے دیں گے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بیماری اس پر مسلط ہوئی جسے زمہریرہ کہتے تھے یعنی ایسی سخت سردی اس کو معلوم ہوتی تھی، انگیٹھی کو بدن سے قریب کرتے کرتے یہاں تک متصل کر دی جاتی کہ کھال جلنے لگتی لیکن اس کی تشفی نہ ہوتی تھی۔ اطبا نے جب تجویز کیا کہ پیٹ میں پھوڑا ہے تو جانچنے کے لیے روٹی کے ٹکڑے کو تاگے میں باندھ کر حجاج کو نگلوایا جب اندر چلا گیا تب جھٹکا دے کر ٹکڑا باہر کھینچ لیا گیا جو صرف کیڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ آخر مرض ناقابل علاج قرار پایا، خواجہ حسن بصری کو اس نے بلایا، رونے لگا اور گڑگڑا کر التجا کرنے لگا کہ میرے لیے دعا کیجیے۔ خواجہ نے کہا کہ حجاج! دیکھ اللہ والوں سے ہمیشہ میں نے تجھ کو نصیحت کی کہ دور رہنا۔ سعید کے ساتھ تو نے جو کچھ کیا اسی کا خمیازہ ہے۔ حجاج نے کہا کہ اب صحت کی دعا نہ کیجیے بلکہ موت کی دعا کیجیے تاکہ میری مشکل آسان ہو۔ حجاج مر گیا، خواب میں مرنے کے بعد کسی نے دیکھا، کہنے لگا کہ سعید کے بدلے میں مجھے مسلسل قتل کیا جا رہا ہے قتل ہوتا ہوں پھر جلایا جاتا ہوں پھر قتل ہوتا ہوں۔ (دیکھو ابن عساکر اور الیافعی وغیرہ)۔

[1] علاوہ خصوصی تعلقات کے ثابت البنانی شہر بصری میں سب سے بڑے نمازی سمجھے جاتے تھے ناممکن تھا کہ کسی مسجد سے ثابت گزرے ہوں اور دوگانہ ادا کیے بغیر گزر جائیں حتیٰ کہ کسی کے گھر عیادت کے لیے بھی جاتے تو سب سے پہلے مریض اپنے گھر میں جس جگہ نماز پڑھا کرتا اس کو پوچھتے اور دوگانہ ادا کرنے کے بعد مزاج پرسی کے لیے اس کے سرہانے آتے، خود کہتے تھے کہ بیس سال تک نماز کے ساتھ مجھے کشمکش کرنی پڑی (یعنی نفس پر گرانی ہوتی تھی مگر بہر حال پڑھتا رہا۔) اور اب نماز ہی میری زندگی کا سرمایۂ نشاط و سرور ہے نماز کا ذوق اتنا غالب آگیا تھا کہ سب سے بڑی آرزو جس کے لیے آخر عمر تک وہ دعا کرتے رہے یہی تھی کہ پروردگار! مرنے کے بعد نماز مجھ سے چھوٹ جائے گی، آپ اس دنیا میں بھی نماز پڑھنے کی اجازت مجھے عطا کیجیے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ قبر میں ان کی لاش رکھنے والوں میں سے ایک صاحب نے چاہا کہ دراز کو اچھی طرح بند کریں اسی لیے کچی اینٹ جو لحد پر لگی ہوئی تھی اس کو درست کرنے کے لیے انہوں نے اکھاڑا، کیا دیکھتے ہیں کہ ثابت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن ثابت البنانی کو حیرت ہوگئی، خود کہتے تھے کہ بچی کی وفات کی خبر سن کر کچھ ہدایتیں دیتے رہے یعنی یہ کرنا وہ کرنا مگر ہدایتوں کا قصہ جب ختم ہوگیا تو خلاف توقع ثابت کہتے ہیں کہ حسن کہنے لگے :۔

اذا اخرجتموھا فمروا محمد بن سیرین — جب جنازے کو گھر سے باہر نکال کرلے آؤ

یصلّ علیھا (") — تو محمد بن سیرین سے کہنا کہ نماز وہی پڑھائیں۔

دیکھا آپ نے اپنے بزرگوں کے اس طرز عمل کو، اختلاف ایسا کہ ایک طرف حسن بصری کا فیصلہ تھا کہ "تعمیل حکم یا دوزخ کی آگ" دوسری طرف ابن سیرین کے حلقہ سے آواز آتی تھی " رحمت الٰہی یا دوزخ کی آگ" یہ آمین و رفع الیدین وغیرہ اولیٰ خلاف اولیٰ کے فرعی مسائل کا اختلاف نہ تھا، عقائد کا اختلاف تھا۔ مگر وقت جب آیا تو بصرے کے سب سے بڑے نمازی بلکہ شاید تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مصلی یا عاشق نماز ثابت البنانی کی نماز پر بھی اس شخص کی نماز کو خواجہ حسن بصری نے ترجیح دی جس سے ان کو اور جس کو ان سے اتنا شدید اختلاف تھا میرے نزدیک تو مسلمانوں کے عوام کے مذہبی جھگڑوں کی ذمہ داری بجائے عوام کے زیادہ تر خواص ہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان ہی کے طرزِ عمل کو دیکھ کر ان کے زیر اثر عوام بے چارے وہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اگر خواص بھی اپنے اختلافات میں اتنی گنجائش رکھا کریں جتنی گنجائش خواجہ حسن بصری کے قلب میں ابن سیرین کے متعلق تھی تو یقین مانئے کہ مسلمانوں کی مذہبی اختلاف میں وہ کیفیت کبھی پیدا نہ ہوتی جس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نماز پڑھ رہے ہیں۔ رفیق جو ساتھ تھا اس کو اشارہ کیا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ چپ رہو اینٹ کو اپنی جگہ جا دو۔ ان لوگوں نے ثابت کی لڑکی سے اس قصے کو بیان کیا کہنے لگیں کہ پچاس سال سے ابا کو دیکھتی تھی کہ تہجد کی نماز کے بعد صرف یہی دعا کرتے تھے کہ قبر میں بھی نماز کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ ان کی دعا قبول ہوئی۔ بصرے کے قبر کنوں میں یہ بھی مشہور تھا کہ جب کبھی پچھلی رات کو کسی کی قبر کھودنے کے لیے ثابت کی قبر کے سامنے سے ہم لوگ گزرتے ہیں تو قرآن پڑھنے کی آواز آتی ہے۔ حضرت انس صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت سے بہت محبت کرتے تھے ایک دفعہ حضرت انس نے کہہ دیا تھا کہ ثابت تمہاری آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بہت مشابہ ہیں کہتے ہیں کہ اسی کے بعد ثابت پر گریہ طاری ہوا جس کا سلسلہ آخر زندگی تک جاری رہا، روتے روتے آنکھیں بھی متاثر ہوئیں، اطباء نے لاکھ کہا کہ آپ رونا چھوڑ دیجیے تو شکایت جاتی رہے گی۔ فرماتے کہ رونے سے رک جانے کے بعد آنکھ کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے۔ اسی حال میں وفات ہوئی۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲)

Marfat.com

رنگ دنیا کے دوسرے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کے مذہبی اختلافات کے لحاظ سے خواہ جتنا بھی ہلکا اور پھیکا ہو لیکن بجائے خود جو ناگواریاں باہم مسلمانوں میں بھی ان ہی مذہبی جھگڑوں کی وجہ سے جو پیدا ہوئیں وہ بھی نہ ہوتیں[1] یالیت قومی یعلمون۔

---

[1] مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کے قصے میں فقیر کے جو خاص خیالات ہیں ان کا اظہار اپنے مختلف مقالات اور مضمونوں میں تفصیل کے ساتھ کر چکا ہوں، میں نے اپنے ان مضامین اور مقالات میں یہ دکھایا ہے کہ دوسرے مذاہب ادیان کے اختلافات پر مسلمانوں کے دینی اختلافات کو قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ عیسائیوں کے مذہبی فرقوں کی باہمی آویزشوں کی دردناک داستان سے جو واقف ہیں آویزش کے وہی قصے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریب قریب دس لاکھ انسانوں کو زندہ جلا دیا گیا، انتہائی قساوت قلبی کے ساتھ لوگ قتل کیے گئے، ایک فرقے کے مردوں نے دوسرے فرقے کی عورتوں کے پیٹ چاک کر کر کے بچے نکالے اور کتوں کو کھلائے۔ یا ہندوستان ہی میں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے بودھ متی اور برہمن دھرم والوں کی کشمکش میں دیکھا گیا کہ کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ میں زندہ انسانوں کو تلا گیا۔ حالانکہ بودھ متی ویدک دھرم ہی کی ایک اصلاح یافتہ شکل سمجھنا چاہیے تھی مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کی تاریخ بحمد اللہ ان جانگسل روح فرسا اجتماعی واقعات سے خالی ہے۔ بعض فرقوں میں کشمکش اگر حد سے بڑھی بھی ہے تو مذہب سے زیادہ سیاسی موثرات کارفرما تھے ماسوا اس کے میں نے دعوی کیا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں نومسلم اقوام کی وجہ سے مذہبی اختلافات کی وجہ مسلمانوں میں ضرور پھوٹ پڑی تھی لیکن بتدریج اسلام نے خود اپنی اندرونی قوت سے ان اختلافات کو مٹاتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچا دیا کہ صحیح معنوں میں آج مسلمانوں کے اندر اگر دیکھا جائے تو صرف دو ہی فرقے رہ گئے ہیں یعنی سنی اور شیعہ عددی لحاظ سے جو حیثیت رکھتا ہے، اس کو پیش نظر رکھ کر صفر نہیں تو صفر کے قریب قریب ہی اس اکثریت کے مقابلہ میں دہ پہنچ جاتے ہیں جو سنیوں کی دنیائے اسلام میں پائی جاتی ہے۔ یہی کیا کم معجزہ ہے کہ پچاس ساٹھ کروڑ کی برادری میں صرف دو ہی فرقے مسلمانوں میں باقی رہ گئے، رہا خود سنیوں میں حنفی و شافعی وغیرہ تو واقعہ میں یہ اختلاف قطعاً نہیں ہے آخر جب ایک دوسرے کے پیچھے نہ صرف یہی کہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، شادی بیاہ کے تعلقات جاری ہیں بلکہ پیری مریدی تک میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ پیر حنفی ہے یا شافعی پیران پیر سیدنا شیخ الجیلی قدس اللہ سرہٗ العزیز حالانکہ حنبلی ہیں لیکن ان کے ماننے والوں میں زیادہ تعداد ان ہی لوگوں کی ہے جو حنبلی نہیں ہیں۔ ۱۲

بہرحال مجھے تو سلف کے اختلافات کی جو نوعیت تھی اس کی ایک تاریخی مثال چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے سامنے پیش کردوں، یہ بتانا چاہتا تھا کہ اختلافات کے سلسلہ میں زیادہ تعلق لوگوں کی شخصی افتادِ طبع، اور فطری سرشت سے ہوتا ہے اس کو اگر سمجھ لیا جائے تو اختلافات کے قصوں میں جو دشواریاں محسوس ہوتی ہیں وہ حل ہوسکتی ہیں[1]۔ باقی ابن سیرین اور خواجہ حسن بصری کے اس اختلاف میں صحیح دینی فیصلہ کیا ہوسکتا ہے۔ ظاہر ہے

---

[1] **علمائے دیوبند سے دردمندانہ اپیل**

اور یہ تو عہدِ قدیم کی داستان تھی آج ہندوستان میں دینی علوم کی نمائندگی جو طبقہ کر رہا ہے یعنی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل علماء، کاش! دارالعلوم کے بانی حضرت مولٰینا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقۂ عمل کو پیش رکھتے! ان کے حالات کے راوی خصوصی امیر شاہ خاں مرحوم، مولٰینا کے جو واقعات بیان کرتے تھے ان ہی میں ایک قصہ یہ بھی ہے جس کا ذکر امیر الروایات کے مؤلف صاحب نے بھی کیا ہے۔ اس کتاب پر مولٰینا اشرف علی قدس اللہ سرہٗ نے بعض حواشی بھی لکھے ہیں۔ اور ان کی توثیق کے بعد کتاب شائع ہوئی ہے، بہرحال اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مولٰینا محمد قاسم صاحب جن دنوں منشی ممتاز علی مرحوم کے مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے تو اسی مطبع میں ایک صاحب بھی ملازم تھے امیر شاہ خاں کے الفاظ ان صاحب کے متعلق یہ ہیں کہ وہ بالکل آزاد تھے رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے، ڈاڑھی چڑھاتے تھے اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ "نماز کبھی نہیں پڑھتے تھے" امیر شاہ خاں فرماتے ہیں کہ یہی صاحب جو نماز کبھی نہیں پڑھتے تھے اور رندانہ وضع رکھتے تھے، ان ہی سے مولٰینا کی "بہت گہری دوستی تھی" یہاں تک بے تکلفی تھی کہ مولٰینا کو وہی بے نمازی جو کبھی نماز نہیں پڑھتا تھا مولٰینا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولٰینا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ آگے جو واقعہ پیش آیا اس کو سنیئے کیوں کہ گنہگار بندوں کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے بانی کا یہ حال اس دارالعلوم سے استفادہ کرنے والوں کے لیے شمعِ راہ کا کام کیا دے سکتا ہے۔ امیر شاہ خانصاحب مرحوم اس کے بعد بیان کرتے تھے کہ آخر مولٰینا کے بھی بے نمازی دوست نمازی بن گئے، مگر میں کہتا ہوں کہ اس قاسمی عمل کا تجربہ کرکے دیکھا جائے انشاء اللہ ہمیشہ نہیں تو زیادہ تر اس کا نتیجہ ہر تجربہ کرنے والے کے سامنے پیش آسکتا ہے۔ اسی کتاب میں شاہ اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ مکہ معظمہ بہ نیت ہجرت جب جانے لگے تو راستہ میں اجمیر بھی تشریف لے گئے ان کے بعض نیازمندوں نے کہا کہ آپ کے اجمیر جانے سے دوسروں کی ہمت افزائی ہو گی "فرمایا کہ رقیبوں کے خوف سے محبوب کو نہیں چھوڑ سکتا"۔ ص۸۷ اسی کتاب میں ہے کہ اجمیر شاہ صاحب تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ کے مزار مبارک کے مجاوروں کو "لپیں بھر بھر کر روپے دیئے"۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کہ اس کا فیصلہ ہم جیسے کوتاہ دستوں کی یقیناً ایک گستاخانہ بلکہ مجرمانہ دراز دستی ہوگی تاہم مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی پشت پناہی میں خاکسار نے اپنے ذاتی رجحان کا اظہار حاشیہ میں بھی کر دیا ہے [۱]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لطیفہ اس بوڑھے پنڈت کا ہے جو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا لڑکپن سے دوست تھا اسی وجہ سے شاہ اسحٰق صاحب پنڈت کو بھی نانا کہتے تھے کہ ان کے نانا شاہ عبدالعزیز کا دوست تھا اور جب وہ آتا تو اس کو "سلام کرتے" مولٰنا تھانوی نے اس پر حاشیہ بھی لکھا ہے اور یہ ارقام فرمایا ہے کہ "ضرورت یا معتدبہا مصلحت یا کسی حال محمود کے غلبہ سے جائز ہے" صلا ایک بے نمازی سے گہری دوستی جس مدرسہ کے بانی کی تھی اور جس مدرسہ کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ کی جگہ دیوبند میں قائم کیا گیا ان ہی شاہ عبدالعزیز کی اس پنڈت سے دوستی جو روزانہ ان کے مدرسہ کے کنویں میں غسل کر کے اسی کا پانی سورج کی طرف رخ کر کے چڑھاتا تھا، ان لوگوں کے لیے کچھ بیداری کا پیغام دے سکتی ہے جو اسی مدرسہ سے پڑھ پڑھ کر ہر سال اقطاع ہند میں پھیلتے ہیں جن دلوں میں آپ اترنا چاہتے ہیں ان کے دروازوں کو بند کر کے اس مقصد میں مشکل ہی سے آپ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ "فظاً غلیظ القلب" بنا کر عالم کا رسول جو پیدا نہیں کیا گیا تھا تو عالمین کے لیے اس کی ذات رحمت کیسے بن سکتی تھی، ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔

[۱] کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ حسن بصری کے طرزِ عمل سے بعد ہی کو نہیں بلکہ اسی زمانہ میں بعض لوگوں نے ناجائز نفع اٹھانا چاہا۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ کان اھل القدر ینتحلون الحسن بن ابی الحسن (ص ۱۲۷ ج ۷) جس کا مطلب یہی ہوا کہ قدریہ یعنی معتزلہ کا طبقہ خواجہ ہی کو اپنے فاسد عقیدے کا امام قرار دیتا ہے۔ لیکن واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ طبقات ہی میں حضرت خواجہ حسن بصری کا وصیت نامہ نقل کیا ہے اس میں ہے کہ حضرت معاذ کی حدیث کو پیش کر کے آپ نے اہل سنت والجماعت ہی کے عقیدے کی توثیق دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے فرمائی بلکہ معتزلہ جو اپنے آپ کو اصحاب العدل والتوحید کے شاندار لقب سے ملقب کیا کرتے تھے مگر بجائے اس کے معتزلہ کے نام سے اُمت میں وہ جو رسوا ہوئے تو جیسا کہ شہرستانی نے اپنی کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ اس رسوا لقب کی ابتدا خواجہ حسن بصری ہی کی زبان مبارک سے ہوئی۔ شہرستانی کا بیان ہے کہ کسی نے حسن بصری کے حلقہ میں آکر پوچھا کہ بعض لوگ اس زمانے میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں، اور اسی کے مقابلہ میں ایک گروہ ہے جو مدعی ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی قسم کے گناہ کا آدمی مرتکب ہوا اس کو

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کوئی نقصان نہ پہنچے گا جیسے کفر کی حالت میں کسی قسم کی نیکی اس کے لیے فائدہ بخش نہیں ہوتی بسائل کے سوال کو سن کر حسن بصری کچھ سوچ میں پڑ گئے ابھی جواب دینے بھی نہ پائے تھے کہ واصل بن عطا جو خواجہ کے حلقہ میں بیٹھا تھا، چلا کر بولا کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہ مومن ہے نہ کافر بلکہ درمیانی منزل کا آدمی ہے۔ اسی کے بعد وہ اٹھ کر مسجد کے دوسرے ستون کے نیچے جا کر اپنے خیال کی توضیح کرنے میں مشغول ہوگیا۔ واصل کی اسی جرأت و حرکت پر خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ "اعتزل عنا واصل" (واصل ہمارے حلقہ سے کنارہ ہوگیا) کہتے ہیں کہ اسی دن سے معتزلہ ان لوگوں کا نام ہوگیا۔ جو کبیرہ کے مرتکب کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ (ص۵۵ ج ۱ برحاشیہ ملل ابن حزم) دراصل بات وہی ہے کہ ابن سیرین اور حسن بصری میں کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔ دونوں ہی کتاب و سنت کے صریح نتائج سے پیدا ہونے والے عقائد کے پابند تھے۔ البتہ افتاد طبع اور شخصی رجحانات میں دونوں کے جو فرق تھا اسی فرق کا ظہور دونوں کے طرز عمل سے ہوتا تھا ورنہ واقعی اختلاف اگر دونوں میں ہوتا تو اپنی صاحبزادی کے جنازے کی نماز کی فرمائش حسن بصری کیا ابن سیرین سے کر سکتے تھے؟ ۱۲۔

Marfat.com

طریقۂ اشغالِ مُطلقہ

یا

اِطلاقی تصوّف

○

Marfat.com

فہرست مضامین

(۱) اطلاقی تصوّف کی تحریر کا محرک
(۲) طریقۂ اشغال مطلقہ
(۳) تعارف الیافعی
(۴) تعارف المرشدی
المرشدی کی خاص کرامت
المرشدی کی کرامت پر بدگمانیوں کا ازالہ
ابن تیمیہ کا الزام " مخدومیت "
الزام کا جواب صاحب الزام کی زبانی
الزام " مجذوبیت "
ترک جمعہ وجماعت کا الزام
حاصل کلام
(۵) المرشدی پر صوفیائے وقت کی تنقیدیں
المرشدی کا جواب
شاہ ولی اللہ کا تائیدی ارشاد
(۶) " طریقۂ غزالیہ " پر علامہ ابن جوزی کی سخت تنقید
(۷) طریقۂ غزالیہ کے مقابل شیخ اکبر کی توضیحات
شیخ اکبر کے نزدیک رجال اللہ کی سہ گانہ تقسیم

Marfat.com

۸ اطلاقی تصوف کا طریق

ہر سبب کی حکمت کو پانا

کسی سبب کی نفی نہ کرنا

مگر سبب پر تکیہ بھی نہ کرنا

کیونکہ یہ ایک عرفانی غلط فہمی ہے

فرار الی اللہ کا قرآنی مفہوم

شیخ اکبرؒ کے نزدیک اطلاقی تصوف کے پیرو ہی سب سے بدترین ہیں۔

"اطلاقی" طریق تصوف کی تلقین مرشد گیلانیؒ کی زبانی!

Marfat.com

اطلاقی تصوّف کی تحریر کا محرک

چند مہینے ہوئے جب ایک خاص محرک کے تحت " اطلاقی تصوّف" کا عنوان قائم کر کے فقیر نے کچھ لکھنے کا ارادہ کیا، کچھ وقت تو خیر تمہید کے نظر ہوا[1] لیکن اصل مدعا کے قریب اس عرصہ میں جب کبھی قلم پہنچا دل سے آواز آنے لگی تو کیا لکھ رہا ہے اور کن کے لیے لکھ رہا ہے۔ " تصوف" اطلاقی ہو یا غیر اطلاقی بہر حال ہے وہ دین کی ایک اعلیٰ تکمیلی ہی شکل کا نام " الاحسان" کے لفظ سے اس کی تعبیر اسی لیے کی گئی ہے کہ اس کا تعلق دین کے بناؤ اور سنگھار سے ہے حسن و جمال کا دینی زندگی میں اضافہ یہی " الاحسان" کے لفظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ پھر جن مسلمانوں کی دینی زندگی کا پورا قالب ہی مسخ ہو کر رہ گیا ہے ان کے لیے حسن و جمال کا سوال ہی بے معنی ہے۔
اس کی ہمت تو خیر اپنے اندر تو نہیں پاتا کہ اپنے سوا دنیا کے عام مسلمانوں کے اسلام و ایمان کو بجائے ایمان و اسلام کے کفر قرار دوں، ایک شخص اپنے آپ کو جب تک مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے تو یہ کیسے کہہ دیا جائے کہ اس کا اسلام اور ایمان واقعی اسلام اور ایمان نہیں ہے دلوں کو پھاڑ کر کس نے دیکھا ہے۔ ماسوا اس کے سوچنے کی بات خصوصاً اس زمانے میں یہ بھی تو ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے اور کہلانے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں شریک رکھنے کا جب کوئی مادی نفع بھی نظر نہیں آتا بلکہ کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بر عکس اس کے بے شمار مادی مشکلات میں اسلام کے اسی دعوے نے جن لوگوں کو مبتلا کر رکھا ہے اگر واقعی ان کے ایمان و اسلام کا دل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے تو ان مشکلات میں اپنے آپ کو خواہ مخواہ ڈالے رکھنے کی ان بیچاروں کو کیا ضرورت تھی کچھ بھی ہو، اپنا خیال تو یہی ہے کہ کفر کی مردہ لاش سے خواہ وہ مضغہ گوشت ہی سہی ہر وہ شخص بہتر ہے جو رسالت کی تکذیب کی قوت اپنے اندر نہیں پاتا اور خواہ مخواہ کسی حال میں ہو لیکن محمد رسول اللہ

---

[1] تمہید سے حضرت گیلانی کی مراد وہ مضامین ہیں جو "طریقۂ غزالیہ" اور " اختلاف سلاسل کی حیثیت" کے زیر عنوان پیش کیے گئے ہیں۔ (غ۔م)

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول نہ ماننے اس پر اپنے آپ کو العیاذ باللہ کسی طرح آمادہ نہیں کر سکتا۔
مگر زندہ گوشت کا ایسا مجسمہ جس کی نہ آنکھیں درست ہوں[لہ] اور نہ کان ہی سلامت ہوں، لولھا اور لنگڑا ہو، الغرض اوّل سے آخر تک اس کے ایمانی جسد کا ہر عضو ناقص اور پر عیب ہو اس کے لیے حسن آرائی کا پیغام آپ تبائیے کہ تمسخر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ عربی کی مشہور مثل ہے۔

ثبت الجدار ثم النقش — پہلے دیوار کو درست کر لو تب اس پر نقش و نگار کرنا۔

میرے تمہیدی مضمون کی غیر معمولی طوالت سے لوگ جو اکتا چکے ہیں، ان کے سامنے مجبوراً دل کے اس ماجرا کا پیش کر دینا مناسب معلوم ہوا، واقعہ یہ ہے کہ اب بھی آگے بڑھنے کے لیے قلم آمادہ نہیں ہے۔ بار بار جی چاہتا ہے کہ جو کچھ لکھا جا چکا بس لکھا جا چکا اسی تمہید پر مضمون کو ختم کر دوں لیکن صرف ایک خیال سفارش کرتا ہے کہ لشتم پشتم بُرے بھلے، الغرض جس طریقے سے ممکن ہو، عنوان کے مطابق کچھ نہ کچھ لکھ ہی دیا جائے اور وہ خیال یہ ہے کہ ان ہی کانے کتروں، لنگڑوں لولھوں، غیر مسلمانوں میں خواہ تعداد میں جتنی بھی قلیل ہو، ایک جماعت ایسی ابھی باقی ہے جو کرنے کی ہمت نہ بھی رکھتی ہو لیکن اسلام کے جمالی مراتب، اور احسانی مقامات کے افسانے کو دلچسپی کے ساتھ سننا چاہتی ہے ممکن ہے کہ ان ہی سننے والوں میں چند افراد ایسے بھی مل جائیں جن کی دینی زندگی میں یہ احسانی مشورے ارادۃً یا بلا ارادہ کسی طرح شریک ہو جائیں قدرتاً ان سے آدمی کی دینی زندگی

لہ ایک پرانی تمثیل یعنی جس سوراخ میں یقین ہو کہ اس میں سانپ ہے کوئی انگلی نہیں ڈال سکتا اسی مثال کو پیش کر کے پہلے بھی کہا گیا ہے اور قریب قریب اسی قسم کی مثالوں کو پیش کر کر کے اب بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ غیر اسلامی زندگی دلیل ہے کہ شرعی قوانین کی خلاف ورزیوں کے نتائج وعواقب کا یقین ہی ان کے دل سے نکل گیا۔ گویا عمل کا فقدان ایمان کے فقدان کی دلیل ہے لیکن شرعی قوانین کی خلاف ورزیوں کے متعلق سوال ہے کہ جن عواقب و نتائج کی دھمکیاں دی گئی ہیں شرک کے سوا کیا قرآن ہی میں دون ذلک لمن یشاء کی مغفرت کی خبر بھی نہیں پائی جاتی پس مواخذہ یا مغفرت جن امور کے متعلق دونوں کا احتمال ہو ان ہی کے متعلق مواخذہ کے یقین کا فیصلہ کیا خود ساختہ فیصلہ کے سوا کچھ اور بھی ہے۔ کاش! میرے اس اشارہ ہی کو سمجھ لیا جائے مصلحت عام اس سے زیادہ تفصیل کی اجازت نہیں دیتی۔

Marfat.com

لذیذ ہو جاتی ہے۔ مرنے سے پہلے اسی عبوری دَور میں ایمانی نتائج کی تجلیاں جھانکنے لگتی ہیں ہو سکتا ہے کہ یہی چیز مزید توفیق کے رفیق بنانے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ بس ہلکی سی اسی پژمردہ و افسردہ امید نے رک جانے کے خیال کو روک دیا ارحم الراحمین ہم مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان کر ایمان کی جس اجمالی دولت کو اپنے یقین و اذعان کے دامن میں سمیٹ لینے کی جو سعادت حاصل کر چکا ہے اسی دولت کے تفصیل جائزہ کا موقع کاش ہم اپنے لیے پیدا کرتے اور اب آپ کے سامنے جو کچھ بھی پیش ہوگا درحقیقت اسی اجمال کی ایک خاص شاخ کی گونہ یہ تفصیل و توضیح ہوگی۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریقۂ اشغال مطلقہ

یا

اطلاقی تصوّف

ما اراھا الا غزالیۃ

"نہیں پاتا میں اسے لیکن غزالی کے طریقہ پر"

یہ فرمایا تھا آٹھویں صدی کے مشہور وجلیل عارف حضرت عبداللہ محمد بن عبداللہ بن المجد المرشدی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اس وقت جب اسی صدی کے دوسرے سربرآوردہ عالم وصوفی الیافعی ان سے ملنے کے لیے ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کے متعلق یہ نقطۂ خیال کہ ایک ہی طور اور طریقہ میں وہ منحصر نہیں ہے یہ کوئی جدید ابتدائی انوکھا خیال نہیں ہے۔ بلکہ آج سے صدیوں پہلے بھی یہی سمجھا جاتا تھا کہ تصوف کا ایک طریقہ تو وہ ہے جس کے امام اور پیشوا حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی ہیں اور اسی کے مقابلہ میں تصوف ہی کی ایک راہ اور تھی، آج میں اسی مسئلہ پر بحث کرنا چاہتا ہوں۔

لہ یعنی اشغال مطلقہ کی راہ جس میں رذائل اخلاق کی اصلاح کو مقصود نہیں بنایا جاتا بلکہ وہ نتیجۃً مٹ جاتے۔
حکیم محمود احمد صاحب برکاتی کو جو مولانا گیلانی رح کے استاد امام معقولات حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں، مولانا اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔
" اوراد اور غیر اطلاقی تصوف کے مقابلہ میں اطلاقی تصوف کا ایک نظام پیش کیا ہے، در اصل حیدرآباد کے ایک رنگ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

لیکن مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں (المرشدی اور الیافعی) کے مختصر حالات سے ان لوگوں کو آگاہ کردیا جائے جو اسلامی تصوف کی ان دونوں عظیم شخصیتوں سے ناواقف ہیں۔ خود مسئلہ کے سمجھنے میں جہاں تک میرا خیال ہے ان دونوں بزرگوں کے اجمالی حالات سے واقفیت انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

تعارف الیافعی

الیافعی چونکہ صاحب تصنیف و تالیف ہیں خصوصاً تاریخ اسلام میں ان کی کتاب مراۃ الجنان[1] خاص اہمیت رکھتی ہے اس کی وجہ سے بھی نیز اپنی دوسری کتابوں کی وجہ سے بھی عام اہل علم و معرفت کے جانے پہچانے آدمی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے "درر کامنہ" میں ان کے حالات بھی لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے ان پر زہد و تقویٰ کا غلبہ تھا۔ اور دنیا سے کنارہ کش تھے۔ حافظ کے الفاظ ہیں

نشاء علی خیر و صلاح و انقطاع (ص ۲۴۸ ج ۲) — نیکی اور صلاح دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی کے حالات میں ان کی نشو و نما ہوئی۔

انقطاع یعنی (دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی) کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اور دنیا والوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ محض شاہ صاحب (شاہ کمال اللہ) رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب خیال کو تصنیفی رنگ میں پیش کیا گیا ہے حضرت حکیم صاحب (علامہ برکات احمد) نور اللہ ضریحہ آخر میں ان سے بہت متاثر تھے۔" (غ۔م) ۱۳ فروری ۱۹۵۱ء

[1] ان کی یہ تاریخ چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ خدا جزائے خیر دے مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کو اس نایاب کتاب کو شائع کرکے علم اور دین کی اس نے بڑی خدمت انجام دی۔ نصف آٹھویں صدی یعنی ۷۵۰ھ تک کے واقعات پر یہ کتاب مشتمل ہے سب سے بڑی خصوصیت اس کی یہ ہے کہ علاوہ سیاسی واقعات کے علماء و صوفیہ اس صدی میں گزرے ہیں۔ الیافعی نے ان کے حالات بھی درج کیے ہیں۔ صوفیائے کرام کے ساتھ بڑی ہمدردی کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ ان کی کتاب کا یہ خاص امتیازی سرمایہ ہے۔ ۱۲

علیحدگی کا میلان الیافعی میں فطری طور پر پایا جاتا تھا مگر ان کی ابتدائی زندگی کے اس صلاح و تقویٰ انقطاع و زہد کی نوعیت کیا تھی؟ اس کا پتہ حافظ ہی کے ان الفاظ سے چلتا ہے جو اسی فقرے کے بعد ہیں کہ

لم یکن فی صباح یشتغل بشئ غیر القرآن والعلم۔ (ص ۲۴۸) اپنے بچپن کے زمانہ میں قرآن اور علم (دین) کے سوا اور کسی چیز میں مشغول نہ رہے۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ اس زمانہ میں جیسا کہ عام دستور تھا قرآن کی تجوید اور قرآن کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث وغیرہ علوم کی کتابیں لوگ پڑھا کرتے تھے۔ یہی حال الیافعی کا بھی تھا، گویا حافظ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابتدائی عمر میں "الیافعی" کو تصوف یا صوفیہ کے خاص طریقہ سے کسی قسم کا لگاؤ نہ تھا ان کا اصلی وطن یمن تھا یمن میں جب تک رہے ان ہی مشاغل میں مصروف رہے لیکن حج کے لئے جب مکہ پہنچے اور مشہور شیخ الطریقہ علی الطواشی[1] کی صحبت ان کو میسر آئی تو جیسا کہ حافظ کا بیان ہے کہ فسلکہ (تب سلوک کی راہ پر طواشی نے الیافعی کو لگا دیا) لکھا ہے کہ اس کے بعد بھی گو علوم ظاہری کے ساتھ الیافعی کا اشتغال باقی رہا، لیکن بالآخر تعلیم و تعلم کے قصوں سے الگ ہو کر انہوں نے سیاحت شروع کی، حرمین کے سوا جہاں ان کی آمد و رفت بکثرت جاری تھی اسی سے اندازہ کیجئے کہ سیر و سیاحت کا یہ زمانہ تقریباً سولہ سترہ سال کا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

انہ فی طول المدۃ التی قبل ھذا لم یفتہ الحج۔ ص ۲۴۸ اس طویل زمانے میں کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں حج نہ کر سکے ہوں۔

گویا ہر پھر کر حج کے زمانہ تک وہ حجاز ضرور پہنچ جاتے تھے بہر حال علاوہ ان دو شہروں یعنی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے فلسطین و مصر و شام وغیرہ عربی ممالک میں اصحاب قلوب و ارباب تصفیہ و تزکیہ کی تلاش میں ان کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کے شوق میں وہ گھومتے رہے۔ اس عرصہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت امام شافعیؒ کے روضۂ مبارک (واقع مصر) میں بھی معلوم ہوتا ہے کچھ دن قیام کیا اور آخر میں زندگی کا پچھلا حصہ الیافعی کا کچھ تو قبۂ خضراء کے زیر سایہ مدینہ منورہ میں گزرا، حافظ کے الفاظ ہیں۔

---

[1] مراۃ الجنان کے آخر میں الیافعی نے یمن کے چند خاص اولیاء کا تذکرہ لکھا ہے۔ ان میں الیافعی کے شیخ الطواشی بھی ہیں، ان کا نام علی تھا، نورالدین لقب اور ابوالحسن کنیت تھی۔ الیافعی نے بیان کیا ہے کہ وہ الطواشی نسباً والشافعی الصوفی مذہباً تھے۔ پھر ان کی بڑی تعریف کی ہے ان کی چند کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں بعض کا مشاہدہ خود بھی الیافعی نے کیا تھا۔

Marfat.com

ثم رجع الی الحجاز دجاور با المدینۃ۔ — پھر حجاز لوٹ گئے اور مدینہ منورہ کے مجاور بن گئے۔

پھر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے اور اپنی آخری سانس اسی بلد اللہ الحرام میں پوری کی، لکھا ہے

ثم رجع الی مکۃ داقام بہا۔ — مدینہ سے مکہ معظمہ واپس ہوئے اور یہیں قیام اختیار کر لیا۔

مکہ معظمہ ہی میں وفات ہوئی تخمیناً ۶۹ یعنی ایک سال کم ستر عمر پائی۔ ۷۶۸ھ ۲۰ جمادی الاخریٰ وفات کی تاریخ ہے ولادت کے سن میں حافظ نے شک ظاہر کیا ہے ۶۹۹ھ یا ۶۹۸ھ کے درمیان میں پیدا ہوئے خود لکھا ہے کہ ۷۱۱ھ میں وہ بالغ ہو چکے تھے گو تیرہ یا چودہ سال کی عمر ان کی اس وقت تھے۔

چونکہ ان کی آخری زندگی مکہ میں گزری اس لیے " الیمنی " کے ساتھ لوگ ان کو المکی بھی لکھتے ہیں، اس کا تو کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم فقرا کی سب سے بڑی خصوصیت یعنی " تجرد کی زندگی " یہ زندگی الیافعی کی نہیں تھی۔ حافظ نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں انہوں نے نکاح کر لیا تھا اور غالباً ایک سے زیادہ دفعہ تزوج کی نوبت آئی لیکن عام روش ان کی الاسنوی نے اپنے طبقات میں بھی بیان کی ہے۔

کان کثیر الایثار للفقراء کثیر المتواضع مترفعا علی الاغنیاء معرضا عما بایدیہم کثیر الاحسان للطلبۃ۔ — غریبوں کے لیے تو ہر طرح کی قربانی بھی کرتے تھے اور ان کے سامنے حد سے زیادہ متواضع اور خاکسار رہتے لیکن تونگروں اور امیروں سے ہمیشہ بے نیازی کا سلوک رکھا اور ان امراء کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے یعنی مال و دولت اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے اور علم کے طلبہ کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے۔

جیسا کہ حاشیہ میں میں نے لکھا ہے کہ اپنی تاریخ کے آخر میں الیافعی نے اپنے اور اپنے شیخ طریقہ علی الطواشی کے بعض حالات بھی لکھے ہیں ان ہی حالات و واقعات کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ میں آبادی سے باہر چلا گیا تھا اور

Marfat.com

اختترت موضعا لبعیداً عن الناس فخلوت فیہ تحت شجرۃ خفیۃ بین اشجار البویۃ بحیث لا یہتدی مکانی احد

(ص ۳۱۹ مراۃ ج ۴)

لوگوں سے بہت دور میں نکل گیا، اور جنگل میں سے ایک ایسے درخت کے نیچے بیٹھ گیا، وہ ایسی جگہ تھی کہ کسی کو میرا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔

اسی طرح ایک دوسرے قصے کے ضمن میں لکھا ہے کہ

طلعت لبعض الجبال وعزلت لبعیدا من الناس تحت لبعض الاحجار (ص ۱۲۰)

میں ایک پہاڑی کے اوپر چڑھ گیا اور ایک پتھر کے نیچے لوگوں سے کنارہ کش ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔

یہ اور اسی قسم کے ضمنی واقعات جن کا جستہ جستہ مقامات پر الیافعی نے خود تذکرہ کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صحرا اور پہاڑ جنگل کی تنہائی کی زندگی سے ان کو خاص قسم کا انس تھا۔ عدن کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ برکتوں سے بھرے ہوئے وہ دن یاد آتے ہیں جب سمندر کے کنارے ضراس نامی مقام پر جو وحقات نامی ساحل کے پیچھے ہی ہیں چند اصحاب کے ساتھ تھا۔ دیکھو مراۃ ص ۳۰۹ ج ۴۔

ایک موقعہ پر اسی کتاب میں خدا سے اس کی آرزو بھی کی ہے مجھے اس کی توفیق میسر ہو کہ خلق اللہ سے کنارہ ہو کر تنہائی کی زندگی سے میرا دل مانوس رہے۔ (ص ۲۹۵ ج ۴)

جہاں تک میں خیال کرتا ہوں علامہ الیافعی کی صوفیانہ زندگی، کے رنگ کا اندازہ مذکورہ بالا معلومات سے پڑھنے والوں کو ہو سکتا ہے۔

تعارف المرشدی

اس کے بعد اب میں المرشدی کے بھی مختصر حالات کا تذکرہ کرتا ہوں۔

المرشدی کا تذکرہ الیافعی نے بھی مراۃ الجنان میں کیا ہے اور حافظ ابن حجر کے درر کامنہ میں بھی ان کے کچھ حالات ملتے ہیں ان دونوں کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اسی کا خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حافظ ابن حجر کے بیانات تو سماعی اور شنیدہ ہیں لیکن الیافعی براہ راست المرشدی کے دیکھے

والوں میں ہیں ان سے وہ ملے بھی تھے اس لیے ان کی روائتیں، روائتیں ہی نہیں بلکہ چشم دید شہادتوں کی بھی حیثیت رکھتی ہیں۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ وطناً مرشدی دھروط کے رہنے والے تھے، ۷۰۰ھ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ وقت کے چند مشہور علماء سے ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد ان پر باطنی سلوک کا شوق مستولی ہوا، کہاں کہاں رہے اور کہاں کہاں گئے کس کس سے کیا کیا سیکھا؟ تفصیل تو اس کی معلوم نہ ہوسکی صرف الیافعی نے لکھا ہے کہ براہ راست خود مرشدی نے ان سے کہا تھا کہ ستر بزرگوں کی صحبت سے انہوں نے فیض حاصل کیا ہے۔ اگر عربی زبان کے عام محاورے کا خیال کرکے ستر کے عدد کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ اس سے کوئی خاص عدد مقصود نہیں ہے بلکہ کثرت تعداد کے اظہار کا یہ ذریعہ ہے تو اس کے انکار کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اس کا بھی پتہ نہیں چلا کہ بزرگوں کی صحبتوں میں مرشدی نے کتنا حصہ گذارا۔ بہرحال ان کی طلب کی زندگی پر تو پردہ پڑا ہوا ہے لیکن ایام طلب سے فارغ ہونے کے بعد ایک عجیب و غریب شخصیت کے قالب میں وہ نمایاں ہوئے۔

مختصر یہ ہے کہ گھوم پھر کر بالآخر مین کے ریگستانی اور صحرائی علاقہ کے ایک گاؤں میں انہوں نے قیام اختیار کر لیا تھا۔ اس گاؤں کا نام حافظ ابن حجر نے "نیتہ بنی مرشد" بتایا ہے اور الیافعی نے اس کو "قریہ مرشد کہلان" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ المرشدی، اسی گاؤں کی نسبت سے لوگ ان کو کہتے تھے ورنہ ان کا نام "محمد بن عبداللہ بن ابی المجد[1] ابراہیم" ہے۔

اسی گاؤں میں ایک زاویہ یعنی خانقاہ میں یہ مقیم تھے غالباً یہ خانقاہ ان ہی کی قائم کی ہوئی تھی۔

حافظ ابن حجر نے ابن فضل اللہ کے حوالہ سے اس گاؤں کی حالت یہ نقل کی ہے۔

ایک چھوٹا سا گاؤں ریگستانی راستہ پر واقع ہے۔

یہ حال تو گاؤں کا تھا اور زاویہ یعنی خانقاہ جس میں حضرت کا قیام تھا اس کی کیفیت ابن فضل اللہ ہی کی زبانی سنئے۔ لکھتے ہیں کہ

---

[1] الیافعی نے بجائے ابوالمجد کے ان کے دادا کا نام مجد لکھا ہے واللہ اعلم یہ کتابت کی غلطی ہے یا کیا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

لیس لہ خادم ولا عوف لہ طباخة ولا قدر ولا مغرفة ولا موقد نار (درر ص۳۶۴ ج ۳)

(اس زاویہ میں) نہ مرشدی کے پاس کوئی خادم تھا اور پکانے والی (بڑھیا بھی) کوئی ان کے پاس تھی اس کا بھی کسی کو علم نہیں ہے۔ نہ وہاں ہانڈی ہی تھی اور نہ کفگیر اور نہ چمچہ نہ کوئی آگ سلگانے کی جگہ یعنی چولہا۔

المرشدی کی خاص کرامت بے نوائی اور بے سروسامانی کا یہ آخری نقطہ ہو سکتا ہے مگر بایں ہمہ کسی ایک آدمی کی روایت نہیں ہے بلکہ جم غفیر کی یہ چشم دید شہادتیں ان ہی حضرت مرشدی کے متعلق حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

کانت لہ احوال وھمة فی خدمتہ الناس وضیافتھم بحیث یطعم کل من مربہ من کبیر وصغیر وقلیل وکثیر۔ (ص۳۶۲)

ان کے خاص حالات تھے عام انسانوں کی خدمت اور مہمان نوازی کا خاص شوق تھا ان کی مہمان نوازی کا یہ حال تھا کہ جو کوئی بھی ان کے سامنے سے گزرتا بڑا ہو یا چھوٹا، تھوڑے لوگ ہوں یا بڑی جماعت سب کو کھلاتے تھے۔

سمجھا آپ نے کیا مطلب ہے؟ یہ گاؤں ریگستانی راہ پر واقع تھا۔ کاروانی قافلوں اور حجاج کے قافلو کی عام گزرگاہ تھی شیخ کی شہرت اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ الیافعی نے نقل کیا ہے کہ

یاتیہ الامراء والوزراء وغیرھم من اھل الدنیا (ص۲۹۶ ج ۴)

امراء اور وزراء اور ان کے سوا دنیا کے لوگ ان کے پاس آتے رہتے تھے۔

اور وہ سب کی ضیافت فرماتے تھے الیافعی نے لکھا ہے کہ

لو اجتمع عندہ اکثر عسکو فی الورٰی لعجل الیہ فی الحال ما احب من القوی (ص۲۹۲)

اور مخلوقات خدا کی بڑی سی بڑی فوج ہی کیوں نہ ان کی خانقاہ میں آجاتی ہر ایک کے سامنے اسی وقت بعجلت تمام ضیافت میں

Marfat.com

اسی چیز کو پیش کرتے جو اس کا دل چاہتا۔

جن لوگوں نے مصر کے شاہان مما لک کی تاریخ پڑھی ہے وہ الناصر کے عہد کی اس شخصیت سے ناواقف نہ ہوں گے جس کا نام بکتمر الساقی[1] تھا، الناصر کے حکم سے جب بکتمر جیسا امیر کبیر بھی مرشدی کی خانقاہ میں آتا تھا تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس خانقاہ میں عام لوگوں کی آمد و رفت کا کیا حال ہوگا۔

اور الیافعی کا فقرہ "لعجل الیہ فی الحال ما احب من القوی" یعنی بہت جلد ہر شخص کے سامنے اسی کھانے کو پیش کرتے تھے جو اس کا جی چاہتا تھا۔

یہ صرف انشائی قافیہ بندی یا شاعری نہیں ہے بلکہ المرشدی کی مہمان نوازی کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ تھی جیسا کہ ان کے تمام سوانح نگاروں نے بالاتفاق لکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

یقدم لکل واحد ما یقع فی خاطرہ۔	ہر ایک کے سامنے اسی کھانے کو وہ پیش کرتے جس کا خیال کھانے والے کے دل میں گزرتا۔

ابن فضل اللہ کے الفاظ بھی اسی کے قریب قریب یہ ہیں کہ

احضر لکل واحد منھم ما اقترح۔	جو کچھ جو چاہتا وہی کھانا اس کے آگے پیش کیا کرتے تھے۔

---

[1] بکتمر مصر کے شاہان مما لک میں سے الناصر کے زمانہ کا سب سے بڑا امیر ہے لکھا ہے کہ ایک لاکھ غلام اس کے پاس تھے، ۹۵ لاکھ کے صرفہ سے الناصر نے بکتمر کا صرف اصطبل خانہ تعمیر کرایا تھا، ننو سائیس گھوڑوں کی نگرانی و تربیت و پرداخت کے لیے ملازم تھے بکتمر کی جب وفات ہوئی تو اس کے اصطبل کے گھوڑوں کی بڑی تعداد شاہی باڈی گارڈ کے سپاہیوں کے قبضہ میں چلی گئی تھی پھر بھی جو باقی رہ گئے تھے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حد سے زیادہ ارزاں قیمت میں فروخت کیے گئے اس پر بھی بارہ لاکھ قیمت وصول ہوئی۔ سلاح خانہ کے ہتھیاروں کی قیمت چھ لاکھ اشرفیاں (مصری دینار) تھیں، بادشاہ پر بکتمر کا اثر اسی قدر تھا کہ الناصر کسی کے نام انعام یا وظیفہ وغیرہ کا فرمان جاری کرتا۔ اور شکریہ میں وہ زمین بوس ہوتا تو ناصر ہدایت کرتا کہ بکتمر کا ہاتھ جا کر چومو (مطلب یہ تھا کہ جس کسی کو جو کچھ میں دیتا ہوں) بکتمر کے اشارے سے دیتا ہوں اس لیے لوگوں کا واقعی محسن وہی ہے۔ (دیکھو درر کامنہ ص ۴۸۶-۴۸۷ ج ۱-۱۲-)

Marfat.com

ابن حجر کا بیان ہے کہ ان کی ضیافت کی اسی خصوصیت کا عام شہرہ تھا یعنی جس کے دل میں جس چیز کی خواہش ہوتی اسی کو وہ اپنے سامنے پاتا۔ اور وہ معمولی چیزیں نہیں ہوتی تھیں۔ الذہبی کا بیان ہے کہ

کان یخرج للحاضرین الاطعمة الفاخرة۔ (ص۴۶۳) — اعلیٰ درجہ کے بہترین کھانے لوگوں کے سامنے وہ پیش کرتے تھے۔

ابن فضل اللہ کا بیان ہے کہ اس صحرائی ٹاپو میں ایسی چیزیں ان کے دستر خوان پر ہوتی تھیں کہ

لا یوجد الا فی القاهرة او دمشق — دمشق اور پایہ تخت شام اور قاہرہ (پایہ تخت مصر) کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتی تھیں۔

اور ان لوگوں کی تو یہ سنی ہوئی روائتیں ہیں بقول حافظ ابن حجر

اشتهر هذا عنه وذاع — یہ باتیں المرشدی کی طرف سے عام طور پر مشہور شائع ذائع ہیں۔

لیکن الیافعی نے تو اسی سلسلہ میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ میں جس دن مرشدی سے ملنے اسی قریہ مرشد کھلان میں حاضر ہوا تھا روزے سے تھا۔ میں نے اپنے روزے کا حال ان سے بیان نہیں کیا تھا لیکن خلاف دستور میں نے دیکھا کہ میرے لیے کھانے کا نظم اس وقت نہیں کیا، بلکہ تنہائی میں لے جا کر دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر باہر نکلے اور لوگ جو آئے ہوئے تھے ان سے گفتگو میں مشغول رہے۔ شام تک انہوں نے مجھ سے پوچھا بھی نہیں کہ کچھ کھاؤ گے بلکہ جوں ہی مغرب کا وقت ہوا، مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ:۔

اذا به قد مد عندی سماطاً یکفی جماعة کثیرة من الاضیاف من الاطعمة ما یکثر عدده من الانواع والاصناف۔ (مرآۃ ص۲۹۳ ج۴) — المرشدی نے میرے لیے دستر خوان بچھا دیا ہے دستر خوان پر کھانے کی اتنی مقدار تھی جو مہمانوں کی بڑی جماعت کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ اور کھانے بھی طرح طرح کے مختلف قسموں کے تھے۔

اور بات اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ آگے الیافعی ذاتی شہادت ان الفاظ میں قلم بند کرتے ہیں کہ

کان فی نفسی شهوة طعام مخصوص — میرا جی ایک خاص قسم کے کھانے کو چاہتا

Marfat.com

ما کنت ذقته فی جمیع عمری احضرہ فی ذالک السماط (ص۲۹۳ ج ۴) — مگر ساری عمر اس کے چکھنے کا بھی موقع نہ ملا تھا میں نے اس دستر خوان پر اس کھانے کو بھی پایا۔

اور گو جیسا کہ میں نے بیان کیا ان کے دربار میں وزراء امراء کی بھی آمد و رفت تھی بلکتمر ساقی جیسا امیر کبیر ان کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا کرتا تھا۔ لیکن بالاتفاق اس کی گواہی بھی سب ہی دیتے تھے۔

لم یکن یقبل لاحد شیئاً — کسی شخص سے قطعاً قبول نہیں کرتے تھے۔

اور نہ بظاہر ان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ تھا مگر حال یہ تھا کہ حج میں ایک مرتبہ بڑے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئے راستہ بھر آمد و رفت میں سب کھانا المرشدی کی طرف سے تقسیم ہوتا تھا۔ حافظ نے لکھا ہے،

ینفق کل لیلة علیھم تارة الفا وتارة اکثر — ہر رات میں قافلہ والوں پر کبھی ایک ہزار کبھی ایک ہزار سے زیادہ خرچ کرتے رہے۔

حساب کرنے والوں نے ایک دفعہ چند راتوں کے مصارف کا حساب کیا تو معلوم ہوا۔

انفق فی ثلاث لیال ما قیمته الف دینار وفی خمس لیال اخری ماقیمه نحو خمسة وعشرین الفا۔ (ص۲۶۳) — تین راتوں میں ہزار اشرفیاں خرچ ہوئیں پھر پانچ دوسری راتوں میں پچیس ہزار اشرفیوں تک مصارف عائد ہوئے۔

بہر حال مرشدی کی ان عجیب و غریب مہمان نوازیوں اور شاہ خرچیوں کی داستان بہت طویل ہے ظاہری اسباب کا قطعی فقدان اور اس پر مزید لطیفہ یہ کہ ہر شخص کو اس کی خواہش اور آرزو کے مطابق کھانا ملتا، اور ایسے کھانے جو اس زمانہ میں دمشق اور قاہرہ کے دارالسلطنتوں کے سوا اور کسی جگہ میسر نہیں آ سکتے تھے اور بقول ابن فضل اللہ

لا یختص ذلک بوقت دون وقت بل لو اتاہ فی الیوم الواحد من اتاہ لا بد من ان یحضر له مایشتھیه (درر ص۲۶۴ ج ۳) — اور یہ بات کسی خاص شخص زمانہ کے ساتھ مختص نہ تھی، بلکہ ایک ہی دن جتنے آدمی بھی المرشدی کے یہاں آتے سب کے سامنے اس کی خواہش کے مطابق کھانا حاضر کیا جاتا تھا۔

اور اس ضیافت کے ذوق کے غلبہ کی حد یہ تھی جیسا کہ ذہبی کا بیان ہے :

Marfat.com

کان یخدم الوارد ین بنفسہ — المرشدی اپنے مہمانوں کی خدمت خود بنفسِ نفیس کرتے تھے

طریقہ شیخ کا یہ تھا کہ مہمان جب آجاتے تو اپنے حجرے میں چلے جاتے بقول ذہبی

لا یدخلہا احد غیرہ — پھر اس وقت حجرے میں ان کے ساتھ کوئی دوسرا داخل نہ ہوتا۔

اور جیسا کہ ابن فضل اللہ کا بیان ہے۔

وغاب ھنیھۃ واحضر لکل واحد منھم ما اقترح۔ (صـ۴۶۴) — تھوڑی دیر کے لیے (اسی حجرے میں) وہ غائب ہو جاتے۔ اور اس کے بعد ہر شخص کی خواہش کے مطابق کھانا لاکر پیش کر دیتے۔

خود الیافعی نے اس کی تصویر بھی کھینچی ہے یعنی اس حجرے سے شیخ کھانا کس طرح لاتے اور لاکر مہمانوں کے سامنے رکھتے تھے۔ یافعی نے لکھا ہے کہ میں جس زمانہ میں شیخ سے ملنے گیا تھا، اتفاقاً یہ شعبان کا مہینہ تھا اور نصف شعبان کی رات میں شیخ کے یہاں بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ اس ہجوم کا خیال کر کے میرا دل گھبرایا اور میں نے طے کیا کہ کل صبح میں شیخ سے رخصت ہو جاؤں گا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں

وعزمت علی السفر ھاربًا من لقاء من یاتیہ من سائر البلدان لما قد اعتادوا عندہ لیلۃ النصف من شعبان۔ (مرآۃ صـ۲۹۳ ج ۴) — میں نے سفر کا پکا ارادہ کر لیا کیوں کہ ان لوگوں سے میں بھاگنا چاہتا تھا جو پندرہ شعبان کی شب میں ہر شہر اور آبادی کے لوگ شیخ کے پاس حاضر ہوئے تھے یہ ان لوگوں کی سالانہ عام عادت تھی۔

شیخ سے یافعی نے اپنے اس ارادہ کو جب ظاہر کیا تو بولے کہ تم کو جانے نہیں دیا جائے گا بلکہ مُصر ہوئے کہ میرے ساتھ "کوم قرح" تم کو بھی جانا پڑے گا۔ یہ "کوم قرح" شیخ مرشدی کے گاؤں کے پاس کسی خاص جگہ کا نام تھا جہاں نصف شعبان کی رات میں لوگ جمع ہوتے تھے اور شیخ ہر ایک کو بہترین پاکیزہ عمدہ عمدہ لذیذ کھانے کھلایا کرتے تھے۔ (صـ۲۹۴)

جس ڈر سے یافعی بھاگنا چاہتے تھے اسی ہجوم خلق اللہ میں انہوں نے حکم دیا کہ تم کو بھی شریک ہونا

Marfat.com

پڑے گا، لکھا ہے کہ میں نے شیخ سے بہت معذرت کی اور التجا کی کہ اس مجمع میں شریک ہونے پر زیادہ اصرار نہ فرمائیں آخر میں شیخ نے کہا کہ جب تم جانا ہی چاہتے ہو تو عشاء کی نماز تک تم میرے پاس ٹھہرو۔ اس پر راضی ہو گئے، یہ دن کا وقت تھا اور آج یافعی نے روزے کی نیت نہیں کی تھی بلکہ لکھا ہے کہ شیخ کے روک لینے کے بعد میں نے روزے کا ارادہ دل میں فسخ کر دیا۔ ارادہ کا فسخ کرنا تھا کہ شیخ نے کسی آدمی سے اشارہ کیا کہ ان کے لیے کھانا لاؤ اس کے لانے میں کچھ دیر ہوئی تو میں نے دیکھا کہ

شد الشیخ وسطه وجاءنی بمائدة علیها الطعام (مرآة ص ۲۹۴)

شیخ نے اپنی کمر کسی اور ایک خوانچہ خود اٹھا کر لائے جس پر کھانا رکھا ہوا تھا۔

میں نے اس واقعہ کا ذکر دو وجہوں سے کیا ایک تو یہی کہ شیخ جس شکل میں لوگوں کے کھانا لاتے اور پیش کرتے تھے اس کا کچھ اندازہ ہو اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ذہبی نے جو یہ لکھ دیا ہے کہ ایک مہمان کے سامنے خود ہی کھانا پیش کرتے تھے کلیہ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خدام سے بھی کام لیتے تھے۔ صحیح بات وہی معلوم ہوتی ہے جو ابن فضل اللہ نے لکھی ہے کہ

واکثر ما کان یحضر بنفسه (ص ۴۶۴)

زیادہ تر کھانا مہمانوں کے سامنے وہ خود پیش فرماتے تھے۔

المرشدی کی کرامت بدگمانیوں کا ازالہ

خیر یہ تو شیخ مرشدی کے کھانے کھلانے کے قصے تھے ظاہر ہے کہ یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا خصوصاً جب لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ کسی کی امداد بھی شیخ قبول نہیں فرماتے اس چیز نے ان کی ان شاہانہ بلکہ شاہانہ حیثیت سے بھی بلند تر خصوصیت رکھنے والی مہمان نوازیوں کے راز کو اہم بنا دیا تھا۔ شیخ آخر یہ چیزیں کہاں سے لاتے ہیں اتنے آدمیوں کا کھانا ہر وقت ان کے ہاں کون تیار رکھتا ہے، ہر شخص کے دل میں جس کھانے کی خواہش ہوتی ہے اس سے یہ بات کرنے سے پہلے کیسے واقف ہو جاتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ آج بھی کسی شخص کے متعلق اسی قسم کی باتیں اگر مشہور ہوں تو مختلف رجحانات رکھنے والے قلوب میں ان سوالوں کے حل کی مختلف صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے المرشدی کے زمانہ میں بھی تقریباً وہی باتیں کہی گئی تھیں۔

ایک طبقہ تو ان لوگوں کا تھا جو المرشدی کی مہمان نوازیوں کے ان قصوں کو صرف سنتا تھا لیکن براہ راست

Marfat.com

مشاہدہ یا تجربہ کا موقع ان لوگوں کو چونکہ نہیں ملتا تھا، ان کے لیے یہ آسان تھا کہ "پیراں نمے پرند مریداں می پرانند" کے نظریہ سے اپنی ذہنی خارشت میں سکون پیدا کرلیں۔ ابن فضل اللہ نے شاید ان ہی لوگوں کے خیال کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

لا یخلو اکثرھا من مجازفة — ان قصوں کے اکثر عناصر واجزاء گپ سے پاک نہیں ہیں۔

مگر یہ لکھ کر جس تواتر و کثرت سے ان کا چرچا پھیلا ہوا ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان قصوں کو محض گپ اور "مجازفہ" قرار دینا بعید از عقل ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ براہ راست جن لوگوں نے ان واقعات کا مشاہدہ کیا تھا ان کی چشم دید شہادتیں ابن فضل اللہ نے پیش کر کے اس خیال کی تردید کی ہے۔ حافظ کے الفاظ یہ ہیں۔

وحکی عن جماعة متنوعة وقوع ذلک لھم لغیر وساطة۔ (ص۲۶۴) — مختلف قسم کی جماعتوں سے ابن فضل اللہ نے براہ راست ایسی شہادتیں نقل کی ہیں جن کے ساتھ خود یہ واقعات پیش آئے ہیں۔

افسوس ہے کہ خود ابن فضل اللہ کی کتاب مجھے نہیں ملی ورنہ پتہ چل سکتا تھا کہ کن کن لوگوں کی شہادتیں انہوں نے پیش کی ہیں۔ اتنا تو حافظ کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی طبقہ کے لوگ ان میں شریک نہیں ہیں بلکہ "جماعۃ متنوعہ" کے افراد ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علماء، صوفیاء، عوام اور علماء میں بھی مختلف خیالات اور رجحانات رکھنے والے لوگوں کے نام ابن فضل اللہ نے اس موقعہ پر اپنی کتاب میں غالباً درج کیے ہیں۔

ایک بے بنیاد افواہ

ان قصوں کو گپ یا "مریداں می پرانند" قرار دینے والوں کے قریب قریب یا شاید اسی جماعت میں اور حضرات بھی تھے جنہوں نے بیچارے شیخ کی ان مہمان نوازیوں کو اپنے ریسرچ اور تحقیقات انیقہ کا تختۂ مشق بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بنایا جاتا تھا، خدا جانے ان کی اس "ریسرچ" کی بنیاد جس واقعہ پر قائم کی گئی تھی بجائے خود وہ کس حد تک صحیح تھا لیکن ان کی طرف سے جو تحقیق پیش کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ جس علاقہ میں المرشدی رہتے تھے ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ وہاں کا قاضی ان سے ساز باز رکھتا تھا، آنے والوں سے آگے بڑھ کر یہی

قاضی ملاقات کر لیا کرتا تھا اور باتوں باتوں میں ان سے دریافت کر لیتا کہ کس حاجت اور ضرورت سے وہ آئے ہیں، پھر قاضی اور شیخ کے درمیان کچھ مقررہ علامات طے شدہ تھے، ان ہی علامات سے قاضی شیخ کو اس شخص کی حاجت یا اس کے خیالات سے مطلع کر دیا کرتا تھا یہی چیز لوگوں کی عقیدت کو بڑھا دیتی تھی، قاضی اس طریقہ سے شیخ کی عقیدت کے دائرے کو بڑھاتا تھا اور شیخ اپنے اس اثر سے جو ان عقیدت مندیوں کی بدولت قدرتاً ان کو حاصل ہو گیا تھا قاضی کو یہ فائدہ پہنچاتے تھے۔ کہ معزولی اور تبادلہ کے خطروں سے بےخوف ہو کر اپنے مستقر پر جما رہے جس کی وجہ سے اس کو ہاتھ پاؤں پھیلانے کے کافی مواقع ملے، علاوہ قضاء کی تنخواہ کے

اکثر من التجارة والزراعة والولاة ترعاه لجاهه بالشیخ (ص ۲۶۴)

(ایک ہی جگہ جم کر جو قیام کا موقع ملا) تو تجارت اور زراعت کے ذریعے اس قاضی نے اپنے کاروبار کو خوب فروغ دیا حکام اس کے ساتھ خاص رعایت شیخ مرشدی کے خیال سے کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے ابن فضل اللہ کے حوالہ سے اس عہد کے کسی صاحب تحقیق و ریسرچ کا مذکورہ بالا حل نقل کیا ہے۔

لیکن کیا ان حقائق و واقعات کی توجیہہ کے لیے جو بالتواتر المرشدی کی طرف منسوب ہیں صرف ایک قاضی الناختیہ (یعنی کسی سب ڈویژن کے قاضی) کا وجود اور المرشدی سے اس قاضی کے تعلقات کافی ہیں۔

اگر مان بھی لیا جائے کہ ایسا کوئی قاضی تھا بھی اور اس قاضی سے حضرت مرشدی کے تعلقات بھی تھے اور جس سوءظن سے ان لوگوں نے کام لیا ہے یعنی دونوں میں "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی ملی بھگت بھی تھی جب بھی اس واقعہ کی زیادہ سے زیادہ یعنی آنے والوں کے خواطر و ضمائر سے المرشدی کے مطلع ہو جانے کی ایک حد تک توجیہہ ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان سارے مفروضات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جن پر اپنی اس تحقیق کی ان لوگوں نے بنیاد قائم کی ہے۔ اگرچہ اس کا ماننا بھی آسان نہیں ہے۔ المرشدی کے پاس عوام ہی نہیں آتے تھے بلکہ بڑے بڑے علماء، صوفیاء اور امراء بھی ان کی

Marfat.com

خانقاہ میں آمد و رفت تھی جن میں بعض جلیل القدر ہستیوں کا ذکر آئندہ آرہا ہے بہر حال قاضی اور مرشدی کے پاس باہمی ساز باز کا راز ممکن ہے کہ عوام پر مخفی رہ جاتا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کاغذ کی یہ ناؤ، علم و عقل کے ان تھپیڑوں کی مسلسل زد کو زیادہ دن تک برداشت کرسکتی تھی ابھی کچھ دیر پہلے الیافعی کی ذاتی شہادت گزری ہے کہ بغیر کسی اطلاع کے ان کے ساتھ روزہ داروں کا سا سلوک شیخ نے کیا، تو نہ ایک ایسا مخفی اور عدمی فعل ہے کہ قرائن و قیاسات سے اس کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے خصوصاً ایک مسافر کے متعلق عام خیال یہی ہو سکتا ہے کہ روزے سے نہ ہوگا [1]

بہر حال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اشراف علی الخواطر میں تو قاضی کے ساز و باز کو دخل تھا لیکن ان شاہانہ مہماں نوازیوں کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے ؟ بے چارے قاضی کے پاس کتنی دولت تھی کتنے نوکر چاکر ہوں گے جو چوبیس گھنٹے المرشدی کے ہر مہمان کی خواہش کے مطابق کھانا تیار کر کے حاضر کر دیا کرتے تھے، میں نے پہلے بھی کہا ہے اس کے لیے ایک دیہاتی قاضی کی آمدنی تو خیر کیا کافی ہوتی اس قسم کا انتظام تو حکومتوں اور سلطنتوں کی طرف سے بھی آسان نہ تھا اس تماشے کے دیکھنے والے الیافعی نے لکھا ہے کہ جس قسم کی اولوالعزمیاں اس باب میں المرشدی سے ظاہر ہو رہی تھیں۔

لیس للسلطان علی احضارھا	عین وقت پر بادشاہ بھی اس قسم کے کھانوں
فی الحال اقتدار ۔ (ص ۲۹۵ ج ۴)	کے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔

خصوصاً جب بیان کرنے والے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عموماً ان کی خانقاہ میں پکنے پکانے کا بھی کوئی منظم موجود نہ تھا۔ اگر قاضی کے گھر سے کھانا پک کر آتا تھا تو آخر یہ بات کب تک پوشیدہ رہتی ایک دو دن کی بات ہوتی اور دس بیس آدمی کا قصہ ہوتا تو خیر کچھ کہا بھی جا سکتا تھا۔ لیکن جہاں صبح سے شام تک یہی قصہ ہو لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہو اور سالہا سال سے یہ سلسلہ جاری ہو، قطعاً ناممکن تھا کہ قاضی کی اندرونی امداد کا راز فاش نہ ہو جاتا۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قاضی جو بظاہر دنیا ساز اور

---

[1] درر کامنہ میں حافظ ابن حجر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ شیخ مرشدی کی خانقاہ میں جن صلاحیتوں کے لوگ آتے تھے بغیر کسی سابقہ و تعارف کے ان کی صلاحیتوں سے واقف ہو جاتے تھے اسی لیے جس میں امامت کی صلاحیت ہوتی اس کو امامت کے لیے جس میں خطابت کی اس کو خطابت کے لیے جس میں اذان کی اس کو اذان دینے کا وہ حکم دیتے تھے کیا ان ساری صلاحیتوں کا قاضی پتہ چلا لیتا تھا ؟ ۱۲۔

مال و دولت کا حریص قاضی معلوم ہوتا ہے کیا اس قسم کے آدمی سے ممکن ہے کہ اتنی بڑی عظیم مہمانداری کا بار مفت برداشت کرتا چلا جائے۔ لاکھوں روپے بے دردی کے ساتھ آنے جانے والوں پر برباد کرے۔

بہرحال مجھے تو اس زمانے کے اس ریسرچ میں بھی اسی شاعری کی جھلک معلوم ہوتی ہے جو عہد حاضر کے ریسرچی تدقیقات کی خصوصیت ہے، بڑے بڑے انقلابی نظریات محض چند شاعرانہ مناسبتوں پر قائم ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے آخر اس زمانے کا سب سے بڑا انقلابی نظریہ جس نے "خدا کے خلیفہ" الانسان کا شجرۂ نسب جنگل کے بندروں اور لنگوروں سے ملا دیا جب اسی کی ساری عمارت محض چند صوری شہادتوں پر اٹھائی گئی ہے اسی سے دوسرے تحقیقاتی نتائج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ابن تیمیہ کا الزام مخدومیت

اور میرے نزدیک تو اس قصے کے بے بنیاد اور محض بے اصل ہونے کی سب سے بڑی دلیل کہ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ الحرانی، جو طبقۂ صوفیاء و مشائخ پر بے تحاشا تنقید کرنے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ یہ المرشدی کے ہم عصر ہیں دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔

المرشدی کے خوارق و کرامات کے چرچوں سے اس زمانہ کی دنیا گونج رہی تھی۔ ابن تیمیہ جیسے دوسرے صوفیوں سے روٹھے ہوئے تھے المرشدی سے بھی وہ خوش نہ تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ قاضی کے گڑھے ہوئے اس قصہ میں کچھ بھی اصلیت ہوتی تو اس قصے کے مشہور کرنے میں یقیناً ابن تیمیہ پیش پیش ہوتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بجائے اس توجیہہ کے المرشدی کے ان غیر معمولی اعمال و افعال کی توجیہہ میں انہوں نے دوسری راہ اختیار کی ہے۔ الیافعی نے مرآۃ الجنان میں لکھا ہے۔

نقل عن ابن تیمیۃ انہ قال ھو مخدوم لما اشتھر عندہ واستفاض کثرۃ خوارقہ للعوائد لم یمکنہ جحدھا۔ (ص ۲۹۵ ج م)	ابن تیمیہ سے لوگ نقل کرتے ہیں کہ وہ المرشدی کو مخدوم قرار دیتے تھے کیونکہ خلاف معمول خوارق عادات کو ان کی طرف منسوب کرنے والے اتنی کثرت اور تواتر سے منسوب کر رہے تھے جس کے بعد ابن تیمیہ سے انکار تو ممکن نہ ہوا۔

Marfat.com

جس کا مطلب یہی ہوا کہ ابن تیمیہ تک ایسے ناقابل انکار ذرائع سے المرشدی کے ان محیر العقول کارناموں کی خبر پہنچ رہی تھیں کہ ان واقعات کے انکار یا ان کو قطعی بے بنیاد قرار دینے کی گنجائش چونکہ باقی نہ رہی تھی اس لیے ان غیر معمولی واقعات وخوارق کی توجیہہ میں الیافعی لویہ معلوم ہے کہ ابن تیمیہ نے اپنے اس خاص نظریہ سے کام لیا تھا جس سے صوفیہ کے مقابلہ میں کام لینے کے وہ عام طور پر عادی تھے، یہ "مخدومیت" کا نظریہ تھا[1] اپنی مختلف کتابوں میں ابن تیمیہ نے اس نظریہ کی تفصیل کی ہے۔

الزام کا جواب خود صاحب الزام کی زبان سے

میں اس وقت ابن تیمیہ کے ایک خاص نظریہ اور جن بے پناہ فیاضیوں سے اس نظریہ کے استعمال میں انہوں نے کام لیا ہے، تفصیلی بحث کے لیے تو تیار نہیں ہوں لیکن اتنی بات تو پھر بھی کہہ سکتا ہوں کہ منطقی طور پر شیخ الاسلام سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ آپ کے اس کلی فیصلہ کا کیا مقصد ہے؟ یعنی آیا یہ کلیہ ہے کہ جہاں کہیں اور جس کسی سے جس شکل میں بھی اس قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں ہر حال میں وہ آپ کے جنی کا اثر ہوتا ہے یا آپ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جناتی اثرات بھی ان شکلوں میں کبھی ظاہر ہوتے ہیں، یقیناً پہلی شق کا اختیار کرنا کسی حیثیت سے بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ نہ نقلاً اور نہ عقلاً بلکہ خود ان ہی کے تصریحات اس کے مخالف ہیں، خود اپنی اسی کتاب "النبوات" میں بیسیوں جگہ "کرامات اولیا" کی انہوں نے تصحیح کی ہے۔ بلکہ معتزلہ وغیرہ مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں نے اولیاء اللہ کی کرامتوں کا جو انکار کیا ہے اور بعض اشعری متکلمین جیسا کہ ان ہی کی روایت ہے کہ معتزلہ کے ہم نوا ہو گئے ہیں ان سب کا تذکرہ بایں الفاظ کرتے ہوئے کہ

والذین ذکر عنھم انکار کرامات	اولیاء اللہ کی کرامتوں کا انکار معتزلہ میں
الاولیاء من المعتزلۃ وغیرھم	سے جن لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے
کابی اسحاق الاسفرائینی	یا معتزلہ کے سوا ابواسحاق اسفرائینی اور
وابی محمد بن ابی زید کما	اور ابو محمد بن ابی زید کے متعلق بھی ابن حزم
ذکر ذلک ابو محمد بن حزم	نے یہی دعویٰ کیا ہے (یعنی غیر معتزلہ ہونے

[1] اس نظریہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حضرت مؤلف کا مضمون "ابن تیمیہ کا نظریہ مخدومیت" (غ۔م)

Marfat.com

اور اشعری علماء کے طبقہ میں شریک ہونے
کے باوجود یہ لوگ اولیاء اللہ کی کرامتوں
کا انکار کرتے تھے۔

خود انہوں نے ایک اچھی بات اس سلسلہ میں لکھی ہے کہ

لا ینکرون الدعوات المجابۃ ولا ینکرون الرؤیاء الصادقۃ فان ھذا متفق علیہ بین المسلمین۔ (ص ۲۶۷)

وہ اس کا انکار تو نہیں کر سکتے کہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ سچے خوابوں کے وجود کی تردید نہیں کر سکتے کیونکہ یہ باتیں تو ایسی ہیں جن پر سارے جہان کے مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اولیاء کے کرامت کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ان کی خواہش اور مرضی کو خدا پوری فرما دیتا ہے بسا اوقات کسی وجہ سے اولیاء اللہ خدا سے ایسی باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کا عام اسباب کے لحاظ سے وقوع پذیر ہونا بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر ان کی دعاؤں کی وجہ سے یہی غیر معمولی باتیں ظہور پذیر ہو جاتی ہیں اور کرامت اسی کو تو کہتے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں:۔

وھو ان اللہ تعالیٰ قد یخص بعض عبادہ باجابۃ دعائہ اکثر من بعض (ص ۲۶۸)

اور وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بعض بندوں کی بہ نسبت عام بندوں کے زیادہ سنتا ہے اور ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔

شیخ الاسلام نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے متعلق نقل کیا ہے، کہ

کان سعد بن ابی وقاص معروفا باجابۃ الدعاء (ص ۲۶۸)

حضرت سعد ابن ابی وقاص اس میں مشہور تھے کہ ان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

اور یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث میں آیا ہے کہ خدا کے بظاہر بعض نا پرسان حال بندے ایسے بھی ہیں کہ

لو اقسم علی اللہ لابرہ (صحاح)

خدا پر اگر قسم کھا بیٹھیں تو خدا ان کی قسم

Marfat.com

پوری فرماتا ہے۔

کو پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ کرامتوں کے ظہور کی ایک شکل یہ بھی ہے بلکہ علاوہ اس قصے کے جس میں حدیث کے یہ الفاظ پائے جاتے ہیں یعنی انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کی قسم خدا نے پوری کی تھی۔ شیخ الاسلام نے عہد صحابہ کے اس واقعہ کو بھی یاد دلایا ہے جس کا تاریخ کی عام کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے یعنی ایک دستور تھا کہ جب کسی جنگ میں معاملہ زیادہ نازک شکل اختیار کر لیتا لوگ حضرت انس کے بھائی براء بن مالک کے پاس آتے اور کہتے جیسا کہ خود ابن تیمیہ نے بھی نقل کیا ہے کہ

یابراء اقسم علی ربک — براء وقت آگیا ہے کہ تم اپنے رب پر قسم کھاؤ۔

صحابیوں کے اصرار سے حضرت براء پھر قسم کھاتے مثلاً کہہ دیتے کہ خدا کی قسم مسلمان اس جنگ کو جیت لیں گے یا خدا کی قسم ہمیں شکست نہیں ہو سکتی، تو عام تجربہ لوگوں کا تھا ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے کہ

فیقسم علی ربہ فینصرون — پس وہ قسم کھا لیتے اس کے بعد مسلمانوں کی خدا کی طرف سے مدد فرمائی جاتی۔ (یعنی فتح مند ہو جاتے۔)

جس کا حاصل یہی ہوا کہ دوستوں کے احترام و عزت کو باقی رکھنے کے لیے بھی حق سبحانہٗ تعالیٰ بعض دفعہ ان کی وجہ سے ایسے امور ظاہر فرماتے ہیں کہ جن کا عام حالات و اسباب کی راہ سے واقع ہونا عقل کے نزدیک کچھ ناممکن سا نظر آتا ہے۔ عہدِ صحابہ اور اس کے بعد مسلمانوں کی تاریخ کے ہر قرن اور ہر دور میں اس قسم کے واقعات کا مسلسل مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اسی کتاب میں خود شیخ الاسلام نے بھی بیسیوں واقعات عہد صحابہ و تابعین کے نقل کیے ہیں مثلاً حضرت خالد بن ولید کا "سم الفور"[۱] کی شیشی کا ایرانیوں سے لے کر پی جانا اور اس کے ضرر سے قطعاً محفوظ رہ جانا، یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمعہ کے خطبہ میں مدینہ منورہ سے اس فوج کے سپہ سالار ساریہ کو پکارنا جو ہزاروں میل دور دشمن کے مقابلہ میں صف آرا تھی، شیخ الاسلام نے اسی سلسلہ میں حضرت ابو مسلم الخولانی کے اس واقعہ کا ذکر بڑے دلدوز لفظوں میں کیا ہے جو یمن کے متنبی اسود عنسی کے مقابلہ میں پیش آیا تھا۔ میں ان کے الفاظ کا ترجمہ درج کرتا ہوں،

---

[۱] سم الفور یعنی فوراً اثر کرنے والا زہر اس کا ترجمہ ہوا۔ عام تاریخوں میں اس کا ذکر ہے۔

Marfat.com

"ابو مسلم الخولانی کو جب مشہور متنبی اسود عنسی نے کہا کہ کیا تو اس کی شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں سن رہا ہوں، اس نے پھر پوچھا کہ تم شہادت دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ کے رسول تھے ابو مسلم نے تب کہا کہ ہاں! اسود نے اس جواب کو سن کر حکم دیا کہ آگ کا ایک الاؤ جوڑا جائے، اس آگ میں اسود نے حکم دیا کہ ابو مسلم جھونک دیئے جائیں، یہی کیا گیا، مگر اسی کے ساتھ دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ اس بھڑکتے ہوئے آتشکدہ میں ابو مسلم خولانی نماز پڑھ رہے ہیں یہ آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی اور سلامتی بن گئی۔"

شیخ الاسلام نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابو مسلم مدینہ منورہ جب آئے تو حضرت عمرؓ نے اس طور پر انہیں بٹھایا کہ بیچ میں ابو مسلم تھے، اور ان کی ایک طرف حضرت ابو بکرؓ دوسری طرف خود حضرت عمرؓ تھے، حضرت عمر اس کے بعد فرماتے جاتے تھے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے مرنے سے پہلے مجھے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ایسے آدمی کو دکھا دیا جس کے ساتھ خدا نے وہی سلوک کیا جو سلوک اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ (النبوات ص۲۶۵)

اور ایک یہی واقعہ کیا میں نے جیسا کہ عرض کیا اسلام کے ہر قرن اور ہر دور میں اس قسم کی ہستیاں ہمیشہ پیدا ہوتی رہی ہیں جنہوں نے اپنے محبوب پیغمبر کی زندگی کو نمونہ بنا کر چلنا شروع کیا کچھ ہی دن بعد ان کی محبوبیت کا تجربہ شروع ہو جاتا ہے جس کا وعدہ قرآن میں ہر اس شخص کے ساتھ کیا گیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ ڈھنگ چال ڈھال، طور وطریق، ہدی وسنت کو اختیار کرتا ہے[1]، اور ظاہر ہے کہ

---

[1] اشارہ قرآن کی مشہور آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (کہہ دو اگر اللہ کو تم چاہتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تمہیں چاہنے لگے گا) (آل عمران)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب بندوں کی مرضی اور خواہش کو پورا کرنا ان کی محبوبیت کے اظہار کی ایک شکل ہے

حافظ ابن تیمیہ نے اس موقع پر بالکل صحیح فرمایا ہے کہ

کرامات الصالحین تدل علی صحۃ الدین الذی جاءبہ الرسول (ص۵)

صالحین کی کرامتیں بتاتی ہیں کہ رسول جس دین کو لے کر آئے ہیں وہ صحیح اور سچا دین ہے۔

بہرحال جب خود ابن تیمیہ اولیاء اللہ کی کرامتوں کے معتقد اور ان کا تذکرہ اتنی بلند آہنگیوں کے ساتھ کرتے ہیں تو یہ دعویٰ کہ سارے خوارق عادات جن کا ظہور کسی شخص سے ہوتا ہے، یہ سب "جناتی بکھیڑے" ہیں، ظاہر ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہمیشہ خوارق عادات کا ظہور کرامت ہی کی وجہ سے نہیں ہوتا، یعنی ان ہی کے الفاظ میں ہمیشہ ان خوارق کا تعلق

الکرامات الروحانیۃ التی یکرم اللہ بہا عبادہ الصالحین۔

ان رحمانی کرامتوں سے نہیں ہوتا جن سے اپنے نیک بندوں کا اکرام و اعزاز خدا کو منظور ہوتا ہے۔

لیکن جیسے یہ کلیہ صحیح نہیں ہے اسی طرح یہ کلیہ بھی غلط ہے کہ اس قسم کے غیر معمولی حوادث و واقعات کا ظہور ہمیشہ جنیوں ہی کی امداد و اعانت سے ہوتا ہے۔

اور جب یہی واقعہ ہے اور اس کے سوا مسئلہ کی کوئی دوسری صورت ادا ہو بھی کیا سکتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت المرشدی بیچارے کے غیر معمولی ضیافتی کارناموں پر شیخ الاسلام نے اتنی بے دردی کے ساتھ اپنے نظریہ "مخدومیت" کا جو لعدہ چلا دیا آخر اس کو کہاں تک قرین انصاف قرار دیا جا سکتا ہے۔ شیخ الاسلام اسی کتاب "النبوات" میں خود لکھتے ہیں، یعنی صالحین کی کرامتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ پیغمبروں سے جس قسم کے معجزے صادر ہوتے ہیں اسی نوعیت کی کرامتیں اولیاء اللہ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ

کما صارت النار برداً و سلاماً علی ابی مسلم کما صارت علی ابراھیم و کما یکثر اللہ الطعام و الشراب لکثیر

جیسے آگ ابو مسلم خولانی کے لیے خنک اور سلامتی کا ذریعہ بن گئی یہ اسی کے مانند ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہی صورت پیش آئی تھی، یا اللہ کے نیک بندوں کے

من الصالحين کما جری فی بعض المواطن للنبی اولحیا اللہ میتا لبعض الصالحین کما احیاہ کلانبیاء (ص۴)

کیلئے اللہ تعالیٰ خورونوش کی چیزوں کو بڑھا دیتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف موقعوں پر یہ صورت پیش آئی یا بعض نیک بندوں کے لیئے مردے کو خدا کی طرف سے زندگی عطا ہوئی ہے۔ جیسے حضرات انبیاؑ کے لیئے بھی یہی ہوا ہے۔

مجھے اس وقت ان چیزوں سے بحث نہیں بلکہ شیخ الاسلام جب خود یہ مانتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظہور" طعام وشراب" یعنی خورونوش کی چیزوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، ہوتا رہا ہے تو بے چارے المرشدی کی طرف سب سے بڑی کرامت جو منسوب ہے وہ غیر معمولی وسیع ترین شکل میں کھانے کھلانے ہی کی تو کرامت تھی میں حیران ہوں کہ شیخ الاسلام اس کی توضیح فرماتے ہیں کہ جس لاش سے زندگی قطعاً معدوم اور ناپید ہو چکی ہو، گرامتہً اسی لاش میں حیات اور زندگی واپس ہو سکتی ہے جب اولیاء اللہ سے ایسی کرامتوں کا ظہور ان کے نزدیک بھی ہو سکتا ہے تو ایسی جگہ جہاں کھانے پینے کا سامان موجود نہ ہو اگر کرامتہً وہاں یہ چیزیں حاضر ہو جائیں تو اس کو جنات کی طرف خواہ مخواہ منسوب کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے وہی اللہ جو اپنے بعض نیک بندوں کے لیئے قلیل طعام وشراب کو کثیر بنا دیتا ہے یا جس لاش سے زندگی ناپید ہو چکی ہے اسی میں جو اللہ اپنے بعض عباد صالحین کی عزت کو برقرار رکھنے کے لیئے زندگی کو پیدا فرماتا ہے تو قریہ کھلان کی خانقاہ میں آخر کیا وجہ ہے کہ خواہ مخواہ لوگوں کو یہ ماننے پر مجبور کیا جائے کہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ اللہ کے حکم سے نہیں بلکہ جناتی کرشمہ سازیوں کے تحت ہو رہا تھا۔ سوچنا چاہیئے کہ آخر اس کی معقول وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

شیخ الاسلام نے بیسیوں جگہ اس کی تصریح کی ہے۔ مثلاً اسی کتاب " النبوات" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

الخوارق ثلاثۃ انواع اما ان تعین صاحبہا علی البر والتقوی فہذہ احوال

خوارق (یعنی عام اسباب کے مخالف حوادث کا ظہور جو ہوتا ہے ان کی) تین قسمیں ہیں، یا ان خوارق سے نیکی اور تقویٰ کی زندگی میں

Marfat.com

نبینا ومن اتبعہ خوارقہم لحجۃ فی الدین او حاجۃ للمسلمین۔ (ص۱۰)	ان لوگوں کو مدد ملتی ہے جن کے ہاتھ پر ان خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی حال ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خوارق و معجزات کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی کرنے والے بزرگوں کے خوارق کا بھی یہی حال ہے اس قسم کے خوارق دین کے لیے حجت اور دلیل کا کام دیتے ہیں یا ان سے مسلمانوں کی کوئی ضرورت اور حاجت پوری ہوتی ہے۔

آگے انہوں نے دو قسمیں خوارق کی اور بیان کی ہیں یعنی ایک صورت ان کی ایسی بھی ہوتی ہے کہ نیکی اور تقویٰ کی زندگی میں نہ ان سے مدد ملتی ہے اور نہ نقصان ہی پہنچتا ہے اور دوسری قسم ان کی وہ ہے جن سے لوگ حرام کاریوں اور سیہ کاریوں میں کام لیتے ہیں مثلاً فواحش ظلم و شرک میں مدد ملتی ہے اور غلط جھوٹے دعووں کی تائید ہوتی ہے شیخ نے لکھا ہے کہ

فہذا من جنس خوارق السحرۃ والکہان والکفار والفجار (ص۱۱)	جادوگروں کاہنوں، کفار وفجار کے غیر معمولی کرشموں کی نوعیت یہی ہوتی ہے۔

بہرحال مجھے ان دو قسموں سے خوارق کے اس وقت بحث نہیں ہے بلکہ صرف پہلی قسم کے متعلق یہ کہنا ہے کہ پیغمبروں ہی سے نہیں بلکہ پیغمبروں کے ماننے والوں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے بھی جب شیخ الاسلام کے نزدیک ان کا ظہور ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے بلکہ ہوتا رہا ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت المرشدی کے ان خوارق کو بجائے اس قسم کے ایسی قسموں کے تحت داخل کر دینے کا قطعی فیصلہ وہ کیسے کر بیٹھے جو سحرہ کہان کفار وفجار والے خوارق کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ خصوصاً یوں بھی المرشدی کے ضیافتی کاروبار کو "خباثی بکھیڑوں" کی طرف منسوب کر دینا کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے خود شیخ الاسلام فرماتے ہیں، غالباً میں نے اس کا کہیں پہلے بھی تذکرہ کیا ہے کہ

فاھل الاخلاص والایمان لاسلطان لہ علیہم ولہذا یہربون من	اخلاص وایمان والوں پر شیطانی اثرات غلبہ نہیں پا سکتے اسی لیے اس گھر سے شیاطین الجن

البیت الذی تقراء فیه سورۃ البقرۃ ویهربون من قرأۃ آیۃ الکرسی واخر سورۃ البقرۃ وغیر ذلک من قوارع القرآن (ص۲۶۴)

بھاگتے ہیں جس میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور آیۃ الکرسی کی تلاوت سے یا سورۂ بقر کی آخری آیتوں یا دیگر قوارع القرآن سے وہ بھاگتے ہیں۔

وہ مسلسل اس کی بھی تصریح کرتے چلے جاتے ہیں اور غالباً علاوہ ذہنی کلیات کے خود ان کے ذاتی تجربات کو بھی اس میں دخل ہے، یعنی فرماتے ہیں

من یکون اخبارہ عن شیاطین تخبرہ لایکاشف اهل الایمان والتوحید واهل القلوب المنورۃ بنور اللہ بل یهرب منهم لیعترف انه لایکاشف هولاء وامثالهم۔ (ص۲۶۵)

جن لوگوں کو شیاطین الجن خبریں پہنچایا کرتے ہیں، ان شیاطین جن کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ارباب ایمان و توحید اور روشن ضمیر لوگ جن کے قلوب اللہ کے نور سے روشن ہیں ان کے دل کی باتوں سے یہ شیاطین الجن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اس قسم کے بزرگوں کے دل سے واقف نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے تو وہ بھاگتے ہیں۔ خود شیاطین الجن کی باتوں سے وہ آگاہی نہیں حاصل کر سکتے۔

میں ادب کے ساتھ شیخ الاسلام سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ شیخ مرشدی مسلمان نہیں تھے بلکہ "الکفار" کے طبقہ سے ان کا تعلق تھا۔ یا کافر نہ سہی کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا تھے؟

میں نے خود شیخ مرشدی کو نہیں دیکھا ہے لیکن ان کے دیکھنے والوں نے کتابوں میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ تو میرے سامنے ہے، اور ان دیکھنے والوں میں "الیافعی" جیسے ثقات حجت لوگ شریک ہیں، مرشدی کا ذکر کرتے ہوئے الیافعی مرآۃ الجنان میں لکھتے ہیں کہ "الشیخ الکبیر الولی الشهیر ذوالعجائب العظیمۃ والکرامات الکریمۃ والهمم العالیۃ والشمائل المرضیه والمکاشفات الجلیۃ والآیات الباهرۃ والانوار الطاهرۃ۔ (ص۲۹۲ ج۴ مراۃ۔

کیا کسی فاسق وفاجر مسلمان کے متعلق "الیافعی" جیسے متشرع بزرگ اس قسم کے الفاظ آداب القاب کے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں نے شروع مضمون کی پیشانی پر "المرشدی کے جس فقرہ کو "الیافعی" کے متعلق نقل کیا ہے اس کی وجہ جہاں تک میرا خیال ہے کچھ گرانی بھی مرشدی کی طرف سے یافعی کے قلب میں پیدا ہوگئی تھی آئندہ ان کی اس گرانی کا ذکر آ بھی رہا ہے باوجود اس گرانی کے جب اپنی چشم دید شہادت کے بعد المرشدی کے متعلق اس قسم کے الفاظ انہوں نے استعمال کیے ہیں تو جن لوگوں نے "المرشدی" کے واقعات صرف دور سے سنے تھے براہ راست ملاقات نہیں کی تھی ان کے دعوے کو کیسے مان لیا جائے۔ بہرحال کسی فاسق وفاجر کے متعلق ایسی شہادت الیافعی کبھی نہیں ادا کر سکتے، اور ایک الیافعی کیا، المرشدی اور ابن تیمیہ دونوں کے معاصر جلیل علامہ شمس الدین الذہبی جو ابن تیمیہ کی طرف داری وحمایت میں کافی شہرت رکھتے ہیں [لہ] اور جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے حضرات صوفیہ کے ساتھ بدگمانیوں میں ابن تیمیہ سے

لہ اس سلسلہ میں بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ ایک تاریخی مخطوطہ کا ترجمہ یہاں درج کر دوں، واقعہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو درحقیقت ایک خاندانی عالم تھے ان کے دادا ان کے والد بھائی الغرض سارا گھرانا علم دین میں امتیاز کی نظر سے دیکھے گئے ہیں فتنہ تاتار میں ان کے والد عبدالحلیم حران سے ہجرت کر کے شام تشریف لے آئے مہاجر ہونے کی وجہ سے اہل دمشق کے خواص وعوام نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا حکومت نے ایک معزز عہدہ بھی ان کے سپرد کیا جب شیخ الاسلام کے والد کا انتقال ہوگیا تو خود شیخ الاسلام کے ساتھ لوگوں نے اور حکومت نے احترام کے اسی برتاؤ کو جاری رکھا۔ مگر بعض خاص مسائل میں جب جمہور امت کے خلاف شیخ الاسلام نے تشدد کا رویہ اختیار کیا تو آہستہ آہستہ ہمدردوں کی جماعت ان سے ہٹنے لگی شمس الدین الذہبی بھی شیخ الاسلام کے بڑے قدر شناسوں اور مداحوں میں تھے بلکہ ان کے علم وذہانت سے کافی مرعوب تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ اپنے تشدد سے باز نہیں آتے اور عوام وعام علماء کی مخالفت کے سوا حکومت روز بروز دار وگیر میں آگے بڑھنے لگی تب الذہبی کچھ گھبرائے کہ کہیں اس فتنہ کی آگ میں بھی نہ گھسیٹ لیا جاؤں اس سلسلہ میں الذہبی نے جہاں اور بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔ ان میں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ بڑے اخلاص اور راست بازی سے ایک فصیح اور بلیغ خط شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے نام لکھا۔ اس خط کی نقل مصر وشام کے کتب خانوں میں موجود ہے مشہور قاضی ابن شہبہ کے ہاتھ کی نقل کا فوٹو بھی حال میں شائع ہوا ہے۔ خاکسار نے بھی اس کو دیکھا ہے اسی خط کے بعض فقروں کا ترجمہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

الذہبی کسی طرح پیچھے نہیں ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں الذہبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ المرشدی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہاں درج کرنا چاہتا ہوں۔ علامہ ذہبی نے جو تمہید خط کی لکھی تھی وہی کافی دلدوز ہے۔ حمد اور دعا کے بعد لکھا تھا:-

"واویلا اور افسوس ہے کہ سنت اور سنت والے دنیا سے رخصت ہو گئے اب میں اپنے ان ایمانی بھائیوں کو کہاں سے ڈھونڈوں جو رونے اور گریہ میں میری مدد کرتے تھے، ان لوگوں کے ناپید ہونے پر افسوس ہے جو علم کے روشن چراغ تھے اور تقویٰ والے تھے، نیکیوں کے سرچشمہ تھے، آہ ا حلال پیسے کو کہاں تلاش کروں اور اس بھائی کو کہاں پاؤں جس سے دل انس حاصل کرے۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں

"مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اپنے عیوب نے دوسروں کی عیب جوئی سے روک رکھا ہے اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے عیوب سے غافل ہو کر دوسروں کی عیب چینیوں میں مصروف ہیں تم کب تک دوسروں کی آنکھوں کے تنکوں کو ٹٹولو گے اور اپنی آنکھ کے شہتیر سے غافل بنے رہو گے تم اپنی تعریف آخر کب تک کرتے رہو گے اور تمہاری یہ لن ترانیاں جاری رہیں گی۔ علماء کو برا بھلا کہنے کا یہ سلسلہ کہاں تک پھیلتا چلا جائے گا، لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی جستجو میں تم کب تک مشغول رہو گے حالانکہ تم جانتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا کرو۔)"

اسی قسم کے چند فقروں کے بعد اب براہ راست خطاب کر کے ذہبی کہتے ہیں:-

"بھلے آدمی! خدا کے لیے اب بھی ہم لوگوں سے اپنی زبان کو روکو میں جانتا ہوں کہ تم بڑے زبان آور اور بڑے باتونی ہو، خدا کے لیے دین میں مغالطہ بازیوں سے (اغلوطات) سے کام نہ لو جسے تمہارے پیغمبر صلعم نے ناپسند کیا ہے۔"

الذہبی نے پھر بعض حدیثوں کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھ کر حلال و حرام تک کے مسائل میں جب آدمی زیادہ باتیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے متعلق ذہبی نے لکھا ہے کہ

کان یتکلم علی الخواطر و کان قلیل الدعوی عدیم الشطح حسن المعتقد۔ (ص۴۶۳)

وہ لوگوں کے قلبی خطرہ کو بتا دیا کرتے تھے، دعویٰ بہت کم کرتے تھے ان کے کلام میں شطح (بڑھ) بھی نہیں پایا جاتا، وہ حسن المعتقد تھے یعنی ان کے اعتقادات بھی اچھے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کرنے لگتا ہے تو دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے عقائد کے نازک مسائل میں بلند آہنگیوں سے ایک ہی پہلو پر زور دینے سے منع کیا ہے، چونکہ شیخ الاسلام کی دوستی میں الذہبی کا شہرہ تھا نیز حنبلی مذہب سے دونوں کا چونکہ تعلق تھا کچھ ان ہی امور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"خدا کی قسم تم نے اس کائنات کا ہم لوگوں کو مسخرا بنا چھوڑا ہے۔"

پھر نصیحت کی ہے کہ تم نے فلسفہ کی کتابوں کا بہت مطالعہ کیا اور ان کے زہر کو تمہارے دماغ نے چوس لیا شکایت کی ہے کہ تم اللہ کے نیک بندوں کے خلاف کب تک لٹھ گھماتے رہو گے اور اچھے لوگوں کی تحقیر و توہین کے درپے رہو گے۔ اس طریقے سے کہ بظاہر تو تعریف نہ معلوم ہو، خود اپنی قصیدہ خوانی کب تک کرتے رہو گے۔ پھر لکھا ہے کہ حدیثوں کے متعلق ایک رویہ تم نے یہ اختیار کر رکھا ہے کہ ان پر ضعف کا وضع کا حکم لگاتے رہتے ہو۔ کاش صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیثیں تمہارے بے پناہ حملوں سے محفوظ رہ جائیں،

الذہبی نے پھر چونکایا ہے کہ

"دیکھو بھائی ستر کے قریب تمہاری عمر ہو گئی روانگی کی گھنٹی بجنے والی ہے۔"

پھر نا امیدی ظاہر کی ہے کہ تم بھلا موت سے کیا ڈرو گے بلکہ اسی پر بگڑ بیٹھتے ہو جو موت کو یاد دلاتا ہو۔ پھر مجھ غریب کی بات کیا سنو گے میں جانتا ہوں کہ کہیں تمہیں غصہ آ گیا تو میری ان چند سطروں کے مقابلہ میں ایک جلد ہی تصنیف کر کے رکھ دو گے آخر میں لکھا ہے میں جو تم سے محبت رکھتا ہوں جب تنگ آ کر اس کا یہ حال ہو گیا ہو تو اسی سے اندازہ کرو تمہارے دشمن کا کیا حال ہو گا، میں نے تمہارے دشمنوں کا ذکر کیا سچ کہتا ہوں کہ ان میں نیکو کار اہل عقل و فضل والے لوگ بھی ہیں جیسے تمہارے ماننے والوں میں بہت سے فاسق و فاجر جاہل و کاہل گاؤخر شریک ہیں۔ الذہبی نے خط کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تم اس خط کو پا کر مجھ پر خوب برسو گے لیکن خدا کرے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کیا فاسق و فاجر کے متعلق اس قسم کے الفاظ خصوصاً الذہبی کے قلم سے نکل سکتے ہیں؟ سب سے زیادہ ابن تیمیہ یا الذہبی جیسے بزرگوں کو صوفیوں سے اعتقادی خرابیوں ہی کی شکایت ہوتی ہے۔ لیکن جب ذہبی بھی "حسن المعتقد" اور خوش اعتقاد مسلمان المرشدی کو جب قرار دے رہے ہوں، تو میرے خیال میں یہ ان کی اعتقادی صحت کی سب سے بڑی سند ہو سکتی ہے۔ صوفیہ اپنے "شطحیات" میں بھی بدنام ہیں لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس صوفیانہ داغ سے ذہبی کہتے ہیں کہ المرشدی کا دامن پاک تھا۔ خاص حالات میں بعض صوفیوں سے "انا الحق" یا "سبحانی ما اعظم شانی" وغیرہ الفاظ جو نکل گئے ہیں، ان ہی کا نام دعوی رکھا گیا ہے اور منجملہ مطاعن کے ایک طعن یہ بھی ہے جو اس گروہ پر علماء کی طرف سے عموماً کیا جاتا ہے لیکن ذہبی گواہی دیتے ہیں کہ اس طعن کی بھی ان میں گنجائش نہ تھی۔

اور ایک الذہبی ہی کیا، حافظ ابن حجر نے دوسری شہادتوں کی بنیاد پر المرشدی کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے

کان اسمر مبدنا ربعة حسن	وہ گندم گوں گداز بدن تھے، میانہ قد، پاکیزہ
الشکل منورة الصورة جمیل الهیئة	صورت روشن چہرہ خوبصورت شکل اور اچھے
حسن الاخلاق کثیر التلاوة (درر ص۴۶۳)	اخلاق والے آدمی تھے اور کثرت سے قرآن
	کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔

گو ظاہری شکل و صورت سے باطنی کیفیات پر استدلال کلی حیثیت سے تو صحیح نہیں ہے لیکن پھر بھی ساحروں جادوگروں، خباثتی اعمال والوں کی عمومی حیثیت سے شکلاً و صورتاً و لباساً و صنعاً ہوتی ہے جیسے المرشدی کی طرف حافظ ابن حجر نے منسوب کیا ہے، اس قسم کی پاک و صاف ستھری دھلی دھلائی پھر اچھی زندگی عموماً تقویٰ و طہارت اور پارسائی و پاکبازی کی زندگی رکھنے والوں کی دیکھی گئی ہے اور حافظ نے صرف ظاہری حالات ہی کی تو رپورٹ نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کے بعد ان کے باطنی اوصاف و اخلاق کو بھی سراہا ہے سب سے زیادہ یاد رکھنے کی چیز یہ ہے کہ المرشدی کی طرف منجملہ دیگر صفات اور خصوصیتوں کے حافظ نے یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اندرونی طور پر اس خط سے تمہارا دل متاثر ہو میں اپنے عیوب سے خوب واقف ہوں، مجھ پر افسوس اگر میں توبہ نہ کروں خدا کے سامنے رسوائیوں کا کیا ٹھکانا ہے میرا علاج صرف حق تعالیٰ کی درگزر و عفو سے ہو سکتا ہے (میں نے قصداً بعض زیادہ کرخت فقروں کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے اصل مکتوب السیف الصیقل کے آخر میں فوٹو کے ساتھ چھپا ہوا ہے)

Marfat.com

یہ بھی منسوب کیا ہے کہ وہ "کثیر التلاوۃ" تھے، جس کا مطلب ظاہر ہے کہ بکثرت قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ میں پوچھتا ہوں کہ شیخ الاسلام جب خود فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والوں سے اس قسم کے جنّات بھاگتے ہیں جن کے مخدوم ہونے کی تہمت انہوں نے المرشدی پر لگائی ہے تو بتایا جائے کہ تہمت اور سوءِ ظن کے سوا، شیخ الاسلام کے اس بے محابا فیصلہ کو میں اور کیا قرار دوں۔

خود ان ہی نے لکھا ہے بلکہ تصریح کی ہے کہ جنوں کے اقرار سے یہ معلوم ہوا ہے کہ

"ارباب ایمان و اخلاص اور روشن ضمیر بزرگوں کے قلبی حالات سے آگاہی و واقفیت ان کے لیے ناممکن ہے۔"

ان کے الفاظ میں نقل کر چکا ہوں کہ

ولیعترف انہ لا یکاشف ھولاء وامثالھم۔

جن اقرار کرتے کہ اس قسم کے لوگوں کے اندرونی خیالات سے وہ آگاہی نہیں حاصل کر سکتے۔

پھر یہ باور کر لینا کہ لوگوں کے قلوب کے ضمائر و خواطر سے جو المرشدی واقف ہو جاتے تھے اور اسی بنیاد پر ہر مہمان کے آگے وہی کھانا ان کی طرف سے پیش ہوتا تھا جس کی اسے خواہش ہوتی تھی۔ اس کے متعلق یہ دعویٰ کہ جناتی تائیدوں کو اس میں دخل تھا، بے بنیاد ہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ سوءِ ظن کے سوا اور کیا قرار دیا جائے۔

"مخدومیت" کا دعویٰ ابن تیمیہ المرشدی کے متعلق کرتے تھے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد الیافعی نے جو یہ لکھا ہے کہ یہ ابن تیمیہ کا صرف "ظن کاذب ہے" اور ان کی طرف سے یہ "تاویل فاسد" ہے اور اپنے خیال کی تائید میں انہوں نے یہ وجہ پیش کی ہے۔

فان الجان لیس لھم اطلاع علی بواطن العباد وما یخطر فی بواطنھم نعوذ باللہ من سوءِ الاعتقاد (ص۲۹۵)

کیونکہ اللہ کے خاص بندوں کی اندرونی کیفیات سے جن واقف نہیں ہو سکتے نہ ان سے اور نہ ان خطروں سے جو ان بزرگوں کے قلوب میں گزرتے ہیں۔ بدگمانی سے میں خدا ہی کی پناہ مانگتا ہوں۔

شاید اس سے بھی ان کا مقصود وہی ہو جو فقیر نے عرض کیا۔

Marfat.com

الزام "مجذوبیت"

یہ واقعہ ہے کہ المرشدی میں ظاہری اعمال وافعال کے لحاظ سے کسی قسم کی کوئی کمزوری بھی اگر ہوتی تو اگر دوسرے نہیں مگر الذہبی تو اس کا ذکر کیے بغیر قطعًا خاموشی کے ساتھ گزر نہیں سکتے تھے۔ صوفی ہونے کی وجہ سے طبعًا ان کا جی تو نہیں چاہتا تھا کہ تعریف کے الفاظ لکھیں لیکن یقینًا کوئی چیز ان کو ایسی ملی ہی نہیں جسے حملے کا ذریعہ وہ نبا سکتے ہوں البتہ کرامات اور کشوف کی اس کثرت کو دیکھ کر چلتے ہوئے ایک فقرہ آخر میں لکھ گئے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے ان کے حوالہ سے درر کامنہ میں نقل کیا ہے۔

والذی یظہر لی انہ کان مجذوبا (ص ۲۶۳)

مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ المرشدی مجذوب تھے۔

مگر اس کی وجہ انہوں نے نہیں لکھی بظاہر خیال گزرتا ہے کہ الذہبی کچھ المرشدی سے ڈرے ہوئے ہیں اور غالبًا "مجذوب" قرار دینے کی وجہ ان کا غیر شعوری خوف ہی معلوم ہوتا ہے۔

مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ جس جماعت سے ذہبی یا ابن تیمیہ کا تعلق ہے غالبًا ان کے یہاں مجذوب مان لینے پر ذہبی کو کس چیز نے آمادہ کیا کسی ظریف کا خیال ہے کہ اس طرح دھن دولت کو مسلمانوں کے کھلانے پلانے میں پانی کی طرح بے دریغ لٹاتے رہنا علماء رسوم کے نزدیک جنون ہی کی شکل ہو سکتی ہے لیکن خیر یہ تو ظرافت کی بات ہے اگر جذب کا معیار یہی ہے تو الذہبی کیا فرمائیں گے اس شخص کے متعلق جو صرف اللہ اور اس کے رسول کے سوا سب کچھ اس کے پیغمبر کے قدموں پر نثار کرنے کے لیے آیا تھا، خود اس پیغمبر ہی کا (صلواۃ اللہ علیہ وسلامہ) کیا حال تھا اُحد پہاڑ کے برابر سونے کے متعلق جو بار بار اعلان کرتا ہو کہ میرے قبضہ میں اگر آجائے تو تین دن سے زیادہ وہ میرے پاس باقی نہیں رہ سکتا۔ بلالؓ کو حکم دیا جاتا ہے کہ

انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا۔

بلالؓ خرچ کیے چلے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا اندیشہ نہ کرو۔

اسی پیغمبر کے ایک امتی کے قبضۂ اقتدار میں جو کچھ آیا تھا اگر وہ سب کو مسلمانوں پر لٹاتا رہا تو اس کو جنون قرار دینے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ نے خود لکھا ہے کہ اس قسم کے خوارق عادات دین کی صداقت کے لیے یا حجۃ

Marfat.com

کا کام دیتے ہیں یا مسلمانوں کی حاجت وضرورت ان سے پوری ہوتی ہے بجنسہٖ ان کے الفاظ میں نقل کر چکا ہوں۔

پھر المرشدی سے اس باب میں جس قسم کے غیر معمولی کارنامے ظاہر ہو رہے تھے ان سے تو دونوں ہی نتائج پیدا ہو رہے تھے۔

آخر میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کے اس قسم کے اعلانات عامہ مثلاً

وَمَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَل لَّہٗ مَخْرَجاً وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ

اللہ سے جو ڈرتا رہتا ہے خدا اس کے لیے کشائش کی راہ پیدا فرماتا ہے اور ایسی جگہ سے اسے روزی پہنچاتا ہے جہاں سے سان گمان بھی نہ ہو۔

جن میں "غیر حسابی رزق" کا وعدہ تقویٰ کی زندگی بسر کرنے والوں کے لیے کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی شکل دعویٰ کی ہے یقیناً اس دعوے کی دلیل اس قسم کے واقعات بن سکتے ہیں جن کا ظہور المرشدی جیسے متقی اور پرہیزگار بزرگوں کے ہاتھ پر وقتاً فوقتاً اسلام میں ہوتا رہا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ آمدنی کے اسباب کی ناواقفیت لوگوں کو اچنبھے میں ڈالتی ہے پوچھتے ہیں کہ آخر جب وہ نہ کسی سے لیتے تھے اور نہ ان کی آمدنی کے ذرائع لوگوں کو معلوم تھے تو ان کے پاس یہ چیزیں کہاں سے آتی تھیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اسباب جس رزق کے معلوم ہی ہو جائیں تو پھر وہ "لا یحتسب رزق" ہی کیا باقی رہتا ہے۔

اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ مختلف قرون وادوار وممالک وامصار میں ایسی ہستیاں مسلمانوں میں جو پیدا ہوتی رہی ہیں[۱] جن کے مصارف کا پیمانہ غیر معمولی طور پر وسیع تھا لیکن مداخل کی راہیں عموماً لوگوں کو

---

[۱] عہد صحابہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابو ہریرہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بھی مختلف صحابیوں سے ایسی صحیح روائتیں کتابوں میں پائی جاتی ہیں کہ غلہ یا اسی قسم کا ایسا ذخیرہ جو چند دنوں سے زیادہ استعمال کے بعد باقی نہیں رہ سکتا تھا وہی ذخیرہ مدت ہائے مدید تک ان لوگوں کے کام آتا رہا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں یہ روائتیں موجود ہیں اور مسلمان عموماً ان سے واقف ہیں، پچھلے زمانہ میں بھی اور تو اور ہندوستان میں ایسے متعدد تماشے دیکھے گئے ہیں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

معلوم نہ تھیں، غالباً اس قرآنی اعلان اور دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ایسا ہوتا رہا اور جہاں تک میرا خیال ہے آئندہ بھی قرآن کے اس دعوے کا تجربہ ان لوگوں کو قدرت کراتی رہیگی جو اس کا تجربہ کرنا چاہیں گے۔

بہرحال المرشدی کی غیر معمولی مہمان نوازیوں سے ایک طرف جہاں "تقویٰ" کے اس قرآنی ثمرہ اور نتیجہ کا ثبوت فراہم ہو رہا تھا وہیں ظاہر ہے کہ بجائے عام مسافر مسلمانوں اور حجاج کی ایک ضرورت بھی اس ریگستانی ٹاپو میں پوری ہوتی تھی پھر ان کے اس طرز عمل کو جذب قرار دینے کے آخر معنی کیا ہو سکتے ہیں۔

جذب میں کچھ بھی ہو، اتنی بات تو اس میں بہرحال ضروری ہے کہ "عقلی نظام" مجذوبوں کا عموماً عمومی نقطۂ اعتدال پر باقی نہیں رہتا، اسی لیے مجذوب بزرگوں کو جن کا جی چاہتا ہے مجنون بھی کہتے ہیں لیکن عقلی اختلال کی آخر کچھ علامتیں ہوتی ہیں۔ ایک شخص جس کے متعلق دیکھنے والوں کا یہ بیان ہو کہ

"وہ بڑے خوبصورت میانہ قد آدمی تھے، ہیئت اور وضع اُن کی جمیل تھی، اخلاق بھی ان کے اچھے تھے۔" (ص۲۶۳ دُرر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ جن کی کوئی صحیح توجیہہ دنیا اب تک نہیں کر سکی ہے۔ حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے سفرہ عام کے عام قصوں کے سوا جلال الدین خلجی کے زمانہ کے مشہور بزرگ شیخ مولہ جن کے باورچی خانے میں روزانہ خرچ بتایا گیا ہے کہ "ہزار من میدہ، پانچسو من گوشت، تین سو من شکر" تھا۔ اور ان کی یہی خصوصیت تھی کہ کسی سے کچھ نہ لیتے تھے، دیکھو میری کتاب "تعلیم و تربیت" ص۲۱۷ ج ۱۔ اور یہ تو خیر پرانے زمانے کی باتیں ہیں، چند سال ہی گزرے ہیں اسی ہندوستان میں حضرت مولینا عین القضاۃ حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھنؤ میں بیٹھ کر اسی "لاتحتسبی رزق" کا ثبوت سال ہا سال تک دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے ہزارہا روپیہ ماہوار حضرت کی طرف سے امور خیر میں صرف ہوتے تھے۔ لکھنؤ جیسے غدار شہر کی ہر سال سات دفعہ دعوت آپ کی طرف سے ہوتی تھی جس میں کسی کی تخصیص نہ ہوتی اور کھانا بھی کیسا کابلی دنبوں کا گوشت، کشمیری چاول کی بریانی، مزعفر گھی جس میں پانی کی طرح استعمال ہوتا تھا لیکن آخر وقت تک دنیا کو اس کا پتہ نہ چلا کہ اس متقی کے پاس رزق کا یہ دریا کس راستہ سے جاری ہے۔ ۱۲

Marfat.com

پھر حافظ ابن حجر کے اُن الفاظ کا ترجمہ ہے جنہیں کچھ دیر پہلے میں نقل کرچکا ہوں سوچنا چاہیے کہ مجنونوں یا مجذوبوں کی یہی شکل، یہی صورت یہی وضع و قطع ہوتی ہے؟

اور ایک یہی کیا جس کسی نے بھی المرشدی کے حالات بیان کیے تھے کسی کے بیان میں اب تک مجھے کوئی چیز نہیں ملی ہے جس سے ان کے عقلی نظام میں معمولی اختلال کا بھی ثبوت ملتا ہو۔ بلکہ جس کسی نے ان کا جو حال بھی بیان کیا ہے سب ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ صوفیانہ زندگی کے انہوں نے اپنی عالمانہ زندگی کی اس شان کو بھی باقی رکھا تھا، حافظ ابن حجر ہی نے لکھا ہے کہ

کان یفتی بلفظہ لا بکتابہ (ص ۴۶۳) تحریری طور پر تو نہیں لیکن زبانی فتوی دیا کرتے تھے[1]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان سے فقہی سوالات بھی کیا کرتے تھے اور ان سوالوں کا جواب بھی وہ دے دیتے تھے۔ اگر کچھ بھی ان میں جذب یا مجذوبوں کی وارفتگی کا رنگ ہوتا تو جیسا کہ عام دستور ہے قطعاً مسلمان ان سے فتوی پوچھنے کی نہ جرأت ہی کرتے اور نہ وہی فتوی جیسے اہم علمی و دینی کام کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتے کیونکہ مجذوبوں کا گروہ اور جس معاملہ میں بھی مجذوب ہو، پر تجربہ شاہد ہے کہ شریعت کے معاملات میں وہ بھی ہوشیار رہتے ہیں۔

بہرحال میں نے جہاں تک المرشدی کے حالات کا مختلف کتابوں میں مطالعہ کیا ہے ان میں کوئی ایسی چیز مجھے نہیں ملی جس سے ذہبی کے نظریہ "مجذوبیت" کی تائید ہوتی ہو، جیسے ابن تیمیہ کے نظریہ "مجذومیت" کا بھی ثبوت اس وقت تک نہیں ملا ہے اور نہ ان کی زندگی میں کوئی ایسی بات ملتی ہے جو کسی حیثیت سے بھی علماء رسوم کے نزدیک محل طعن و اعتراض ہو

ترک جمعہ و جماعت کا الزام صرف ایک چیز کا اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر نے تذکرہ کیا ہے میں ان ہی کے الفاظ میں اس کو نقل کردیتا ہوں، ارقام

---

[1] یہ بات کہ تحریری فتوی نویسی سے المرشدی کیوں بچتے تھے یہ بھی ان کی غایت بیداری کا ثبوت ہے۔ علماء کی ایک جماعت گزری ہے جو فقہی فتووں کے متعلق قائل تھی کہ قید کتابت میں لانا ان کا مناسب نہیں ہے کیونکہ عموماً یہ اجتہادی مسائل ہوتے ہیں، وقت پر جو بات سمجھ میں جس عالم کے اپنے معلومات کی روشنی میں آگئی اس نے بتادی، آئندہ کی ضرورتوں کو اس ماننے کے علماء کے لیے چھوڑ دینا پسند کرتے تھے۔ میرے خیال میں یہ انتہائی احتیاط ہی کا اقتضاء ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

فرماتے ہیں

وانکروا علیہ ان فی زاویتہ ممبر للخطیب فیصلی الناس الجمعۃ والجماعۃ ولا یصلی معھم ۔ ص۶۳	المرشدی پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ان کی خانقاہ میں خطیب کے لیے حالانکہ ممبر بھی موجود ہے لوگ جمعہ وجماعت کی نمازیں وہاں پڑھتے ہیں لیکن خود مرشدی لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ۔

بلاشبہ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اعتراض کی گنجائش ضرور پیدا ہوتی ہے لیکن سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ الجمعۃ والجماعۃ کے الفاظ جو حافظ نے لکھے ہیں ان کا مطلب کیا ہے آیا صرف جمعہ کی جماعت میں عدم شرکت مقصود ہے، تو اس کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ صوفی المشرب بزرگوں کا عام طریقہ چونکہ عمل بالاحوط تھا اور معلوم ہے کہ ان کا گاؤں مرشد کھلان ایک معمولی قریہ تھا، اس لیے ہو سکتا ہے کہ حنفی مذہب کی رعایت کر کے شیخ جمعہ کی نماز گاؤں میں نہ پڑھتے ہوں، اور اس علاقہ کے عوام جو عموماً حنفی نہ تھے ان کو پڑھنے سے منع بھی نہ کرتے ہوں۔

اور اگر جمعہ کی نماز کی حد تک "جماعت" کا مذکورہ بالا لفظ محدود نہیں ہے بلکہ پنج وقتہ نمازوں کی جماعت میں المرشدی شریک نہیں ہوتے تھے، یہی اس کا مطلب قرار دیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عام حالات کے لحاظ سے اعتراض کرنے والوں کو شرعاً اس اعتراض کا بجا حق حاصل ہے یہ مان بھی لیا جائے کہ نماز میں جماعت کی پابندی کا مطالبہ وجوب کی حد تک نہ بھی پہنچا ہو، تو سنت موکدہ ہونے میں اس کے کون شک کرسکتا ہے۔ ایسی ہستیاں جو دین میں قیادت اور نمائندگی کی حیثیت رکھتی ہیں اور عوام جن کے نمونوں سے متاثر ہوتے ہیں ان کے لیے موکدہ سنتوں کا ترک یقیناً اہمیت رکھتا ہے، کم از کم اپنے ذاتی مذاق کی بنیاد پر میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے مسائل اغماض اور چشم پوشی کے مستحق کسی حیثیت سے نہیں ہیں۔

لیکن اسی کے ساتھ ایک دوسرا پہلو بھی ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن بزرگوں کی دینی زندگی کے عام پہلوؤں کو لوگوں نے بے داغ پایا ہو اور باوجود اس کے کسی ایسے شرعی مطالبے کے متعلق جس کی حیثیت وہی ہو جو موکدہ سنتوں جیسی چیزوں کی ہے اگر ان کے متعلق کسی قسم کی کوتاہی پائی جاتی ہو، تو

اس وقت جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ شریعت کے ان مطالبات کی شدت میں بھی کمی پیدا ہو جاتی ہے جن کی حیثیت فرائض و واجبات کی ہوتی ہے۔ پھر ایسی صورت میں یہ کیوں نہ خیال کیا جائے کہ یہاں بھی کسی عذر ہی کی وجہ سے ممکن ہے کہ ترک سنت کی یہ کوتاہی مبنی ہو، آخر میں پوچھتا ہوں کہ مرشدی بے چارے تو پچھلے زمانہ کے آدمی ہیں قرون مشہود لہا بالخیر کی مسلم الثبوت ہستی امام دار الہجرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کیا یہ چھپی ڈھکی بات ہے کیا الذہبی یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس سے واقف نہ تھے کہ آخر عمر میں حضرت امام مالک

لم یکن یشھد الصلوٰۃ فی المسجد ولا الجمعۃ ۔ (الدیباج الذہب ص۲۲)

مسجد میں نمازوں کے لیے حاضر نہیں ہوتے تھے اور نہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتے تھے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ

وکان ربما قیل لہ فی ذلک فیقول لیس کل الناس یقدر ان یتکلم بعذرہ (ص۲۲)

بسا اوقات اس مسئلہ میں لوگوں نے ان سے کہا بھی مگر جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اس کی قدرت نہیں رکھتا کہ اپنے عذر کو وہ بیان کرے۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ "جمعہ و جماعات" کے اس ترک کی وجہ بھی لوگوں کو معلوم نہ تھی، اور باوجود دریافت کرنے کے حضرت نے اس عذر کو بیان بھی نہیں فرمایا۔ پھر جب ان قرون کے مسلمانوں نے جیسا کہ لکھا ہے۔

واحتمل الناس لہ ذلک حتی مات علیہ

لوگوں نے امام مالک کے اس طرز عمل کو برداشت کیا حتیٰ کہ اسی حال میں حضرت امام کا انتقال ہوا۔

اور اس کے بعد بھی اس وقت تک حضرت امام مالکؒ کے اس خاص طرز عمل کے متعلق لوگوں نے سکوت ہی کو اولیٰ خیال کیا، محض اس کو ذریعہ بنا کر میں نہیں جانتا کہ ان کی امامت اور جلالت قدر پر کسی نے نکتہ چینی کی ہو۔ بلکہ یہی سمجھا گیا کہ خدا اور اس کے بندے کے درمیان یہ کوئی خاص معاملہ تھا۔

وجہ اس کی وہی تھی کہ امام مالک کی دینی زندگی اپنے پہلوؤں کے لحاظ سے جتنی پاک و صاف تھی۔ ان کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی اس کا خیال بھی نہ کر سکتا تھا اور نہ اب کر سکتا ہے کہ العیاذ باللہ ان کا

Marfat.com

یہ فعل شریعت سے بغاوت یا سرکشی پر مبنی تھا اور نہ ان کے متعلق کبھی سوچا جا سکتا ہے کہ شرعی مطالبات کی ان کی نظر میں اہمیت و وقعت نہ تھی، بہر حال بقول شخصے المرشدی کی طرف یہ انتساب صحیح بھی ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ

پس هذا اول قارورة انکسرت فی الاسلام — یہ پہلا شیشہ نہ تھا جو اسلام میں ٹوٹا ہو۔

منزلت و مرتبہ میں ان سے بھی بلند ترین ہستی کی طرف تاریخ جب ٹھیک اسی واقعہ کو منسوب کر چکی ہے تو جو توجیہ حضرت امام مالک کی طرف سے پیش کر کے لوگ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ المرشدی کو بھی سکوت اور خاموشی کے حق سے محروم کرنے کی معقول وجہ خود ہی غور کرنا چاہیے کہ کیا ہو سکتی ہے۔

اور یہ سب تو جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں یہ مان کر کے عرض کر رہا ہوں کہ منسوب کرنیوالوں نے المرشدی کی طرف جمعہ و جماعات کو منسوب کیا ہے اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے، حالانکہ سچ پوچھئے تو بجائے خود اس انتساب میں گفتگو کی کافی گنجائش ہے بلکہ میرے نزدیک تو یہ بھی کچھ اڑائی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔ جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر جنہوں نے الزام لگانے والوں کے اس الزام کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اپنی اسی کتاب درر کامنہ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ

وکان کل من انکر علیہ حالہ اذا اجتمع بہ زال عنہ ذالک (ص ۴۶۳)

یہ واقعہ ہے کہ ہر شخص جسے مرشدی کے حال (طرز عمل) پر اعتراض ہوتا جب ان سے اس کی ملاقات ہو جاتی تو اس اعتراض و انکار کا اس کے دل سے ازالہ ہو جاتا تھا۔

حافظ کی کلی تعبیر اس باب میں خاص توجہ کی مستحق ہے، آخر ان کی اس کلی شہادت کی بنیاد پر اگر یہ سمجھا جائے کہ جمعہ و جماعات کا اعتراض بھی ان ہی الزاموں میں شریک ہے جن کا المرشدی سے ملنے کے بعد ازالہ ہو گیا تو جو ان کے الفاظ ہیں یقیناً ان میں اس کی کافی گنجائش موجود ہے۔

بظاہر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی مشہور ہستیوں کے متعلق جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ جہاں ان کی تعریف و ستائش کرنے والوں کی ایک جماعت پیدا ہو جاتی ہے وہیں ہر زمانہ میں کچھ ایسے سر پھرے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو ان تعریفی چرچوں کو برداشت نہیں کر سکتے، اور اس خیال

Marfat.com

سے ہٹ کر ان کی بدگمانیاں مختلف قسم کے لطیفے تراش کر دنیا میں پھیلاتی رہتی ہیں۔ شاید المرشدی کے ساتھ بھی کچھ اس قسم کی صورت پیش آئی۔ بغیر کسی تحقیق کے پھیلانے والے ان کے متعلق اپنے خود تراشیدہ الزاموں کو عوام میں پھیلا دیا کرتے ہوں گے، لیکن ان سے ملنے کے بعد لوگوں پر اصل حقیقت واضح ہو جاتی ہو گی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے مسلمانوں ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ عام انسانی تاریخ میں شاید ہی کوئی بڑا آدمی اس قسم کی چہ میگوئیوں کے شکار ہونے سے محفوظ رہا ہو۔

دوسرے الزامات اور اتہامات جو المرشدی پر لگائے گئے تھے ان کا تو مجھے علم نہیں ہے کیونکہ صراحۃً ان کا کسی نے ذکر نہیں کیا لیکن "ترک جمعہ وجماعات" کے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس میں اگر کچھ بھی حقیقت کا شائبہ ہوتا ہے تو یہ ناممکن تھا کہ شمس الدین الذہبی جیسے بزرگ کا قلم اس کے ذکر کیے بغیر آگے بڑھ جاتا لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں ذہبی نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ اسی کا پتہ چل سکا کہ ابن تیمیہ کی کسی کتاب میں اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے حالانکہ "مخدومیت" ہو یا "مجذوبیت" ان دونوں دعووں کے اثبات میں ظاہر ہے کہ ان حضرات کو اس واقعہ سے کافی مدد مل سکتی تھی۔

"میں کے بعد سارے اعتراضات اور شکایات جو المرشدی سے لوگوں میں پائی جاتی تھیں ان کا ازالہ ہو جاتا تھا" حافظ ابن حجر نے علاوہ اس "کلی دعویٰ" کے چند جزئی مثالیں بھی دی ہیں اور کیسی مثالیں ؟

علامہ ابن سید الناس | علامہ ابن سید الناس سے عوام ممکن ہے واقف نہ ہوں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ تقویٰ و دیانت میں ان کا پایہ بلند ہے۔[1]

---

[1] حافظ ابن حجر نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے

صدوقاً فی الحدیث وحجۃ فیما ینقلہ۔ (دررکامنہ ص۲۰۹ ج۴) | حدیث کی روایت میں وہ سچے ہیں اور جو بات بھی نقل کرتے ہیں اس کے متعلق وہ حجت ہیں یعنی ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

برالبرزانی کے حوالہ سے حافظ ہی نے نقل کیا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بہر حال ابن سید الناس کی بلند شخصیت اور ان کی مذکورہ بالا خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اب حافظ ابن حجر کی اس شہادت کو سنیئے یعنی ملنے کے بعد جن لوگوں کے دل سے شکوک شبہات کا ازالہ ہوا ان کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں،

منهم ابن سید الناس ۔ (ص۴۶۳ ج ۲) ان لوگوں میں ؟ ابن سید الناس بھی ہیں ۔

ظاہر ہے کہ یہ کسی عامی آدمی کی حالت نہیں ہے بلکہ تنقید رجال میں جس کی نظر محدثین میں مسلم تھی یہ اس کا حال ہے ۔میرا تو خیال ہے کہ ملاقات کے بعد صرف ابن سید الناس کی طرف سے یہ اعلان کہ المرشدی کی طرف جو باتیں منسوب کی جاتی ہیں غلط ہیں شیخ مرشدی کے تزکیہ اور توثیق کے لیے نہ صرف کافی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کان احد الاعیان معرفة و اتقانا و حفظا للحدیث وتفهما فی علله و اسانیده عالما بصحیحه وسقیمه ۔

چند ممتاز شخصیتوں میں ان کا شمار تھا یعنی حدیث کے علم میں اس کے متعلق ضبط و احتیاط میں اور اس کے حفظ اور یاد رکھنے میں حدیثوں کی علتوں کو پہچاننے میں اور ان کی سندوں کے پرکھنے میں وہ ممبر آوردہ لوگوں میں گنے جاتے تھے ۔ وہ خوب جانتے تھے کہ صحیح حدیثیں کونسی ہیں اور قابل اعتراض کونسی ۔

اسی سے ان کی جلالت قدر کا اندازہ کیجئے کہ شیخ تقی الدین بن دقیق العید جن کے ابن سید الناس چہیتے شاگرد تھے لکھا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں ہی شیخ ابن دقیق العید ان پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ درس حدیث میں کسی صحابی یا سند کے کسی راوی کے حالات پیش کرنے کی ضرورت ابن دقیق العید کو اگر پیش آتی تو ابن سید الناس کو خطاب کر کے فرماتے

ایش ترجمه هذا یا ابا الفتح

ابو الفتح اس شخص کے حالات کیا ہیں بیان کرو ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو رجال کی کتابیں گویا زبانی یاد تھیں شیخ سے اشارہ پانے کے ساتھ ہی

فیاخذ فی الکلام ویسرد والناس سکوت والشیخ مصغ الی مایقول ۔ (ص۲۱۰)

وہ جواب میں گفتگو شروع کر دیتے اور کہتے چلے جاتے لوگوں پر خاموشی طاری رہتی (ابن دقیق العید) ہمہ تن گوش بن کر جو کچھ وہ کہتے جاتے اسے سنتے رہتے ۔

Marfat.com

بلکہ سند کی حیثیت ان کے اس اعلان کو اگر دی جائے تو ابن سید الناس کا علم و تحقیق میں جو مقام ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ یہ غلو ہوگا نہ مبالغہ۔

المرشدی اور الامیر محمد بن جنکلی بن بابا کی شہادت

حافظ ابن حجر نے اسی سلسلہ میں دوسرا نام جو لیا ہے وہ تو اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے، مصر کے سلاطین کا وہ سلسلہ جو "ممالیک" کے نام سے موسوم ہے، ان ہی سلاطین کے امراء میں ایک عجیب و غریب شخصیت تھی، نام بھی ان کا کچھ عجیب سا تھا، حافظ ابن حجر نے "جنکلی" لکھا ہے، واللہ اعلم یہی اس کا واقعی تلفظ تھا یا اصل نام کی یہ معرب شکل ہے، کچھ بھی ہو حافظ ہی کا بیان ہے کہ نسباً یہ حضرت ابراہیم بن ادہم سے تعلق رکھتے تھے۔ پورا نام ان کا یہ ہے، جنکلی بن محمد البابا بن جنکلی بن خلیل بن عبداللہ العجلی، بدالدین ان کا لقب تھا۔ ابتداءً تاتاری بادشاہ غازان خان جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کی طرف سے آمد کے متصلہ علاقہ "راس عین" کے گورنر تھے، غازان خاں کی وفات کے بعد مصری حکومت کی دعوت پر یہ شام ہوتے ہوئے مصر پہنچے، اور وہاں کے طبقۂ امراء میں شریک ہو گئے۔ مصر کے متعدد ممالیک سلاطین کا زمانہ انہوں نے پایا تھا۔ حافظ نے لکھا ہے کہ سلطان صالح اسمٰعیل کے زمانہ میں تو ان کا اقتدار و اعزاز اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کی طرف سے ان کو "الوالدی الامامی" کا خطاب ان کے موسومہ فرامین میں لکھا جاتا تھا۔ بہرحال مجھے یہ کہنا ہے کہ منجملہ دوسری خصوصیتوں کے حافظ ابن حجر نے ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ

یمیل الی ابن تیمیه ویتعصب له ابن تیمیہ کی طرف امیر جنکلی کا خاص میلان

لہ حافظ ابن حجر نے اسی سلسلہ میں اس لطیفہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ شاہی "موکب" میں نقیب جنکلی کے آگے آگے یہ پکارتا جاتا تھا کہ "یا آتابک سبحان من اتی بک" یعنی اے شاہی اتالیق پاک ہے وہ خدا جو آپ کو مصر لایا، اسی کتاب میں ہے کہ حکومت مصر کی طرف سے بڑی جاگیر ملی تھی اسی سے ان کی دولت کی فراوانی کا اندازہ کیجئے کہ علاوہ زکوٰۃ ان کی سے آٹھ ہزار اردب گیہوں اور چار ہزار درہم نقرہ غرباء میں بطور خیرات کے ہر سال تقسیم ہوتے تھے بالاتفاق مورخین کا بیان ہے کہ دنیا اور دین دونوں کی عقل اس شخص کو غیر معمولی طور پر عطا ہوئی تھی۔ اس زمانہ کے امراء کے عام عیوب سے ان کا دامن پاک تھا ایک بیوی کے سوا دوسری عورت ان کے پاس نہ تھی۔ (دررکامنہ ص۵۴۴ ج ۱)

Marfat.com

ویرد علی من یرد علیہ۔ (ص۵۲۹ ج۱) تھا بلکہ ان کی طرف سے وہ متعصبانہ جانب داری سے کام لیتے تھے، ابن تیمیہ پر جو اعتراض کرتا تھا اس کا جواب دیتے تھے۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ "امیر جنکلی" ابن تیمیہ کے خاص معتقدوں میں تھے۔ اب سنیئے ان ہی امیر جنکلی کے صاحبزادے جن کا نام محمد بن جنکلی بن محمد بن بابا تھا۔ علاوہ امارت کے انہوں نے علم بھی حاصل کیا اور "جنکلی" کے غالباً اسی میلان کی وجہ سے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی طرف سے ان کو تھا امیر محمد بن جنکلی نے اپنے آبائی مسلک حنفی کو چھوڑ کر حنبلی مذہب اختیار کر لیا تھا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ

تفقہ للحنفیہ ثم تحول حنبلیا۔ (ط۱۴۶ ج۳) گو انہوں نے تعلیم تو فقہ حنفی کی پائی تھی لیکن حنفی مذہب کو ترک کر حنبلی مذہب اختیار کر لیا تھا۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ ابن تیمیہ کی عقیدت میں وہ اپنے والد سے بھی آگے بڑھ گئے تھے کیونکہ جہاں تک میں جانتا ہوں "امیر جنکلی" نے حنفی مسلک ترک نہیں کیا تھا۔ اگرچہ شیخ الاسلام سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے بہر حال امیر محمد بن جنکلی کی ان تمام خصوصیتوں کو پیش نظر رکھیئے اور اسی کے ساتھ حافظ وغیرہ کی اس علمی توثیق کو بھی کہ

تخرج فی معرفۃ اسماء الرجال و مذھب السلف۔ (ص۱۴۷) اسماء الرجال اور سلف کے مذاہب کے جاننے میں انہوں نے امتیاز حاصل کیا تھا۔

اور اس کے بعد ملاحظہ فرمائیے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ المرشدی سے مل کر جن لوگوں کے قلوب میں ان کی جانب سے کسی قسم کی شکایت باقی نہ رہی ان میں ابن سید الناس کے بعد دوسرے آدمی یہی امیر محمد بن جنکلی بن البابا بھی ہیں، اگر امیر محمدؒ کی اس شہادت کو حافظ ابن تیمیہ کے ایک غالی معتقد کی شہادت قرار دی جائے تو اس کے انکار کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور یہ شہادتیں ان ہی دونوں حضرات تک محدود نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے یہ لکھ کر منہم ابن سید الناس و ابن جنکلی بن البابا" کے بعد "وغیرہما" کا بھی اضافہ کیا ہے جس کے معنی یہی ہوئے کہ ان دونوں ثقات علماء ناقدین کے سوا اوروں کو بھی اس کا تجربہ ہوا تھا۔ کہ المرشدی کی طرف جو قابل اعتراض باتیں منسوب کی جاتی ہیں، وہ بے بنیاد اور غلط تھیں، جب

Marfat.com

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ایک خاندانی معتقد بھی یہی شہادت ادا کرتا ہو تو پھر نہیں سمجھتا کہ جمعہ اور جماعات کے ترک کا جو الزام ان کی طرف منسوب کرنے والے اب تک منسوب کر رہے ہیں اس انتساب کا حق ان کو کس حد تک باقی رہتا ہے۔

حاصل کلام

بہرحال بات زیادہ پھیل گئی ورنہ میرا مقصود تو صرف یہ تھا کہ المرشدی کی طرف حافظ ابن تیمیہ نے اپنے نظریۂ "مخدومیت" کو جو منسوب کرنے کا ادعا فرمایا ہے یا ان سے ذرا نیچے اتر کر الذہبی نے بجائے مخدومیت کے "مجذوبیت" سے ان کی زندگی کے واقعات کی توجیہہ کرنی چاہی ہے میرے نزدیک یہ دونوں دعوے، دعووں سے زیادہ اور کوئی اہمیت نہیں رکھتے واقعات آپ کے سامنے پیش کر دیئے گئے ہر انصاف پسند آدمی ان کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے۔

اور واقعہ تو یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے کہ المرشدی کی شاہی مہمان نوازیاں جیسا کہ ابن تیمیہ کا ادعا ہے مخدومیت ہی کی رہین منت تھیں یعنی تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "جنات" ان کے تابع تھے اور وہی اس غیر معمولی ضیافت کے سارے کاروبار کو انجام دیتے تھے اور لوگوں کے ضمائر و خواطر کا علم بھی ان کو ان ہی جنات کے ذریعہ سے ہو جاتا تھا تو ابن تیمیہ جب خود فرماتے ہیں کہ

والجن اذا خدموا الرجل الصالح فی بعض اغراضه المباحة فاما ان یکونوا مخلصین یطلبون الاجر من الله والا طلبوه منه اما دعاءه لهم واما نفعه لهم بجاهه او غیر ذلک۔

(کتاب النبوات صـ۲۶۲)

اور جنوں کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی مرد صالح کی جب وہ خدمت کرتے ہیں، یعنی ایسے اغراض و مقاصد جو شرعاً جائز ہیں، ان میں اس صالح آدمی کی جنی جب مدد کرتا ہے تو کبھی وہ اس امداد میں مخلص ہوتا ہے یعنی صرف اللہ سے ثواب و اجر کی توقع قائم کر کے ان کی مدد کرتا ہے یا اس بزرگ آدمی کی دعا کا طالب ہوتا ہے یا ان کے جاہ سے نفع اٹھانا چاہتا ہے یا اسی قسم کے اغراض جنی کے سامنے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ "مخدوم" قرار دے کر ارباب صلاح و تقویٰ کی جماعت سے المرشدی کو جو ابن تیمیہ خارج کرنا چاہتے ہیں اس کی بنیاد کیا باقی رہتی ہے۔

Marfat.com

اور ابن تیمیہ لکھتے یا نہ لکھتے ولی تو ولی قرآن میں تو "نبی" تک کے متعلق یہ خبر دی گئی ہے کہ "جن" ان کے خادم تھے، اور طرح طرح کے خدمات انجام دیتے تھے آخر سلیمان علیہ السلام کے قرآنی قصہ سے کون ناواقف ہے پس جنوں کی مخدومیت جب نبوت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے تو ولایت کے ساتھ کیوں جمع نہیں ہو سکتی[1] اور یہی حال مجذوبیت کا بھی ہے بلکہ "مجذوبیت" تو ولایت ہی کی راہوں میں سے ایک عام اور مسلمہ راہ ہے، خاکسار نے آج سے تیس سال قبل حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری میں اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں میں "مجاذیب و بہالیل" فقراء کا ایک سلسلہ جو پایا جاتا ہے عہد صحابہ میں اس طبقہ کے خصوصی آثار کا بہت بڑا حصہ حضرت ابوذر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتا ہے واقعات کی روشنی میں اپنے اس دعویٰ کو خاکسار نے پیش کرنے کی جرأت کی تھی خدا کا شکر ہے کہ اتفاقاً اس مضمون

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے امام غزالی کی بعض کتابوں میں شکایت کی ہے کہ فلسفہ کے جال سے نکل بھاگنے کی گو اس شخص نے پوری کوشش کی لیکن فلسفہ کی آنتوں میں پھر بھی ٹانگیں الجھ کر رہ گئیں، شیخ الاسلام بڑے آدمی ہیں ان کی علمی دینی عظمت کا خیال سامنے آجاتا ہے ورنہ میرا احساس تو یہ ہے کہ کچھ یہی کیفیت مجھے خود شیخ الاسلام ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ ان کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے فلسفہ کا کافی مطالعہ انہوں نے کیا ہے بظاہر اسی مطالعہ نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیر شعوری طور پر ان کے دماغ کو علت و معلول کے قانون کی زنجیروں میں کچھ اس طرح جکڑ دیا تھا کہ ان کے لیے نا قابل برداشت تصور تھا کہ نہ کھانے والے دیکھے جاتے تھے۔ نہ پکنے والی چیزیں نظر آتی تھیں، لیکن ہر وقت پکا پکایا کھانا جتنے مہمان بھی مرشدی کے پاس آتے تھے ان کی خواہش کے مطابق پیش کر دیا جاتا تھا، اب ایک طرف ان کا تدین جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اس نے ان میں جنوں کے ماننے کی گنجائش پیدا کر دی تھی اور تفلسف علت و معلول کے قانون کو تلاش کرتا تھا دونوں ہی کی باہمی ترکیب سے مخدومیت کا نظریہ ان میں شاید پیدا ہو گیا تھا۔ اس سے تسکین حاصل کر لیتے ہوں گے ان دیکھے طور پر جن کہیں سے کھانے پکا کر مرشدی تک پہنچا دیا کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا ایمان جو فلسفہ کی آمیزش سے قطعاً پاک ہو اس کے لیے "لا یحتسبی رزق" کی صورت ہی یہ ہونی چاہیے کہ بجائے اسباب کے خود مسبب الاسباب کے امر و حکم سے اس کی توجیہ کرے آخر چار چار سو یا پانسو کھانے والوں کے لیے بسا اوقات تین چار آدمی کے کھانے کو کافی ہوتے ہوئے متعدد بار عہد نبوت میں جو پایا گیا تو کیا شیخ الاسلام مسبب الاسباب کے سوا کسی دوسرے سبب کو ثابت فرما سکتے ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ کے آسمانی مائدہ کی کیا توجیہ فرمائیں گے؟

Marfat.com

پر حکیم الامت حضرت مولٰنا اشرف علی التھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کی جب نظر پڑی تو گو فقیر کی شخصیت سے اس وقت تک ناواقف تھے کیونکہ میری طالب علمی کا زمانہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا تھا، تاہم آپ نے اپنے ایک خاص گرامی نامہ سے فقیر کو سرفراز فرماتے ہوئے خیال کی تائید فرمائی، بلکہ اسی مکتوب گرامی یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا کہ "مقالہ نگار سے میں ذاتی طور پر واقف نہیں ہوں لیکن اس مضمون کو دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ محقق نہیں ہو چکے ہیں تو "محققیت متوقعہ" کی دلیل ان کا یہ مضمون ضرور ہے"۔ یہ حضرت والا کی ذرہ نوازی تھی ورنہ اس وقت بھی چارپائے بروکتابے چند کا جو حال تھا اسی حال میں اس وقت تک گرفتار ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

المرشدی پر صوفیائے وقت کی تنقیدیں

اور اب میں چاہتا ہوں کہ "المرشدی" کی خاص روش پر علماء رسوم یا "طبقۂ ملّا" ہی کی طرف سے نہیں بلکہ جس گروہ سے اس کا تعلق تھا، یعنی خود "صوفیوں" کی جانب سے اس زمانہ میں جو بعض تنقیدیں کی گئی تھیں ان کا ذکر کروں سچ پوچھئے تو ان ہی صوفیانہ تنقیدوں کا تذکرہ یہاں اصل مقصود ہے اسی سے اندازہ ہوگا کہ "تصوف" اور "صوفیاء" میں بھی علاوہ جزوی اختلافات کے نقطہ نظر کا ایک ایسا اصولی اختلاف بھی ہے جس نے میرے نزدیک صوفیاء کی روش اور طریقۂ عمل کو دو مستقل حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ اسی تقسیم سے جو دو راہیں تصوف میں پیدا ہو گئی ہیں ان ہی میں سے ایک راہ کی تعبیر خاکسار نے "اطلاقی تصوف" سے کی ہے۔

پہلی تنقید

المرشدی کے متعلق ان صوفیانہ تنقیدوں کا تذکرہ الیافعی نے مرأۃ الجنان میں کیا ہے پہلی تنقید تو انہوں نے اپنے استاد اور شیخ محیین اللحالی کے حوالہ سے بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

لوكنت يظهر على يدى مثل هذا الذى يظهر على يديه لدخلت فى سرب تحت الارض۔ (ص۲۹۵ ج ۴ مرآۃ)	المرشدی کے ہاتھ جو باتیں ظاہر ہو رہی ہیں اگر میرے ہاتھ پر بھی باتیں ظاہر ہونے لگیں تو میں زمین کے اندر کسی تہہ خانہ میں جا کر چھپ جاتا۔

قریب قریب اسی کے شیخ الہاد المغربی سے بھی انہوں نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ

لاشك انه حصل له نصيب من احوال الفقراء الا ان الفقراء	اس میں مجھے شک نہیں ہے کہ المرشدی کو فقراء کے بعض حالات سے حصہ ضرور ملا

Marfat.com

یرضون لا یشهرۃ ھذہ الکرامات التی تظھر منہ۔ (ص مرآۃ)

تھا لیکن فقراس طریقہ سے اپنی کرامتوں کے اظہار کو پسند نہیں کرتے جیسے اس شخص سے ظاہر ہو رہی ہیں۔

مطلب بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خوارق عادات جن کا ظہور ہر کس و ناکس کے سامنے المرشدۃ کے ہاتھوں پر ہو رہا ہے جو گویا کرامات کے افشاء و اعلان کی ایک شکل تھی ان کے اس طریقۂ عمل کو "صوفیائے اخلاص" کے مناسب نہیں خیال کیا۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ بالکلیہ اپنے مذاق کی بات ہے، فطرۃً بعض بزرگوں میں ستر و خاموشی اخفاء کا جذبہ غالب ہوتا ہے حدیثوں میں اللہ کے ان ہی خاص بندوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ (رواہ مسلم)

بہت سے پراگندہ مو، گرد آلود چہرے والے لوگ جنہیں دروازوں پر دھکے دیئے جاتے ہیں۔ (خدا کے پاس ان کا مرتبہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ) اگر خدا پر قسم کھا بیٹھیں تو خدا اس کو پوری کر کے رہتا ہے۔

لیکن کرامات کا چھپانا ہر حال میں ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ میرے نزدیک نہ قرآن ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے اور نہ حدیث سے، بلکہ خود حضرات صوفیائے کرام میں ایک بڑا طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جنھوں نے یہی نہیں کہ اپنی کرامتوں کے اخفاء کی کوشش نہیں کی بلکہ علانیہ ان خوارق عادت کا اظہار علی رؤس الاشہاد وہ کرتے رہے، سید الاولیاء حضرت شیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ عنہ ہی کی زندگی اس کی سب سے بڑی مثال ہو سکتی ہے تواتر کے ساتھ یہ قصے ان کی طرف منسوب ہیں ہزار ہا ہزار انسانوں کے مجمع میں حضرت والا سے خوارق عادات کا ظہور بھری مجلسوں میں ہوتا رہتا تھا اور یہ ان کی مجلس کی عام بات تھی۔ شاید ہی کوئی مجلس حضرت والا کے خطبات کی ایسی ہو گی جس میں شریک ہونے والوں کو غیر معمولی خوارق کا تجربہ نہ ہوتا تھا، آخر میں پوچھتا ہوں حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ منکرین کے مطالبہ پر وہ خوارق کا اظہار فرماتے تھے۔ حالانکہ یہ کلیہ بھی صحیح نہیں ہے بسا اوقات

Marfat.com

رفع ضرورت کے لیے بھی انہوں نے خوارق سے کام لیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جن معجزات کا قرآن میں تذکرہ کیا گیا ہے ان میں "فلق البحر" یا انفجار عیون (یعنی پتھر سے پانی کے جھرنے کا) جاری ہونا یا بادل کا وہ سایہ جو بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ چلتا تھا، یا من وسلویٰ وغیرہ چیزوں کا تعلق ظاہر ہے ان ہی خوارق سے ہے جن سے رفع حاجات میں مدد لی گئی ہے خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جن آیات باہرات کا انتساب حدیث وسیر کی کتابوں میں کیا گیا ہے ان میں زیادہ تر تو رفع حاجات ہی والے خوارق ہیں، عموماً مسلمان ان سے واقف ہیں۔

لیکن نبوت کے جو منصب عالی سے سرفراز نہ تھے مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو صاحب کتاب کا علم رکھتے تھے، عام طور پر آصف بن برخیا سمجھا جاتا ہے کہ ان کا اسم گرامی تھا اور حضرت سلیمانؑ کے وزیر تھے انہوں نے ملکہ سبا، کے تخت کے لے آنے کا جو دعویٰ فرمایا اور دعویٰ کے مطابق اس کو کر دکھایا، ظاہر ہے کہ اس قرآنی قصہ کا تعلق ایک ایسی ہستی سے ہے جو نبی بھی نہ تھے اور اپنی کرامت کا رفع ضرورت کے لیے انہوں نے اظہار فرمایا، صحابۂ کرام کے حالات میں بھی ایسے سیکڑوں خوارق کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا رفع ضرورت سے تعلق تھا، تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔

خود شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حوالہ سے میں نقل کر چکا ہوں کہ "خوارق عادات" کی ایک قسم کے متعلق وہ بھی لکھتے ہیں کہ اللہ کے عباد صالحین سے ان کا ظہور دین کی تائید اور مسلمانوں کی حاجتوں کی تکمیل کے لیے بھی ہوتا ہے میں نے اس موقعہ پر عرض کیا تھا کہ اسلام کی سیزدہ صد سالہ تاریخ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مختلف ممالک اور اقالیم میں اس قسم کی ہستیوں کو قدرت پیدا کرتی رہی ہے۔

اور یہ کون کہہ سکتا ہے کہ المرشدی جو کچھ کر رہے تھے یا کر کے دکھا رہے تھے اس میں بجائے ان کے ارادے اور خواہش کے اسی کا ارادہ اور اسی کا حکم کارفرما نہ تھا جو ان کے ذریعہ سے ان امور کو ظاہر فرما رہا تھا، جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ چیزیں ان ہی لوگوں کو ملتی ہیں جو اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں، پھر کیوں یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی جو کچھ ہو رہا تھا اسی کے ارادے سے ہو رہا تھا جس کے ارادے میں المرشدی[1] نے اپنے ارادے کو گم کر دیا تھا۔

---

[1] الیافعی نے بھی اس مقام پر تقریباً اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں ان کا خیال ہے کہ اپنی کرامتوں کے اظہار پر وہ مامور
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہرحال شیخ حسین الحاکی یا شیخ عبدالہادی المغربی کی یہ تنقیدیں بظاہر ان بزرگوں کے ذاتی مذاق کی تابع معلوم ہوتی ہیں[1] اسی لیے ان کی اس تنقید کی کم از کم میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔

دوسری تنقید البتہ اس کے بعد الیافعی نے ان الفاظ کے ساتھ جو دوسری تنقید نقل کی ہے، یعنی :-

بلغني عن السيد الجليل الامام الحفيل الشيخ خليفة الشاذلي الاسكندراني انه لما ذكر عنده قال كلاما معناه ترى متى يتفرغ هذا الرجل لذكر الله لشغل اوقاته بمن ياتيه من الامراء والوزراء وغيرهم من اهل الدنيا۔ (ص ۲۹۶)

سید جلیل حضرت شاذلی کے خلیفہ جو سکندریہ کے رہنے والے تھے ان کا بیان مجھ تک پہنچا ہے کہ جب المرشدی کے کارناموں کا ذکر لوگوں نے ان کے سامنے کیا تو خلیفہ شاذلی نے سن کر فرمایا جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ شخص (یعنی المرشدی) آخر اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے کب وقت نکالتا ہے کیوں کہ اس شخص کا سارا وقت ان دنیا دار امیروں وزیروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) - تھے وہ فرماتے ہیں ان الاولیاء لا یتعاطون الاشیاء بھوی نفوسھم اذ لو فعلوا ذلك ما كانوا اولیاء اللہ (یعنے اولیاء اللہ تو نام ہی ان لوگوں کا ہے جو اپنی نفس کی خواہشوں سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور جو نفس کے مطالبہ کے تحت اس قسم کے کام کرے گا اس کا شمار اولیاء اللہ کے گروہ ہی میں کیسے ہو سکتا ہے۔ (دیکھو ص ۲۹۶ ج ۴ مرآۃ)

[1] چنانچہ قریبی دور میں اس کی ایک واضح مثال حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت حافظ ضامن شہید کی ہے جو ایک ہی شیخ کے خلفاء و مریدین اور محبان صمیم ہونے کے باوجود مختلف المذاق تھے، مشہور واقعہ ہے کہ قحط پڑا اور لوگوں کو روٹی میسر نہ آتی تھی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنا متبرک رومال چند روٹیوں پر ڈال دیا اور روٹیوں کی تقسیم کا حکم دیا۔ رومال کے اندر سے روٹیاں نکال نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں اور ختم نہ ہوتی تھیں، ایسے میں حافظ صاحبؒ ادھر آنکلے اور اس کرامت کو دیکھ کر فرمایا، "او ہو اللہ میاں تو لوگوں کو بھوکا رکھنا چاہتے ہیں اور آپ روٹی کھلاتے ہیں" حضرت حاجی صاحب نے فوراً اپنا رومال کھینچ لیا اور روٹیاں ختم تھیں۔ اس واقعہ کو حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے کئی جگہ نقل فرمایا ہے۔ (غ۔م)

Marfat.com

وغیرہ کی ملاقاتوں میں گزرتا ہے جو اس کے
پاس آتے رہتے ہیں۔
"آخر خدا کو یاد کرنے کے لیے یہ شخص کب وقت نکالتا ہے؟"

المرشدی کا جواب

اسی سوال کا جو جواب حضرت شیخ المرشدی نے دیا ہے، درحقیقت اسی کا تذکرہ میرا اصل مقصود ہے، اور یہ ساری گفتگو محض اس فقرے کو پیش کرنے کے لیے کی گئی۔ الیافعی ہی نے شیخ اسکندرانی کی مذکورہ بالا تنقید کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

قال الراوی فلما سمعنا منه هذا الکلام اتینا الشیخ محمد لنزوره فقال لنا قولوا للفقیه خلیفه واللّٰه ما شغلونی عن اللّٰه طرفة عین او قال ما قوتهم السلام او کما قال من الکلام۔

(ص ۲۹۶ ج ۴ مرآۃ)

راوی کا بیان ہے کہ اسکندرانی کے الفاظ کو سننے کے بعد میں شیخ محمد یعنی (المرشدی) کی زیارت کے لیے ان کے پاس حاضر ہوا، تو مجھ فرمانے لگے کہ اس فقیہہ (ملّا) خلیفہ (شاذلی) سے کہنا کہ خدا کی قسم ایک چشم زدن کے لیے بھی اگر (ان لوگوں کی آمد و رفت) مجھے حق تعالیٰ سے غافل بناتی، شیخ المرشدی نے یہ فرمایا کہ اللہ سے یہ لوگ مجھے چشم زدن کے لیے بھی اگر غافل کر سکتے تو میں ان لوگوں کو سلام بھی نہیں کرتا، بہرحال یہ یا اسی کے قریب قریب مرشدی نے ارشاد فرمایا۔

راوی کے طریقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ المرشدی نے شیخ شاذلی کے اعتراض کا یہ جواب کہنے والے سے سنے بغیر دیا تھا، اور یہ ان کی عام عادت تھی بلکہ اس قسم کے بزرگوں کے متعلق عام تجربہ ہے کہ سوال سے پہلے ان کی طرف سے ہر ایک کو اپنے خیال کے مطابق جواب مل جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ فرائض و واجبات یا شریعت کے دوسرے عام مطالبات سے یقیناً اسکندرانی کے اس اعتراض کا تعلق نہ تھا، اس کے متعلق کافی بحث میں پہلے کر چکا ہوں اس قسم کی کوتاہیاں اگر المرشدی کی زندگی میں ہوتیں تو صرف جمعہ اور جماعات کے ترک ہی والے الزام کے منسوب کرنے پر لوگ قناعت

Marfat.com

نہ کرتے، نیز خود اس الزام کے متعلق بھی عرض کر چکا ہوں کہ سنی سنائی باتوں کی حد تک تو ان الزاموں کا اثر لوگوں پر باقی رہتا تھا لیکن براہ راست شیخ مرشدی سے جو بھی ملا، اور جس طبقہ کے لوگوں کو ذاتی تجربہ و مشاہدہ کا موقع ملا، حافظ ابن حجر کی شہادت گزر چکی کہ ان کی بدگمانیاں بالکلیہ ختم ہو جاتی تھیں ان لوگوں میں ابن سید الناس جیسے عالم تھے اور محمد جنکلی جیسے امیر عالم باعمل شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خاندانی عقیدت مند بھی شریک ہیں پس بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ وقت نکالنے کا مطالبہ شیخ اسکندرانی کی طرف سے جو کیا گیا تھا اس مطالبہ کا تعلق یقیناً ان عام نوافل و اوراد، اور دیگر صوفیانہ مشاغل سے تھا جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ صوفیانہ زندگی بسر کرنے والوں کے لیے ان کی پابندی بہرحال ضروری ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ المرشدی کی مشغول زندگی کا جو نقشہ پیش کیا جاتا ہے اس قسم کی اژدھامی زندگی میں ان خاص صوفیانہ مشاغل کے لیے وقت نکالنا ناممکن تھا جن کی پابندی کی توقع عموماً اس طبقہ کے لوگوں سے کی جاتی تھی، جلوت کی ایسی گرم مجلس میں کھلی ہوئی بات ہے کہ ان اوراد اور اذکار، مراقبات و محاسبات اشغال وغیرہ کی گنجائش نکل سکتی ہے جن کے لیے تنہائی اور خلوت کی ضرورت ہے۔ شیخ اسکندرانی کا اپنی اس تنقید سے یقیناً ان ہی امور کی طرف اشارہ تھا جن کی تعبیر انہوں نے ایک عام اجمالی لفظ یعنی "خدا کی یاد" یا ذکر اللہ کے الفاظ سے فرمائی تھی اور جیسے اجمالی رنگ میں ان کا اعتراض تھا، المرشدی نے بھی اس کا جواب اجمال ہی کے رنگ میں دیا ہے اور گو المرشدی کے جواب کے اس مجمل فقرے کے الفاظ عدداً بظاہر زیادہ ہیں لیکن میرے نزدیک اسی اجمال کی شرح المرشدی کا وہ پرمعنی فقرہ ہے جسے خاکسار نے اپنے اس مضمون کی پیشانی پر ثبت کیا تھا یعنی الیافعی کو دیکھ کر المرشدی نے جو فرمایا تھا کہ

ما اراھا الاغزالیہ (صـ ۲۹۳ مرأۃ) نہیں پاتا ہوں میں اس شخص کو مگر غزالی کے طور پر،

جیسا کہ میں نے عرض کیا، ہیں تو یہ چند ہی الفاظ، لیکن درحقیقت "اسلامی تصوف" کی ایک طویل تاریخ کا عکس ان ہی الفاظ میں جھانک رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا تائیدی ارشاد

شیخ مرشدی کے ان ارشاد فرمودہ الفاظ کا کیا مطلب ہے، مناسب ہے کہ اس مطلب کو بجائے میرے

Marfat.com

اس راہ کے ایک ماہر بصیر یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنیئے اپنی مشہور کتاب "انفاس العارفین" میں شاہ صاحب نے اپنے عم محترم حضرت شیخ ابو الرضا محمدؒ کے ایک مکتوب گرامی کو نقل کرنے کے بعد اس خط کے بعض خاص جملوں کی شرح فرمائی ہے اسی سلسلہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

بدانکہ صوفیہ در تربیت سالکین دو مذہب دارند، یک مذہب اوائل کہ امام محمد غزالی شرح و بیان او کرد و آں ایں است کہ چوں کسے از مقتضیات طبیعت توبہ کرد اورا می فرمایند کہ در خلوت نشیند و بخلق نیامیزد، و در جمیع حالات مخالفت نفس پیش گیرد خود را چناں سازد کہ از شتم و ضرب نفس او شورش نکند و مدح وذم مردم ہمہ نزدیک او مساوی شود و نوافل اعمال بسیار کند، و دقائق ریا و عجب و سمعہ و غرور نیک بفہمد و در تفحص آنہا افتد و در لقمہ احتیاط تمام نماید و محل شبہہ فرو نگذارد و در قیام و قعود و اکل و شرب و سائر حالات آداب را لازم گرداند وغیر ذلک و دریں امور اسقاطاً و اثباتاً بمعالجاتے کہ از قبیل قضایا شعریہ وخطابیہ اند تمسک می نمائند۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ (اللہ کی راہ) پر چلنے والوں کی تربیت میں صوفیہ کے دو مختلف طریقے ہیں ایک تو اوائل یعنی ان لوگوں کا ہے جو پہلے زمانے میں گزرے ہیں، اور یہی وہ طریقہ ہے جسکی تشریح و تفصیل امام غزالیؒ نے فرمائی ہے حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ طبیعت کے عام اقتضاء اور خواہشوں سے جب آدمی توبہ کرتا ہے تو اس کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ خلوت میں بیٹھے اور عام مخلوق سے ملنا جلنا چھوڑ دے ہر حال میں نفس کی مخالفت کو اپنا وتیرہ بنائے اور اپنے آپ کو ایسا بنائے کہ گالی گفتہ، مار پیٹ سے اس کے نفس میں کسی قسم کی شورش پیدا نہ ہو اور لوگ تعریف کریں یا مذمت دونوں باتیں اس کے لیے برابر ہو جائیں نیز نفلی عبادتوں میں زیادہ مشغول رہے اور ریا و فخر و غرور وغیرہ کی باریک باتوں کو خوب سمجھتا ہو، ہمیشہ ان کی جستجو اور تلاش میں رہے اور لقمہ میں احتیاط کی راہ اختیار کرے۔ اور شبہہ کے لقمہ کو چھوڑ دے اسی طرح نشست و برخاست، خورد و نوش میں مقررہ طریقوں کا پابند بن جائے۔ امام غزالیؒ

Marfat.com

نے ان امور کی نفی واثبات میں زیادہ تر شاعرانہ مقدمات جن سے وعظ گوئی میں کام لیا جاتا ہے ان ہی کو پیش کیا ہے۔

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ جب ان منزلوں کو طے کرالیا جاتا ہے تب

چوں از ہمہ پاک شد بمحبت خدا تعالیٰ راہ می دہند۔

جب سالک ان منزلوں سے گزر جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ پر سالک کو ڈالتے ہیں۔

تربیت کے اس اصول کی تفصیل امام حجت الاسلام نے اپنی جن کتابوں میں فرمائی ہے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

چنانکہ بہ تفصیل در احیاء و کیمیا مبیّن ست۔ (انفاس ص۱۴۲)

جیسا کہ احیاء العلوم اور کیمیاء سعادت میں امام غزالیؒ نے اس طریقہ کی تفصیل کی ہے۔

سچ پوچھئے تو تربیت کے اس خاص طریقہ کو "طریقۂ غزالیہ" کے نام سے المرشدی نے جو موسوم کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ، اس طریقہ کے سلوک کی جتنی تفصیل اور جتنے دلنشین پیرائے میں اس کی تعبیر امام حجۃ الاسلام نے اپنی مذکورہ بالا کتابوں یا ان کے سواء دوسرے چھوٹے بڑے رسالوں میں فرمائی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں ان کی کتابیں مروج ہوگئیں اور آئندہ تصوف کی اس راہ کے بزرگوں نے جو کچھ بھی لکھا امام غزالی کی ان ہی کتابوں کو سامنے رکھ کر لکھا، ورنہ بقول شاہ ولی اللہؒ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جو امام غزالی سے بہت پہلے گزر چکے ہیں[1]۔

---

[1] چنانچہ احیاء العلوم میں خود حجۃ الاسلام نے بھی یہ ارقام فرمانے کے بعد کہ

لقد صنف الناس فی بعض هذه المعانی کتبا (احیاء ص۳ ج۱)

ان مسائل کے متعلق جن کا میں اپنی کتاب (احیاء العلوم) میں ذکر کر چکا ہوں لوگ کتابیں لکھ چکے ہیں۔

اپنے کام کی خصوصیتوں کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے

ولکن یتمیز هذا الکتاب عنها بخمسة امور الاول حل ما عقدوه

پہلے لوگوں کی تصنیف کردہ کتابوں میں اور میری اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

وکشف ما اجملوہ والثانی ترتیب ما بددوہ ونظم ما فرقوہ الثالث ایجاز ما طولوہ وضبط ما قرروہ الرابع حذف ما کرروہ واثبات ما حررّوہ الخامس تحقیق امور غامضۃ اعتاصت علی الافہام لم یتعرض لہا فی الکتب اصلا۔ (ص۴)

کتاب میں صرف پانچ باتوں کا فرق ہے یعنی ان کے کلام میں جو مضامین پیچیدہ تھے ان کو میں نے حل کر دیا ہے، جو چیزیں اجمالاً بیان کی گئی ہیں میں نے ان کی تفصیل کی ہے یا غیر ضروری تفصیل جن مسائل کے بیان کرنے میں ان لوگوں نے اختیار کی ہے میں نے ان کو مختصر کر کے بیان کیا ہے اسی طرح جن اصولی باتوں کا پتہ ان کی کتابوں سے چلتا ہے میں نے ان کو منضبط کر دیا ہے اور بار بار دُہرا کر جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کو میں نے حذف کر دیا ہے اور جو فیصلے انہوں نے کیے ہیں ان کو میں نے اور مضبوط کر دیا ہے اور ان چار باتوں کے سوا پانچواں کام میں نے یہ کیا ہے کہ بعض مشکل باتیں جن کا سمجھنا لوگوں کے لیے دشوار تھا اور ان کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا تھا میں نے ان کی بھی تحقیق کی ہے۔

اپنی کتاب کی ان پانچ خصوصیتوں کو گنوانے کے بعد امام غزالیؒ آخر میں فرماتے ہیں کہ

فہذہ خواص ہذا الکتاب مع کونہ حاویا لجامع ہذہ العلوم۔ (ص۴)

یہ ہیں میری کتاب کی خصوصیتیں ان خصوصیتوں کے سوا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ (صوفیہ کے علوم) پر میری یہ کتاب حاوی ہے

جس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ ان کی کتاب احیاء العلوم، سلوک و تربیت کے اس خاص طریقہ کی گویا انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ترتیب، تہذیب، احتواء و اختصار کے اس کام کو امام حجۃ الاسلام کے قلم سے زیادہ بہتر طریقہ پر مشکل ہی سے کوئی دوسرا انجام دے سکتا تھا، انتخاب طبعی کے عام قانون کے تحت امام کی کتاب نے اس سلسلہ کی دوسری کتابوں کو میدان سے ہٹا دیا۔ تقریباً آٹھ ساڑھے آٹھ صدیوں سے اسلامی دنیا امام کی ان کتابوں کے مطالعہ میں مشغول و منہمک ہے۔

Marfat.com

"طریقۂ غزالیہ پر علامہ ابن جوزی کی سخت تنقید"

جس صدی کی تعبیر امام غزالی کی صدی سے میں کرتا چلا آرہا ہوں اسی صدی کے اختتام سے پہلے ہی تصوف کے خلاف شدید قسم کا ردعمل علامہ ابن جوزی یا ابن عقیل[1] وغیرہ علماء کی طرف سے جو رونما ہوا جس کی زندہ شہادت ابن جوزی کی مشہور "تلبیس ابلیس" ہو سکتی ہے، بظاہر اس کتاب میں اگرچہ ابن جوزی نے ہر اس چیز کی غلطیوں پر مسلمانوں کو متنبہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو صحیح اسلامی دین میں ان کے خیال کے مطابق شریک ہو گئی تھیں اس کتاب میں مسلمانوں کے گمراہ فرقے معتزلہ خوارج باطنیہ، سب ہی کے عقائد و مسلمات کی انہوں نے تنقید کی ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے حقیقی نشانہ ان کا وہی تصوف نظر آتا ہے جس کا چرچا امام غزالی کے بعد مسلمانوں میں پھیلا ہوا تھا جس کی سب سے زیادہ کھلی دلیل یہ ہے کہ کتاب تقریباً دو ثلث حصہ صوفیاء اور تصوف ہی کے نذر ہو گیا ہے جتنا جوش و خروش کتاب کے ان اجزاء میں نظر آتا ہے دوسرے مباحث میں اتنی تندی اور تیزی ان کے کلام میں نہیں پائی جاتی، اور کتاب تو کتاب ابن جوزی تو ان بزرگوں میں ہیں جنہوں نے سرخیل صوفیاء سیدنا الشیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں وہ سب کچھ کیا اور وہ سب کچھ کہا جس کا سننا بھی شاید آج کل مسلمانوں کی عام جماعت برداشت نہیں کر سکتی[2]۔

---

[1] علمائے اسلام کی تاریخ میں ابن عقیل کا شمار عجائبات میں کیا جا سکتا ہے ابن جوزی جو ابن عقیل کے تلمیذ رشید ہیں ان کا بیان ہے کہ دو سو جلدوں میں ابن عقیل نے وہ کتاب لکھی ہے جس میں مختلف علوم و فنون کے مسائل سے انہوں نے بحث کی ہے بعضوں کا بیان ہے کہ یہ کتاب آٹھ سو جلدوں میں تھی واللہ اعلم یہ ان کی دوسری تصنیفات کے سوا ہے گویا تنہا انسائیکلوپیڈیا کے مصنف تھے۔ (دیکھو شذورص ۳۵ ج ۴ -)

[2] **علامہ ابن جوزیؒ** یہ عجیب بات ہے کہ سیدنا الامام الجیلی اور ابن جوزی دونوں ہی حنبلی ہیں، لیکن باایں ہمہ فضل و کمال ابن جوزی نے حضرت کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا اسلام کی علمی تاریخ کا کم از کم میرے نزدیک بڑا ناخوشگوار حصہ ہے، ایک طرف ہم ابن جوزی کی کتابوں کو پڑھتے ہیں تو ان کی تحقیق و جستجو، دقیقہ سنجی کی داد دینی پڑتی ہے مشکل ہی سے کوئی اسلامی حق ہو گا جس میں ان کی طویل یا مختصر کتاب نہ ہو۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بہ ظاہر کچھ ان ہی باتوں کا غالباً نتیجہ ہے کہ ابن جوزی اور ان جیسے علماء کے شدید حملوں سے تصوف کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہو رہی تھیں ان کے ازالہ کی طرف ان بزرگوں کو خاص توجہ مبذول کرنی پڑی جن کا اسلام کے رسمی اور ظاہری علوم میں پایہ بھی بہت نمایاں طور پر بلند تھا، اور اسی کے ساتھ تصوف اور صوفیہ کی راہوں کے عملی تجربات سے بھی سرفراز تھے، اور اس راہ کے صحیح حقائق و واقعات سے ابن جوزی وغیرہ علماء کی طرح بیگانہ نہ تھے یا خواہ مخواہ بیگانہ بننے کی روش انہوں نے نہیں اختیار کی تھی،

طریقۂ غزالیہ کے مقابل شیخ اکبرؒ کی توضیحات

نہیں کہا جا سکتا کہ تحریری طور پر اس سلسلہ میں کن کن بزرگوں نے کیا کچھ لکھا ہے، تاہم اپنی محدود رسائی کی بنیاد پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سب سے زیادہ واضح، شستہ، صاف اور کھرا بیان ابن جوزی کے بعد لوگوں میں جو ملا ہے وہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ شیخ ابن عربی پیدا تو ابن جوزی کے زمانے ہی میں ہو چکے تھے۔ یعنی ۵۶۰ سنہ ہجری آپ کا سنہ ولادت ہے لیکن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لوگوں کا بیان ہے کہ روزانہ چار کراریس (تختے) لکھنے کا ابن جوزی نے التزام کر رکھا تھا، سال بھر میں پچاس سے ساٹھ جلدوں تک ان کی تصنیف پہنچ جاتی تھی، یہ لطیفہ بھی ان کے سوانح نگاروں نے بیان کیا ہے کہ اپنی میت کے غسل کے لیے وصیت کی تھی کہ قلامہ (یعنی قلم تراشوں) کا جو ذخیرہ عمر بھر انہوں نے جمع کیا ہے اسی سے پانی گرم کیا جائے وہ بڑے زبردست خطیب تھے خود ان کا بیان ہے کہ ایک لاکھ آدمیوں نے ان کے مواعظ سے متاثر ہو کر ان کے ہاتھ پر توبہ کی بلکہ یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ تقریباً ایک لاکھ ہی آدمی ان کی تقریروں کو سن کر مشرف باسلام ہوئے۔ (دیکھو ان کی کتاب المنتظم) مگر بایں ہمہ ان کے ہم مشرب ابن عماد حنبلی نے شذرات میں لکھا ہے کہ سیدنا الشیخ الجیلی کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب سے ان کا مدرسہ ابن جوزی نے چھین لیا۔ یہ وہی مدرسہ تھا جس میں خود حضرت غوث پاک درس دیتے تھے مگر آخر میں حکومت نے ابن جوزی سے اس مدرسہ کی تولیت واپس لی اور شیخ عبدالوہاب کے سپرد کر کے حقدار تک حق کو پہنچا دیا ابن جوزی کے حالات میں لوگوں نے یہ دلچسپ بات لکھی ہے کہ کم سن نوجوان عورتوں سے نکاح کرنے کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ بھلاوا استعمال کیا جس کی وجہ سے ان کی داڑھی کے بال جھڑ گئے تھے خضاب سے ہمیشہ ان کو سیاہ رکھتے، سیاہ خضاب کے جواز پر ایک مستقل رسالہ بھی ابن جوزی نے لکھا ہے۔ (دیکھو شذرات ص ۳۳۲ ج ۴)

ابن جوزی کی وفات سنہ ۵۹۷ھ میں ہوئی یعنی غزالی کی وفات کے ۹۲ سال بعد

Marfat.com

جہاں تک میرا خیال ہے تحریری طور پر اپنے خیالات کے قلم بند کرنے کا موقعہ آپ کو ابن جوزی کی وفات کے بعد ملا ہے[1]۔ شیخ اکبر ابن عربی کے سوانح نگاروں کا یہ بیان کہ

اجازہ جماعۃ منھم الحافظ السلفی وابن عساکر ابو الفرج ابن الجوزی (ص۳ مقدمہ فتوحات بحوالہ مقری)	یعنی حافظ سلفی اور ابن عساکر اور ابو الفرج ابن جوزی بھی ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے شیخ محی الدین ابن عربی کو اجازت دی

تفصیلات سے قطع نظر کرکے مختصراً یہ سمجھنا چاہیئے کہ شیخ اکبر کا شمار ان اکابر اسلام میں ہے جن کے متعلق علمی حیثیت سے تو یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ

ھو اعرف بکل فن اھلہ۔ (شذور ص۱۹۰ ج۔۵)	یعنی ہر وہ فن جس کا شیخ کے زمانہ میں رواج تھا خواہ وہ دینی ہو یا عقلی) شیخ ابن عربی اس فن کے خصوصی ماہرین سے زیادہ اس علم

---

[1] بجائے خود یہ ایک مستقل مضمون ہے، تفصیلات کے لیے دعا فرمایئے کہ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے علوم اور ان کے حالات پر عنفوان شباب سے ایک کتاب ہی کے لکھنے کی نیت کر چکا ہوں لیکن خدا ہی جانتا ہے اس پرانی آرزو کی تکمیل کا موقع ملتا بھی ہے یا نہیں۔ (افسوس کہ یہ نخل تمنا بار آور نہ ہو سکا۔ (ع م)) شیخ اکبر رضی اللہ عنہ جیسا کہ معلوم ہے خاص اندلس (یورپ) سے وطنی تعلق رکھتے تھے اندلس کے مشرقی ساحل پر اب بھی مرسیہ نامی شہر پایا جاتا ہے جو خاص مسلمانوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے۔ عربوں نے صحرائے عرب کی مشہور واحید ھاتی تدمیر کے نام پر اس یورپین شہر کا نام بھی تدمیر ہی رکھا تھا لیکن چلا نہیں۔ مرسیہ ہی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ علاقہ اندلس کا باغ سمجھا جاتا تھا شیخ رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے یہی وہ وقت ہے جب مسلمانوں کی سیاسی قوت کا یہ انتشار عیسائیوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ بے حمیت امراء اندلس کی عیسائی حکومتوں کو سالانہ خراج ادا کرتے تھے ان ہی میں مرسیہ کا نواب مردنیش بھی تھا۔ شیخ اسی خاندان کے عہد حکومت میں مرسیہ کے ایک علمی گھرانے میں۔ رونق افروز ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اشبیلیہ اندلس کے مغربی علاقے میں چلے گئے وہاں کے تعلیمی مرکزوں سے مستفید ہوتے رہے اندلس سے مسلمان اس زمانے میں مسلسل ہجرت کر کر کے افریقہ اور ایشیا یعنی مشرقی ممالک کی اسلامی حکومتوں میں پناہ لے رہے تھے۔ شیخ نے بارادۂ حج اندلس کو خیر باد کیا۔ اور مشرقی ممالک ہی میں گھومتے رہے تاآنکہ دمشق میں وفات ہوئی ۱۲۔

Marfat.com

کے مسائل سے واقف تھے ۔

جس نے شیخ کی کتاب فتوحات مکیہ کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہے وہ ان کے خصوصی نظریات سے اتفاق کرتا ہو، یا نہ کرتا ہو لیکن اہل علم کے مذکورہ بالا فیصلہ کے اعتراف پر جہاں تک میرا خیال ہے اپنے آپ کو مجبور پائے گا ۔

باقی تصوف اور صوفیت سو اس کے متعلق کہنے کی کیا ضرورت ہے شیخ کی نیک نامی ہو یا بدنامی اسی تصوف اور صوفیت ہی کے تعلق کے ساتھ وابستہ ہے اس میدان کے مرد یکہ و تازہ وہ ان میں بھی سمجھے جاتے ہیں جو تصوف اور صوفیت کو اسلامی دین کے دائرے کی چیز نہیں سمجھتے ۔ باقی خود صوفیوں کے مختلف طبقات ، میں نہیں جانتا کہ شیخ کی جلالت قدر کے متعلق ان میں کسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے علاؤ الدولہ سمنانی یا حضرت مجدد الف ثانی نے اگرچہ شیخ کے بعض خصوصی نظریات بلکہ کہیے تو کہہ سکتے ہیں ، ان کی بعض تعبیروں پر تنقید ضرور کی ہے[1] ۔ لیکن ان کے اخلاص وصداقت ، للہیت پر ان بزرگوں نے بھی اتفاق ہی کی مہر ثبت فرمائی ہے ۔" منکر او درخطر ست " (یعنی شیخ اکبر کی بزرگی یا ولایت کا انکار کرنے والا خطرہ میں ہے) حضرت مجدد کا مشہور فقرہ ہے اور کچھ یہی کیفیت شیخ علاؤ الدولہ سمنانی کی بھی ہے جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے ۔

شیخ اکبر کے نزدیک رجال اللہ کی سہ گانہ تقسیم

بہر حال کہنا یہ ہے کہ تصوف یا "صوفیانہ زندگی " طریقۂ غزالیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے اس مضمون کو شیخ اکبر نے اگرچہ فتوحات میں مختلف مقامات میں مختلف پیرایہ میں ادا کیا ہے ، لیکن اسی کتاب کی تیسری جلد کے باب ۳۰۹ میں " رجال اللہ " یا " مردان خدا " کی تقسیم کرتے ہوئے شیخ نے اس سلسلہ میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس نے " حقیقت " کو قطعاً بے نقاب کر دیا ہے اصل عربی عبارت کو درج کر کے ترجمہ کرنے میں چونکہ طوالت ہوگی ۔ اس لیے ان لوگوں کو جو شیخ کے اصل کلام سے واقف ہونا چاہتے ہیں چاہیئے کہ اصل کتاب کا مطالعہ فرمالیں ۔ میں اپنے الفاظ میں شیخ کے کلام کا ترجمہ پیش کرتا ہوں ، یہ فرما کر کہ

---

[1] شیخ اکبر پر کیے ہوئے ان اعتراضات کے جواب کے لیے ملاحظہ ہو " التنبیہ الطربی فی تنزیہ ابن العربی " از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (غ ۔ م)

Marfat.com

ان رجال اللّٰہ ثلاثۃ لا رابع لہم۔ مردان خدا کی تین ہی قسمیں ہیں کوئی چوتھی قسم ان کے سوا نہیں ہے،

ارقام فرماتے ہیں،

(۱) العبّاد

" ایک قسم تو ان لوگوں کی ہے جن پر زہد (ترک دنیا) اور دنیاوی لذائذ سے علیحدگی کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے، سارے اچھے کام جن کی ظاہر شریعت میں تعریف کی گئی ہے ان کی تعمیل کرتے ہیں، اسی طرح اپنے باطن کو بھی ان صفات سے پاک رکھتے ہیں جن کی شارع علیہ السلام نے مذمت کی ہے۔"

شیخ نے اسی کے بعد لکھا ہے کہ

" اسی کے ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ لے دے کر دین کا مطالبہ بس اسی قدر ہے جس کے وہ پابند ہیں، اس کے سوا، احوال و مقامات اور وہبی ولدنی علوم سے ان کو کسی قسم کا لگاؤ نہیں ہوتا کشفی اسرار و رموز یا اسی قسم کی دوسری چیزیں جن سے اس راہ کے دوسرے لوگ سرفراز ہیں ان سے وہ ناآشنا ہوتے ہیں۔"

" رجال اللّٰہ" کے اس طبقہ کا نام شیخ نے " العبّاد " (یعنی عبادت گزاروں کی جماعت) رکھا ہے لکھا ہے کہ ان لوگوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی جب یہ پیش کرتا ہے کہ آپ میرے لیے دعا کیجیے تو اس کو جھڑک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

" بھائی! میری کیا حقیقت اور میں کون ہوں جو آپ کے لیے دعا کروں میرا مقام ہی کیا ہے۔"

لکھا ہے کہ غرور نفس، یا ریا، وغیرہ سے بچنے کے لیے وہ یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں، شیخ اکبر نے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ مطالعہ کے لیے اس قسم کے لوگ ایسی کتابوں کو پسند کرتے ہیں جیسے حارث محاسبی کی کتاب " الرعایت " ہے۔

۲ اہلِ خُلق و فتوت رجال اللّٰہ کی اس پہلی قسم کے بعد دوسری قسم کے متعلق یہ فرماتے

Marfat.com

ہوئے کہ نسبتاً پہلی قسم سے ان لوگوں کا درجہ بلند ہے، تعریف اس طبقہ کی ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

" ان لوگوں کی نظر میں کائنات کی ساری کارفرمائیاں براہ راست ذات حق کے ساتھ وابستہ ہیں، سارے افعال کو وہ اللہ ہی کے لیے سمجھتے ہیں اور یہ پاتے ہیں کہ خود ان کو ان کارفرمائیوں میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے۔"

فعلی توحید کے اس رسوخ کا نتیجہ جیسا کہ شیخ نے لکھا ہے یہ ہوتا ہے کہ

" ریاء یا دکھاوے کا سوال ہی سرے سے ان کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے۔"

یہ بھی لکھا ہے کہ

" اس راہ کے چلنے والوں کو جن چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے جب اس طبقہ کے لوگوں سے کوئی ان امور کے متعلق دریافت کرتا ہے تو ڈانٹتے ہوئے اس کے آگے قرآن کی آیتیں مثلاً اغیر اللہ تدعون (کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو) یہ یا قل اللہ ثم ذرھم (بس بول اللہ اور چھوڑ ان لوگوں کو) پڑھ کر چپ ہو جاتے ہیں۔"

شیخ کا بیان ہے کہ

ریاضت و مجاہدہ، کدوکاش، تقویٰ اور پارسائی، زہد و توکل وغیرہ جیسی باتوں میں یہ لوگ بھی وہی سب کچھ کرتے ہیں جو پہلی قسم والے جن میں مشغول رہتے ہیں۔

البتہ ان میں اور رجال اللہ کی پہلی قسم (العبّاد) کے درمیان فرق یہ ہوتا ہے کہ

" صرف ان ہی باتوں کو وہ آخری منزل نہیں سمجھتے، بلکہ یقین کرتے ہیں کہ جس حال میں وہ ہیں اس سے پرے بھی احوال و مقامات، علوم و اسرار کشف و کرامات جیسی چیزیں ہیں۔"

شیخ فرماتے ہیں کہ

اپنے اسی احساس کے تحت وہ ان امور کے حصول کی کوشش میں مشغول رہتے ہیں اور اپنی ہمتوں کو ان باتوں کے ساتھ متعلق کرتے

Marfat.com

ہیں اور کوئی قسط ان امور کی ان کو میسر آجاتی ہے تو بطور کرامات کے ان
کے ظاہر کرنے سے بھی وہ نہیں ہچکچاتے کیوں کہ کارفرما ان کی نظر میں اللہ
کے سوا کوئی دوسرا باقی ہی نہیں رہتا۔

شیخ نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو اصطلاحاً "اہل خلق وفتوت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یعنی بلند اخلاق اور جواں مردانہ ہمت والے لوگ ہیں۔ عام طور پر جیسا کہ شیخ کا بیان ہے لوگ "صوفیہ" کے نام سے بھی ان ہی کو پکارتے ہیں، لیکن واقعہ میں بھی کیا "صوفیہ" جو "رجال اللہ" یا مردان خدا ہی کی دوسری تعبیر ہے وہ اسی گروہ کی حد تک محدود ہیں، سنیئے! شیخ فرماتے ہیں اور اسی کا پیش کرنا میرا مقصود ہے۔

(۳) ملامتیہ[1] تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو نماز پنجگانہ کے فرائض اور مقررہ سنتوں پر مزید نمازوں کا اضافہ نہیں کرتے اور شریعت کے مفروضہ مطالبات کی تعمیل کرنے والے عام مسلمانوں سے کسی قسم کا امتیاز اپنی زندگی میں پیدا ہونے نہیں دیتے یعنی ایسا امتیاز جو دوسروں سے گونہ ان کو جدا کردے اس کو وہ پسند نہیں کرتے وہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور عام لوگوں سے بات چیت بھی کرتے ہیں الغرض دیکھنے والے ان کی زندگی میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتے جو عوام الناس سے ان کو امتیاز عطا کرسکتی ہو پس جن فرائض اور سنن کی عوام الناس عموماً پابندی کرتے ہیں ان سے زیادہ بظاہر ان کے اندر اور کچھ نظر نہیں آتا[2]

---

[1] "ملامتیہ" سے مراد شیخ اکبر کی نگاہ میں وہ گروہ ہے جو اپنی دینی زندگی کو عوام کی نظر امتیاز سے بچائے رکھتا ہے اور سب میں ملا جلا رہتا ہے، شیخ کے ہاں "ملامتیہ" کا وہ مفہوم نہیں جو بعد کو پیدا ہوگیا کہ ہر دینی مطالبہ مثلاً نماز روزہ اور شرعی وضع قطع کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا دم بھرا جائے یہ تو صریح زندقہ ہے، اللہ بچائے! (غ۔م)

[2] دوسری جگہ اسی گروہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نے لکھا ہے کہ ان میں حسب ذیل خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ (۱) مسجد میں عجلت کی نماز پڑھنی (۲) جس ملک میں جس شہر میں جائیں گے وہاں کے عام لوگوں کا لباس اختیار کریں گے (۳) مسجد میں اپنے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

ان چند منفی اور سلبی صفات کے بعد شیخ نے رجال اللہ کے اس طبقہ کے ایجابی خصوصیات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

بات تاکہ بہ سہولت ذہن نشین ہو سکے اور گرفت میں آجائے شیخ کے بیان کردہ ایجابی صفات کا الگ الگ نمبروں میں مطالعہ مناسب ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طبقہ میں حسب ذیل ثبوتی کمالات پائے جاتے ہیں۔

(۱) اللہ کے ساتھ ایک ایسا ناقابل شکست گہرا ربط ان کے قلوب پیدا کر لیتے ہیں کہ حق کے ساتھ بندگی اور عبودیت کا تعلق پل بھر کے لیے بھی آگاہی سے اوجھل اور غائب نہیں ہو پاتا۔

(۲) حق تعالیٰ کی پروردگاری اور ربوبیت و آقائیت کا ذ ان کے قلوب میں کچھ اتنا راسخ اور جاگزیں ہو جاتا ہے کہ کسی قسم کی سر بی اور برتری کی خواہش کا کوئی شائبہ ان کے اندر باقی نہیں رہتا۔

(۳) ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ہر مقام اور ہر جگہ کے صحیح اقتضاء کا علم ان کو بخشا جاتا ہے اور اس علم کے مطابق جس عمل اور جس حال کی ضرورت ہوتی ہے اس کی توفیق بھی ان کو میسر ہوتی ہے۔ (اس جزء کی تفصیل شیخ نے آگے کی ہے)

(۴) عام انسانی عادات اور عوام کے طرز بود و باش کی چادر اوڑھ کر اپنے آپ کو مخلوق کی نگاہوں سے یہ چھپائے رکھتے ہیں مگر درحقیقت اپنے آقا اور مالک کے یہ راستباز و وفادار بندے ہوتے ہیں، (ان میں خاص قسم کی بیداری پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے) کھانے پینے، سونے جاگنے، لوگوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لیے کوئی خاص جگہ مقرر نہیں کرتے (۴) جمعہ کی نماز کسی خاص مسجد میں ادا نہیں کرتے (۵) ہر چھوٹے بڑے بیوہ غریب کی ضرورتوں کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں۔ (۶) بیوی بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے کھیلتے ہیں یعنی جن باتوں کو خدا پسند کرتا ہے۔ (۷) جہاں کے لوگ واقف ہو جاتے ہیں وہاں سے چل نکلتے ہیں، (ص ۲۳۶ ج ۱ فتوحات)

Marfat.com

سے بات چیت کرنے ، الغرض ہر حال اور ہر وقت میں اپنے مالک پر ان کی نگاہ جمی رہتی ہے ہے مشاہدے کی یہ کیفیت دواماً ان پر طاری رہتی ہے ۔

اطلاقی تصوّف کا طریق

ہر سبب کی حکمت کو پانا

پھر تیسرے جز کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قدرت نے جس چیز کا سبب جس شے کو مقرر کر دیا ہے اس سبب کو ٹھیک اپنے مقام پر رکھتے ہوئے اس سے استفادہ کرتے ہیں اور اسباب کا طویل و عریض نظام جو قائم کیا گیا ہے ان کی حکمتوں کی قدر و قیمت کو وہ خوب پہچانتے ہیں شیخ نے اس مقام پر بھی اور فتوحات ہی میں بیسوں جگہ اس مسئلہ کا تعلق ذکر کیا ہے ، دوسری جلد کے باب ۲ میں " رجال اللہ " کے اسی طبقہ کے خصوصیات کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

یہ دانشمندوں اور حکماء کا گروہ ہے جو ہر چیز کو ٹھیک اس کے قدرتی مقام پر رکھتا ہے اور اسی پر اپنی توبہ کا سارا زور ختم کر دیتا ہے پھر وہ لوگ جو اسباب کے متعلق یہ مسلک رکھتے ہیں کہ قدرت نے جہاں پر ان کو جما دیا ہے وہاں ان کا اثبات کیا جائے اور جن مقامات میں (خواہ مخواہ وہمی اسباب لوگوں نے تراش لیے ہیں) وہاں ان کی نفی کی جائے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ قدرت نے جس چیز کو نظم عالم میں جگہ دی ہے اور جو ترتیب اسباب میں حق تعالیٰ نے قائم کی ہے اس میں خلل اندازی سے وہ پرہیز کرتے ہیں ، جن اسباب کا دنیا کی موجودہ زندگی سے تعلق ہے ان کے اقتضاء کو اس زندگی میں وہ پورا کرتے ہیں اور آئندہ اخروی زندگی کے نتائج کو جن اسباب کے ساتھ قدرت نے وابستہ کیا ہے ان کے اقتضاء کی تکمیل بھی آئندہ زندگی کے نتائج کے لیے کرتے ہیں ، الغرض خالق کائنات جس نظر سے اپنے مرتب کردہ نظام کو ملاحظہ فرما رہا ہے اسی کی پوری پوری پیروی یہ لوگ کرتے ہیں ، واقعات

Marfat.com

اور حقائق اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے خالق نے ان کو دیکھا ان میں گڑبڑ اور خلط مبحث نہیں پیدا کرتے۔

سبب کی نفی نہ کرنا

شیخ نے جیسا کہ ان کا طریقہ ہے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ

فانہ من رفع السبب عن الموضع الذی وضعہ فیہ واضعہ وھوالحق فقد سفہ واضعہ وجہل قدرہ (فتوحات ص۲۱ ج ۲)

سبب کو رکھنے والے نے جس مقام پر قائم کیا ہے یعنی حق تعالیٰ نے جس چیز کی پیدائش کا سبب جس شئے کو قرار دیا ہے جو اس مقام سے سبب کی نفی کرتا ہے یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ خدا کی حکمت کو داغ دار بنا رہا ہے اور حق تعالیٰ کی عظمت کی قدر سے جاہل ہے۔

مگر سبب پر تکیہ نہ کرنا

آپ دیکھ رہے ہیں "اسباب" کی اہمیت میں بدترین قسم کی عقلیت کا مریض کیا اس سے زیادہ استوار و مستحکم نقطۂ نظر اختیار کر سکتا ہے مگر جہاں "مردانِ خدا" یا "رجال اللہ" کا یہ طبقہ "مریضانِ عقل" سے ممتاز ہو جاتا ہے وہ یہ ہے، شیخ نے بڑے بلیغ فقروں میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لکھتے ہیں کہ

من اعتمد علیہ فقد اشرک والحد والی اھف الطبعۃ اخلد (فتوحات ص۲۱ ج ۲)

(سبب اور اس کے اقتضاؤں کی تکمیل میں ان نزاکتوں کے ساتھ کام لینے کے باوجود یہ یاد رکھنا چاہیئے) سبب ہی پر جس نے ٹیک لگا لیا (اور اسی کو سب کچھ سمجھ لیا) وہی مشرک ہو گیا اور الحاد میں جا گرا طبیعت (نیچر) کی زمین کی مٹی پکڑ کر بیٹھ گیا۔

دنیوی امور سے گریز کرنا

پوری تفصیل شیخ کے مسلک کی اس وقت میرے پیش نظر نہیں ہے اس کے لیے موزوں کتاب وہی ہو سکتی ہے جس میں شیخ اکبر کے نظریات

Marfat.com

کا تفصیلی جائزہ انشاء اللہ لوگوں کے سامنے پیش ہوگا[1]، مگر جہاں ان کی اتنی باتیں آپ سن چکے یہ بھی سن لیجئے یعنی دنیا اور دنیاوی امور سے گریز، اور فرار سے متعلق فتوحات ہی میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ

الزھد فی الاشیاء لا یقع الامن الجھل القائم بھذ الزاھد (ص ۳۴۹ ج ۳)

عالم کی چیزوں سے پرہیز، اس کا منشا در اصل اس شخص کا جہل ہے جس نے پرہیز کا یہ شیوہ اختیار کیا ہے یعنی زاہد بن گیا ہے، یہ اس کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

کیونکہ یہ ایک عرفانی غلط فہمی ہے

پھر بیچ میں بعض دقیق حقائق پر تنبیہ کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں۔

فدعواہ انہ خرج عن کل ما سوی اللہ جھل محض وانما ذلک انتقال احوال لایشعر بھا الجھل فیخیل لہ جھلہ ان العالم بمعزلہ عن العالم فیطلب الفرار الیہ فھذا وھمی۔

اس قسم کے لوگوں کا یہ دعوی کہ ماسوا اللہ سے وہ الگ ہو گئے، یہ محض نادانی اور صرف جہالت ہے (ماسوا اللہ سے علیحدگی) تو صرف حالات کی تبدیلیوں کی تعبیر ہے، مگر اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان کو اس کا شعور نہیں ہوتا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ عالم حق تعالیٰ سے (گویا) کوئی ٹوٹی ہوئی الگ چیز ہے اسی لیے عالم سے گریز کی راہ وہ اختیار کرتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ گریز صرف ایک وہمی بات ہے۔

"فرار الی اللہ" کا قرآنی مفہوم

قرآنی آیت ففروا الی اللہ (بھاگو طرف اللہ کے) کا ذکر اسی کے بعد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا صحیح مطلب اسی وقت سمجھ میں آئے گا جب آگے کی آیت یعنی:

---

[1] افسوس کہ یہ کام انجام نہ پا سکا اور حضرت مصنف اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ (غ۔م)

Marfat.com

ولا تجعلوا مع اللہ الٰھاً اٰخر — اور مت بناؤ اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ (معبود)

کے مفہوم پر غور کیا جائے۔

فلو عرف ھذا التتمہ عرف قولہ ففروا الی اللہ انہ الفرار من الجھل الی العلم — اگر قرآن کے اس تکملہ کو یہ شخص سمجھ لیتا تو جان لیتا کہ اللہ کی طرف بھاگنے کا مطلب یہ ہے کہ جہل سے علم کی طرف بھاگو۔

یعنی اسباب کے متعلق اپنے علم کی آدمی کو چاہیے کہ تصحیح کرے شیخ کے الفاظ میں وہ یہ ہے کہ

الفرار المامور بہ فرار من حیث نسبۃ الالوھیۃ الیہ — حکم جس گریز اور فرار کا دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ الٰہ بنانے میں سب سے بھاگ کر اللہ کی الوہیت میں پناہ لے۔

"شیخ اکبر کے نزدیک اطلاقی تصوّف کے پیرو ہی سب سے برتر ین ہیں"

بہرحال مقصد جس کا اظہار اس موقع پر مطلوب تھا، غالباً شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی شہادتیں اس کے لیے کافی ہیں انہوں نے "رجال اللہ" کے اس خاص گروہ کا نام جو غالباً ان کی شخصی اصطلاح ہے "ملامتیہ" رکھا ہے۔ شیخ نے اس طبقہ کے مذکورہ بالا سلبی و ایجابی خصوصیات کو درج کرنے کے بعد اپنا خیال یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ

ھم ارفع الرجال وتلامذتھم اکبر الرجال۔ (ص۴۵ ج۳) — مردانِ خدا کا یہ طبقہ سب سے زیادہ برتر اور بلند ہے اور ان کے شاگرد و مرید بھی بڑے لوگ ہیں۔

پھر اپنے مذاق کے مطابق ایک لطیف نکتہ اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کرتے ہوئے چلے گئے ہیں کہ

دنیا میں حق تعالیٰ نے عام مخلوقات کی نگاہوں سے جیسے اپنے آپ کو پوشیدہ اور پس پردہ کر لیا ہے اسی طرح رجال اللہ کا یہ طبقہ جو خاصانِ حق سے ہیں اپنے آقا اور سردار کے ساتھ عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے۔ (یعنی کسی قسم کی امتیازی حیثیت عوام کے مقابلہ میں اپنے اندر

Marfat.com

پیدا نہیں ہونے دیتے۔

یہ حال تو زندگی کے موجودہ عبوری دور میں ان لوگوں کا ہوتا ہے مگر

فاذا کان الدار الاخرۃ وتجلی الحق ظہر ہولاء ہناک لظہور سیدہم (ص ۴۵)

دوسرے عالم کا جب دور آئے گا اور اس عالم میں حق تعالیٰ تجلی فرمائیں گے (اور لوگوں کے سامنے آجائیں گے) تو رجال اللہ کا یہ گروہ بھی اپنے آقا کے ظہور کی وجہ سے ظاہر ہو جائیگا۔

پھر حسب عادت رجال اللہ کے ان تینوں طبقات کے متعلق مبسوط گفتگو کے بعد آخر میں اسی تیسرے طبقہ کی متعلق پھر تصریح کرتے ہیں۔

فہم الطبقۃ العلیاء وسادات الطریقۃ المثلی والمکانۃ الزلفی فی العدوۃ القصوی، لہم الید البیضا فی علم المواطن واہلہا۔

یہی طبقہ سب سے اونچا طبقہ ہے اور معیاری طریقہ کے یہی لوگ پیشوا و سردار ہیں، ان ہی کو قرب کا بلند ترین درجہ حاصل ہے اس دنیا میں بھی اور آئندہ آنے والی زندگی میں بھی یہی لوگ ہر مقام پر "ید بیضا" کے مالک اور اس کے اہل ہیں۔

فتوحات ہی میں ایک اور مقام میں ارقام فرماتے ہیں،

فحبس ظواہرہم فی خیمات العادات والعبادات من الاعمال الظاہرۃ والمثابرۃ علی الفرائض فیہا والنوافل فلا یعرفون بخرق عادۃ فلا یعظمون ولا یشار الیہم بالصلاح الذی فی عرف العامۃ (ص ۲۳۵ ج ۱)

پس حق تعالیٰ ان لوگوں کو عام عادتوں کے اور عبادات کے ظاہری اعمال کے خیموں میں چھپائے رکھتا ہے یہ لوگ فرائض و نوافل کی پابندی پر جمے رہتے ہیں اور غیر معمولی اعمال (مثلاً کرامت) وغیرہ کی ان کی شہرت نہیں ہوتی، اسی لیے لوگ ان کی عظمت بھی نہیں کرتے۔ اور عوام کے نزدیک صلاح و نیکی

Marfat.com

کا جو معیار ہے اس کو ان کی طرف اشارہ
بھی نہیں کرتے۔

طریق تصوّف کی تلقین مرشد گیلانی رح کی زبانی

" اطلاقی تصوف " کی تفصیل و تشریح کے بعد پھر بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضرت گیلانی کی دعوت اور اس خاص طریقِ ہدایت کو چند جملوں میں پیش کیا جائے تاکہ بات صاف طور پر ذہن میں اتر سکے اور جو اس راہ پر چلنا چاہیں ان کے لیے چراغ راہ ثابت ہو۔

اس غرض کے لیے ہم کو شیخ گیلانی رح کا ایک نہایت گرانقدر ہدایت نامہ ہاتھ لگا ہے۔ جو " طریقۂ غزالیہ " کے ایک سالک کے نام لکھا گیا ہے، سالکِ موصوف نے (غالباً اپنے شیخ کے وصال پر) حضرت گیلانی رح کو اپنے اوراد و وظائف کی تفصیل لکھتے ہوئے مزید اوراد کا مشورہ طلب کیا تھا اور خود ان کی اور بعض اور بزرگوں کی خدمت میں حصولِ فیض کے لیے حاضری کی اجازت چاہی تھی۔

جواب باصواب کے وہ اجزاء جن سے " اطلاقی " طریق تصوف کی تفہیم ہوتی ہے پیش ہیں اور اس کے خاص خاص جملے راقم عاجز نے خط کشید کر دیئے ہیں —— پوری تحریر بہت غور سے اور بار بار پڑھیئے:-

" اوراد و وظائف کے سلسلہ کو آپ دراز سے دراز تر کرتے چلے جاتے ہیں،
اللہ میاں عترخوانی سے آدمی کے قابو میں نہیں آتے، اپنے حول و قوت سے
جو خالی ہو کر ان کے قدموں میں گر گیا، وہی اٹھایا جاتا ہے ....
کاش! جن اور بھوت سے آدمی جتنا ڈرتا ہے، اللہ میاں کو اتنا بھی تو اپنے
آگے پیچھے، اوپر نیچے جانتا۔
وہ دیکھئے، اپنے سردار، بندوں کو خدا سے ملانے والے خاتم المرسلین
صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے دیکھیئے، اینما تولوا فثم وجہ اللہ
(جدھر اپنا رخ موڑ دو گے، خدا کا چہرہ تمہارے سامنے آجائے گا) اپنی آنکھوں
سے زیادہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں پر بھروسہ کرنے والے، یونہی جب

Marfat.com

جی چاہے خدا کے چہرہ کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ آپ خدا کو پا رہے ہیں، خدا آپ کو دیکھ رہا ہے، ذرا اس کی مشق اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یافت کے تابع ہو کر کیجیے سب کچھ آپ کو مل جائیگا۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ذکر کسی بادشاہ یا حاکم مجازی نہیں بلکہ حق تعالیٰ کی مجلس میں ہو، سنیئے آپ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہے ہیں کہ خدا ان کو یہ اطلاع دے رہا ہے کہ فاذکرونی اذکرکم۔ دل ہی دل میں اللہ میاں کو یاد کرنا شروع کیجئے، آپ کا ذکر آپ کا مالک کرے گا۔ ہم اُن کو یاد کریں اور وہ ہمیں یاد نہ کریں؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا جو ایسا خیال کرے وہ مسلمان ہی نہیں! الغرض ورد و وظیفہ سے زیادہ اپنے علم کی تصحیح کیجیے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علم بخشا گیا، اسی علم کے مطابق اپنے علم کو کر لیجئے، آپ اس کے بعد خدا کے سامنے ہیں اور خدا آپ کے سامنے ہے!

.... ایک تیرتھ گاہ سے فارغ ہو کر دوسری اور دوسری سے تیسری، آخر کہاں تک ہندوؤں کی طرح ٹھوکر کھاتے پھریئے گا۔[1] محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو تھام لیجئے، جو کچھ انھوں نے سکھایا اس کے اس کے سواطے کر لیجئے کہ اس راہ میں اور کسی سے کچھ سیکھنا نہیں ہے، آپ کا سلوک طے ہو گیا، خدا آپ کو مل گیا، اب چین کیجئے، آپ مانگتے چلے جائیں گے وہ دیتا چلا جائے!"[2]

---

[1] جملہ میں ذرا تیزی محسوس ہو گی، مگر یاد رہے کہ یہ مکتوب ہے اور مخاطب ایک خاص سالک طریقت جس کی اصلاح منظور ہے۔ اس لیے علاج کا مقتضا یہی ہو گا کہ نشتر لگا کر مواد کو نکال پھینکا جائے! (ع م)

[2] "صدق جدید" بابت ۳۰ رمضان ۱۳۷۵ھ م ۱۱ مئی ۱۹۵۶ء۔

ابنِ تیمیہؒ کا نظریۂ مخدومیت

Marfat.com

فہرست مضامین

(۱) "مخدوم" کا اصطلاحی مفہوم
(۲) جنوں کی تسخیر اور حافظ ابن تیمیہ
(۳) "المخدومین" سے مراد؟
(۴) اس نظریہ کا کرامات صوفیہ پر سے محابہ استعما

Marfat.com

ابنِ تیمیہ کا نظریۂ مخدومیت

"مخدوم" کا اصطلاحی مفہوم

جیساکہ ظاہر ہے کہ "مخدوم" لفظ کا ماخذ "خدمت" ہے۔ لفظی ترجمہ تو اس بنیاد پر یہ ہوا کہ وہ شخص جس کی خدمت کی گئی ہو یا جس کی خدمت کی جائے، لیکن اصطلاحاً یہ نام ان لوگوں کو دیا جاتا تھا جن کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ کسی جنّی کو مسخر کر کے اس سے خدمت لیتے ہیں۔ گویا "مخدوم" سے مراد "مخدوم الجن" ہے، یہ اصطلاح تو اس زمانہ کی عام اصطلاح تھی لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جن صوفیوں کے ساتھ دل کھول کر اس لفظ کو استعمال کیا ہے اور بے محابا جس شخص کے متعلق جس وقت ان کا جی چاہتا ہے اپنے اس حربے کو چلا دیتے ہیں، علمائے اسلام میں اس کی نظیر مشکل ہی سے مل سکتی ہے بلکہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد خود ان کے ماننے والوں نے بھی اس لفظ کے دائرے میں اتنی وسعت کو شاید جائز نہیں رکھا، میں ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "النبوات" سے بعض چیزیں اس موقعہ پر نقل کرتا ہوں [1]

---

[1] ابن تیمیہ کی ایک دلچسپ کتاب ہے اور ان کی شیخ الاسلامی کی دلیل ہے، بڑے عجیب و غریب معلومات جیسا کہ ان کا دستور ہے اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں، اور اصل کتاب ہی کی بحث کے سلسلہ میں وہ اس مقام پر جب پہنچے ہیں، یعنی خلاف عادت امور اور مظاہر کا صدور جب ساحروں اور کاہنوں وغیرہ سے بھی ہوتا ہے تو معجزہ جو خوارق عادات ہی کا نام ہے اس کو نبوت کی دلیل قرار دینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے اسی کے جواب میں حافظ ابن تیمیہ نے صفحات کے صفحات اس کتاب میں رنگ دیئے ہیں، اسی سلسلہ میں سحر و کہانت کے ساتھ ساتھ جنوں کی تسخیر اور اس تسخیر کے آثار و نتائج کے متعلق انہوں نے معلومات بلکہ مشاہدات و تجربات کا ایک ذخیرہ اس کتاب میں اکٹھا کر دیا ہے اس وقت اس مسئلہ سے مجھے سروکار نہیں، لیکن حیرت ہوتی ہے کہ دوسروں سے شیخ الاسلام کو جو شکایت ہے اسی خاص مسئلہ میں یہی شکایت خود مجھے ان سے کرنی پڑتی ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن میں اس قسم کے غیر معمولی مظاہر کو پیغمبروں کی طرف

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

جنوّں کی تسخیر اور حافظ ابنِ تیمیہؒ

سب سے دلچسپ چیز اس سلسلہ کی یہ ہے کہ جنوّں کے متعلق اس قسم کی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ جن کے جنات مسخر ہوجاتے ہیں ان کو لے کر وہ ہوا میں اڑتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ منسوب کرتے ہوئے اس میں شک نہیں کہ کبھی ان کی تعبیر "آیات" کے لفظ سے کی گئی ہے اور بعض موقعوں پر "برہان" کے لفظ کا استعمال بھی قرآن نے ان پر کیا ہے، لیکن آیت اور برہان کے الفاظ کا وہ مطلب بیان کرنا جو یونانیوں کی منطق میں "دلیل کی" اصطلاح کا مطلب ہے میں اوروں سے نہیں پوچھتا ہوں خود حافظ سے میرا سوال ہے کہ آپ کس بنیاد پر اس کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی کو مان کر دوسرے تو دوسرے خود حافظ شیخ الاسلام بھی السی الجھنوں میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ انتہائی زور صرف کردینے کے باوجود معجزات اور سحر وکہانت وغیرہ کے آثار میں ایسا فرق جو دوسروں کے لیے قابل تسلیم ہو پیدا نہیں کرسکے ہیں، یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے لیکن مختصراً اتنا تو سن ہی لینا چاہیئے کہ نبی یا رسول ظاہر ہے کہ خدا کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں اس قسم کا دعویٰ جن لوگوں کی طرف سے پیش ہوتا ہے قدرتاً ان کے متعلق دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا جو لامحدود قدرت وقوّت کا سرچشمہ ہے اس سے تعلق رکھنے والوں سے بھی اس کی توقع ہونی چاہیئے کہ ایسے امور کو وہ دکھائیں کہ جن سے معلوم ہو کہ واقعی لامحدود قدرت وقوّت رکھنے والے خدا سے ان کا تعلق ہے یہ ایک عام بات ہے بزرگوں وغیرہ کے متعلق کرامت کا شعوری یا غیر شعوری مطالبہ لوگوں کے جو دلوں میں پیدا ہوتا ہے اس کی بنیاد بھی یہی ہے۔ گویا نبی کی نبوّت کے انکار کے سلسلہ میں منکرین کی طرف سے قولاً یا حالاً یہ مطالبہ پیش ہوتا ہے کہ غیر محدود طاقت والے خدا سے اگر تمہارا تعلق ہے تو کوئی چیز ایسی پیش کرو جس سے اس تعلق کی توثیق ہو۔ بالفاظ دیگر جب تک اس قسم کے غیر معمولی امور کا ظہور پیغمبروں کی طرف سے نہیں ہوتا اسی کو انکار کرنے والے ان کی نبوّت کے انکار کی دلیل ٹھہرا لیتے ہیں، پھر پیغمبروں کی طرف سے اس قسم کی چیزیں جب ظہور پذیر ہوجاتی ہیں تو ظاہر ہے کہ نبوّت کے انکار کی اس دلیل کی تردید ہوجاتی ہے! اور یہی معنی برہان کے ہیں کہ جو شبہہ نبوت پر ان کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اس شبہہ کی جڑ کٹ جاتی ہے اور غیر محدود قوّت والے خدا کے ساتھ ان بزرگوں کا جو تعلق ہے، اس تعلق کے لیے ان کے یہ غیر معمولی کارنامے آیات اور نشانیاں بن جاتی ہیں، پس معجزے کا کام اس حد تک ختم ہوجاتا ہے اب آگے منکرین کی طرف سے دوسرا اقدام ہوتا ہے یعنی ان معجزوں پر سحر وکہانت کا شبہہ تو یہ شبہہ بھی الگ مستقل حیثیت رکھتا ہے جس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ الگ مستقل طور پر دیا جانا چاہیے۔ انبیاء ورسل کی زندگی وکردار، سیرت، عادات واطوار کا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

یا کبھی خود کسی سواری کی شکل اختیار کر کے مثلاً گھوڑا ان کے اپنی پیٹھ پر تسخیر کرنے والے کو سوار کر لیتے ہیں۔

الغرض اسی قسم کی باتوں کا ذکر کر کے آخر میں یہ لکھتے ہوئے کہ:-

والحکایات فی ھذا کثیرۃ معروفۃ عند من یعرف ھذا الباب۔

اس قسم کے قصے بہت سے ہیں جو اس راہ کے جاننے والے ہیں ان میں عام طور پر مشہور ہیں

آگے خود اپنے متعلق بھی دعویٰ کرتے ہیں :-

ونحن نعرف من ھذا امورًا یطول وصفھا۔ (ص ۲۶)

ہم خود ہی اس مسئلہ کے متعلق بہت سی باتیں جانتے ہیں جن کے بیان میں طوالت ہو گی۔

جس سے معلوم ہوتا ہے جنوں کے تسخیر کا دوبار سے غالباً شیخ الاسلام بھی کسی قسم کا تعلق رکھتے تھے۔ ایک اور موقع پر جناتی کرشموں کا تذکرہ کرتے ہوئے مثلاً کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوڑے سے آدمی پر مار پڑتی ہے لیکن جنی کوڑوں کی مار کو نادیدہ طریقے سے روک لیتا ہے اس لیے مار کھانے والے پر تکلیف یا اذیت کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

وھذا امر کثیر معروف قد رأینا من ذالک ما یطول وصفه۔ (ص ۲۶۵)

ایسے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں، عام طور پر مشہور ہیں اور خود ہم نے اس قسم کی چیزیں اتنی دیکھی ہیں کہ ان کی تفصیل باعث تطویل ہو گی۔

صرف یہی نہیں آگے اس پر اضافہ کرتے ہیں :-

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ساحروں، کاہنوں، شعبدہ بازوں وغیرہ کی زندگی سے مقابلہ کر کے ہر اندھے کے سامنے دونوں زندگیوں کو الگ الگ کر کے بآسانی دکھایا جا سکتا ہے بہر حال بنیادی غلطی میرے خیال میں متکلمین اسلام سے شروع ہی میں یہ ہو گئی کہ آیات اور برہان کے قرآنی الفاظ کی تعریف میں انہوں نے یونانیوں کی حجت و دلیل کو مان لیا حالانکہ مبحث کی اس سے زیادہ واضح مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ تعجب مجھے شیخ الاسلام سے ہے کہ اپنی اس کتاب میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی ہر جگہ اس مسئلہ میں خصوصیت کے ساتھ قرآنی الفاظ (آیات و برہان) کی تشریح یونانیوں والی "دلیل و حجت" کی منطقی اصطلاح ہی کو پیش نظر رکھ کر کرتے چلے گئے ہیں حالانکہ دوسرے بیسیوں مسائل میں عام متکلمین پر ان کا یہی اعتراض ہے۔ ۱۲

Marfat.com

وقد ضربنا نحن من الشياطين فی الانس ماشاء الله حتی خرجوا من الانس ولم یعاودوه

ایسی شیطانی روحیں جو آدمیوں میں گھس جاتی ہیں ان کو میں نے خود مارا ہے اور اس آدمی سے شیطانی روح نکل گئی اس طور پر نکلی کہ پھر واپس نہ ہوئی۔

یہ اور اسی قسم کے تصریحات سے بظاہر یہی خیال گزرتا ہے کہ اس راہ کی جن چیزوں کا شیخ الاسلام نے اپنی کتابوں میں تذکرہ کیا ہے وہ محض دوسروں سے سنی سنائی ہی نہیں ہیں بلکہ ان کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو بھی ان معلومات کی فراہمی میں کافی دخل معلوم ہوتا ہے اسی لیے میرے نزدیک ان کے بیانات کی خاص قیمت پیدا ہوگئی ہے شیخ نے متفرق طور پر اس کتاب کے مختلف مقامات میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے سب کا دہرانا اور سمیٹنا تو مشکل ہے اور غیر ضروری بھی ہے لیکن بعض امور کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے انہوں نے پہلے تو یہ لکھا ہے کہ جنوں کو مسخر کرنا دنیا کی قوموں کی عادت ہے فرماتے ہیں۔

وخوارق الجن کالاخبار ببعض الامور الغائبة وکالتصرفات الموافقة لاغراض بعض الانس کثیرة معروفة فی جمیع الامم فقد کانت فی العرب کثیرة وکذلک فی الهند وفی الترک والفرس والبربر (ص ۲۶۶)

جنیوں کو مسخر کر کے خوارق (یعنی عادت کے خلاف امور) کا ظہور مثلاً پوشیدہ باتوں کی خبر دینا یا آدمیوں کے اغراض کے مطابق تصرفات یہ عام مشہور باتیں ہیں اور بکثرت واقع ہوتی ہیں دنیا کی ساری قوموں میں ان کی شہرت ہے خود عرب میں بھی ان کے آثار بہت زیادہ پائے جاتے تھے اور ہندوستان، ترک، ایران، بربر وافریقہ کے باشندوں میں یہ جانی پہچانی چیزیں ہیں۔

انہوں نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مشرکین کے بت خانوں میں بھی جناتی "اثرات ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

تدخل الشياطين فی الاصنام وتکلم احیانا لبعض الناس

اصنام (یعنی بتوں) میں کبھی شیطانی روح (یعنی شریر جن) داخل ہو جاتے ہیں اور

Marfat.com

وتتراآى للسدنة احيانا ولغيرهم ايضا۔ (ص ۲۷)

بعض لوگوں سے گفتگو بھی کرتے ہیں۔ بتوں کے پنڈتوں اور پجاریوں کو بھی دکھائی دیتے ہیں، کبھی غیروں کو بھی،

پھر انہوں نے "جنات" کے مسخر کرنے کے بعد چند اصول بھی بتائے ہیں مثلاً وہی لکھتے ہیں،

لا يستطيع احد ان يسخر الجن مطلقا لطاعته ولا يستخدم احد منهم الا بمعاوضة اما عمل مذموم تحبه الجن اما قول تخضع له الشياطين كالاقسام والعزائم (ص ۲۶۳)

عام طور پر جنات کو اس طرح قابو میں لے آنا کہ بالکلیہ مسخر کرنے والوں کا وہ تابع ہو جائے یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے جنات ان ہی لوگوں کی خدمت میں جو یا تو ان کو یا کسی نہ کسی شکل میں کچھ معاوضہ ادا کرتے ہیں خواہ یہ معاوضہ کسی بُرے کام ہی کی شکل[1] میں ہو، جسے جنی پسند کرتا ہو، یا کسی خاص قسم کے قول سے ان کو تابع کیا جاتا ہے، مثلاً قسم دلائی جاتی ہے یا دوسرے عزائم پڑھے جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جیسے انسانوں میں مختلف طبقات ہیں اور نچلا طبقہ اوپر والے طبقہ کے حکم کو مانتا ہے یہی حال جنات میں بھی پایا جاتا ہے، ان کے الفاظ ہیں

كل جني فوقه من هو اعلى منه

ہر جنی کے اوپر اس سے مرتبہ میں بالاتر جنی بھی ہوتا ہے۔

پس اعلیٰ طبقہ کے جن سے حکم لے کر وہ کہتے ہیں کہ نچلے طبقہ کے جنات کو بھی لوگ اپنا تابع بناتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

---

[1] میں نے سنا ہے کہ اپنے منہ میں غلاظت رکھ کر بعض ان خبیث روحوں کو تابع بناتے ہیں شاید شیخ الاسلام کا اسی قسم کی باتوں کی طرف اشارہ ہو۔

Marfat.com

فقد یخدمون لبعض الناس طاعۃ لمن فوقھم کما یخدم لبعض الانس لمن امرھم سلطانھم بخدمتہ الکتاب معہ منہ وھم کارھون طاعتہ۔	پس نچلے طبقے والے جنی کسی آدمی کے تابع اس لیے ہو جاتے ہیں کہ اوپر طبقہ والا جنی ان کو اس کا حکم دیتا ہے، ٹھیک اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض آدمی دوسرے آدمی کی خدمت اپنے بادشاہوں کے حکم سے کرتے ہیں یعنی شاہی فرمان دیکھ کر جو حکم اسے دیا جاتا ہے اسے بجالاتا ہے اگرچہ دل سے اسے پسند نہ کرتا ہو۔

شیخ الاسلام کا یہ بیان بھی ہے کہ بعض تحتانی طبقہ کے جن اوپر والے طبقہ کے جنی کا خط تو لے لیتے ہیں جس میں اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم فلاں انسی یعنی آدمی کے حکم کی تعمیل کرو، لیکن

لایطیعونہ وقد یقتلونہ اویمرضونہ (ص۲۶۳)	جنی باوجود اس کے اس آدمی کا تابع نہیں بنتا بلکہ الٹے اسی کو قتل کر دیتا ہے یا بیمار ڈال دیتا ہے۔

شیخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "جنات" عموماً تاریکی کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور ویران مقامات سے ان کو خاص دلچسپی ہوتی ہے یا ایسے مقامات جہاں نجاست اور گندگی رہتی ہو ان کو زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔ قرآن میں مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (یعنی پناہ مانگتا ہوں رات کی تاریکی سے جب چھا جائے) کے جو الفاظ وارد ہیں ان کو نقل کر کے شیخ نے لکھا ہے کہ ایک وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ اس وقت شیاطین الجن زیادہ ترپھیل جاتے انہوں نے شیاطین الجن کے مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

المساجد المھجورۃ والمشاھد والمقابر والحمامات۔ (ص۲۶۵)	غیر آباد مسجدوں یا زیارت گاہوں مقبروں اور حماموں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔

اور یہ حال تو شیاطین الجن کا تھا یعنی جنوں میں جو شریر اور بدمعاش افراد ہوتے ہیں لیکن عمومی طور پر نوع جنی میں سب کی حالت یہی نہیں ہوتی بلکہ شیخ الاسلام کا دعویٰ ہے جسے انہوں نے مختلف الفاظ میں دہرایا ہے کہ عقائد و اعمال کے لحاظ سے جتنی قسمیں آدمیوں میں پائی جاتی ہیں تقریباً یہی حال جنوں

Marfat.com

کا بھی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت کے بعد جیسے انسانوں میں مختلف طبقات پیدا ہو گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بجنسہٖ یہی صورت جنوں میں بھی پیش آئی اسی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ،

والانس معه اما مومن به واما مسلم له واما مسالم له اما خائف منه كذلك الجن منهم المومن به ومنهم المسلم له مع نفاق ومنهم المعاهد المسالم لمومنى الجن ومنهم الحربى الخائف من المومنين (ص ۲۶۲)

اور انسانوں کے تعلقات کی مختلف نوعیت جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یعنی بعض آدمی تو ایسے ہیں کہ جنھوں نے آپؐ کو مان لیا ہے اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں اور بعض ان میں ایسے ہیں جنھوں نے سر اطاعت آنحضرتؐ کے سامنے خم کر دیا پھر ان میں بعضوں نے صلح کی راہ اختیار کی

اور بعض آپ سے خوف زدہ ہیں بجنسہٖ یہی حال جنیوں کا بھی ہے یعنی ان میں بھی کچھ لوگ مومن ہیں اور بعض ان میں بظاہر مطیع ہیں مگر دل میں نفاق رکھتے ہیں بعضوں نے معاہدہ کر کے مسلمان جنوں سے صلح کر لی ہے اور بعض ان میں حربی ہیں، جو ایمان لانے والے جنیوں سے ڈرتے رہتے ہیں۔

اسی جنی تقسیم کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

فالمسلمون منهم يعاونون الانس المسلمين كما يعاون المسلمون بعضهم بعضاً والكفار مع الكفار۔ (ص ۲۶)

پھر جنیوں میں جو مسلمان ہو چکے ہیں وہ مسلمان آدمیوں کی مدد کرتے ہیں جیسے انسی مسلمان باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اسی طرح جنیوں میں جو کافر ہیں وہ کافر انسانوں کی مدد کرتے ہیں،

اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ باوجود مسلمان رہنے کے جیسے انسانوں میں بعض لوگ

Marfat.com

بدعات میں یا فسق وفجور میں مبتلا رہتے ہیں کچھ اسی قسم کی کیفیت مسلمان جنات کی بھی ہوتی ہے یعنی باوجود مومن یا مسلم ہونے کے بدعات اور فسق وفجور میں ان کے بعض افراد جنی مبتلا رہتے ہیں اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں اور کافروں کا مقابلہ ہوتا ہے تو اس وقت مسلمان جنیوں کا وہ گروہ جو فسق وبدعت میں مبتلا ہوتا ہے کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتا ہے ان کے الفاظ ہیں کہ :

وقد یجتمع کفار ومسلمون ومبتدعة وفجار فیؤید هؤلاء بالخوارق تعینهم علیها الجن والشیاطین ولکن جنهم وشیاطینهم اقرب الی الاسلام فیترجحون بها علی اولئك الکفار

کبھی کافروں اور مسلمانوں کی جب مٹ بھیڑ ہوتی ہے اور مسلمانوں میں بدعتی لوگ اور فاسق وفاجر افراد بھی شریک ہوتے ہیں تو جنیوں میں فاسقوں اور بدعتیوں کے افراد غیر معمولی خوارق اور طریقوں سے ان مسلمانوں کی مدد کرتے ہیں لیکن جنیوں کے یہ افراد اسلام سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اسی لیے کافروں پر مسلمانوں کو وہ اپنی امداد میں ترجیح دیتے ہیں۔

اور شیخ نے صرف یہ دعویٰ ہی نہیں کیا ہے بلکہ ان کے زمانہ میں مسلمانوں اور تاتار کے مغل کفار سے جو معرکے ہوئے ہیں ان معرکوں میں جیسا کہ معلوم ہے خود ابن تیمیہ بھی براہ راست شریک رہے ہیں غالباً ان ہی معرکوں کا تجربہ ہے جسے انہوں نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ

مثل ما یجری للاحمدیة وغیرهم مع عباد المشرکین البخشیة قدام التتار کانت خوارق هؤلاء اقوی لکونهم کانوا اقرب الی الاسلام

(ص۱۰)

مثلاً احمدیہ گروہ اور ان کے ساتھ بخشیہ طبقہ کے لوگ (جو بظاہر اسلام کی طرف منسوب ہیں) ان کا مقابلہ جب تاتار کے کفار کے ساتھ ہوا تو یہ دیکھا گیا کہ (مسلمانوں کے ان بدعتی فرقوں) کی طرف سے جن غیر معمولی امور کا ظہور ہوتا تھا وہ تاتاریوں کے غیر معمولی خوارق سے زیادہ قوی ہوتے تھے کیونکہ بہر حال اسلام سے (بدعتیوں کے یہ فرقے) زیادہ قریب

انہوں نے اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر اس کی بھی تفصیل کی ہے کہ انسی افراد کو " جنات"

Marfat.com

کس قسم کی تکلیفیں پہنچاتے ہیں،

فکثیر من الناس تقتلہ الجن کما یصرعونھم والصرع لاجل الزنا وتارۃ یقولون انہ اذا ھم اما بصب نجاستہ علیھم واما لغیر ذالک فیصرعونہ صرع عقوبۃ وانتقام وتارۃ یفعلون ذلک عبثا کما یعبث شیاطین الانس بالناس (ص ۲۶۴)

بہت سے آدمیوں کو جن قتل کر دیتے ہیں اور کبھی ان پر مسلط ہوتے ہیں اور جنیوں کی یہ تسلیط کبھی زنا کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی جنی کہتے ہیں کہ جس شخص پر وہ مسلط ہوتے ہیں اس نے ان پر گندگی اور نجاست ڈال دی تھی یا اس کے سوا دوسرے اسباب بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کسی آدمی پر مسلط ہو جاتے ہیں گویا یہ تسلیط ان کی سزا کے طور پر ہوتی ہے یا بطور انتقام کے اس پر سوار ہو جاتے ہیں کبھی بلا وجہ جنی کسی آدمی کو ستاتا ہے جیسے بعض پاجی آدمی کسی دوسرے آدمی کو بلا وجہ دکھ دیتا ہے، اور اس سے کھیلتا ہے،

اس کے بعد انہوں نے جنات کی طبعی خصوصیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

والجن اعظم شیطنۃ واقل عقلا واکثر جھلا (ص)

جنیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انسانوں سے ان کی شیطنت اور شرارت زیادہ بڑھی ہوئی ہے ان میں عقل بھی کم ہوتی ہے اور جہالت ہٹ گنوار پن جنوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

والجنی قد یحب الانسی کما یحب الانسی الانسی وکما یحب الرجل المرأۃ والمرأۃ الرجل ویغار علیہ و

جنی کبھی کسی آدمی سے محبت بھی کرتا ہے اسی طرح محبت کرتا ہے جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی سے محبت کرتا ہے یعنی مرد

Marfat.com

يخدمه باشياء واذا صار مع غيره فقد يعاقبه بالقتل وغيره ۔ (ص ۲۶۳)

کبھی عورت سے عشق کرتا ہے یا عورت مرد سے اور جنیوں پر بھی اپنی محبت میں غیرت کا جذبہ غالب ہو جاتا ہے (یعنی رقیبوں سے بدلہ لیتے ہیں) اور اپنے محبوب کی جنی خدمت بھی کرتا ہے مگر جب اپنے اسی محبوب کو دوسرے کے ساتھ پاتا ہے تو اس غیر (رقیب) کو سزا دیتا ہے خواہ قتل ہی کر دیتا ہے یا کوئی دوسری قسم کی سزا دیتا ہے۔

ان ساری باتوں کو نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ

كل هذا واقع

یہ ساری باتیں واقعات ہیں جو واقع ہوتے رہتے ہیں!

جیسا کہ میں پہلے بھی نقل کر چکا ہوں کہ شیخ الاسلام کے تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی حد تک ان چیزوں کا ذاتی تجربہ خود ان کو بھی حاصل تھا اسی لیے اتنے وثوق کے ساتھ ان امور کی واقعیت کا دعویٰ کرتے ہیں بعض موقعوں پر انہوں نے اس کی ترکیب بھی لکھی ہے کہ جنات کے ان اثرات سے حفاظت یا نجات کا کیا طریقہ ہے سب سے پہلے عام کلیہ تو انہوں نے یہی لکھا ہے یعنی اہل الایمان والتوحید اہل القلوب المنورۃ کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں کہ

شياطين الجن يهرب منهم (ص ۲۶۵)

یعنی شریر اور پاجی جن ان لوگوں سے دور بھاگتے ہیں

انہوں نے بیان کیا ہے کہ خود ان جنیوں نے اقرار کیا ہے کہ

انهم لا يمكنهم ان يظهروا هذه الخوارق بحضرة اهل الايمان والقرآن ويقولون احوالنا

جن غیر معمولی کرشموں کو وہ کر دکھاتے ہیں ان کو وہ ارباب ایمان اور صاحب قرآن کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتے، کہتے ہیں کہ شریعت

Marfat.com

لاتظهر قدام الشرع والكتاب والسنۃ انما تظهر عند الکفار والفجار۔ (ص۲۶۵)

اور کتاب (قرآن) سنت (حدیث) کے سامنے ان کے خاص حالات ظاہر نہیں ہو سکتے جیسے اپنے ان کرشموں کو وہ کافروں اور فساق وفجار کے سامنے ظاہر کرتے ہیں

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ:

فهؤلاء الشياطين اذا كانوا مع جنسهم الذين لا يهابونهم فعلوا هذه الامور واما اذا كانوا عند اهل ايمان وتوحيد وفي بيوت الله التي يذكر فيها اسم الله لم يجترئوا على ذلك بل يخافون الرجل الصالح اعظم مما تخافه فجار الانس (ص۲۶۵)

توجنیوں کے شریر افراد اور ان میں جو شیاطین ہیں، جب انسانوں میں سے اپنے جیسے آدمیوں کے سامنے ہوتے ہیں تو ان سے وہ خوف نہیں کھاتے، اسی لیے وہ سارے کرشمے ان کے سامنے دکھاتے ہیں، مگر جب ایمان اور توحید والوں کا سامنا ہوتا ہے اور ان گھروں میں جن میں اللہ کا نام بلند کیا جاتا ہے اس وقت ان کرشمہ پردازیوں کی جسارت نہیں کر سکتے بلکہ مردِ صالح سے جنی شیطان جتنا ڈرتا ہے اتنا ڈر تو فاجر و فاسق آدمی کے دل میں بھی لوگوں کا نہیں پایا جاتا۔

اسی سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربات ہی کی بنیاد پر یہ بھی لکھا ہے کہ:-

فيهم من يخرج بالذكر والقرآن وفيهم من يخرج بالوعظ والتخويف وفيهم من لا يخرج الا بالعقوبة كالانس۔ (ص۲۶۵)

ان شیطانی جنیوں کو کبھی اللہ کے ذکر سے نکالا جاتا ہے کبھی قرآن پڑھ کر، نیز ان کو وعظ نصیحت کر کے بھی نکالا جاتا ہے، کبھی دھمکیوں سے بھی یہ لوگ جاتے ہیں مگر ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو سزا پائے بغیر نہیں ٹلتے جیسے بعض آدمیوں کی حالت بھی یہی ہوتی ہے۔

Marfat.com

غالباً (عقوبت) سزا سے مراد ان کی وہی ہے جس کا ذکر دوسرے مقامات میں انہوں نے کیا ہے مثلاً ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

وھذہ الاحوال الشیطانیۃ تبطل او تضعف اذا ذکر اللہ و توحیدہ وقرأت قوارع القرآن لاسیما آیۃ الکرسی فانہا تبطل عامۃ ھذہ الخوارق الشیطانیۃ - (ص ۲۶۷)

اس قسم کے شیطانی حالات کا اس وقت ازالہ ہوتا ہے یا یہ اس وقت کمزور پڑتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جائے اور اس کی توحید کا اعلان کیا جائے اور قرآن کے قوارع (تازیانے) ان کے سامنے پڑھے جائیں خصوصاً آیۃ الکرسی سے تو اس قسم کے شیطانی بکھیڑوں کا عموماً ازالہ ہو جاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی خاص خاص آیتوں کا شیاطین الجن پر خاص اثر مرتب ہوتا ہے اور ان کے سننے سے ان کو اتنی تکلیف پہنچتی ہے کہ بھاگ جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسی لیے ان قرآنی آیتوں کا نام "قوارع القرآن" رکھا گیا ہے ان سے جنوں کی پٹائی کا کام لیا جاتا ہے اس باب میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیۃ الکرسی والی آیتیں بہت زیادہ زود اثر اور تاثیر میں تیز ہیں شیخ نے علاوہ آیۃ الکرسی کے دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ :-

فاھل الاخلاص والایمان لاسلطان لہ علیھم ولھذا یھربون من البیت الذی تقرأ فیہ سورۃ البقرۃ ولابن من قرأۃ آیۃ الکرسی وآخر سورۃ البقرۃ وغیر ذالک من قوارع القرآن (ص ۲۶۴)

ارباب اخلاص وایمان پر ان جنیوں کے غلبہ پانے کی کوئی راہ نہیں ہے اسی لیے وہ اس گھر سے بھاگتے ہیں جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے اور آیۃ الکرسی کی تاثیر بھی یہی ہے۔ یہی اثر سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کا بھی ہے اور ان کے سوا وہ ساری آیتیں جن کو قوارع القرآن کہتے ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ سورۂ بقرہ مستقل اس باب میں ایک کارگر نسخہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سورہ کی آیتیں (آیۃ الکرسی) یا آخر سورۂ بقرکی بھی یہی خاصیت ہے لیکن منحصر قوارع القرآن ان ہی آیتوں میں نہیں۔

Marfat.com

ہیں بلکہ دوسری آیتیں جن کے متعلق ارباب تجربہ نے لکھا ہے کہ اس راہ میں مفید ہیں مثلاً افحسبتم انما خلقناکم کی آیت انت خیر الراحمین تک جس کے متعلق حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ پہاڑ پر بھی پڑھا جائے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔

شیخ نے اسی سلسلہ میں مختلف حیثیتوں سے مختلف مقامات میں ان فوائد کی بھی فہرست دی ہے جو مسخر کرنے کے بعد مسخر ہونے والے جنات سے لوگ اٹھاتے ہیں مثلاً ایک موقع پر لکھتے ہیں:-

هم يصعدون بهم في الهواء ويدعون المدن والحصون بالليل والابواب مغلقة ويدخلون على كثير من رؤساء الناس (ص ٢٦٦)

اپنے تابع کرنے والوں کو جنی ہوا میں لے کر اڑتا ہے اور ایسے شہروں یا قلعوں میں ان کو پہنچا دیتا ہے جن کے دروازے بند ہوتے ہیں اور امراء و رؤساء کے سامنے ان کو لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے (جن کے سامنے عام حالات میں پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

ثم الذي يخدمونه تارة يسرقون له شيئا من اموال الناس مما لم يذكر اسم الله عليه ويأتونه اما بطعام او بشراب واما لباس واما نقد واما غير ذلك وتارة يأتونه في المفاوز بماء عذب وطعام وغير ذلك۔ (ص ٢٦٣)

پھر یہ جن لوگوں کے تابع ہو کر ان کی خدمت کرتے ہیں، تو کبھی لوگوں کے مال سے کچھ حصہ چرا کر ان کو پہنچاتے ہیں، مگر (اسی مال سے چرا سکتے ہیں) جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسی طرح ان کے سامنے کھانے پینے پہننے کی چیزیں لا کر ان کو دیتے ہیں، کبھی چٹیل صحرا و بیابان میں آب شیریں و کھانا لا کر حاضر کرتے ہیں، یا ان کے سوا، دوسری چیزیں،

"المخدومین" سے مراد

بہرحال "جنات" کو مسخر کر کے اسی قسم کے خدمات لینے والوں کا نام اصطلاحاً "المخدومین" ہے، ابن تیمیہ اس قسم کا تذکرہ کرتے ہوئے اسی کتاب میں

Marfat.com

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

بل من طوائف "المخدومین" من یکونون کلهم من هذا الباب کالبوئی الذی للترك واکثر المولهین من هذا الباب۔

(ص ۲۶۶)

مخدوموں کے گروہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے سامنے یہ ساری باتیں پیش آتی ہیں اور یہ مخدوموں کا طبقہ ایسا ہی ہے جیسے ترکوں میں بوئی ہوتے ہیں اور اکثر مولہ (یعنی جو اپنے اوپر بے خودی طاری کرتے ہیں) ان کی یہی حالت ہوتی ہے۔

اس نظریہ کا کراماتِ صوفیہ پر بے محابا استعمال

یہی ہے نظریہ "مخدومیت" کا جسے حافظ ابن تیمیہ نے صوفیائے کرام کے عام کرامات کے مقابلہ میں بے محابا استعمال کیا ہے۔ عموماً اس گروہ کی طرف ایسی باتیں جہاں منسوب کی گئی ہیں اور ان کو ان کی خدا رسیدگی کی دلیل کی حیثیت سے لوگوں نے استعمال کیا ہے، ابن تیمیہ "مخدوم" کے لفظ سے سب کی تردید کر دینے کے عادی ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے بعض دلچسپ لطیفوں کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً بعض صوفیوں کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ دیکھنے والوں نے انہیں عرفات کے میدان میں دیکھا حالانکہ اس زمانے میں عرب سے سیکڑوں میل دور اپنے وطن میں موجود تھے۔ ابن تیمیہ اس کا انکار نہیں کرتے مگر اس کی توجیہ میں بے دھڑک فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ سارے "جناتی کرشمے" ہیں یعنی جن اڑا کر اس قسم کے لوگوں کو عین وقت پر عرفات کے میدان میں پہنچا دیا کرتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ جنوں کا یہ عمل بعض دفعہ اس طریقہ پر ظہور پذیر ہوتا ہے کہ عرفات پہنچنے والے کو بھی اس کی خبر نہیں ہونے پاتی کہ وہ آخر وہاں اچانک اتنے قلیل عرصہ میں کیسے پہنچ گیا، لکھتے ہیں:-

والذین تحملهم الجن وتطیرهم من مکان الی مکان اکثرهم لا یدری کیف حمل بل یحمل الرجل الی عرفات ویرجع وما یدری کیف حملته

اور جنی جن لوگوں کو لاد کر اور اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ جو پہنچا دیتا ہے تو اکثروں کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیسے اٹھایا گیا بلکہ اس شخص کو جنی اٹھا کر عرفات کے میدان میں لے بھی آتا ہے اور واپس بھی لے جاتا ہے لیکن اس

Marfat.com

الشیاطین۔ (ص ۲۵۹) آدمی کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ شیاطین نے اس کو کیسے اٹھایا۔

اس مقام پر مسائل شریعت سے ناواقفیت کا ایک دلچسپ الزام اس قسم کے صوفیوں پر انہوں نے عائد کیا ہے خود ان ہی کے الفاظ میں اس کو سنیئے، فرماتے ہیں:-

قد یقف بعرفات من غیر احرام ولا اتمام مناسک الحج وقد یذھبون به الی مکة ویطوف بالبیت من غیر احرام اذا حاذی المیقات وذالك واجب فی احد قولی العلماء ومستحب فی الآخر فیفوته المشروع (ص ۲۵۹)

(یہ بیچارہ صوفی) عرفات کے میدان میں احرام باندھے بغیر اسی صورت میں وقوف کرتا ہے اور حج کے دوسرے مناسک کی تکمیل کا بھی موقع اس کو نہیں ملتا۔ اسی طرح یہ جنی خادم اپنے مخدوم کو اڑا کر کبھی مکہ پہنچا دیتا ہے پھر وہ بیت اللہ کا احرام باندھے بغیر گزر جاتا ہے حالانکہ میقات پر پہنچنے کے بعد احرام کا باندھنا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہے بہرحال شریعت کے قانون کی تعمیل کا موقع ضائع ہو جاتا ہے۔

انہوں نے اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:-

قد یستغیث المشرك لشیخ له غائب فیحکی الجنی صوته لذالك الشیخ حتی یظن انه سمع صوت ذلك المرید مع بعد المسافة بینھما ثم ان الشیخ یجیبه فیحکی الجنی صوت الشیخ للمرید حتی یظن ان شیخه سمع صوته و

کبھی شرعی عقیدہ رکھنے والا آدمی اپنے شیخ کو فریاد رسی کے لیے پکارتا ہے حالاں کہ شیخ اس کا موجود نہیں ہوتا بلکہ غائب ہوتا ہے۔ اس وقت جنی اس شخص کی آواز کی نقل بنا کر سنا دیتا ہے پھر جب شیخ جواب دیتا ہے تو یہی جنی شیخ کی آواز کو اس کے مرید تک پہنچا دیتا ہے اور اسی سے

اجابہ۔ (ص۲۷۶) مرید کو مغالطہ ہو جاتا ہے کہ واقعتاً اسی کی آواز سن کر شیخ نے جواب دیا گویا پیر و مرید کے درمیان واسطہ کا کام یہ جنی دیتا ہے۔

اسی نوعیت کی دوسری چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں :-

وقد یحصل للمرید من یوذیہ فیدفعہ الجنی ویخیل للمرید ان الشیخ ھو دفعہ وقد یضرب الرجل بحجر فیدفعہ عنہ الجنی ثم یصیب الشیخ بمثل ذلک حتی یقول انی القیت عنک الضرب وھذا اثرہ فی وقد یکونون یاکلون طعاماً فیصور نظیرہ للشیخ ویجعل یدہ فیہ ویجعل الشیطان یدہ فی طعام اولئک حتی یتوھم ان ید الشیخ امتدت من الشام الی مصر وصارت فی ذلک الاناء (ص۲۷۶)

کبھی مرید کے سامنے کوئی ایذا پہنچانے والی شئے ظاہر ہوتی ہے اور جنی اس کو دفع کر دیتا ہے مگر اس طور پر کہ مرید اس شبہہ میں پڑ جائے کہ اس کے پیر ہی نے اس موذی کا ازالہ کیا، اسی طرح کسی آدمی پر کوئی پتھر چلاتا ہے۔ جنی اس پتھر کو روک لیتا ہے اور اس کے بعد پیر بھی اسی پتھر کو چلا دیتا ہے اسی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرید سے پیر کہتا ہے کہ دیکھ تجھ پر جو پتھر چلایا گیا تھا اسے میں نے روک لیا اور اس کی وجہ سے یہ نشان مجھ میں پایا جاتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ کھانا کھاتے ہوتے ہیں کہ ان میں جنی شیخ کی شباہت اختیار کر کے شریک ہو جاتا ہے اور برتن میں ہاتھ ڈالتا ہے (چونکہ شیخ وہاں نہیں ہوتا اس لیے) لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شیخ نے مصر سے بیٹھے بیٹھے شام تک ہاتھ پھیلا دیا تا آنکہ شیخ کا ہاتھ اس کھانے کے برتن تک پہنچ گیا۔

اور یہی ہے "نظریۂ مخدومیت" کے استعمال کی وہ عجیب و غریب وسعت جسے میں نے شروع میں

Marfat.com

عرض کیا تھا کہ ابن تیمیہ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔

انہوں نے ان ہی امور تک اپنے نظریہ کے استعمال کو محدود نہیں رکھا بلکہ اس قسم کی باتیں جو عموماً مشہور ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں سیارے کی روحانیت عمل کے زور سے مسخر کی ہے ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

والذین یدعون الکواکب تتنزل علیہم اشخاص یسمونہا بروحانیۃ الکواکب وھو شیطان نزل علیہ لما اشرك لیغویہ کما تدخل الشیاطین الاصنام۔ (ص ۲۷)	اور جو لوگ دعوی کرتے ہیں کہ ستاروں سے ان پر نازل ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ کوکب (ستارے) کی روحانیت ان پر اترتی ہے یہ بھی دراصل شیطان ہی ہوتا ہے جو ان پر اترتا ہے شرک کی وجہ سے تاکہ اس مشرک کی راہ مارے۔ جیسے گمراہ کرنے کے لیے بتوں کے اندر بھی شیاطین الجن داخل ہو کر (لوگوں کو مغالطہ میں مبتلا کرتے ہیں)

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے تو خضر علیہ السلام[1] اور ان کی ملاقات کے جو قصے مسلمانوں میں مشہور ہیں اور مختلف بزرگوں کی طرف ان قصوں کو منسوب کیا گیا ہے ابن تیمیہ نے ان قصوں پر بھی بے محابہ "مخدومیت" کے اسی نظریہ کا حربہ چلا دیا ہے لکھتے ہیں:۔

---

[1] خضر علیہ السلام کا وجود بھی ان مسائل میں ہے جن میں مُلّا اور صوفی کا بھی جھگڑا پایا جاتا ہے اور مولویوں یعنی علماء ظاہر میں بیسیوں اختلافی نقاط ان کے متعلق کتابوں میں ملتے ہیں پہلی بحث تو ان کے نسب نامہ میں ہے۔ حضرت آدمؑ کے براہ راست صاحبزادے تھے یہاں سے لے کر اس حد تک کہ وہ فرعون کے نواسے تھے یعنی فرعون کی لڑکی جو ایمان لے آئی تھی اس سے پیدا ہوئے تھے بعضوں نے لکھا ہے کہ والد ان کے ایرانی اور والدہ یونانی تھیں بعضوں نے بالعکس بھی دعوی کیا ہے پھر یہ کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے نبی تھے یا مرسل بھی تھے یا صرف نبی تھے اور آخری نزاع ان کی حیات وموت کے متعلق ہے۔ علماء ظاہر میں امام بخاری اس گروہ کے گویا امام ہیں جو ان کی وفات کے قائل ہیں لیکن نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ قال الاکثرون من العلماء انہ حی موجود بین اظہرنا وذلك متفق علیہ عند الصوفیۃ واھل الصلاح والمعرفۃ وحکایتہم فی رویتہ والاجتماع

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

وکذلک یاتی کثیرا من الناس فی مواضع ویقول انہ الخضر فاعتقد انہ الخضر انما کان جنیا من الجن۔ (ص۲۷۳)

اور یہی حال ان قصوں کا ہے جو کہا جاتا ہے کہ بعض مقامات میں بعض لوگوں کے پاس خضر آئے تھے یعنی وہ باور کراتا ہے کہ ہیں خضر ہی ہیں حالانکہ درحقیقت جنیوں ہی میں سے وہ کوئی جنی ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ بہ والاخذ عنہ وسوالہ وجوابہ ووجودہ فی المواضع الشریفۃ ومواطن الخیر اکثر من ان تحصی واشہر من ان یذکر (یعنی اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں، اور ہم ہی لوگوں میں ملے جُلے ہیں، صوفیہ کا تو ان کے زندہ رہنے پر اتفاق ہے ارباب صلاح و معرفت یہی کہتے ہیں، ان کے دیکھنے اور ان سے ملاقات سوال وجواب کے قصے اور یہ کہ مقدس پاک مقاموں پر وہ پائے جاتے ہیں۔ یہ قصے حد شمار سے خارج ہیں، حافظ ابو عمرو بن الصلاح نے بھی اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ھو حی عند جماھیر العلماء والصالحین والعامۃ منھم وانما شذ بانکارہ بعض المحدثین (یعنی جمہور علماء کے خیال کے مطابق وہ زندہ ہیں صالحین اور عوام کا بھی یہی خیال ہے البتہ عام خیال سے ہٹ کر بعض محدثین نے اس کے برخلاف دعویٰ کیا ہے) ابن تیمیہ نے ان کے جنی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اگرچہ یہ نیا دعویٰ ہے لیکن ماوردی کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے کہ انہ ملک من الملائکۃ یتصور فی صورۃ الآدمیین ص۱۱۶ ج ۱۔ یعنی خضر در اصل ایک فرشتہ ہیں جو آدمیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں لکھا ہے کہ خضر علیہ السلام کا ظہور بعض لوگوں کے سامنے جو ہوتا ہے۔ از نیرنگہائے عالم مثال است ص۱۱۴ انہوں نے لکھا ہے کہ انبیاء و اولیاء مثالی وجود اختیار کر کے ظاہر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ انہوں نے وفات وحیات ہی کے قصہ کو اس طرح ختم کر دیا، باقی شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ خضر کا چرچا اسلام کی ابتدائی صدیوں میں نہیں پایا جاتا۔ یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے وھب بن منبہ جو پہلی صدی ہجری کے آدمی ہیں ان کی کتاب "المبتدا" سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی لوگ خضر علیہ السلام کے دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اصابہ ص۱۱۷ ج ۱۔ اس سلسلہ میں آثار اور حدیثوں کا جو مجموعہ پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے سب کو اصابہ میں جمع کر دیا ہے تفصیل کے لیے اصابہ دیکھو۔۱۲

Marfat.com

انہوں نے اس سلسلہ میں یہ عجیب بات لکھی ہے کہ :-

حتی انہ یاتی الیہود والنصاری[1] ولیقول انہ الخضر والیہود کنستہ معروفتہ بکنیسہ الخضر وکثیر من کنائس النصاری یقصد ھاھذا الخضر والخضر الذی یاتی ھذا الشخص غیر الخضر الذی یاتی ھذا ولھذا یقول من یقول منھم لکل ولی خضر وانما ھوجنی معہ۔

(صـ ۲۷۴)

یہاں تک کہ خضر تو یہود و نصاریٰ کے پاس بھی آتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ میں خضر ہوں، یہودیوں کا ایک کنیسہ ہے جو "کنیسہ خضر" ہی کے نام سے موسوم ہے، اسی طرح عیسائیوں کے بیسیوں گرجے ہیں جہاں یہ خفیہ پہنچتے ہیں۔ (بلکہ یہ بھی ہوتا ہے) اس شخص کے پاس جو خضر ہوتا ہے وہ اس خضر سے جدا ہوتا ہے جو دوسرے کے پاس آیا تھا اسی لیے ان میں (یعنی صوفیوں میں) بعض کہتے ہیں کہ ہر ولی کے لیے الگ خضر ہوتا ہے درحقیقت وہ جنی ہوتا ہے جو اس شخص کے ساتھ ہوجاتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ

ومن یری اذا زار بعض قبور الانبیاء والصالحین ان صاحب القبر قد خرج الیہ فیظن انہ صاحب القبر ذلک النبی اوالرجل الصالح وانما ھو شیطان اتی فی صورتہ ان کان یعرفھا والا اتی فی صورۃ انسان وقال انہ ذالک المیت۔ صـ ۲۷۳

یہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبروں یا اللہ کے نیک بندوں کی قبر کی زیارت کے وقت انہوں نے دیکھا کہ قبر والے صاحب قبر سے نکل آئے اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ واقعی وہ صاحب قبر ہی ہے یعنی وہی پیغمبر یا وہی نیک مرد ہیں جو اس قبر میں دفن ہیں۔ (یہ واقعہ نہیں ہوتا) بلکہ وہ شیطان ہوتا ہے جو صاحب قبر کی صورت اختیار کرلیتا ہے اگر دیکھنے والا ان کو پہچانتا ہو ورنہ کسی آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر دیکھنے والے کو باور کراتا ہے میں وہی مرنے والا

Marfat.com

آدمی ہوں (جو اس قبر میں دفن ہے)

صوفیائے کرام کی طرف جس جس قسم کی کرامتیں اور خوارق عادات اس زمانہ میں منسوب تھیں یا اس وقت منسوب ہیں، ابن تیمیہ نے ان کے تمام گوشوں کو اپنی اس "مخدومیت" کے نظریہ سے بھر دیا ہے اس راہ میں ان کے غلو کی انتہا یہ ہے کہ دوسروں ہی کے متعلق نہیں بلکہ اپنی مشہور کتاب "المنطق" میں اسی قسم کے مسائل کے سلسلہ میں جہاں تک مجھے یاد آتا ہے[1] انہوں نے لکھا ہے کہ

"خود میرے متعلق (یعنی اپنے متعلق ابن تیمیہ کہتے ہیں) بعض لوگوں نے آکر یہ بیان کیا کہ جن دنوں میں قید خانہ میں تھا اس نے مجھے قید خانہ کے باہر دیکھا بلکہ ملاقات کی"

شاید یہ بھی لکھا ہے کہ بعضوں نے عرفات میں دیکھنے کا دعویٰ میرے متعلق ایسے زمانہ میں کیا جب میں حج کے لیے نہیں گیا تھا بلکہ غالباً قید خانہ میں تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس قسم کی روایتوں کے بیان کرنے والوں کو میں نے یہی جواب دیا کہ کوئی جنی شیطان ہوگا جو میری شکل و صورت اختیار کر کے تجھے مغالطوں میں مبتلا کرنا چاہتا تھا جس کے معنی یہی ہیں کہ خود اپنی کرامتوں پر بھی انہوں نے اسی "مخدومیت کے نظریہ کی چادر اڑھا دی ہے۔ ظاہر ہے کہ غلو کی یہ انتہائی اور آخری مثال ہو سکتی ہے[2]۔ اس باب میں ان کی کتابوں میں اور بھی بیسیوں باتیں پائی جاتی ہیں لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ ابن تیمیہ کے نظریہ "مخدومیت" اور اس نظریہ کی وسعت دامانیوں کا جو حال ان کے نزدیک تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے غالباً مذکورہ بالا مواد جو ان ہی کی کتاب سے ان ہی کے الفاظ میں اخذ کیا گیا ہے۔ کافی ہے۔

---

[1] یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ ایک زمانہ میں مولینا حمیدالدین فراہی کے حکم سے فقیر اس کی نقل کر رہا تھا، اس وقت ان کی اس کتاب میں اس بیان کو دیکھا تھا۔ بجنسہ الفاظ یاد نہیں رہے لیکن حاصل یہی تھا۔

[2] لیکن اس کی دوسری سمت کا غلو بھی کچھ کم خطرناک نہیں بلکہ بدفہم کو شرک تک پہنچا سکتا ہے۔ اس معاملہ میں حق اور عدل کی بات وہ ہے جو حکیم الامت مولینا اشرف علی تھانوی نے ایک ایسے ہی موقع پر فرمائی۔ ہوا یہ تھا کہ حکیم الامت کے ایک معتقد نے علی گڈھ کی نمائش میں دکان لگائی۔ ایک روز قلب میں کچھ گھبراہٹ محسوس ہوئی تو انہوں نے قبل از وقت سامان صندوقوں میں بند کرنا شروع کیا ایسے میں وہاں آگ لگ گئی۔ ان کو پریشانی ہوئی کہ ایسے وزنی صندوق اکیلے کیوں کر اٹھائیں گے! اسی فکر کے عالم میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دیکھا کہ مولانا تھانوی آرہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ جلدی کرو۔ چنانچہ شیخ و مرید نے پکڑ کر سارا سامان دوکان سے نکال لیا جب سب سامان منتقل ہوچکا تو حضرت شیخ وہاں موجود نہ تھے اور درحقیقت اس وقت حکیم الامت تھانہ بھون ہی میں تھے جب مرید نے اس حیرت انگیز واقعہ کی اطلاع حضرت شیخ کی خدمت میں کی تو ارشاد ہوا:۔

مجھ کو اس کی کچھ خبر نہیں البتہ بعض اوقات حق تعالیٰ کسی کی دستگیری اور اعانت اس صورت میں فرماتے ہیں کہ کسی لطیفۂ غیبیہ کو مانوس شکل میں ظاہر فرمادیا اور اس کے ذریعہ اس کا کام بنوادیا اور خود اس شکل والے کو کچھ خبر نہیں ہوتی۔"

یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ اشرف السوانح میں درج ہے۔ فقط

(غ۔م)

Marfat.com

مجالسِ شیخین

یا

دل کا چین

Marfat.com

فہرست مجالس الشیخین

مجالس شیخ اکبر قدس سرہٗ

مجلس (۱) فلسفۂ مصیبت

فقر و غنا

سوال ہی استعدادِ فہم جواب کی دلیل ہے!

" (۲) مشاہدہ اور مکاشفہ کا فرق

" (۳) اہلِ ایمان کے عذاب کی نوعیت

" (۴) جسد و روح

" (۵) انواعِ انسانی اور ہر ایک کی حیثیت۔

حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمّتِ دعوت بھی دوسری اُمّتوں سے بہتر ہے۔

" (۶) ترکِ اسباب بندہ کی حقیقت کے منافی اور حکمِ خداوندی کے خلاف ہے۔

" (۷) اسباب پر بھروسہ شرکِ خفی ہے!

اسباب کے وجود و عدم کا برابر ہو جانا تکمیلِ ایمان کی نشانی ہے۔

" (۸) قرآن کی جسمانی صورت کا نام محمدؐ بن عبداللہ ہے!

قرآن جب تک موجود ہے رسول اللہؐ موجود ہیں!

نماز میں شہودِ حق کا طریقہ

" (۹) محسنین کا اجر ضائع نہ ہونے کی توضیح!

کل ماسوی اللہ حق تعالیٰ کا عرش ہے!

اپنی بڑائی کا خیال بھی مہلک ہے!

Marfat.com

مجلس (۱۰) تحقیق کرامت

تحقیق تفکر

" (۱۱) تحقیق "منزل" و "منزلت"

تشکل اعمال

سیادت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)

مجتہد کا نتیجۂ اجتہاد حق ہی ہوتا ہے!

ہبوط آدم پاداش جرم نہیں!

" (۱۲) شیخ اکبرؒ کے چند اکابر

ہر ذرۂ کائنات آیت اللہ ہے!

" (۱۳) ذات و صفاتِ الٰہی کا ادراک ناممکن ہے۔

صحیح راہ محض اتباعِ شریعت ہے۔

ماہیت ذات الٰہی کا کھوج ایمانی راہ سے دوری ہے۔

متکلمین اور متبعین کا فرق

" (۱۴) حالت زندگی کے مطابق موت کے بعد آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

" (۱۵) اخلاقی رذائل کا امالہ مقصود ہے نہ کہ ازالہ!

" (۱۶) توبۂ آدم

مجالس مولٰنا روم قدس سرہ

مجلس (۱) اسرارِ توبہ!

توحید افعالی!

" (۲) خدائی امتحان کیوں ہے؟

" (۳) تقلیدی و تحقیقی علم کا فرق

" (۴) فانی انوار لائق التفات نہیں!

Marfat.com

مجلس (۵) دنیوی و اخروی سزا کا فرق

لا تتفکروا فی الخالق کا مطلب

〃 (۶) دنیوی نظام اضداد پر قائم ہے۔

〃 (۷) وصولِ حق کے لیے مدت کا سوال بے معنی ہے!

مسرت و الم کے درمیان زندگی قائم ہے۔

فرقِ نظر ہی سے ایک شئے موت بھی ہے اور زیست بھی۔

آفات و بلیات موت کی دھمکیاں ہیں

عقلمند وہ ہے جو دل کا چراغ جلائے۔

"الولد سرّ لابیہ" کی توضیح

اصلی فقیر اور بھیک منگے کا فرق

فقر کی شناخت کا معیار

غم سے نجات کی راہ

〃 (۸) حضور اکرمؐ کا طریق اصلاح سراسر رحمت ہے!

پیغمبر کا ہاتھ

〃 (۹) استقامت ہی کامیابی کی ضامن ہے۔

〃 (۱۰) مسلمانوں کی بے دینی سے دین سے بیزاری ہوتی ہے!

〃 (۱۱) جہانِ مردہ اور جہانِ زندہ کا تقابل

〃 (۱۲) حفاظتِ توبہ کی تاکید

〃 (۱۳) صرف اللہ ہی سے مانگو!

〃 (۱۴) "شر" اور "خلقِ شر"

دماغی نکتہ آرائیاں قلب کی غفلت کی نشانی ہے

〃 (۱۵) مثنوی کا ایک ظاہر ہے اس کے تحت اس کا ایک باطن بھی ہے۔

〃 (۱۶) تنہا عقل محافظِ حدود نہیں ہو سکتی۔

Marfat.com

مجلس (۱۷) ہم جنسی میں عجیب جاذبیت ہے۔
شیطان کی طرف انسان کیوں جھکتا ہے؟
علاجِ حسد
انبیاء کی طرف کون جھکتے ہیں؟
" (۱۸) قربِ حق کی دو قسمیں
" (۱۹) "الم نشرح" کی توضیح
" (۲۰) راہ صفا کی جفاؤں کی حقیقت
" (۲۱) حدیث "جف القلم" کی انوکھی تعبیر
" (۲۲) اللہ والوں پر اللہ کی محافظت!
" (۲۳) حرص و طمع آدمی کو اندھا کر دیتی ہے۔

نوٹ :- پہلے ایڈیشن میں مجالسِ شیخین کی ترتیب تاریخ وار ترتیب کے ساتھ چھپی تھی۔ اور "ش" اور "م" کے اشارہ سے شیخ اکبرؒ اور مولانا رومؒ کی مجالس کے فرق کو ظاہر کر دیا تھا، اب اس ایڈیشن میں پہلے شیخ اکبر قدس سرہٗ کی پوری مجالس اور پھر عارف رومی قدس سرہٗ کی پوری مجالس یکجا کر دی گئی ہیں۔ ناظرین اس میں زیادہ سہولت وافادیت پائیں گے۔

(غ۔م)

Marfat.com

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مُدّت سے خاکسار کا یہ دستور رہا ہے کہ علاوہ قرآن مجید کے دل جب کبھی پریشان ہوتا ہے تو مثنوی معنوی یا فتوحات مکیہ ابن عربی کا مطالعہ بغیر کسی ترتیب کے شروع کر دیتا ہوں کل سے یہ خیال ہو رہا ہے کہ دونوں بزرگوں کی حضوری میں جن باتوں سے دل متاثر ہوتا ہے ان کو روزانہ اپنے الفاظ میں قلمبند کر لیا کروں اور متفرق مطالعہ سے حاصل شدہ یہ چیزیں جب کافی مقدار میں جمع ہو جائیں تو انہیں کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے یا بالاقساط کسی ماہنامہ میں شائع کرا دیا جائے

"مجالس الشیخین" یا "دل کا چین"

اپنی اس کتاب کا نام رکھتا ہوں، یہی نام اس وقت قلب میں بغیر کسی قصد و ارادے کے ڈالا گیا۔

"ان مجالس کی ترتیب کا مقصد"

زیادہ مقصود ان مجالس سے یہ ہے کہ آج کل تو خیر ایک گاؤں اور وہ بھی ایسے گاؤں میں آکر مقیم ہو گیا ہوں، جہاں شریف مسلمانوں کے صرف دو خاندان باقی رہ گئے ہیں ان کے سوا عام ہنود اور عام طبقہ کے کچھ مسلمان ہیں ان سے کسی قسم کی ایمانی گفتگو کرنے کا موقع نہیں ملتا نہ سننے سنانے کا، اور حال یہ ہے کہ شہروں میں بھی اس قسم کی مجلسیں میسر نہیں آتیں، جہاں جائیے بس اخباروں کی خبروں کا تذکرہ اور ان ہی خبروں سے نکالے ہوئے ناقص نتائج سے مسرت یا غم کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہے لیکن زندگی کے اس خواب کی تعبیر نہ کوئی جاننا چاہتا ہے نہ وہ خود سوچتے ہیں اور نہ دوسروں کی سننا چاہتے ہیں ایسی صورت میں چارۂ کار ہی اس کے سوا اور کیا ہے کہ گزرے ہوئے بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری کی ایک صورت

Marfat.com

اس تدبیر سے نکل آئی ہے، اَللّٰھُمَّ نسئلکَ ان یرزقنی فوائدھا ولا تحرمنی عن عوائدھا۔

اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا میسر آسکتی ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام پاک اور حق تعالیٰ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام کے سننے اور سمجھنے کے مواقع اور اس نے اس کوردہ گاؤں میں مولانا معنوی اور شیخ اکبر کی برکات سے محض اپنے فضل و کرم سے مستفید ہونے کا موقع مہیا فرما دیا ہے۔ فالحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

مارچ ۱۹۵۰ء

گیلانی (بہار)

"کہف الایمان"

Marfat.com

مجالسِ شیخ اکبر قدس سرہٗ

(۱) فلسفۂ مصیبت (فتوحات ص۴۶۵ ج ۲) بعد نماز جمعہ تاریخ ۳/۵/۱ فتوحات کی مجلس میں حاضری میسر آئی۔ ارشاد ہوا :-

"جنّت کی زندگی میں ہر لمحہ ہمارے حواس آگے ان کی لذّتیں نت نئی شکل میں پیش ہوتی رہیں گی مگر خود دنیا میں بھی یہی حال ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ امن کی حالت مسلسل باقی رہے درمیان میں خوف نہ پیدا ہو حالانکہ لذت تو آتی ہے جو خوف کے بعد ہو، بلکہ زندگی کے اس راز سے اگر لوگ واقف ہو جائیں کہ ہمارے سامنے ہر لمحہ نئی کیفیتیں پیش ہو رہی ہیں تو دنیا کی چیزوں سے اکتاہٹ کی کیفیت قلوب میں پیدا نہ ہو،

پھر فرمایا کہ :-

" اس میں بھی دکھ والوں کے لیے رحمت ہے ان کو اگر محسوس کرا دیا جائے کہ جس دکھ میں وہ مبتلا ہیں ہر لمحہ اس میں تجدید ہوتی رہتی ہے تو مصیبت کا احساس ان میں زیادہ شدّت پذیر ہو جائے گا۔

شیخ نے پھر فرمایا کہ :-

" جہنم میں مگر دکھ سہنے والوں پر یہ راز کھول دیا جائے گا اور ہر آن اُن کو محسوس ہوگا کہ نئے عذاب اور نئے دکھ میں مبتلا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ بھی ارشاد ہوا :-

" یقین کی آنکھ جن کی کھل گئی ہے اور اپنی اسی آنکھ سے وہ چیزوں کو دیکھ رہے ہیں یہی عارفین کا طبقہ ہے۔ ان پر زندگی کا یہی دنیاوی دور آخرت والے دور کی شکل اختیار کر لیتا ہے بظاہر گو وہ دنیا میں ہوتے ہیں لیکن حکماً آخرت میں ہیں اور گو

Marfat.com

مکان کے لحاظ سے دنیا میں ہیں مگر مکانۃ اور درجہ کے لحاظ سے آخرت میں ہیں۔

اسی مجلس میں یہ بھی ارشاد ہوا :-

فقر و غنا

" فقر افضل ہے یا غنی ؟ یہ ایک مہمل سوال ہے ، کیونکہ دونوں جامع ہی نہیں ہے۔ غنا صرف رب العالمین کے لیئے ہے اور فقر بندے کے لیے پس یہ سوال ایسا ہی ہے کہ کوئی پوچھے خدا افضل ہے یا بندہ

اور فرمایا :-

سوال ہی استعدادِ فہم جواب کی دلیل ہے

علم کے متعلق سوال کرنے والوں سے جواب میں محض یہ کہنا کہ تمہاری سمجھ سے بات اونچی ہے ، صحیح نہیں ہے ، سائل سوال کر ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس سوال کے جواب کے قبول کرنے کی صلاحیت اس میں نہ ہو ، البتہ جواب مختلف سطح سے تعلق رکھتا ہے اب یہ جواب دینے والے کی قابلیت پر موقوف ہے کہ وہ دیکھ سکے کہ سائل کی رسائی جواب کی کس سطح تک ممکن ہے شیخ نے اس سلسلہ میں اس حدیث کو پیش کیا ہے کہ جب اعرابی نے پوچھا کہ جنّت میں کپڑے بنے جائیں گے یا کیسے پیدا ہوں گے ؟ صحابہ ہنس پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور اعرابی کو خبر دی کہ جنّت کے درختوں میں ایسے پھل ہوں گے جن سے بنے بنائے کپڑے نکل آیا کریں گے۔

اسی سلسلہ میں شیخ نے

سورۂ والضحیٰ کی ان آیتوں کی طرف توجہ دلائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منع کیا گیا کہ سائل کو نہ جھڑکیے۔ اس کا تعلق وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى سے ہے شیخ نے ضالاً کا ترجمہ متحیراً کیا ہے اور فاما الیتیم فلا تقھر کا تعلق الم یجدک یتیما سے بتایا ہے۔

(۲) مشاہدہ اور مکاشفہ کا فرق

۵ اپریل ۱۹۵۰ء شیخ اکبر کی مجلس میں حاضری کی سعادت میسر آئی مگر آج ان کی باتیں بہت بلند تھیں۔ مشاہدہ و مکاشفہ کے فرق کو بیان کر رہے تھے میری سمجھ میں یہی آیا کہ حسی معلومات کے علمی تعلق کو وہ مشاہدہ کہتے ہیں اور محسوسات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے اسی کا نام انھوں نے مکاشفہ رکھا ہے ، مثال بھی دی ہے کہ بات سنتے ہو۔ بات

Marfat.com

سمعی مشاہدہ کی چیز ہے لیکن بات سے جو چیز سمجھ میں آئی ہے وہ مکاشفہ ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ :-

مشاہدہ کا تعلق ہمیشہ محسوسات سے ہوتا ہے خواہ کسی حس سے ہو، لمسی، سمعی، بصری، شمی، ذوقی (یعنی ذائقہ) سے تعلق رکھنے والے تو مشاہدات ہے اور مکاشفہ کا تعلق ہمیشہ معانی سے ہوتا ہے۔

پھر آگے انہوں نے فرمایا کہ مکاشفہ والی چیز مشہودات کی امانت ہوتی ہے پھر ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا وغیرہ کی شرح فرمائی مگر کوئی خاص چیز جس کا تعلق دل سے ہو اس مجلس میں اپنی نارسائی کی وجہ سے میسر نہ آئی۔ ہاں دماغی فوائد حاصل ہوئے۔

(۳) اہلِ ایمان کے عذاب کی نوعیت

۶ اپریل ۱۹۵۰ء شیخ کی مجلس فتوحات میں حاضر ہوا ارشاد ہو رہا تھا کہ اہل ایمان کے عذاب کی نوعیت کیا ہے؟ آپ کا جو عام طریقہ ہے تقریر اسی خصوصیت کے ساتھ شروع ہوئی۔ تمہیداً فرمایا گیا کہ یہ آدمی کی روح درحقیقت عاقل۔ بالغ۔ عارف۔ مومن بن کر پیدا ہوئی۔ " مومن " سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور توحید کا علم اس کو حاصل تھا قرآن میں فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا اور حدیث میں کل مولود یولد علی الفطرۃ کا یہی مطلب ہے درمیان میں فابواہ والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے نکتہ کہتے چلے گئے ہیں کہ گو یتیم کا باپ نہیں ہوتا لیکن باپ کی جگہ جس کے بھی زیر پرورش ہوتا ہے وہی اس کا باپ ہوا۔ پھر روح میں مقداری وسعت نہیں اس پر شیخ نے بیان دیا اور وہی مشہور تقریر کی کہ امتداد کی صورت میں علم وجہل کا مختلف جزیں جمع ہو جانے کا احتمال پیدا ہوگا حالانکہ بداہتہً آدمی پاتا ہے کہ معلوم معلوم ہے اور مجہول مجہول۔ بہرحال اگر اپنی ذات کا شعور روح کو نہ ہو تو حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار وہ کیسے کر سکتی تھی، پس آدمی کی اصل حقیقتاً اس کی روح ہی ہے پھر اس روح کو کسی بدن سے متعلق کر دیا جاتا ہے جس کے ساتھ روح کا استغراقی تعلق ہوتا ہے اور اس کی ملک میں بدن بدن کے اعضاء دے دیئے جاتے ہیں اسی بدن میں کچھ قوتیں اور آلات بھی ودیعت کر دیئے گئے ہیں جن میں بعض حسی اور بعض معنوی قوتیں ہیں، روح کو پھر حکم دیا کہ ان ہی بدنی قویٰ کی راہ سے علم حاصل کرے اور ان قوتوں کو ان حدود کا پابند ہو کر استعمال کرے۔

Marfat.com

پھر ان آلات بدنی کے مختلف مراتب اور ان کی مختلف نوعیتیں ہیں معنوی قویٰ سب کامل و مکمل ہیں بجز ایک خیالی قوت کے کہ یہ غریب فطرتاً کمزور پیدا ہوتی ہے اور حسی قوتیں بھی کمزور ہیں ان دونوں یعنی خیالی اور حسی قوتوں کو جسم کا تابع بنا دیا گیا جسم جس حد تک بڑھے گا اور بڑا ہوگا ان قوتوں میں بھی اضافہ ہوگا (اس سلسلہ میں خیالی قوت کی ہمہ گیری پر شیخ نے کچھ باتیں فرمائیں کہ سامعہ باصرہ الغرض ہر حاسہ سے معلومات کو لینے کی اس میں صلاحیت ہے اور ان معلومات پر قوت مفکرہ اور قوت واہمہ عمل کرتی ہے۔

بہرحال شیخ نے فرمایا کہ روح ان قویٰ سے جو استفادہ میں تابع جسم کی نہ ہوتی تو پیدا ہونے کے ساتھ ہی ہر شخص مکلف ہو جاتا مگر جسم کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے تکلیف کے لیے عمر کی ایک مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ شیخ کے نزدیک سات سال کی عمر سے تکلیف کی مدت شروع ہو جاتی ہے اور قانونی مطالبات کے لیے بلوغ کی شرط لگائی ہے مگر پھر بھی قتل جو بچپن میں ہوا ہو اس کو بلوغ کی حد تک قید کیا جاتا ہے اور ولاۃِ مقتول کے مطالبہ پر قتل کیا جاتا ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ بچپن کے خیر و شر کا نتیجہ بھی سامنے آتا ہے خیر کا پھل تو آخرت میں ملتا ہے اور شر کا صرف دنیا میں۔

اس کے بعد شیخ نے فرمایا کہ

ومن عذاب المومن ما سلط اللہ علیھم من اصحاب الاھواء والکفار من الاسر والعذاب والاسترقاق والقتل فی الدنیا کل ھذا ایکفول ھفوات وزلات نفسیۃ وحسیۃ علی قدر ما وقع منھم۔

ایمان والوں کے عذاب ہی کی شکلیں ہیں کہ بدعقیدہ لوگوں اور اہل کفر کو ان پر مسلط کر دیا جاتا ہے یعنی ان کے قیدی بنا دیئے جاتے ہیں دکھ ان کی طرف سے پہنچتا ہے غلام ان کے بنا دیئے جاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں یعنی دنیا میں ان سزاؤں کے شکار ہوتے ہیں مگر یہ سب اہل ایمان کی یاوہ گوئیوں اور نفسانی وحسی لغزشوں کی سزا ہوتی ہے۔

Marfat.com

پھر شیخ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار جو کچھ کرتے ہیں وہ

الا لاجل ایمانھم — یعنی ایمان ہی کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں

آیت قرآنی

و یخرجون الرسول وایاکم ان — نکالتے ہیں رسول اور تم کو اس وجہ سے کہ تم
تومنوا باللہ ربکم۔ وما نقموا منھم — نے مانا ہے اللہ اپنے پوسنے والے کو نہ
الا ان یؤمنوا باللہ۔ — بدلہ لیا انہوں نے مگر اسی بات کا کہ تم نے
اللہ کو مانا ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ ومن یقتل مومنا متعمدا کا ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومن کو ایمان کی وجہ سے جو قتل کریگا۔ اس کی سزا بیان کی گئی ہے۔

ای قصد قتلہ لایمانہ (ص۹۱۴ ج ۲) — یعنی مومن کے ایمان کی وجہ سے جو قتل کرے۔

پس تین باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) بچپن کے اعمال بد کی سزا اسی زندگی میں مومن کو ملتی ہے۔

(۲) اور اہل ایمان کو بداعمالی کی سزا کفار سے مغلوبیت و تباہی و بربادی سے اسی دنیا میں پہنچتی ہے۔

(۳) مسلمانوں کو غیر مسلموں سے اجتماعی مصائب جو پہنچتے ہیں اس کی وجہ بھی ایمان ہی ہوتا ہے۔

(۴) جسد و روح

۵ ستمبر ۵۰ء آج شیخ اکبر کی مجلس میں حاضری کی برکت حاصل ہوئی۔ فرماتے تھے ہمارے اجسام کیا ہیں ہماری روحوں کے یہ تابوت اور ان کی یہ قبریں ہیں، اور اسی لیے ان قبور نے روح کے مشاہدے سے آدمی کو محروم رکھا ہے مگر جب اس قبر کو چھوڑ کر روح جدا ہو جائے گی اور یہ جدائی انفصالی نہیں ہوتی بلکہ فنا کی جدائی ہوتی ہے پس جب اجساد کے مشاہدے سے روح فنا ہو جائے گی، یعنی توجہ اجساد کی طرف روح کی نہ رہیگی تو بینائی کی ذاتی صفت چونکہ روح میں ہے اسی قوت سے وہ اپنی ذات کا مشاہدہ کرے گی اور اب اپنے نفس کی معرفت آدمی کو حاصل ہو گی تب اس سے اپنے رب کی معرفت کو روح پائے گی۔

شیخ نے فرمایا :-

" پس اسوقت تو اپنی ذات اور رب کی ذات کا علم یقین ہے کہ اس علم یقین سے

Marfat.com

جسد کو چھوڑ کر آدمی یقین کی آنکھ سے اپنے آپ کو اور اپنے رَبّ کو پائے گا اسی کو "عین الیقین" کہتے ہیں پھر جب اپنی قبر میں آدمی واپس ہو جائے گا تو اس یقین کو حاصل کرے گا جس کا نام حق الیقین ہے۔ الحاصل علم الیقین سے عین الیقین کی طرف اور عین الیقین سے حق الیقین کی طرف آدمی منتقل ہوگا، جسد کو چھوڑنے کے بعد اپنی ضریح میں جب منتقل ہوتا ہے تو اس وقت "علم الیقین" کی طرف واپس نہ ہوگا۔

(صـ۵۱۲ ج ۳)

لطیفہ: قیامت کے دن انسان کا "کالفراش المبثوث" ہونا اور پہاڑوں کا "کالعِھن المنفوش" ہونا، اس سے لوگ دہشت ناک منظر کو اپنے اندر پیدا کرتے ہیں حالانکہ رحمت الٰہیہ چونکہ ہر چیز میں بکھری ہوئی ہے تو اسی رحمت کے ظہور کی شکل انبعاثِ[1] انسانیت ہوگی اور سخت پہاڑ کا روئی کے گلے جیسا نرم ہو جانا اسی رحمت کے ظہور کا ایک رنگ ہے۔ جو حد سے زیادہ نرم ہے۔ (صـ۵۱۲)

(۵) انواع انسانی اور ہر ایک کی حیثیت

آج شیخ محی الدین بن عربی کی مجلس میں حاضر ہوا شیخ حسب دستور کچھ فرما رہے تھے۔ ان کی بہت سی باتیں جیسا کہ قاعدہ ہے خود ان ہی کے مصلی تک محدود رہتی ہیں البتہ کچھ سمجھ میں آئیں، فرما رہے تھے ــــ (۱) اجسام اور اجساد میں فرق ہے، جسم تو وہی ہے جسے سب جسم کہتے ہیں، خواہ رنگین ہو یا بے رنگ شفاف ہو، یا کثیف، لیکن جسد دراصل ان سانچوں کا نام ہے جن میں ارواح کا تمثل بحالتِ بیداری اور بحالتِ خواب ہوتا ہے۔ خواب میں آدمی اپنے آپ کو مختلف حالتوں میں پاتا ہے اور ان کو محسوس کرتا ہے کہ جسم ہیں حالانکہ وہ جسم نہیں ہیں،

(۲) پھر نوعِ انسانی پر مجموعی حیثیت سے شیخ نے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت تو وہی ہے جو کسی انسانی جسد کے ساتھ نفس ناطقہ کو ہوتی ہے اور دوسرے انبیاء کی حیثیت ان روحانی قوتوں کی سی ہے جو آدمی میں پائی جاتی ہیں، ان کے بعد اولیاء کا درجہ ہے جو ورثہ کہلاتے ہیں ان کی حیثیت وہی ہے جو حواس خمسہ کی جسد انسانی میں ہوتی ہے اور ان کے سوا دوسرے انسانی افراد کو سمجھو کہ حیوانی روح کی

---

[1] انسانیت کا اٹھ کھڑا ہونا۔

حیثیت رکھتے ہیں جس سے جسم کے نشوونما کا تعلق ہے

(۳) اس وقت جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود نہیں ہیں یوں سمجھو کہ عالم پر نیند کی کیفیت طاری ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی روپوشی کی وجہ سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ عالم پر موت طاری ہوگئی ہے بلکہ نیند کی کیفیت طاری ہے، جیسے نیند میں آدمی کی روح کی جو حالت ہوتی ہے وہی حال اس وقت رسول اللہ علیہ وسلم کا ہے، قیامت کے دن تک یہ نیند طاری رہیگی اور قیامت روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری کا نام ہے اور آپ کی ناسوتی پیدائش سے پہلے یوں سمجھنا چاہیئے کہ عالم کی حیثیت اس بچے کی تھی جو ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہا ہو، پس قیامت میں روح عالم جب جاگ اٹھے گی، تو عالم اپنے سارے اعضاء کے ساتھ جاگ اٹھے گا جس میں اہل النار بھی ہوں گے پس وہ نہ زندہ ہوں گے نہ مردہ اور ملائکہ کی مثال ان خیالی صورتوں کی ہے جنہیں اپنے خیال میں آدمی پاتا ہے اور یہی حال جن کا بھی ہے۔ (ص ۲۴۸ ج ۲)

کسی ضرورت سے کتاب بند کر کے چلا گیا پھر آ کر کھولی

حضور اکرم صلعم کی امت دعوت بھی دوسری امتوں سے بہتر ہے

مگر اب کے شیخ کو دوسری گفتگو میں مشغول پایا، فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رعل و ذکوان پر جب بد دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ کیوں؟ اسی (منع کرنے سے) سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی امت اجابت ہی نہیں بلکہ امت دعوت بھی دوسری امتوں سے بہتر ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ

بجائے بد دعا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان یدعولھم بالتوفیق

والھدایۃ چنانچہ یہ رسول اللہ علیہ وسلم جو اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔

کی دعا اسی لیے فرماتے تھے، شیخ نے کہا کہ

شرک کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ دعوت کے کفار ماخوذ تو ضرور ہوں گے اور جہنم میں بھی جائیں گے ولکن مواخذتہ ایاھم فیھا لطف الٰھی لایستوی فیہ مشرک غیر ھذہ الامۃ بمشرکھا۔

(ترجمہ) لیکن اس کے مواخذہ میں بھی لطف الٰہی کا ایک پہلو یہ ہوگا کہ جہنم میں اس کے (امت دعوت) مشرک کی برابری غیر امت کے مشرک کو حاصل نہ ہوگی — (یعنی محمدی امت دعوت کے مشرک کا عذاب نسبتاً ہلکا ہوگا)۔

Marfat.com

آگے فرمایا کہ

اعرف ذلك اللطف ولا اصرح به کما ذکر صلی اللہ علیہ وسلم فیمن اصابتھم النار فی ھذہ الامۃ بذنوبھم بل من الامم ان اللہ یمیتھم فیھا اماتۃ الحدیث۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

المومن منھم بایمانہ والکافر منھم بکفرہ ھما خیر من کل مؤمن۔

من غیر ھذہ الامۃ وکافر۔ (ص ۶۷۹ ج ۳)

شیخ کے اپنے الفاظ اس سلسلہ میں یہ ہیں کہ

لما اشتد قیامہ فی اللہ وغیرتہ علی الحق فی قصۃ رعل وذکوان وعصیۃ جعل یدعو علیھم فی کل صلوۃ شھرا وھو القنوت فاوحی اللہ تعالی الیہ فی ذلك لما علم من اجابۃ ایاہ اذا دعاہ فی امر فنھاہ عن الدعاء علیھم ابقاء لھم ورحمۃ بھم فقال وما ارسلناك الا رحمۃ للعالمین ای لترحمھم الخ

(۶) ترکِ اسباب بندہ کی حقیقت کے منافی اور حکمِ خداوندی کے خلاف ہے

۲۳ دسمبر ۵۰ء جی چاہا کہ شیخ اکبر کی خدمت میں بھی آج حاضری دیجئے۔ فرما رہے تھے:-

بندہ مقید سے مطلق نہیں ہو سکتا۔ اور خالق مطلق ہے اپنی مرضی سے چاہے تو قیود اپنے اوپر عائد کرے کتب علی نفسہ الرحمۃ میں دیکھو کہ خود رحمت کو اپنی مرضی سے اس نے اوپر واجب کر لیا لیکن غریب مقید بندہ کی قید تو دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ خود مطلق ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا اور اطلاق کے معنی یہ ہوں گے کہ خود غائب ہو جائے۔ اسی طرح ایفاءِ عہد کو بندے کے ایفاءِ عہد کے مقابلہ میں حق تعالیٰ نے خود مقید فرمایا ہے۔ فرمایا اوفوا بعھدی اوف بعھدکم پس ذاتِ حق تو مطلق ہے لیکن اس کے صفات میں تقید کا رنگ ہے مالک مملوک کے بغیر، رب مربوب کے بغیر، الہ مالوہ کے بغیر ناقابلِ فہم ہے۔ یہ کہنا ہے کہ بندہ چونکہ سبب سے اصل مقصود پیدا ہوا ہے اس لئے بغیر سبب کے وہ جی نہیں سکتا عالم کو اسباب کی زنجیر میں جکڑا ہوا جو پیدا کیا گیا ہے اسی لیے کہ بغیر سبب کے غریب انسان رہ نہیں سکتا خوشہ کھیتی میں کھیتی زمین اور بارش

Marfat.com

سے بندھی ہوئی ہے۔ استسقاء کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ منجملہ اسباب کے ایک سبب یہ بھی ہے اسی لیے اسباب سے ترک تعلق کا حکم نہیں دیا گیا کہ بندے کی حقیقت کے منافی ہے۔ ہاں! ایک سبب کو چھوڑ کر دوسرے سبب کو اختیار کر سکتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "انا سببک فعلی فاعتمد، و توکل"۔ شیخ نے فرمایا کہ اسباب کا ثابت کرنے والا ہی آدمی ہے کیونکہ اسباب سے قطع نظر کرنے والا اپنے رب کو کیسے پا سکتا ہے عرف نفسہٗ سے عرف ربہٗ کا نتیجہ سبب ہی کے تعلق پر تو مبنی ہے۔

بلکہ جن چیزوں کی پیدائش کا ذریعہ جن اسباب کو حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے، ان سے قطع نظر کر کے اقدام کرنے والا الشیخ نے فرمایا بڑا بے ادب ہے گویا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ "والی" سے سرتابی کرتا ہے ومن ترک ما قررہ الحق فھو منازع لا عبد وجاھل لا عالم وہ جو ترک اسباب پر گفتگو کرتے ہیں جو لکھا ہے کہ پیاس لگی تو پانی کی طرف دوڑتے نہیں، بھوک لگی تو روٹی کی طرف لپکتے نہیں بڑے محتاط ہوئے تو خود روٹی منہ میں نہیں ڈالتے بلکہ دوسرا ڈالتا ہے مگر چباتا خود ہی ہے پھر ترک اسباب کا ہذیان، ہذیان کے سوا اور کیا رہا۔ کم از کم سانس لینے سے تو کوئی بچ نہیں سکتا یہ بھی تو سبب ہی ہوا کہ سانس نہ لے اور مر جائے تو خودکشی کا مجرم بن کر جہنم جائے اور یہ سارے اسباب ہی کے تو حصے (انواع) ہیں۔

کیا تارک اسباب عبادت ہی چھوڑ دیں گے؟ جوش میں فرمایا:۔

فقد القیت بیدک علی مدرجۃ الحق واثبت لک الطریق التی وضعھا اللہ للعبادۃ۔ (ص ۹۶ / ج ۳)

(۷) اسباب پر بھروسہ شرک خفی ہے !!!

۲۶ ستمبر ۱۹۵۰ء شیخ اکبر کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی جو کچھ فرما رہے تھے اس میں بعض دلچسپ باتیں میسر آئیں۔ فرمایا:۔

(۱) حق تعالیٰ نے اسباب کو پیدا کیا جن کی حیثیت گویا حجاب کی ہے جس نے ان کو حجاب سمجھا وہ ان ہی اسباب کی راہ سے حق تک پہنچا اور جس نے ان ہی اسباب کو رب بنا لیا وہ محروم ہوا۔ عربی کا فقرہ بڑا بلیغ تھا ھی (الاسباب) توصل الیہ (الی اللہ تعالیٰ) کل من جعلھا حجابا، وھو لمقید عنہ کل من اتخذھا اربابا۔

اور فرمایا کہ،

شرک خفی جانتے ہو کیا ہے؟ اسباب پر بھروسہ یعنی اسباب جب سامنے ہوں تو دل ٹھکانے رہے اور نہ ہوں تو گھبرا اٹھے۔

فرمانے لگے کہ

"مومن" کی یہ سب سے بڑی دینی مصیبت ہے قرآنی آیت وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (سورہ یوسف) کی تلاوت فرماتے ہوئے شیخ نے کہا کہ،

باب الاشارہ سے کہتا ہوں کہ اس میں شرک خفی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ایمان کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ واللہ اعلم!

پھر تقریر کی کہ

مراد اس آیت میں اگر شرک سے شرک جلی ہو، تو ایمان کے ساتھ جمع کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ شرک جلی تو یہ ہے کہ غیر اللہ کو الٰہ بنانے میں خالق تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے یہاں شیخ کے کلام میں کچھ گنجلک ہے (ص۵۹۳ ج ۴ میں دیکھ لینا چاہیئے) پھر حضرت معاذؓ والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے بڑی دقیق بات فرمائی:-

اس میں ارشاد ہوا ہے کہ "ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئاً" شیئ کا لفظ عام ہے اس لیے شرک خفی وجلی دونوں کو شامل ہوا، وعدہ یہ کیا گیا ہے کہ اس کی جزا یہ ہے کہ اذا فعلوا ذلک ان لا یعذبھم

شیخ نے کہا کہ

اسباب پر اعتماد اور بھروسہ کرنے والے اسی دنیا میں عذاب میں مبتلا رہتے ہیں بایں طور کہ اسباب جب تک سامنے رہتے ہیں تو اس تکلیف میں رہتے ہیں کہ اگر یہ غائب ہو گئے تو کیا ہو گا! اور جب غائب ہو جاتے ہیں تو اس وقت کی اذیت ظاہر ہی ہے۔

فرمایا کہ:- فھم معذبون علی کل حال فی وجود الاسباب وفقدھا — ہر حال میں دکھ اٹھاتے ہیں اسباب ہوں جب بھی نہ ہوں جب بھی۔

Marfat.com

مگر جس نے شرک سے دل کو پاک کر لیا اور اسباب میں سے کوئی سبب اس کے خیال میں حق تعالیٰ کا شریک باقی نہ رہا تو نچنت (مطمئن) ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اسباب کا وجود اور عدم دونوں اس کے لیے برابر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا بھروسہ جس پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس کی صفت ہی یہ ہے کہ جہاں سے سان و گمان بھی نہ ہو وہاں سے چیزوں کو سامنے لائے وھو اللّٰہ قادر علیٰ تیانا موہ من حیث لا یحتسبون قرآن کی آیت بھی ہے ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب

تقویٰ معلوم کرنے کی علامت شیخ نے فرمایا کہ:-

"تقویٰ" کا تحقق آدمی میں ہوا ہے یا نہیں اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ روزی ایسی جگہ سے آنے لگے جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔ اور جب تک ان ہی راہوں سے روزی ملتی ہے جہاں سے گمان ملنے کا ہو تو ابھی "تقویٰ" کی علامت اس میں قائم نہیں ہوئی ہے۔

شیخ نے اس کے بعد تنبیہہ کی کہ

میرا مطلب یہ نہیں کہ اسباب کی راہ سے طلب و جستجو رزق کی لوگ ترک کر دیں کیونکہ اسباب کو تو حق تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں۔ حق تعالیٰ کے مقررہ قانون سے اعراض تو خود خدا سے سرکشی ہے (کسی مجلس کے مذاکرہ سے یہ نقل کر رہا ہوں) بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل کو دیکھے کہ اعتماد اور بھروسہ اس کا کس پر ہے، اللہ پر ہے یا اسباب پر ہے؟ یہ ایک ذہنی باطنی کیفیت ہے، ہر شخص اپنے باطن کے حال سے خود آگاہ ہے۔

اسباب کے وجود و عدم کا برابر ہو جانا تکمیل ایمان کی نشانی ہے شیخ نے فرمایا کہ:۔

مجھے نیند آ گئی خواب سے بیدار ہوا تو دو شعر جن سے پہلے میں واقف نہ تھا زبان پر جاری پائے۔

لا تعتمد الا علی اللّٰہ — فکل امر بید اللّٰہ
وھذہ الاسباب حجابہ — فلا تکن الا مع اللّٰہ

Marfat.com

بہرحال دل کو ٹٹو لو اگر اسباب پر اس کا بھروسہ پاتے ہو تو اپنے ایمان کو چاہیئے کہ تم متہم کرو اور سمجھ لو کہ تم وہ آدمی نہیں اور اگر اسباب کا وجود و عدم تمہارے دل کے سامنے برابر ہو گیا ہو تو میں بشارت دیتا ہوں کہ ایسا مومن جو کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتا وہ تم اب ہو گئے ہو۔ یعنی ومایومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون والے زمرہ سے تم خارج ہو گئے ہو اور بجائے اکثریت کے اقلیت میں آ گئے ہو اس کے بعد اگر رزق لا یحتسب تمہارے سامنے آنے لگے تو مبارک ہو کہ تم "متقین" کی جماعت میں داخل ہو گئے!!

لطیف نکتہ اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عادی اسباب کی راہ سے بھی روزی اگر مل رہی ہو مگر دل میں یہ احساس ہو کہ یہ روزی ان اسباب سے مجھے نہیں ملتی، تو تم نے سمجھا کہ یہ روزی کیا ہو گئی؟ جہاں سے گمان ملنے کا تھا وہاں سے نہیں مل رہی ہے۔ پس تم عادی اسباب سے روزی پاتے ہوئے اپنی اس قلبی کیفیت کی وجہ سے متقی باقی رہے۔ شیخ نے اس موقع پر "تقویٰ" کا ایک نیا مطلب اپنے مذاق کے مطابق بیان کیا کہ "اسباب پر اعتماد قائم ہو" حق تعالیٰ المتقی کے قلب کو اس غلط اعتماد سے بچا لیتے ہیں یعنی وقایہ کرتے ہیں، وہ تقویٰ کا مادہ ہے۔ (ص ۵۹۴ ج ۴)

(شیخ کے بیان سے ذہن منتقل ہوا کہ ومایومن اکثرھم باللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کو خالق ماننے والوں میں بہت سے لوگ مشرک رہ جاتے ہیں یہ مراد نہیں ہے کہ الٰہ واحد ماننے والے بھی مشرک ہوتے ہیں فوخ الاختلاج)

(۸) قرآن کی جسمانی صورت کا نام محمدؐ بن عبداللہ ہے

۶ نومبر ۱۹۵۰ء شیخ اکبر کی مجلس سعید میں مدت کے بعد آج حاضری سے برکت اندوز ہوا فرما رہے تھے قرآن میں ارشاد ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ انک لعلیٰ خلق عظیم اور حضرت عائشہؓ والی روایت میں ہے کان خلقہ القرآن (رسول اللہ کا خلق قرآن تھا) دونوں جگہ بجائے اخلاق کے "خلق" کا مفرد لفظ اسی لیے استعمال کیا ہے کہ تمام مکارم اخلاق کی جامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی پھر دیکھو قرآن کی صفت بھی "عظیم" قرآن ہی میں بیان کی گئی ہے اور رسول اللہ کے خُلق کی صفت بھی "عظیم" ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ "قرآن رسول اللہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ہیں"

شیخ کے الفاظ تھے :-

Marfat.com

فلافرق بین النظر الیہ (قرآن) وبین النظر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(یعنی قرآن کا دیکھنا اور رسول اللہ کا دیکھنا ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے)

فرمایا کہ :-

قرآن کو جسمانی صورت عطا کی گئی اسی کا نام محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے۔

فرمانے لگے کہ :-

قرآن کلام اللہ اور کلام اللہ، اللہ کی صفت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی صفت ٹھہرے اسی لیئے تو قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور یہ کہ ما ینطق عن الھویٰ۔

پھر درمیان میں کچھ آیت قرآنی ان ناشئۃ اللیل ھی اشد وطئا واقوم قیلا کے متعلق بعض اشارے شیخ نے کیے ہیں جن کا ذکر بعد کو کروں گا اس معترضہ جملہ کے بعد شیخ نے کہا۔

قرآن جب تک موجود ہے رسول اللہ موجود ہیں | قرآن جب تک موجود ہے اس وقت تک یہ خیال غلط ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے روپوش ہو گئے اور یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ آپ کی وارث "اُمّت" میں قرآن کو جو اپنا "خلق" جس حد تک بنا رہا ہے گویا اس کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر سے مبعوث ہوئے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ رہنا یہی ہے۔ کہ آپ کی سُنّت زندہ کی جائے اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کیا اس نے ساری انسانیت کو زندہ کیا کیونکہ انسانیت کاملہ کی مظہر اتم آپ ہی کی ذات مبارک ہے۔ فانہ مجموع الاتم دامیں ناصح الاکمل۔

قرآن میں رات کے ناشئۃ کے متعلق جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "قیل" یعنی گفتگو کے لحاظ سے وہ "اقوم" ہے تو قرآن سے زیادہ مستحکم شے اور کیا ہو سکتی ہے اور "وطاء" کے معنی اگر "تمہید" ہو تو قرآن ظاہر ہے جو جامع الکتب ہے ساری آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور ان کے آخری ایڈیشن ہی کا نام تو قرآن ہے اور وطاء کے معنی اگر ثبات کے ہوں تو قرآن سے زیادہ ثابت و برقرار رہنے والی چیز اور کیا ہو

سکتی ہے کیونکہ ساری کتابیں آسمانی اس سے منسوخ ہوئیں اور وہ منسوخ نہ ہوا نیز جو کچھ آسمانی کتابوں میں تھا قرآن میں وہ بھی ہے اور جو ان کتابوں میں نہ تھا وہ بھی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ سارے کمالات تھے جو تمام پیغمبروں کو عطا کیے گئے۔ اور ایسے کمالات بھی موجود ہیں جو دوسروں میں نہ تھے اور یہی حال آپ کی اُمت کا بھی ہے کہ ساری اُمتوں کو جو کچھ ملا وہ بھی ان کو ملا اور جس سے دوسری اُمتیں محروم ہیں اُمتِ محمدیہ اس سے بھی سرفراز ہوئی۔

نماز میں شہود حق کا طریقہ شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

نماز میں شہود حق تعالیٰ کی کوشش بمعاونت حق کی جاتی ہے بندہ عمل کا ڈھانچہ اور قالب تیار کرتا ہے اور شہود حق سے اس قالب میں روح پیدا ہوتی ہے ایاک نستعین کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ:۔

حیات جو معفنات (سڑنے گلنے والی چیزوں) میں طبیعت پیدا کرتی ہے تو صرف احساس کا ظہور اس حیات سے ہوتا ہے لیکن جس حیات سے عملی صنائع کی قوت پیدا ہو یہ الٰہی روح ہے۔

ایک نکتہ یہ بھی ارشاد ہوا کہ

نماز میں بندے کے سامنے نہ اپنی ذات رہنی چاہیئے اور نہ اس کا خیال کہ خدا نے اپنی صفات پر اس کو پیدا کیا ہے کہ اسی خیال سے "کبریائی" کا جذبہ آدمی میں ابھرتا ہے۔

(۹) محسنین کا اجر ضائع نہ ہونے کی توضیح ۱۳ نومبر ۱۹۵۰ء شیخ ابن عربی کی مجلس قدس میں حضور کا شرف حاصل ہوا قرآنی آیت ان اللہ لایضیع اجرالمحسنین کے متعلق فرما رہے تھے اور خاص حال میں فرما رہے تھے ساری گفتگو کا احاطہ دشوار ہے تاہم اپنی سمجھ میں جو بات آئی وہ یہی تھی کہ عمل کا احسان جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہ ہے کہ عمل کے وقت حق تعالیٰ کے حضور کا احساس بندے میں پایا جائے خواہ یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے یا وہی گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

Marfat.com

شیخ نے فرمایا کہ :-

بندے کی حیثیت سمجھو کہ مادہ اور ہیولیٰ جیسی ہے گویا وہ مٹی ہے اور عمل کی حیثیت صورت کی ہے مثلاً مٹی کو پرندے کی شکل عطا کی جائے اور حضور احسانی کی حیثیت روح کی ہے یعنی مٹی سے بنے ہوئے پرندے میں روح پھونک دی گئی جیسا اس شکل میں عمل کا صدور بندے سے ہوتا ہے تو اب یہ جیتی جاگتی "شے" بن جاتی ہے اور قرآن کی مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے عمل کا اجر ضائع نہیں ہوتا یعنی ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

شیخ نے کہا کہ

یہ زندہ جیتا جاگتا عمل ہمیشہ عامل کے لیے استغفار کرتا رہتا ہے۔

آگے شیخ نے کہا کہ۔

من عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض اس کے متعلق بھی "لا یضیع" کی اطلاع دی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ "روح" یعنی احسان کے بغیر بھی حق تعالیٰ عامل کے عمل کو باقی رکھتے ہیں خواہ اچھا عمل ہو یا برا اسی لیے جب تائب توبہ کرتا ہے تو اس کے ہیئات اور برے اعمال کو حسنات کا قالب عطا کر دیا جاتا ہے۔

کل ما سویٰ اللہ حق تعالیٰ کا عرش ہے | ابھی یہ تقریر مکمل نہیں ہوئی تھی کہ کسی ضرورت سے کتاب بند کرنی پڑی صفحہ بھی یاد نہ رہا مجبوراً دوسری جگہ سے مضمون لینا پڑا دیکھو ص ۲۱۲ ج ۴۔ عرش پر گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ :-

ہمارے شیخ المغربی قرآنی آیت الرحمٰن علی العرش استویٰ کی تلاوت کرتے ہوئے "العرش" کے لفظ پر ٹھہر جاتے اور استویٰ له ما فی السمٰوات وما فی الارض وما بینهما وما تحت الثریٰ کی تلاوت اس کے بعد کرتے، کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے سوا، جو کچھ ہے کل ما سویٰ اللہ حق تعالیٰ کا عرش ہے بکل شئ محیط کا مطلب بھی یہی ہے، ہر شے پر وہ مستوی ہے اور شان احاطت و علو حقیقی اسی کی ذات غنی و حمید کو ثابت ہے۔

Marfat.com

(۹) اپنی بڑائی کا خیال بھی مہلک ہے۔ | شیخ نے فرمایا :-

جن لوگوں کے قلوب میں علو کی جھلک پائی گئی اس کا منشا حق تعالیٰ کا بھی ذاتی علو ہے۔ مثلاً ان فرعون علا فی الارض یا تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا سمجھنے کی بات یہ ہے کہ علو نہیں بلکہ علو کا ارادہ بھی دارالاخرۃ کی عیشۃ راضیۃ سے آدمی کو محروم کر دیتا ہے خواہ اس ارادے کو چاہنے والوں کو کامیابی حاصل ہو یا نہ ہو پس نتیجہ یہ ہوا کہ بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ اس واقعہ کا احساس اپنے اندر زندہ رکھے کہ وہ عبدیت اور بندگی کے مقام پر ہے۔ علو میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے جو اس احساس کو اپنے اندر بیدار رکھے گا، دوسری زندگی میں اس کو علو کا مرتبہ عطا کیا جائے گا۔

(۱۰) تحقیقِ کرامت | ۹ جنوری ۱۹۵۱ء بہت دنوں کے بعد شیخ اکبر کی مجلس کا خیال آیا حاضری آسان کی گئی کرامت پر گفتگو فرما رہے تھے۔ ذکر یہ تھا کہ اولیاء کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جن سے کرامتیں ظاہر نہیں ہوتیں جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں بعض تو ان میں ایسے ہوتے ہیں کہ مرتبہ حق تعالیٰ کے ہاں ان کا گو بلند ہوتا ہے مگر خرق عوائد کی قدرت ان کو عطا نہیں ہوتی اور ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قدرت تو اس کی مل جاتی ہے لیکن اظہار نہیں کرتے۔

پھر فرمانے لگے :-

ابو السعود بن شبلی انہی بزرگوں میں تھے خود فرماتے تھے کہ ایک سال سے یہ قوت مجھے عطا ہوئی ہے مگر اس کو استعمال نہیں کرتا۔ ابن شبلی کا بیان تھا کہ میری طرف سے حق تعالیٰ سب کچھ کرتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ کا کام کیا رہ گیا ہے تو بولے صرف دو کام پنجوقتہ نماز اور موت کا انتظار مثال ہماری اس مرغی کی ہے جس کا منہ دانے چگنے میں لگا ہوا ہے اور ٹانگ چلنے میں۔

شیخ نے پھر اپنا حال بیان کیا کہ :-

ان سطروں کو جب میں قلم بند کر رہا تھا تو دل میں آواز آئی حق نے سر میں خطاب کیا۔ مجھے جس نے وکیل بنا لیا اس نے اپنے معاملات کے انصرام پر مقرر کیا بس اس کو حق ہے کہ

Marfat.com

مجھ سے دریافت کرے اور میرا کام ہے کہ حساب اس کو سمجھاؤں۔

شیخ نے کہا کہ

بات ہی الٹ جاتی ہے اور مراتب معکوس ہو جاتے ہیں جن بندوں کو اللہ تعالیٰ چن لیتے ہیں ان کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں۔

شیخ نے اسی موقع پر ایک فلسفی کا قصہ جو ان کے سامنے گزرا تھا بیان کیا کہ نبوت و معجزات کا منکر تھا نار ابراہیم کی تاویل غضب نمرود سے کرتا تھا۔ ایک صاحب بیٹھے تھے انگیٹھی رکھی تھی، موسم سرد تھا انگیٹھی سے انگارہ نکال کر فلسفی کے کپڑے پر ڈال دیا اور فلسفی انگارے کو الٹتا پلٹتا رہا۔ ہاتھ نہ جلا پھر انگارے کو انگیٹھی میں ڈال دیا۔ اور کہا کہ اب نکالو، ہاتھ فلسفی کا جلنے لگا۔ تب بولے کہ دیکھا تم نے آگ خود کچھ نہیں کرتی بلکہ حکم کی تابع ہے۔

اسی مجلس میں شیخ نے فرمایا کہ:۔

الحلاج وغیرہ پر جن علماء نے فتویٰ دیا تھا وہ ماجور تھے اور یہ بھی کہا کہ تکلیفی عقل جب تک باقی ہے شریعت کے قانون سے کوئی مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔ اگر شخصی معاملہ کسی کے ساتھ کیا گیا بھی ہو۔ جیسے اہل بدر کے ساتھ کیا گیا تو اس کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہوگا دنیا میں تو شریعت کا قانون سب پر نافذ ہوگا۔ (ص ۴۶ ج ۲)

تحقیق "تفکر" ضرورت سے کتاب اس مقام پر بند کرنی پڑی۔ شیخ نے "فکر" پر دلچسپ تقریر کی ایک چیز سے پار ہو کر دوسری چیز تک پہنچنا شیخ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہی فکر کا مطلب ہے صنف بشری کی اس کو خصوصیت شیخ نے قرار دیا ہے۔

فرمانے لگے کہ:۔

موجودات میں غور و فکر اس لیے کرنا کہ خود وہ کیا ہیں، یا کن حقائق پر مشتمل ہیں آدمی اس کا مکلف نہیں ہے۔ بلکہ کس چیز پر وہ دلالت کر رہے ہیں اور ان سے راہ نمائی کس مسئلہ کی طرف ہوتی ہے موجودات کے متعلق یہی فکر مطلوب ہے پھر قرآنی آیت یتفکرون فی خلق السموات کو پیش کر کے فرمایا کہ " سماوات و ارض " کی آفرینش فکر کرنے والوں کو اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ جس کا علم ان کو پہلے سے نہ تھا۔ قرآن

Marfat.com

ہیں اسی کو ان کی زبان سے ادا کرایا گیا ہے۔ یعنی "ھذا باطلا" (ربے نتیجہ اے پروردگار تو نے اس کو نہیں پیدا کیا ہے) پھر بھی فکر شیخ فرماتے ہیں ان کے مشاہدے کے سامنے جہنم کو لے آئی اسی لیے "فقنا عذاب النار" سے پناہ چاہی گئی۔

(۱۱) تحقیق "منزل" و "منزلت"

۲۷ فروری سنہ ۱۹۵۱ شیخ محی الدین ابن عربی کی مجلس اُنس و معرفت کا خیال آیا۔ حاضر ہوا آج "منزل اور "منزلت"، مکان اور مکانت کے فرق کو بیان کرتے ہوئے شیخ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض عرفان انگیز باتیں سنائیں منزل اور مکان سے مراد شیخ نے فرمایا کہ حسی مقام ہے۔ اور معنوی مدارج کی تعبیر، شیخ نے کہا کہ میں منزلت اور مکانت۔ کے الفاظ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسی مقامات جن کا آخرت میں مشاہدہ کرایا جائے گا آنکھوں سے لوگ ان کو دیکھیں گے، شیخ نے فرمایا کہ دوسرے عالم میں یہ وہی مقامات ہیں جو حق تعالیٰ کے بساط قرب اور مقعد صدق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا جائے گا اور زور عام یعنی حق تعالیٰ اپنی زیارت جس بڑے دن کرائیں گے اس تجلی کے موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام کا معائنہ دیکھنے والوں کو کرایا جائے گا، رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت یعنی آپ کا معنوی مرتبہ شیخ نے فرمایا اس کے ظہور کا محل علم ہے۔ جب تک خود حق تعالیٰ ہی اس سے لوگوں کو واقف نہ کریں کوئی آپ کے معنوی مرتبہ کو جان نہیں سکتا۔

مقام محمود

شیخ نے اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ "مقام محمود" بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے۔ فرشتوں اور فرشتوں کے سوا گناہ گار بندوں کے لیے شفاعت کی اجازت جن لوگوں کو دی جائے گی ان ہی کی شفاعت کے دروازے کی تعبیر "مقام محمود" کے لفظ سے کی گئی ہے۔ سب سے پہلے اس دروازے کو رسول اللہ کھولیں گے اسی لیے یہ آپ ہی کا مقام خاص ہے آپ کے طفیل میں دوسروں کو بھی موقعہ شفاعت ملے گا۔

مقام الوسیلہ

پھر اسی طرح "الوسیلہ" بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ایک مقام کا نام ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جس سے اوپر کوئی جگہ کسی کے لیے نہیں ہے اسی کے ساتھ کہنے لگے کہ یہ "الوسیلۃ" کا مقام عجیب بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے سوال اور طلب پر

Marfat.com

عطا کیا جائے گا یعنی اُمت پر سعادت کی جو راہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کھلیں اس احسان کے زیر اثر امت حق تعالیٰ سے طلب کرتی ہے[1] کہ اس کے پیغمبرؐ کو "الوسیلہ" کا مقام عطا فرمایا جائے گویا امتنان و تشکر کی ایک عملی شکل ہے جو امت کی طرف سے پیش ہو گی۔

تشکلِ اعمال پھر شیخ ایک دلچسپ بیان میں مشغول ہوئے واللہ اعلم بالصواب اپنے کشف سے یہ باتیں کر رہے تھے یا قرآن وحدیث کے کلیات سے ان نتیجوں کو انہوں نے پیدا کیا تھا۔ بہر حال یہ فرماتے تھے کہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد ایک دلچسپ تماشا پیش ہو گا یعنی سارے اختیاری اعمال و افعال خواہ نیکو کاروں کے ہوں، یا بدکاروں کے، دیکھا جائے گا کہ انہوں نے جسدی قالب اختیار کر لیا ہے اور جن سے یہ اعمال صادر ہوئے ہیں ان کو وہ اچھی طرح جانیں گے اور پہچانیں گے بھی، اعمال و افعال کے جسدی قالب میں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا تقاضا پیدا ہو گا کہ جن لوگوں سے وہ صادر ہوتے ہیں ان کو تلاش کریں اور جستجو و تلاش کے اس تقاضے کی تکمیل میں بڑی سرگرمی ان سے ظاہر ہو گی پھر نیکو کاروں کے اعمال و افعال کے جسدی قالبوں کو دیکھا جائے گا کہ ان کے داہنی طرف ایک راستہ کھلا ہوا ہے اسی راستہ پر وہ چل پڑیں گے چلتے ہوئے وہ ان لوگوں تک پہنچ جائیں گے جن سے وہ صادر ہوئے تھے جن سے جو عمل اور فعل صادر ہوا ہے، ان کو ان کا فعل و عمل پہچان لے گا، اور ان کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ تب عمل کرنے والے اُن پر سوار ہو جائیں گے جو رحمت حق کے مرکز تک اپنے عمل کرنیوالوں کو پہنچا دیگا۔

شیخ نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ نظارہ بدکاروں اور ان کے اعمال و افعال کا ہو گا جسدی قالب اختیار کرنے کے بعد بدکاروں کے یہی اعمال و افعال اپنے آگے بجائے کسی ایک راستہ کے طرح طرح کی گلیاں اور کوچوں کو پائیں گے جن میں بعض بعض سے پھوٹ پھوٹ کر مختلف سمتوں کی طرف دکھائی دیں گے کہ وہ چلے گئے ہیں۔ اعمال و افعال کے ان جسدی قالبوں کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ کس راستہ کو دھر یں اور کدھر جائیں تا کہ جن سے وہ صادر ہوئے ہیں ان تک پہنچ جائیں۔ شیخ نے فرمایا کہ راستوں کی یہ گوناگوں اور ان کی پیچیدگیوں کا مطلب تم نے سمجھا کیا ہے؟ خود کہنے لگے کہ یہ حق تعالیٰ کی شان رحمت

---

[1] اذان کے بعد کی دعا میں ہم حق تعالیٰ سے عرض کرتے رہتے ہیں:۔

اللّٰھم آت محمد الوسیلۃ والفضیلۃ والجنۃ مقاما محمودا۔ اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الوسیلہ اور الفضیلہ عطا فرما اور "مقام محمود" پر مبعوث فرما۔

Marfat.com

کے ظہور کی ایک شکل ہو گی جن سے بدکار اور شقی بھی محروم نہیں ہیں۔ بہر حال جب پتہ نہ چلے گا کہ کدھر جائیں اور کس گلی کو چلنے کے لیے اختیار کریں تب اعمال و افعال کے یہی حبہ ی قالب حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ دعا، اور ذکر میں مشغول ہونے کے بعد پھر ان ہی گلیوں میں وہ پھیل جائیں گے پھر جن سے ان اعمال و افعال کا صدور رہا۔ بعض تو ان میں ایسے ہوں گے کہ ان کے پانے میں ان کے اعمال و افعال کے حبدی قالب کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور بعض بھٹکے بھٹکا دے ان لوگوں تک پہنچ جائیں گے جن سے وہ صادر ہوئے تھے ان کو وہ پہچان لیں گے یہ ملاقات ان کی بالکل اتفاقی اور اچانک ہو گی۔ دیکھنے کے ساتھ ہی لپٹ پڑیں گے اور جن سے وہ صادر ہوئے ہیں ان سے کہیں گے تمہاری جستجو میں ہم بہت پریشان وحیران ہوئے تم نے تو ہمیں تھکا تھکا مارا اور کہیں گے تو لو اب جھکو اپنی پیٹھ پر ہمیں سوار کر لو۔ وہ سوار ہو جائیں گے اور بالآخر اللہ کی رحمت سے ان کا بھی کبھی نہ کبھی ٹھکانہ[1] بن ہی کر رہے گا۔

جیسا کہ دستور ہے اس کے بعد شیخ نے ذرا زیادہ بلند گفتگو شروع کی۔ جب تک صوفیہ کی علمی اصطلاحوں سے صحیح واقفیت نہ ہو اس کا سمجھنا دشوار ہے اس لیے اس حصہ کو ترک کر کے جب سادہ گفتگو شیخ نے شروع کی اسی کو قلم بند کرتا ہوں۔ اس خاص گفتگو کے بعد فرمانے لگے کہ

سیادت رسول اکرمؐ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام چونکہ سیادت اور سرداری ہے یعنی آدم کی ساری اولاد کے آپؐ سید و سردار ہیں اور سب آپ کے ماتحت اور پیچھے چلنے والوں میں ہیں تو اسی سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ رعایا حاکم سے کیا مقابلہ کرے گی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیادت اور پیشوائی و سرداری کا یہ اعزاز اسی زمانہ میں عطا فرمایا جا چکا تھا جب حضرت آدم ابھی کیچڑ اور پانی یعنی "بین الماء والطین" تھے اسی سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ دنیا میں جو بھی کسی قانون اور آئین کے ساتھ اٹھایا گیا خواہ وہ قانون الٰہی ہو یعنی وحی پر اس کی بنیاد قائم ہو یا عقل و فکر کی راہ سے تیار ہوا ہو ہر ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے امداد ملتی رہی ہے۔ اور پہلا شخص جو اس امداد سے

---

[1] شیخ کا مشہور مذہب ہے کہ جہنمی جہنم میں رہتے ہوئے بالآخر ایک ایسے حال تک پہنچ جائیں گے کہ بجائے تکلیف کے جہنمی زندگی سے ان کو ایک قسم کی مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ گویا بجائے الیم کے آخر میں شیخ کے نزدیک جہنمی زندگی صرف "عذاب مہین" کی شکل بن کر رہ جائیگی یعنی ذلت و خواری کی زندگی میں بسر کرنے کی عادی ہو جائیگی۔ بہر حال شیخ کے اسی خیال سے اس آخری فقرے کا تعلق ہے۔ ۱۲

مستفید ہوا وہ خود حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خلیفہ بنائے گئے حضرت آدمؑ کو اسماء کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیت سے امداد فرمائی تھی جس کا اظہار "اوتیت جوامع الکلم" (مجھے جوامع الکلم دیا گیا) کے الفاظ میں فرمایا تھا۔ حضرت آدمؑ کے بعد خلفاء کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ وہ وقت بھی آگیا جو جسمانی قالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت تھا۔ اور اس قالب میں ظہور کی ضرورت اس لیے ہوئی تاکہ آپ کا جو پیغام روحانی و جسمانی دونوں دائروں میں ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ جب جسمانی قالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو گویا یوں سمجھو آفتاب نکل آیا۔ سارے ستاروں کی روشنی آفتاب کی روشنی کے سامنے ماند پڑ گئی بلکہ آفتاب ہی کی روشنی میں ان کی روشنیاں گویا کھپ گئیں اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ سے پہلے "شریعت" کو جن لوگوں نے پیش کیا تھا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اسی لیے جب وہ خود صاحب شریعت تشریف لے آئے تو جس حکم کو چاہا رکھا جسے چاہا منسوخ کر دیا اور گو انسانی اور ناری (یعنی جنی) ہستیاں سب آپ ہی کی اُمت ہیں خواہ آپ سے پہلے پیدا ہوئی ہوں لیکن جسمانی قالب میں جن لوگوں کے اندر آپ ظاہر ہوئے ان کو ایک قسم کی خصوصیت اُمت ہونے میں حاصل ہوئی اور اسی خصوصیت کی بنیاد پر "خیر امت" وہ قرار پائے کیونکہ ان لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روحانی و جسمانی دونوں بشارت کے لحاظ سے ظاہر ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی بشارت میں ظاہر ہونے سے پہلے آپ کی شریعت جن لوگوں نے نیا بتاً پیش کی تھی ان کا جو مقام اور درجہ ہے یہی مقام اور یہی درجہ آپ کی اس اُمت کو حاصل ہوا جس میں جسمانی و روحانی دونوں بشارتوں کے لحاظ سے آپ ظاہر ہوئے، اجتہاد سے نتائج پیدا کر کے "شریعت" کی تفصیل و تشریح کا اختیار اس اُمت کے علماء کو جو دیا گیا ہے اس میں وہی رنگ "تشریع" کا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے پیغمبروں کی خصوصیت ہے۔

مجتہد کا نتیجۂ اجتہاد حق ہی ہوتا ہے! شیخ نے اس موقعہ پر ایک عجیب بات کہی کہ اجتہاد کی شرعی اجازت علماء اسلام کو جب مل چکی ہے تو اپنے اجتہاد میں جن نتیجوں تک وہ پہنچیں گے اسی اجازت ہی کی بنیاد پر تو پہنچیں گے پھر ان کے غلط ہونے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ بلکہ جس نتیجہ تک جو مجتہد بھی پہنچا ہے اس لیے حق ہے کہ حق کا مطلب ہی اس بنیاد پر ہے کہ اجازت یافتہ مجتہد اس نتیجہ تک پہنچا ہے

Marfat.com

رہا حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مجتہد کبھی غلطی کرتا ہے تو اس غلطی کا تعلق ان نتیجوں سے ہے جن کے متعلق پیغمبر فیصلہ کر چکے ہوں اور مجتہد کو اس فیصلہ کی خبر نہ تھی۔ اس نے اجتہاد سے کام لیا اور اتفاقاً ایسے نتیجہ تک پہنچا جو اس کے فیصلہ کے خلاف تھا اور اسی کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ باوجود غلطی کے اجتہاد کا ثواب اس کو پھر بھی ملے گا۔[1]

ہبوط آدم پاداش جرم نہیں کام کی بات شیخ کی مجلس میں آج یہ بھی ہاتھ آئی، سلسلہ گفتگو میں حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر پر پہنچ کر فرمانے لگے کہ زمین میں ہبوط اور اترنے کا حکم ان کو جو دیا گیا تو یہ دیکھ کر کہ جرم کے ارتکاب کے بعد یہ حکم چونکہ ان کو دیا گیا تھا عموماً یہ خیال کر لیا گیا کہ یہ جرم کی سزا ان کو دی گئی۔ شیخ نے فرمایا کہ مگر میں پوچھتا ہوں کہ آدمؑ جن کی پیدائش مٹی سے ہوئی تھی مٹی ہی کے کرّے میں ان کا پہنچنا جلاوطنی کی سزا ہوئی۔ یا اپنے وطن کی طرف واپسی کی یہ شکل ہے؟ اور ہے بھی کچھ یہی بات آخر جرم کے متعلق جب قرآن ہی میں "فتاب علیہ" (یعنی خدا نے آدم کی توبہ قبول کی) کی خبر دی گئی بلکہ سورۂ طٰہٰ میں توبہ کے ساتھ "ثم اجتباہ ربہ" (چن لیا آدم کو خدا نے) کی اطلاع بھی موجود ہے تو معاف شدہ جرم کی سزا کے معنی کیا ہو سکتے ہیں؟ نیز قصور تو آدم نے کیا تھا پھر ارضی زندگی اگر سزائی زندگی ہے تو ان کی اولاد بے چاری سے کب جرم سرزد ہوا تھا۔ جو اس ناکردہ جرم کی سزا بھگت رہی ہے) شیخ نے فرمایا کہ آدم کا وطن زمین کا کرہ بنایا جائے گا۔ علاوہ اس بات کے کہ اسی زمین کی مٹی سے وہ پیدا ہوئے تھے یوں بھی "انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ" (میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں) کے الفاظ میں جس ارادہ کا اظہار حق تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے کیا تھا اس سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ زمین کی خلافت کسی جرم کا نتیجہ نہ تھی۔

---

[1] عام کتابوں میں اجتہادی نتائج کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ اختلاف کی صورت میں کوئی ایک ہی ان میں حق ہو سکتا ہے۔ لیکن ارباب تحقیق کے نزدیک صحیح مسئلہ وہی ہے جو شیخ نے فرمایا، ہاں! خطا و صواب کے متعلق شیخ نے جو خیال ظاہر کیا ہے بعض علماء بجائے اس کے یہ کہتے ہیں کہ کسی واقعہ کی تحقیق مثلاً جس پر چوری کا دعویٰ کیا گیا وہ چور ہے یا نہیں؟ اس حدیث کا تعلق اسی قسم کے مقدمات سے ہے جن میں دو اجر حاکم کو اس وقت ملیں گے جب چوری کی سزا اسی کو دی جو واقع میں چور تھا اور اجتہادی غلطی سے جو چور نہ تھا اگر فیصلہ اس کے چور ہونے کا حاکم دے تو ایک اجر کا مستحق ہو گا۔ ۱۲

Marfat.com

(۱۲) شیخ اکبرؒ کے چند اکابر

۲؍شوال ۱۳۷۰ھ عید کی ملاقات کے لیے شیخ اکبرؒ کی خدمت میں حاضری کی آرزو پیدا ہوئی۔ فرما رہے تھے۔

"میں اسپین (اندلس) کے شہر اشبیلیہ میں جب تھا تو وہاں چند خاص بزرگوں سے ملاقات ہوئی ایک ان میں ابوالیحیی ضنہاجی تھے ظاہری بینائی سے محروم تھے۔ شہر میں زبیدی مسجد میں مقیم تھے ان کی خدمت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ ان کی وفات نہ ہوئی۔ وفات میرے سامنے ہوئی۔ شہر کے باہر پہاڑی پر ایک بلند جگہ تھی ان کے مدفن کے لیے اسی جگہ کا انتخاب کیا گیا۔ پہاڑی کی اس چوٹی پر ہمیشہ تند و تیز ہوا چلتی رہتی تھی۔ لیکن ہم لوگ جب جنازہ لے کر پہنچے راستہ میں تو خاصی دشواری ہوئی، چڑھائی کی وجہ سے بھی اور ہوا کی شدت کی وجہ سے بھی لیکن جوں ہی پہاڑ پر پہنچ کر لوگ قبر کھودنے میں مصروف ہوئے ہوا اچانک بند ہو گئی۔ اس وقت تک بند رہی جب تک دفن سے ہم لوگ فارغ نہ ہوئے تھے ادھر فراغت سے ہم لوگ واپس ہونے لگے پھر وہی جھکڑ کا زور بندھا۔ لوگوں کو اس قدرتی کرشمہ پر تعجب ہوا۔

ان ہی لوگوں میں ایک صاحب صالح بربری بھی تھے اور ایک صاحب کا نام عبداللہ الشرقی تھا ایک اور بزرگ ابوالحجاج یوسف شبرلی تھے۔

صالح بربری شہر اشبیلیہ کی مسجد الرطندہ میں مقیم تھے۔ چالیس سال تک اسی مسجد میں ان کا قیام رہا۔ ابوعبداللہ الشرقی کا حال بھی عجیب تھا میں نے ان کے متعلق عجیب باتوں کا مشاہدہ کیا ایک مکان جس میں وہ رہتے تھے پچاس سال تک وہ اسی میں رہے لیکن اس عرصہ میں چراغ اس گھر میں کبھی نہ جلا۔ ابوالحجاج یوسف، اشبیلیہ ضلع کے مشرقی سمت کی ایک آبادی شبرل میں رہتے تھے۔ یہ ان لوگوں میں تھے جو پانی پر چلتے تھے۔ روحوں سے ان کی ملاقات ہوتی تھی ان کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع مجھے براہ راست میسر آیا۔

شیخ نے آج فرمایا کہ اپنی کتاب "الدرۃ الفاخرہ" میں ان بزرگوں کا حال میں نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں ان ہی بزرگوں کا تذکرہ میں نے کیا ہے جنہوں نے آخرت کی راہ مجھے دکھائی۔ یہ چاروں صاحب ان ہی بزرگوں میں تھے۔

شیخ نے فرمایا کہ قرآنی آیت "یدبر الامر، یفصل الآیات" (اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کو ٹھیک کر رہے ہیں اور نشانیوں کو کھولتے رہتے ہیں۔) ان بزرگوں کا تعلق اسی قرآنی آیت سے تھا۔

Marfat.com

ہر ذرہ کائنات "آیۃ اللہ" ہے فرمانے لگے کہ آیات اور نشانیوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں جو کبھی کبھی عادت اور دستور عام کے برخلاف ظاہر ہوتی ہیں، عوام الناس صرف ان ہی کو "آیات" خیال کرتے ہیں۔ مگر جن بزرگوں کا میں نے ابھی ذکر کیا ان کے نزدیک آیات، قدرت کے ان ہی غیر معمولی مظاہر کا نام نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ بھی یہاں ہے سب ان کے نزدیک آیات اور نشانیاں ہی نشانیاں "فالعالم کله عندھم بالآیات" (یعنی سارا عالم ان کے نزدیک (حق تعالیٰ) کے کھلے کھلے پتے اور نشانات ہیں) ورنہ عوام تو صرف غیر معمولی نشانیوں ہی کو آیات اللہ قرار دیئے ہوئے ہیں۔

شیخ نے فرمایا کہ عام آیات اور نشانیوں کے متعلق یہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر ایک کے لیے وہ آیات معین ہیں خود قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ان میں ان لوگوں کے لیے آیات ہیں جو عقل والے ہیں اسی طرح قرآن میں بعض نشانیوں کے متعلق فرمایا گیا کہ ان کو آیات وہی سمجھتے ہیں جو اولوالالباب یعنی مغز والے ہیں بعض کے متعلق فرمایا گیا جو اولی النھیٰ ہیں، ان ہی کے لیے آیات ہیں،

اسی طرح قرآن میں آیات للمؤمنین، آیات للعالمین، وغیرہ جو الفاظ ہیں ان فروق کو سمجھنا چاہیئے لوگ اس نکتہ سے عموماً غافل ہیں مثلاً جہاں فرمایا گیا کہ عالمین کے لیے آیات ہیں۔ اس سے مراد میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ ہر وہ چیز ہے جو عالم کا مصداق بن سکتی ہے۔

(۱۳) ذات و صفات الٰہی کا ادراک ناممکن ہے شیخ محی الدین ابن عربی کی مجلس فتوحات میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

فرماتے تھے کہ ذرا دیکھنا اس شخص کو جو عالم کی کسی معمولی سی چیز کی ذات کی تحقیق سے معذور ہے وہی حق سبحانہٗ کی ذات و صفات کے متعلق عقلی تیر چلاتا ہے حالانکہ اسی سے ذرا دریافت کرو کہ تمہارا بدن جو نظر آ رہا ہے اس میں دیکھنے، ہنسنے، سونگھنے کی قوتوں کے ماسوا کوئی مزید چیز بھی تمہارے اندر ہے جو ان صفات کا منشاء ہے کیا وہ جوہر ہے؟ عرض ہے؟ ایک ہے؟ چند ہے؟ شرط یہ رکھو کہ جواب عقلی دلائل کی روشنی میں دے۔ یقین مانو! کہ کسی پہلو کو عقلاً وہ متعین نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ مسئلہ کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے یا معدوم ہو جاتی ہے محض عقل کے سہارے پر اس کا بھی قطعاً کوئی متعین جواب نہیں مل سکتا۔ شیخ نے فرمایا کہ اور باتیں بنانے والے اس سلسلہ میں عقلی باتیں جو بناتے ہیں سب قابل اعتراض ہیں۔ اور صحیح بنیاد کسی کی نہیں ہے۔ عربی کے الفاظ شیخ کے یہ تھے " کل ما تخذ دلیلاً فی ذلک

Marfat.com

مدخول لا یقوم علی ساق"

صحیح راہ محض اتباعِ شریعت ہے شیخ نے فرمایا کہ صحیح طریقہ اس راہ میں یہی ہے کہ عقل سے مایوس ہو کر شریعت کا دامن تھام لیا جائے اور دانشمند وہی ہے جو اپنے اوقات عزیز کو ان ہی باتوں میں صرف کرتا ہے۔ جن کا مطالبہ اس سے کیا گیا ہے اور جن کی تعمیل و تکمیل کا وہ ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ فرمایا:۔

فان المدۃ یسیرۃ والانفاس — وقت بہت کم ہے اور ہر سانس جو چلی جارہی
نفائس ومامضی منہا لا یعود۔ ص۱ ج۳ — ہے قیمتی ہے۔ جو گزر گئی پھر واپس نہ ہوگی۔

پس (شریعت نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے وہ یہی ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ الٰہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے۔

ماہیت ذاتِ الٰہی کا کھوج ایمانی راہ سے دوری ہے پھر فرمایا:۔

اے اللہ کے دوست! کبھی اللہ تعالیٰ کی ماہیت یعنی وہ کیا ہے، اس کی کیفیت یعنی وہ کیسا ہے؟ اس کی کمیت یعنی وہ کتنا بڑا ہے، لمبا ہے چوڑا ہے؟ ان سوالوں کو ہرگز ہرگز اپنے دل میں نہ اٹھانا۔ اگر ایسا کرو گے تو جن باتوں کے ذمہ دار اور مکلف بنائے گئے ہو، ان سے ہٹ جاؤ گے اور چاہیے کہ ایمان کی راہ اختیار کرو اور حق تعالیٰ نے جو باتیں تم پر فرض کی ہیں ان کی تعمیل کرو اور صبح و شام اللہ کی یاد میں لگے رہو اور تمہیں تسبیح و تہلیل کے جو الفاظ بتائے گئے ہیں انہیں دھراتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ ہاں اگر ایسا کرتے رہو گے تو اللہ اپنے علم سے تمہیں جو کچھ دینا چاہیں گے دیں گے چاہیئے کہ اپنی عقل، اپنے دماغ کو حاضر رکھو اور جو وہاں سے ملے اس کو قبول کرنے کے لیے تیار رہو۔ یہی کام کی بات اور نفع بخش طریقہ ہے۔ یہی وہ نور اور روشنی ہے جس سے اللہ تعالیٰ دلوں کو زندہ فرماتے ہیں۔ جب یہ نور تمہارے اندر چمک اٹھے گا اور اسی کے ساتھ چلتے پھرتے رہو گے تو شکوک و شبہات تمہارے خود بخود چھٹتے چلے جائیں گے جو عقلی گورکھ دھندوں میں پھنسنے والوں کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ نور کا ظہور جس جگہ پر ہوتا ہے تاریکی وہاں سے خود بخود بھاگ جاتی ہے۔

غور کرنا چاہیئے کہ عقلی دلائل سے بھی واقعی دلوں میں اگر نور پیدا ہوتا ہے تو پھر شکوک و شبہات باقی کیوں رہتے ہیں۔ یاد رکھو کہ نور سے تو تاریکی کا ازالہ ہوتا ہے لیکن تاریکی سے نور کا ازالہ ضروری

Marfat.com

نہیں ہے۔

الحاصل متکلمین کا طریقہ کہ ذات وصفات حق کے متعلق عقلی راہوں سے باتیں کرتے ہیں ان سے نہ نور پیدا ہوتا ہے نہ روشنی۔

شیخ نے اس کے بعد معتزلہ اور متکلمین کے مختلف طبقات کا ذکر کرکے فرمایا کہ باہم ان ہی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر فرقے کے ائمہ بھی مختلف مسائل میں جن کی حیثیت اصولی ہوتی ہے مختلف نظر آتے ہیں۔ مگر دیکھنا، حضرات انبیاء اور رسل علیہم السلام اوّل سے آخر تک اصولی امور میں ایک دوسرے کے ہمنوا ہیں۔ اگر ان میں اختلاف ہوتا ہے تو معمولی مولویوں کے معتقدوں نے ان کی باتیں جیسے نقل کی ہیں چاہیے تھا کہ پیغمبروں کی امتیں بھی اپنے اپنے پیغمبر کے خاص خاص اختلافی نظریات کو نقل کرتیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔

متکلمین اور متبعین کا فرق فرمایا کہ ارباب تقویٰ، اہل کشف جو انبیاء علیہم السّلام کے صحیح پیرو ہیں ان کا حال بھی یہی ہے پس ــــ اے بھائی! قرآن میں جو فرمایا گیا ہے کہ غیر اللہ کی طرف سے قرآن اگر اترتا تو اس میں اختلاف ہوتا اسکی وجہ یہی ہے کہ فکر و نظر والوں کا حال ہر وقت ایک جیسا نہیں ہوتا کبھی سوچتے ہیں اور ایک نتیجہ تک پہنچتے ہیں اور پھر غور کرتے ہیں تو بالکل مخالف نتیجہ ان کے سامنے آتا ہے لیکن نور اللہ میں چلنے والے کی حالت یہ نہیں ہوتی۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ افکار و خیالات ہر شخص کے اس کے شخصی مزاج کے تابع ہوتے ہیں مزاجوں میں چونکہ اختلاف ہے اس لیے فکری و نظری نتائج میں بھی اختلاف کا ہونا ضروری ہوا۔

(۱۴۱) زندگی کے حالات کے مطابق موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ، کل بقر عید کی نماز ہوئی آج جمعہ کا دن ہے۔ جی چاہا کہ شیخ اکبر کی مجلس میں پہنچنے کا شرف حاصل کیا جائے۔ فرما رہے تھے کہ:

آدمی کا جو حال موت سے پہلے ہوتا ہے اسی حال کے مطابق موت کے بعد آثار کا ظہور ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو صرف بندہ بن کر جیتا ہے تو آخرت میں وہی مطلق العنان بادشاہ بن کر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح دنیا میں بادشاہی اور مالک بننے کا شعور حس میں قائم رہتا ہے خواہ اپنے ہاتھ پاؤں، ناک، کان وغیرہ اعضاء ہی کا مالک وہ اپنے کو کیوں نہ سمجھتا ہو، تو اس کا اثر آخرت میں محسوس کریگا

Marfat.com

یعنی اسی حد تک آخرت کی زندگی میں ملک سے وہ اپنے آپ کو محروم پائے گا۔

پس اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ آخرت میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہوگا جو دنیا کی زندگی میں حق تعالیٰ کے آگے انتہائی ذلت۔ سے پڑا ہوا رہے۔ یعنی واقع میں خدا کے سامنے اپنی ذلت کا احساس مسلسل اس میں زندہ رہے۔ اسی طرح آخرت میں اس سے زیادہ ذلیل اور خوار کوئی نظر نہ آئے گا جو دنیا میں عزّت کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ کر مرا ہو۔ شیخ نے فرمایا مطلب میرا یہ نہیں ہے کہ یہاں جو بادشاہ بن کر رہا وہ آخرت میں ذلیل بن کر اٹھے گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی عزّت اور برتری کا خبط جس میں سمایا ہوا ہو اس کے سامنے یہ صورت آخرت میں پیش آئے گی اور ذلّت کے سلسلہ میں بھی یہی مطلب ہے کہ دل میں اپنی ذلّت کا احساس ہو (ورنہ دل میں فرعونیت کا مالیخولیا ہو اور بظاہر لوگوں کے سامنے جو باور کراتا پھرتا ہو کہ میں تو ذلیل ترین مخلوق اپنے آپ کو سمجھتا ہوں (اس کی ذلّت ذلّت نہیں ہے)

اسی طرح دنیا میں ممکن ہے کسی علاقہ میں بادشاہی کا اقتدار کسی کو حاصل ہو لیکن دل میں حق تعالیٰ کے سامنے بجز ایک ذلیل ترین بندے کے اپنے آپ کو وہ اور کچھ نہ سمجھتا ہو۔ (تو آخرت میں ایسے بادشاہ کے لیے بادشاہی ہے۔)

الغرض دنیا میں حق تعالیٰ نے بندے کو کس مقام پر رکھا ہے دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے بلکہ اندر میں اس کے احساس کی نوعیت کیا ہے۔ حق تعالیٰ کے مقابلہ میں ذلت و خواری، محتاجی و مسکنت کے احساس کے ساتھ اپنی سانس زمین کے خاکی کرّے پر پوری کرے گا وہ دوسری زندگی میں عزّت ہی عزّت پائے گا۔ اور یہاں کی زندگی میں اپنی برتری کا جنون جس حد تک جس میں زیادہ ہوگا اسی پیمانے پر آخرت کی زندگی میں اپنی کہتری اور خواری کا مشاہدہ اس کو کرایا جائے گا۔

شیخ نے فرمایا کہ میں نے جو یہ کہا کہ ذلّت کے احساس کے ساتھ مرنے والا مرنے کے ساتھ اپنی عزّت کو اپنے آگے پائے گا اس کا تماشہ بعض لوگوں کو موجودہ زندگی میں بھی کرایا گیا ہے۔

شیخ عبدالکریم ابن ہوازن القشیری نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی اپنی قبر میں دفن کیا جا رہا تھا جب دفن کرنے والے نے کفن کو کھول کر چاہا کہ مردے کے گال سے کپڑے کو ہٹا کر مٹی پر رکھ دے کہ اچانک مردے کی زبان سے آواز آنے لگی۔

"ارے یہ کیا کر رہے ہو جس نے مجھے عزّت بخشی ہے اسی کے آگے مجھے ذلیل کر رہے ہو"

Marfat.com

شیخ نے فرمایا کہ مجھے خود اپنے رفیق عبد اللہ الجیشی کے متعلق یہ مشاہدہ کرایا گیا ہے کہ غسال جس وقت ان کو غسل دینے لگا تو باوجود مردہ ہونے کے سنا گیا کہ غسال سے کہہ رہے تھے کہ "ہاں اب مجھے نہلاؤ" موت کے بعد زندگی کے ان آثار کا جو تجربہ کبھی کبھی کرایا گیا ہے تو شیخ نے فرمایا کہ یہ اس زندگی کا مدار نہیں ہوتا جس سے مردہ محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ عام زندگی جس کی وجہ سے ساری کائنات حق تعالےٰ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہے، مردہ سے زندگی کے ان مظاہر کا ظہور اسی عام زندگی کا ثمرہ ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ تجربہ تو اس کا بھی کیا گیا ہے کہ عبادت کے اس خلوت خانہ کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ باہر سے آکر کوئی ان کی مشغولیت میں خلل انداز نہ ہو۔ تو دیکھا گیا کہ اس قسم کے خلوت خانوں میں عبادت گزار کے مرجانے کے بعد بھی اس خیال اور ہمت کا اثر باقی رہتا ہے۔ پھر شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے خلوت خانے کے متعلق یہ قصہ شیخ نے سنایا کہ شیخ جس حجرے میں عبادت فرماتے تھے اس کا نام بھی انہوں نے "بیت الابرار" رکھ دیا تھا۔ شیخ ابو یزیدؒ کی وفات ہوگئی تو لوگوں نے حضرت کی اس عبادت گاہ کو محفوظ کر دیا اتفاق کی بات کہ ایک شخص بحالت جنابت اسی حجرے میں شب باش ہوا دیکھا کہ اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی حالانکہ وہاں پر آگ نہ تھی سونے والا اپنے جلتے ہوئے کپڑوں کو دیکھ کر بھاگا، اور اس واقعہ کے بعد مسلسل یہ دیکھا گیا کہ جب کبھی اس حجرے کے ساتھ بے ادبی کسی سے صادر ہوتی کوئی نہ کوئی بات ظاہر ہوتی۔

بہرحال شیخ نے فرمایا کہ دیکھو اس حجرے میں شیخ ابو یزید بسطامیؒ اپنی زندگی میں چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا آدمی اس میں داخل ہو کر خلل انداز نہ ہو۔ اب اس کا اثر وفات کے بعد بھی باقی رہا۔

شیخ نے ثابت الغیانی کے واقعہ کا ذکر کیا جو زندگی میں آرزو کرتے تھے کہ مرنے کے بعد ان کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ جب مرے تو قبر میں ان کو نماز پڑھتے ہوئے پایا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں نماز پڑھتے ہوئے قبر میں دیکھا۔

اسی سلسلہ میں شیخ اپنے والد مرحوم کا بھی ذکر فرمانے لگے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کے لوگوں کو عموماً موت کی حالت میں پایا گیا ہے کہ چہرے کو ان کے دیکھئے تو زندہ معلوم ہوں، لیکن نبض پر ہاتھ رکھیئے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ مر چکے ہیں دیکھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ موت اور حیات دونوں کے آثار ایک ہی شخص سے کیسے ظاہر ہو رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے والد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دیکھا کہ کچھ اسی قسم کا معاملہ

Marfat.com

کیا گیا ہم نے ان کو دفن تو کر دیا لیکن ان کا چہرہ چونکہ بالکل ایک جیتے جاگتے آدمی کا معلوم ہوتا تھا اس لیے دل میں خیال گزرتا تھا واقع میں ان کی وفات ہوئی بھی ہے یا نہیں کیونکہ چہرہ تو زندوں کا سا تھا لیکن ان کی نبض قطعاً ساکن ہو چکی تھی اور جیسے بے جان لاشہ میں سانس نہیں چلتی ان کی سانس بھی ختم ہو چکی تھی۔

پھر ذکر اس کا فرمانے لگے کہ والد مرحوم نے وفات سے پندرہ دن پیشتر مجھے اپنی وفات کے واقعہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہ بھی کہہ دیا تھا کہ بدھ کے دن میرا انتقال ہوگا۔ اور یہی ہوا بھی۔ شیخ نے کہا کہ والد مرحوم کی وفات کا واقعہ جس دن پیش آیا یہ عجیب بات ہے کہ مرض کی شدت کی وجہ سے (نشست و برخاست سے معذور تھے) مگر اس دن جس دن مرنے والے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے کوئی تکیہ وغیرہ بھی پیٹھ کے پیچھے نہ رکھا۔ پھر مجھ سے کہنے لگے کہ میرے بچے! آج میرے کوچ کا دن ہے اور "ملاقات کا" شیخ نے کہا کہ والد سے میں نے عرض کیا کہ "اس سفر میں حق تعالیٰ آپ کے لیے امن و سلامتی کے ضامن ہیں اور آپ کی ملاقات بابرکت ملاقات ہوگی" میرے اس جواب نے والد کو خوش کیا۔ اور دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ میرے لڑکے خدا تجھے جزائے خیر عنایت فرمائے۔ تم جو باتیں کیا کرتے تھے میں ان کو سنتا تو تھا مگر سمجھتا نہ تھا اور بعض باتوں کے متعلق دل میں انکار پیدا ہوتا تھا لیکن اب تو ان ہی باتوں کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اچانک ان کی پیشانی پر ایک سفید سی روشنی چمک اٹھی۔ اس کا رنگ ان کے باقی بدن کے رنگ سے بالکل مختلف تھا اس میں چمک دمک تھی اور وہ جگمگا رہا تھا والد کو اپنی پیشانی کے اس نور کا شعور بھی تھا۔ پھر یہی روشنی آہستہ آہستہ پھیلنے لگی پہلے چہرے پر پھیلی پھر بتدریج سارے بدن کو روشنی نے ڈھانک لیا۔ اس حال کو دیکھ کر شیخ نے کہا کہ والد کے دونوں ہاتھوں کو میں نے بوسہ دیا اور ان سے رخصت ہو گیا اور عرض کیا کہ آپ کی وفات کی خبر آئے اس سے پہلے میں جامع مسجد چلا جاتا ہوں، والد نے فرمایا اچھا تم جاؤ مگر اس کا انتظام کر دو کہ کوئی غیر آدمی اس وقت میرے سامنے نہ آنے پائے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کو اور لڑکیوں کو والد نے اپنے پاس بلا لیا۔

لہ چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی وفات کے وقت بھی دیکھا گیا کہ حضرت کی انگلیوں کے درمیان موتی کی طرح کوئی نورانی چیز وفات کے وقت جو لوگ بالیں مبارک پر موجود تھے انہوں نے اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ (مناظر احسن گیلانیؒ)

Marfat.com

جب ظہر کا وقت ہوا تو مسجد ہی میں ان کی وفات کی خبر مجھے پہنچائی گئی۔ میں اسی وقت مسجد سے گھر آیا اور ان کو اسی حال میں پایا کہ چہرے سے تو زندہ معلوم ہوتے تھے لیکن نبض ساکن، ایسا حال تھا کہ دیکھنے والا شک میں مبتلا ہو جائے اسی حال میں ان کو دفن کرنا پڑا۔ ان کے جنازے میں بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔

آخر میں شیخ نے فرمایا کہ بھائی! اللہ میاں کی دین ہے۔ جسے چاہیں اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرمائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسے آدمیوں کی موت اور زندگی برابر ہوتی ہے۔

(۱۵) اخلاقی رذائل کا امالہ مقصود ہے نہ کہ ازالہ

۲۵ ستمبر ۱۹۵۱ء خیال "مجلس فتوحات" کا آیا۔ شیخ کے فتوحات آج بہت دلچسپ تھے فرمارہے کہ اخلاق و رذائل مثلاً حرص و حسد وغیرہ جیسے صفات سمجھے جاتے ہیں کہ برے ہیں اور ان سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن اُمتِ محمدیہ کو جو تعلیم دی گئی ہے اس میں فقط ان صفات کے طریقہ استعمال اور مصرف کو بدل کر ان سے بھی مسلمانوں کو نفع اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً سمجھا رہے تھے کہ حرص اور لالچ کی صفت کی لوگ مذمت کرتے ہیں لیکن اگر حرص اور لالچ کے اسی جذبہ کو علم کے حاصل کرنے میں جو استعمال کرے گا کیا کسی حیثیت سے بھی وہ قابل مذمت ٹھہر سکتا ہے؟ بلکہ برعکس اس کے ستائش اور تعریف ہی کا مستحق ہوگا۔ یہی حال حسد اور جاہ کے جذبہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث لاحسد الا فی اثنین رجل آتاہ اللہ علما فھو یبثہ فی الناس و رجل اتاہ اللہ مالا فھو ینفقہ فی سبیل اللہ (یعنی دو ہی آدمی ایسے ہیں جن سے حسد کرنا جائز ہے۔ ایک تو وہ جسے اللہ نے علم عطا کیا ہو اور وہ اس علم کو لوگوں میں پھیلاتا پھرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اللہ کی راہ میں اس مال کو خرچ کر رہا ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کو دیکھ کر ان ہی جیسے بننے کی کوشش کرنا یہ حسد کے جذبہ کا صحیح استعمال ہے۔

شیخ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو خدا نے سمجھ عطا کی ہے انہوں نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بات صرف ان دونوں مسئلوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانیت میں بلندی اور برتری جن چیزوں سے پیدا ہوتی ہو ان کے حاصل کرنے میں آگے بڑھ جانے کے جذبہ کو جتنا زیادہ ابھارا جائے گا جتنی کہ سب کو پیچھے چھوڑ آگے بڑھ جانے کا ان امور میں جو ارادہ کرے گا وہ تعریف ہی کا مستحق ٹھہرے گا۔

Marfat.com

شیخ نے فرمایا کہ "تخلقوا باخلاق اللہ" (یعنی اللہ کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرو) اس روایت میں اگر غور کیا جائے تو اس میں بھی اشارہ گویا اسی طرف کیا گیا ہے کہ کمالات کا جو آخری سرچشمہ ہے یعنی حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو بھی بندوں کے سامنے اس لیے پیش کیا ہے کہ اس کے کمالات سے قریب تر ہونے کی لوگ کوشش کریں، قرآن مجید میں اس قسم کا ذکر فرماتے ہوئے کہ تم کو عفو اور درگزر سے کام لینا چاہیئے۔ عموماً فرمایا گیا ہے کہ خدا بھی تو عفو اور درگزر سے کام لیتا ہے وہ بھی تو غفور و رحیم ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے، گویا مقابلہ کے میدان میں بندوں کے سامنے حق سبحانہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے۔ اس سے زیادہ وسیع میدان مقابلہ کے اس جذبہ کے لیے اور کیا مل سکتا تھا۔ (جو استعمال کی خرابی کی وجہ سے حسد جیسے رذیلہ کے نام سے بدنام ہو رہا ہے۔ سچ پوچھو تو اس کے صحیح استعمال کے بعد اس سے زیادہ قیمتی عنصر انسانی سرشت میں مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔)

شیخ نے فرمایا کہ مذکورۂ بالا روایت "تخلقوا باخلاق اللہ" (اللہ کے اخلاق و صفات کو اپنے اندر پیدا کرو) اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے کہ ترقی کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی تخلیقی صفت یعنی کن کے ذریعہ سے چیزوں کو پیدا کرنے کی قدرت جو حق تعالیٰ میں پائی جاتی ہے اس کمال تک پہنچنے میں وہ کامیاب ہوئے۔ حالانکہ خدائی کمالات میں یہ کمال آخری کمال ہونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ (جنت کی زندگی میں اللہ کے نیک بندوں میں یہ کمال ظہور پذیر ہوگا۔) الغرض بقول شیخ لولا الحسد ما تعمل القوم فی تحصیل هذا المقام۔ (صفحہ ۱۷۸) ج ۲۔ اگر حسد کا یعنی مقابلہ کا جذبہ آدمی میں نہ ہوتا تو لوگ کن کے اس مقام تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتے۔

انسان کامل یعنی جنتی انسان کو کن فیکون کی قوت عطا ہوگی، اس مسئلہ کو مختلف طریقہ سے شیخ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ قرآنی آیات مثلاً یہی کہ لکم فیها ما تشتهی انفسکم ولکم فیها ما تدعون (اس جنت میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جسے تم چاہو گے اور اس میں وہ بھی ہے جسے تم مانگو گے) یا اہل جنت کی طرف قرآن میں منسوب کیا گیا ہے کہ "قدروها تقدیرا" (جنت والے پیمانہ ان ظروف کا جن میں پیئں گے خود مقرر کریں گے) اور "یفجرونها تفجیرا" (جاری کریں گے جنت کی نہروں کو پھوڑ کر) ان ہی مجمل آیتوں کی تفسیر ایک روایت میں جو کی گئی ہے۔ شیخ نے اسی روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

Marfat.com

"خبر میں آیا ہے کہ جنت والوں کے پاس خدا کا فرشتہ آئے گا پہلے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرے گا۔ اور ان کے پاس پہنچکر ایک مکتوب حوالے کرے گا یہ مکتوب خالق کائنات کی طرف سے اہل جنت کے نام ہوگا جس میں سلام کے بعد لکھا ہوگا کہ خدائے حیّ وقیوم کی طرف سے جو کبھی نہ مرے گا یہ خط ہے بنام ان لوگوں کے جو حیّ (زندہ) اور قیوم ہو چکے ہیں اور کبھی نہ مریں گے امابعد (پس معلوم ہو کہ) میں جس چیز کو کہتا ہوں کہ وہ ہو جائے۔ وہ ہو جاتی ہے (یعنی کن کہتا ہوں فیکون پس وہ ہو جاتی ہے) اور اب تم کو بھی میں یہی بنا دیتا ہوں کہ جس شے کو کن کہو گے وہ ہو جائے گی۔"

اصل عربی عبارت اس نامہ الٰہی کی شیخ کے بیان کے مطابق یہ ہوگی۔

"من الحی القیوم الذی لا یموت الی الحی القیوم الذی لا یموت امابعد فانی اقول للشئ کن فیکون وقد جعلتک الیوم تقول للشئ کن فیکون" (ص ۳۸۸ ج ۳)

شیخ نے فرمایا کہ اس خط کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ (اس خط کو پانے کے بعد) جنت والوں میں سے جو بھی کسی چیز کو کن کہے گا تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ فوراً وہ چیز ہو جائے۔

شیخ نے فرمایا کہ "شئ" کا لفظ عام ہے۔ اس سے زیادہ عام لفظ عربی میں کوئی نہیں جنت میں انسانی قوت ترقی کر کے کہاں تک پہنچ جائے گی۔ اس کا اندازہ کرنا چاہیئے۔

اسی کے ساتھ کہنے لگے کہ اہل اللہ کا یہ اتفاقی ذوق ہے (یعنی تجربہ کر کے وہ اس کا مزہ چکھ چکے ہیں) کہ موجودہ زندگی میں بھی یکسوئی کا ملکہ آدمی میں جب پیدا ہو جاتا ہے ایسی یکسوئی کہ آدمی ایک بسیط ذات بن جائے تو جس کام پر اپنی ہمت کو وہ مرتکز کرے گا۔ وہ ہو کر رہتا ہے۔

الغرض خیالی طور پر ہم میں ہر شخص اس قدرت کو اپنے اندر جب پاتا ہے کہ جس چیز کا بھی خیال کرے وہ عالم تخیل میں اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے لیکن اس کی اس خیالی مخلوق سے دوسروں کے حواس تو کیا متاثر ہوں گے خود پیدا کرنے والے کی آنکھیں بھی اس کو نہیں دیکھ پاتیں بلکہ صرف ذہنی احساس کا تعلق ان خیالی مخلوقات کے ساتھ قائم رہتا ہے گویا کن فیکون کی قوت کا ایک ضعیف درجہ آدمی میں

Marfat.com

"بندار" پایا جاتا ہے مصر عالم کی حقیقی تخلیقی قوت یعنی حق سبحانہ' تعالیٰ کے ساتھ ربط پیدا کرتے ہوئے بالآخر اپنی اس قوت کو ارتقاء کے اس نقطہ تک پہنچا پایا جاتا ہے جس کا تجربہ جنت میں لوگوں کو کرایا جاتا ہے کہ جس چیز کو بھی حکم دیں گے کہ ہو جا وہ اس کے سامنے واقعی موجود ہو جائے گی۔ یہی مطلب ہے کہ آدمی کو حق تعالیٰ کی طرف سے کن فیکون کی قوت جنت میں عطا ہوگی۔

سچ پوچھئے تو زندگی کے موجودہ عبوری دَور کے چند سالوں کو خدا کی مرضی کے مطابق بسر کرنے میں کامیاب ہونے والے آئندہ زندگی میں خدا اور خدا کے قوانین کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہوئے پائیں گے یعنی نفس راضیہ کے متعلق قرآن میں بشارت دی گئی ہے کہ وہ "مرضیہ" بن جاتا ہے۔ یا "رضوا عنہ" (اللہ سے جو راضی ہو گئے) اپنے سامنے "رضی اللہ عنہم" (راضی ہو گیا اللہ ان سے) کے نتیجے کو پائیں گے تو ان ساری باتوں کا حاصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ جنتی زندگی میں جس چیز کا بھی ارادہ کیا جائے گا اس کو حق تعالیٰ پیدا کرتے رہیں گے۔ کن فیکون کی قوت جنت والوں کو مل جائے گی اس کا مآل اور "راضیۃ مرضیہ" کا جو مفاد ہے بتایا جائے کہ دونوں میں فرق ہی کیا ہے۔ آخر کن فیکون کی قوت جنت والوں کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے تو عطا ہوگی پس جو کچھ بھی ہوگا حق تعالیٰ ہی کی داد اور اسی کی عطا کی ہوئی قوت ہی کا تو وہ رہین منت ہوگا۔

(۱۶) توبۂ آدمؑ !

۲۶ ستمبر ۱۹۵۱ء "مجلس فتوحات" ہی کی طرف دل آج بھی کھنچا، پھونچا گفتگو "توبہ" پر فرما رہے تھے،

قصۂ آدم میں قرآنی آیت "فتلقّیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ" وغیرہا آیتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بعض عجیب نکات کی طرف شیخ نے توجہ دلائی، کہنے لگے کہ آدم علیہ السلام کے دل میں حق تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں ڈالی گئیں یعنی جن کلمات کی تلقی آدم کو اپنے رب سے ہوئی ظاہر ہے کہ یہ کلمات حضرت آدم علیہ السلام کی وہ دعا تھی جو قرآن میں آدم علیہ السلام کی طرف بایں الفاظ منسوب کی گئی ہے یعنی آدمؑ نے کہا:-

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔ (القرآن الحکیم)

ہمارے پروردگار ہم نے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور رحم نہ فرمائے گا تو ہم یقیناً ہو جائیں گے ان لوگوں میں جو خسارے کے شکار ہوئے۔

Marfat.com

قابلِ غور پہلی بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی دعاء کے متعلق " فتاب علیہ" یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے آدم کی توبہ قبول ہونے کی خبر دی جارہی ہے تو پھر آدم کو زمین پر اتر جانے کا یعنی اھبطوا کا جو حکم دیا گیا اس حکم کو آدم کی لغزش کی سزا ہم کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے " ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ " (پھر چن لیا آدم کو اس کے رب نے اور اس کی توبہ قبول کی) جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس دعاء کے بعد آدم علیہ السلام اجتباء کی نعمت سے بھی سرفراز ہوئے۔ پھر جس کی توبہ قبول کی گئی اور اجتباء کی نعمت سے نوازا گیا۔ اسی کے متعلق یہ خیال کہ اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے آدم کو زمین پر اترنا پڑا، بجز منطقی تضاد کے اور کیا ہے۔ گویا آدم کی نہ توبہ ہی قبول ہوئی اور نہ اجتباء کا شرف بخشا گیا۔ شیخ نے فرمایا اسی بناء پر میرا خیال تو یہی ہے کہ اتر جانے کے حکم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے درجہ اور مرتبے سے آدم علیہ السلام کو محروم کر کے تنزل کی سزا دی گئی۔ بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی منتقلی سے زیادہ اھبطوا کا مفاد اور کچھ نہیں نکلتا۔ " فھو ھبوط مکان لا ھبوط رتبۃ "

اسی طرح آدم علیہ السلام کی دُعاء میں غور کرو، عام طور پر علماء رسوم (یعنی مولوی لوگ) کہتے ہیں کہ توبہ میں جرم کے اعتراف و اقرار کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آئندہ اس جرم سے باز رہنے کا عزم اور پختہ ارادہ بھی کیا جائے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آدمؑ کی اس دعا میں جرم کے اعتراف و اقرار اور دعاء کے سوا عزم والے جزء کا سراغ کسی لفظ سے ملتا ہے؟ یقیناً اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ آئندہ اس جرم کا اعادہ مجھ سے نہ ہوگا، " اس کا پختہ ارادہ کرتا ہوں " خدا کے سامنے اس قسم کے دعاوی میں مجھے تو کچھ بے ادبی کی بو محسوس ہوتی ہے[1]۔ اور کون جانتا ہے کہ آئندہ اس کے ساتھ کیا صورتیں پیش آنے والی ہیں۔ بالفرض کشفاً کسی کو معلوم بھی ہو جائے کہ اس جرم کا اعادہ مجھ سے نہ ہوگا تو جو بات واقع ہونے والی ہو اس کے متعلق عزم کا اظہار بے معنی ہے اور اس کا علم ہو کہ خواہ کچھ بھی کریں لیکن بہر حال جرم کا اعادہ ہم سے ہو کر رہے گا تو اس اٹل تقدیری فیصلہ کے مقابلہ میں بھی عزم کا اظہار لا حاصل ہے۔ (بحث ۱۸ ج ۲)

لہ یہاں حضرت شیخ سلبِ ارادہ کی کیفیت سے مغلوب نظر آتے ہیں، ورنہ لفظ "ظلمنا" میں تو اپنے ارادہ کا اثبات و اقرار صاف موجود ہے۔ اور اس بناء پر اس کی اصلاح کا عزم گستاخی نہیں بلکہ توبہ کی شرط لازم بن جاتا ہے، واللہ اعلم (غ۔م)

Marfat.com

مجالسِ مولینا رومؒ قدس سرہٗ

(۱) اسرارِ توبہ

۱۹ مارچ ۱۹۵۰ء گیلانی (بہار) عارف معنوی کے دربار میں حاضری کی سعادت میسر آئی ارشاد ہوا، قصہ بیان فرمانے لگے مکتب خانہ میں بچہ پڑھ رہا تھا قل ارایتم ان اصبح ماءکم غورا فمن یاتیکم بماء معین (کہو! اگر تمہارا پانی شک جائے تو تمہارے لیے بہتے پانی کو کون لائے) راستہ سے ایک فلسفی منطق باز ذلیل وخوار گزر رہا تھا۔ قرآنی سوال کے جواب میں بولا، کدال اور بیل سے کھود کر پانی کو نکال لوں گا (یعنی سائنس کے زور سے اس مشکل کو حل کروں گا) رات ہوئی خواب میں فلسفی نے دیکھا کہ ایک شیر مرد سامنے کھڑا ہے اور اس نے کھینچ کر اس فلسفی کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ ایسا طمانچہ کہ دونوں آنکھیں فلسفی کی بہہ گئیں اور شیر مرد پوچھ رہا ہے یعنی:۔ گفت زیں دو چشمہ چشم اے شقی — با تبر نورے بیار ار صادقی

صبح بیدار ہونے کے بعد فلسفی کو محسوس ہوا کہ واقعی اس کی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں، قصہ ختم ہو گیا، آگے مولانا نے فرمایا:۔

چاہتا تو اس پانی کو بھی وہ واپس لا سکتا تھا لیکن اس چشمہ کا پانی کدال اور پھاوڑے سے نہیں بلکہ استغفار اور توبہ کی راہ سے واپس ہو سکتا تھا، مگر افسوس کہ فلسفی استغفار اور توبہ کی سائنس سے جاہل تھا یا جاہل کر دیا گیا تھا،

ارشاد ہوا کہ:۔

توبہ و استغفار کا ذوق بھی ہر شخص کو میسر نہیں آتا۔ فرمایا کہ بدکرداری اور سرکشی و انکار کی سزا آدمی کو یہ ملتی ہے کہ توبہ کی راہ اس کے دل پر بند کر دی جاتی ہے۔

زشتی اعمال و شومی جحود — راہ توبہ بر دل او بستہ بود

فرمایا:۔ نیاز و اعتقاد کی قوت میں جیسے یہ اثر ہے کہ محالات کو بھی ممکن بنا دیتی ہے،

Marfat.com

آگ باغ بن جاتی ہے۔ بجنبہٖ بداعتقادی و بدکرداری کا الٹا اثر یہ ہوتا ہے کہ سونا چھوئے تو مٹی ہو جائے اور صلح کا ارادہ کرے تو جنگ پیدا ہو۔

ہم چنیں بر عکس آں انکار مرد　　مس کند زر را و صلحی را نبرد

فرمایا کہ :-

زشتی اعمال و اعتقاد سے دل پتھر بن جاتا ہے پتھر کو جوت کر غلہ نہیں اگایا جا سکتا۔ ہاں! شعیبؑ جیسے پیغمبروں میں اتنا زور ہوتا ہے کہ پہاڑ کو خاک بنا دیتے ہیں ایسی خاک جس میں کھیتی اگائیں۔ سنگین دلوں کو چاہیے کہ شعیبی رنگ کا آدمی ملے تو اپنا دل اس کے سپرد کر دیں۔

پھر فرمایا :-

فلسفی نے بھی سجود دعا کی تھی مگر اس کی دعا "مسخ" کو کھینچ کر لائی، اچھی قابل کشت مٹی کو بھی اس نے سنگ ریزہ کا میدان بنا دیا۔ بہر حال ہر دل میں ذوق سجدہ پیدا ہو، ہر کام کی مزدوری رحمت میں ملے یہ قدرت کا دستور نہیں فلسفی نے جو محنت کی تھی اس محنت کا صلہ یہ ملا کہ غریب سجدے کی توفیق سے محروم ہو گیا۔

مولٰینا نے پھر "توبہ" کے متعلق تنبیہہ فرمائی کہ "توبہ کر لوں گا" اس بھروسہ پر گناہ کا ارتکاب جو کرے گا وہ توبہ سے محروم کر دیا جائے گا۔ فرمایا کہ اس قسم کا گستاخ آدمی گناہ کے بعد منہ سے توبہ و استغفار کے الفاظ نکالے لیکن نہ اس کی توبہ، توبہ ہے اور نہ اس کا استغفار، استغفار ہے۔

فرمایا :-

توبہ کی حقیقت اپنے ساتھ کچھ علامتوں کو رکھتی ہے جیسے بارش سے پہلے بجلی کڑکتی ہے بادل گرجتے ہیں اسی طرح حقیقی توبہ کرنے والے پر گریہ طاری ہوتا ہے، چلاتا ہے، شور کرتا ہے تو غضب الٰہی کی آگ اسی توبہ کی بارش سے بجھ سکتی ہے

تا نبا شد برق دل آب دو چشم　　کے نشنید آتش تہدید و خشم

بجلی کی کڑک اور بادل کے گرج ہیں جو بارش ہوتی ہے اسی بارش سے کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں باغ

Marfat.com

ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔

پھر مولانا کی توجہ دوسرے مسئلہ کی طرف ہو گئی فرمانے لگے۔

توحید افعالی ان ہرے بھرے کھیتوں، باغوں کو دیکھتے ہو، فاختہ کوکو کر رہی ہے ہر بلبل چہچہا رہی ہے، لالہ دمک رہا ہے، پھول مہک رہے ہیں،

از کجا آوردہ اندیں حلہا   من کریم و من رحیم کلہا

فرمایا:۔

یہ ساری لطافتیں جن کا نظارہ کر رہے ہو، کیا ہیں؟ کسی کا پتہ ہی تو دے رہی ہیں۔

آں لطافتہا نشان شاہدلیست

مگران چیزوں پر اس نقطۂ نظر سے ہر شخص کی نگاہ نہیں پڑتی، بادشاہ کو جس نے دیکھا وہی اس کی نشانیوں کو پہچانتا ہے، بادشاہ دکھایا گیا تھا، جس کے اندر اس کی یاد رہ گئی ہے وہی مست الست بنا ہوا ہے۔

فرمایا:۔

خواب میں کسی کے ایک صاحب آئے اور بتایا کہ کل تم سے ملوں گا فلاں فلاں نشانیوں سے تم مجھے پہچان لوگے مگر اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کرنا، صبح ہوئی خواب دیکھنے والا گلی گلی کوچہ کوچہ میں ڈھونڈھنے لگا، اس کی حرکتوں پر بعضوں کو تعجب بھی ہوتا، بتائی ہوئی نشانیوں کے ساتھ جسے ڈھونڈ رہا تھا اچانک وہ سامنے آگیا، سامنے آنا تھا کہ یہ اس سے لپٹ پڑا، چیخ مار کر بیہوش ہو گیا۔ دیکھنے والے متحیر تھے کہ اس غریب کو کیا ہو گیا۔ مگر ؎

ایں نشاں درحق او باشد کہ دید   آں دگر را کے نشاں آید پدید

الحاصل کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ "مست روز الست" کے لیے ایسا ہی ہے جیسا مچھلی کے لیے پانی، —— ماہی بیچارہ را پیش آمد آب   ایں نشانہا "تلک آیات الکتاب"

مچھلی پانی میں پہنچ گئی، قرآن میں بتانے والے نے اپنی نشانیاں بتائی ہیں۔ ان نشانیوں سے جو اس کو ڈھونڈھے گا پائے گا۔ (دفتر دوم)

Marfat.com

(۲) خدائی امتحان کیوں ہے

بعد مغرب حضرت مولینا کی مجلس میں حاضر ہوا۔ ارشاد ہو رہا تھا۔

ایک دن مرتضیٰ علیہ السلام سے ایک پاجی نے پوچھا اور اس وقت حضرت ایک کوٹھے پر تھے جو کافی بلند تھا۔ پاجی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے محافظ و نگراں ہیں، حضرت نے فرمایا کیوں نہیں؟ بچپن بلکہ آدمی جب نطفہ کی شکل میں رہتا ہے اسی وقت سے وہ بندوں کی حفاظت و نگرانی کرتا چلا آرہا ہے۔ (ورنہ ان نازک منزلوں سے گزر کر آدمی بن سکتا ہے؟ (مناظر احسن گیلانی))

تب پاجی نے کہا کہ تو پھر براہ مہربانی اس کوٹھے سے اپنے آپ کو نیچے گرائیے دیکھیں آپ کی حفاظت آپ کا خدا فرماتا ہے؟ دعویٰ آپ کا مدلل ہو جائے گا۔

جواب میں حضرت مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا، بے وقوف! چپ رہ تو نے بڑی جرأت سے کام لیا، کہیں اسی جرأت کے تم شکار نہ ہو جاؤ! اور اس کو سمجھانے لگے کہ بھائی! اپنے مالک کا امتحان بندہ سے؟ بندہ کو اس کا حق کس بنیاد پر حاصل ہے؟ ارے احمق (کچ وکول) کس کا پتہ ہے کہ اپنے مالک کا امتحان لے۔ ہاں! خدا اپنے بندے کا امتحان لے تو وہ اس کا جائز حق رکھتا ہے۔

یہ مطلب خدا کا امتحان سے نہیں ہوتا کہ جس چیز کو وہ نہیں جانتا امتحان کر کے اس کو معلوم کرے بلکہ ؎

تا بما، ما را نماید آشکار　　کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار

یعنی آدمی خود اپنے باطنی حال سے واقف نہیں ہوتا بہت سی غلط فہمیوں میں اپنے متعلق خود مبتلا رہتا ہے۔ امتحان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے باطنی حال سے وہ خود آگاہ ہو جائے۔ "تا بما، ما را نماید آشکار" چاہتا ہے کہ خود اپنے آپ پر ہم جو کچھ ہیں ظاہر ہو جائیں۔

بہرحال حق تعالیٰ کے متعلق یہ کتنی بڑی گستاخی ہو گی کہ کوئی خدا کے سامنے کھڑا ہو کر کہے، لیجئے میں آپ کے فلاں حکم کو توڑتا ہوں اور امتحان لیتا ہوں کہ آپ میں حکم کا کمال کتنا ہے؟ یہ خیال کر کے جو گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یعنی خدا کے حکم کو جانچنا چاہتا ہے۔ اس کی یہ توجیہہ یا گناہ کا عذر اس گناہ سے بھی بڑھا ہوا پاپ ہے۔

پھر مولینا حسب عادت دوسری طرف متوجہ ہو گئے کہ لوگ دوسروں کو جانچتے پھرتے ہیں حالانکہ سب سے

Marfat.com

پہلے جانچنے کی چیز اپنے لیے ہم خود ہیں،

امتحانِ خود چو کردی اے فلاں   فارغ آئی ز امتحانِ دیگراں

پھر ارشاد ہوا،

اپنے امتحان سے تم پر اگر ثابت ہو کہ تم مرچ نہیں بلکہ شکر دانہ ہو تو اسی سے تم حق تعالٰے کے علم کا سراغ لگا سکتے ہو یعنی اگر تم مستحق نہ ہوتے تو "شکر" تم میں پیدا نہ کرتا۔ دانشمند آدمی کبھی موتی کو سنڈاس[1] میں نہیں ڈالتا اور جو عقل رکھتے ہیں وہ بھوسہ میں گیہوں کو نہیں سڑاتے تو حق تعالٰی جو حکیم و علیم ہیں تجھ میں شکر پیدا نہ کرتے۔

پھر ارشاد ہوا کہ

اسی طرح مرید ہو جانے کے بعد پیر کا امتحان بھی بدبختی ہے بلکہ امتحان لینے والے کا امتحان ہو جاتا ہے کہ یقین کی دولت سے مرید خالی ہے بلکہ تمہارے اندر گستاخی جہالت وغیرہ کے جو جراثیم ہیں وہ پیر کے امتحان سے باہر نکل آتے ہیں،

ارشاد ہوا کہ

ذرّہ پہاڑ تولنے چلا، ترازو اُسے کہاں ملے گی خود اپنے آپ کو ایک پلڑے میں رکھ کر تولے گا۔

چوں نہ گنجد او بمیزانِ خرد   پس ترازوے خرد را بر درد

بہرحال حق تعالٰی کے امتحان کا وسوسہ بھی دل میں کسی کے آئے تو چاہیے کہ فوراً سربسجود ہو کر لڑ گڑائے کہ اے پروردگار اس گمان اور شک کی بیماری سے مجھے نجات عطا فرمائیے۔

پھر مولٰینا نے ایک مثال بیان کی کہ حق تعالٰی کے امتحان کا وسوسہ جس کے دل میں ہو وہ سمجھ لے کہ اس کے دین کے صحن میں عن خروب پیدا ہو گیا ہے۔ خروب کیا ؟ فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے جب مسجدِ اقصٰی کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو حق تعالٰی کی طرف سے ان کو مطلع کیا گیا کہ مسجد کی تعمیر کا کام تم سے نہیں لیا جائے گا، "کیوں پروردگار؟" داؤدؑ نے عرض کی، "تمہارے نغمے پر جانیں گئی ہیں۔" جواب ملا۔

---

[1] بیت الخلاء

"مگر میں تو مغلوب تھا" داؤد نے عرض کیا۔" اب اس کی شرح ہونے لگی، فرمایا کہ "مغلوب تھا" معدوم تو نہیں ہوتا بلکہ نسبتاً اسے معدوم کہتے ہیں کہ اپنی خودی سے غائب ہو کر سب سے بڑی ہستی کے ساتھ وابستہ ہو گیا۔ مسلوب الاختیار نہیں ہوا بلکہ اختیار کا جو آخری سرچشمہ ہے اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا ؎

منتہائے اختیار آنست خود   کاختیارش گشت ایں جا مفتقد

بلکہ "اختیار" کا مزہ اسی لیے آدمی کو چکھایا جاتا ہے تاکہ اختیار مطلق کی طلب اس میں پیدا ہو جس کے حاصل کرنے کی صورت وہی ہے کہ اپنی "انانیت" کھو بیٹھے۔

پھر فرمایا کہ

لذائذ مشروبات و ماکولات کی لذت ترک لذت سے حاصل ہوئی ہے اگر کسی کے لیے یہ چیزیں بے لذت ہو گئیں تو اسی لیے ہو گئیں کہ لذتی بن کر اس نے اتنا مزہ اڑایا کہ ترک کا موقع نہ مل سکا۔ اسی طرح اختیار کی لذت سے آشنا ہو جانے کے بعد اگر کوئی ترک اختیار کچھ دن کرے تو اب اختیار مطلق کی لذت اس کو حاصل ہوگی بجائے اس کے جو اس مجازی اختیار کو کثرت سے استعمال کرنا شروع کرے گا تو اختیار کی لذت سے محروم ہو جائے گا۔ (دفتر چہارم)

(۳) تقلیدی و تحقیقی علم کا فرق!

۴ ستمبر ۱۹۵۰ء مولانا معنوی کی مجلس میں حاضری کی سعادت میسر آئی آج دو لطیفے ارزانی ہوئے۔ دلقک کا لطیفہ جس نے عفیفہ عورتوں کو چھوڑ کر زن بازاری سے عقد کر لیا تھا کسی بزرگ نے دریافت کیا میاں دلقک تم کو نیک چلن عفیفہ عورت نہیں ملتی تھی جو اس بازاری قحبہ سے تم نے عقد کر لیا۔ مجھ سے کہتے تو ایک خوش کردار زن مستورہ پردہ نشین تمہارے لیے مہیا کر دیتا۔

دلقک نے عرض کیا حضرت والا! کیا عرض کروں اس عقد سے پہلے کتنی پردہ نشین مستورہ عورتوں سے فقیر نے نکاح کیا لیکن سب ہی قحبہ بن کر نکل گئیں تب تھک کر میں نے اس بازاری قحبہ سے معاملہ کر لیا دیکھتا ہوں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے دلقک نے کہا کہ

گفت نے مستورہ صالح خواستم   قحبہ گشتند وز غم من کاستم

اس لطیفہ کا ذکر حضرت مولینا نے اپنے اس مشہور شعر کے بعد فرمایا۔ یعنی ؎

Marfat.com

از مودم عقل دور اندیش را　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

جب عقل پر بھروسہ کیا دھوکا اٹھایا، آخر جنون میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔

دوسرا لطیفہ اسی سلسلہ میں "مست" کا تھا۔ دیوار کے پیچھے پڑا قے کر رہا تھا۔ محتسب نے دھر لیا، ابے کون ہے؟ تو نے کیا پی ہے؟ مست نے کہا جو اس گھڑے میں ہے۔ گھڑے میں کیا ہے؟ محتسب نے پوچھا! مست نے کہا جو میں نے پیا ہے، محتسب نے کہا کہ یہ دور والی گفتگو کیا کرتا ہے چل جیلخانے۔ مست نے کہا کہ

گر مرا خود قوتِ رفتن بدے　　　خانۂ خود رفتمے ویں کئے شدے　(ص ۱۵۲)

اسی تاریخ میں دوسری مجلس میں جانے کا شرف حاصل ہوا، بہلول دانا کا قصہ بیان فرما رہے تھے، کہ بانس پر چڑھ کر بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے جو کوئی بات پوچھتا تو کہتے جلدی ہٹو میرا گھوڑا کہیں لات نہ رسید کرے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس عقل و دانش کے ساتھ اپنی یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے، فرمایا کہ میاں! اس شہر کے لوگوں کا اصرار ہے کہ میں ان کے شہر کا قاضی بن جاؤں مگر اس دردسری کو کون خریدے۔ اپنے خزانے کو میں نے جنون کے گھوڑے کے نیچے دبا دیا ہے الحمدللہ کہ مجھ میں "شکر" پیدا ہوئی ہے اور شکر سے خود ہی لذت اندوز ہوتا ہوں ۔

کان قندم نیستان شکرم　　　ہم زمن می روید و من خورم

بہلول دانا نے کہا کہ میرا علم تقلیدی نہیں ہے تحقیقی ہے۔ تقلیدی علم کے متعلق فرمایا کہ عوام و خواص میں روشناس ہونے کے لیے یہ علم حاصل کیا جاتا ہے اس علم سے غرض یہ نہیں ہوتی کہ ع
نے کہ تا یابد ازیں عالم خلاص۔ تقلیدی علم والے کی مثال چوہے کی ہے جو ادھر ادھر سوراخ کھودتا ہے مگر روشنی سے محروم رہتا ہے۔

بہرحال ایسا علم یا ایسی گفتگو جو تقلیدی ہوتی ہے اس میں جان نہیں ہوتی صرف اپنے خریداروں کے عشق میں ایسا آدمی گھومتا پھرتا ہے، رونق اسی وقت تک اس علم کی رہتی ہے جب تک خریدار اس کے ملتے ہوں، خریدار غائب، علم بھی غائب، پس مناسب یہی ہے کہ ان فانی خریداروں کی تلاش چھوڑ دو اور اس علم کو حاصل کرو جو باقی سے رشتہ ملائے یہ مفلس خریدار کیا خریدیں گے۔

ایں خریداران مفلس را بہل　　　چہ خریداری کند یکمشت گل

گلِ مخر گل را مخور گلِ را مجو　　زانکہ گلِ خوارست دائم زرد رو

پس" گلِ خری" سے دست بردار ہو کر " دل خری" میں غرق ہو جاؤ۔　(دفتر دوئم)

(۴) فانی انوار لائق التفات نہیں

۷ ستمبر یوم الجمعہ بعد الاوراد حضرت مولینا معنوی کی خدمت میں حاضر ہوا دریافت فرمانے لگے کہ

بجلی جانتے ہو کس پر ہنستی ہے؟ خود فرمایا ان ہی لوگوں پر جو برق کے نور پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں پھر فرمانے لگے کہ سمندر کے کف پر گھوڑے کو جو دوڑاتا ہے، ڈوبے گا یا پار ہوگا؟ برق کی روشنی میں خط کا پڑھنے والا کیا خط پڑھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟

ارشاد ہوا کہ

نورِ حس پر ٹیک لگا کر بیٹھ نہ جانا چاہیے دراصل یہ وہ نور نہیں جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی، بہرحال حق تعالیٰ سے ہٹ کر کوشش کرنے والے کی حالت وہی ہے کہ

برکف دریا فرس را راندن　　نامہ را در نور برقی[1] خواندن

از حریصی، عاقبت نا دیدنست　　بر دل و بر عقل خود خندیدنست

دریافت فرمایا گیا کہ

آخر عقل و ہوش رکھتے ہوئے دریا کے پھین[2] پر لوگ گھوڑے کیوں دوڑا رہے ہیں، کیا ان کے پاس عقل نہیں ہے؟

ارشاد ہوا کہ

عقل تو ان کے پاس بھی ہے اور عقل کا اقتضا یہی ہے کہ انجام کو نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ مگر ؎

عقل کو مغلوبِ نفس، او نفس شد

---

[1] ہمارے زمانے میں "نور برقی" کی نوعیت بدل گئی اب سب کچھ اسی میں پڑھا جاتا ہے مولینا کے عہد میں بادل والے برق کے سوا اور کوئی برقی روشنی نہ تھی آج کا آدمی اس شعر کو پڑھ کر تعجب کرے گا، یہ زمانہ یوں ہی بدلتا رہتا ہے۔ ۱۲

[2] کف۔

Marfat.com

فرمانے لگے کہ

موجودہ زندگی لمحہ لمحہ میں مختلف حالات سے جو گزرتی رہتی ہے جانتے ہو اس کا راز کیا ہے؟

فرمایا کہ

ضد سے ضد کی پیدائش کا سلسلہ حالات کی قلابازیوں میں جاری ہے، راز یہ ہے کہ ؎

تاکہ از عسری نہ بینی خوفہا　　　که ز یسری بازیابی لطفہا

بائیں طرف سے خوف پیدا ہوتا ہے مگر داہنے جانب سے امید کی توقع مردان خدا کرتے ہیں مقصد یہ ہے کہ "بیم و امید" کے دو پروں سے آدمی اڑے، ایک پر والا پرندہ اڑے گا کہ گر پڑے گا؟ ؎

تا دو پر باشی کہ مرغ یک پرہ　　　عاجز آمد از پریدن یک سرہ

پھر مولانا نے کچھ اشارے میں گفتگو کی

ابراہیمی نور اگر ہو تو "نار" میں بھی "گلزار" کو پالیتا ہے اور فانی انوار کے مظاہر پر پاؤں رکھتے ہوئے بالآخر نور الانوار تک پہنچ جاتا ہے ؎

چوں خلیل از آسمان ہفتمین　　　بگذرد کہ لا احب الآفلین

(دفتر دوم)

(۵) دنیوی و اخروی سزا کا فرق

۲۳ دسمبر ۱۹۵۰ء بعد نماز عید الاضحیٰ مولینا معنوی کی مجلس مبارک میں حاضری کی آرزو پیدا ہوئی فاتحہ خوانی کا الہام ہوا عمل کیا گیا۔ حاضر ہو گیا فرما رہے تھے۔

خواب میں بری بھلی باتیں جو دیکھتے ہو قیامت میں یہی باتیں اچانک تمہارے سامنے آجائیں گی مطلب یہ ہے کہ موجودہ زندگی کے خواب میں جو کچھ دیکھ رہے ہو، حشر کی بیداری میں وہی سب سامنے آجائیں گے میں اس لیے یہ سمجھا رہا ہوں کہ آج کی بدکاری کو یہ سمجھ کر ٹال دینا کہ یہ تو خواب کی باتیں ہیں، صحیح نہیں ہے اس خواب کی ایک تعبیر ہے، موجودہ زندگی کی ہنسی کی تعبیر گریہ کی شکل میں رہیگی! اور یہاں کے رونے دھونے اور آہ و زاری کی تعبیر حشر میں بیداری کے وقت بہ شکل شادمانی نکلے گی۔

Marfat.com

جوش میں فرمانے لگے،

اے یوسف کی پوستین پھاڑنے والو! یاد رکھو کہ بھیڑیے کی شکل میں اپنے آپ کو پاؤ گے جب زندگی اس گہری نیند سے جاگ گئی ہوگی،

یہ تمہارے باطنی اخلاق دراصل مستقل بھیڑیے ہیں جو تمہارے اندر دبے کے ہوئے ہیں اور تمہاری بوٹیاں وہ اڑا رہے ہیں پھر یہ الہامی مصرعہ زبان مبارک پر جاری ہوا کہ

ع تو مگو کہ میرم دہم خلاص

موت کیا ختم کر دے گی تمہارے اعمال کے نتائج کو؟ موت کو نجات کا ذریعہ سمجھنے والے موت کی حقیقت سے ناواقف ہیں (موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟ یہ ایک بے تقصیر شاعر کا کلام ہے۔ مناظر احسن گیلانی)

فرمایا، موت بظاہر تم پر نیند طاری کرتی ہے لیکن تم نے خدانخواستہ اگر خون کیا ہے تو موت کی نیند کے ساتھ ہی وہ جاگ اٹھتا ہے، قتل کے مجرم کو قصاصاً دنیا میں جو قتل کیا جاتا ہے، یہ جرم کی حقیقی سزا نہیں ہے[1] بلکہ جرم کی حقیقی سزا کے مقابلہ میں تو یہ کھیل ہے انما الحیٰوۃ الدنیا لھو ولعب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ

کایں جزا لعبے ست پیش آں جزا

مقصود قصاص یہ ہے کہ دوسروں کی ہمت سرد کر دی جائے۔ فتنہ آگے نہ بڑھے لوگوں کو عبرت ہو مگر یہ سمجھ لینا کہ قتل ہو کر مجرم قتل اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا دھوکہ اور صرف دھوکہ ہے بلکہ اصلی سزا اس کی اس کے آگے بعد الموت حشر کے وقت نمایاں ہوگی۔ دنیا والے قصاص کی سزا اور آخرت والی سزا کے فرق کو ایک دلچسپ مثال سے سمجھایا کہ آخرت والی سزا تو خصی بناتا ہے، اور دنیا کی سزا کی حیثیت ختنہ کی ہے خصی جسے بنا دیا جاتا ہے اس سے بھی کچھ نکالا جاتا ہے اور کاٹا جاتا ہے اور ختنہ میں کاٹا اور چھچھڑا حلقہ کا الگ کر دیا جاتا ہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے دونوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے

آں چو اخصا است ویں چوں ختنہ است

"لا تتفکروا فی الخالق" کا مطلب پھر قصہ موسیٰ علیہ السلام جو پہلے سے بیان ہو رہا تھا اس کی تفصیل میں

---

[1] وسلہ بشرطیکہ مجرم اپنے جرم سے تائب نہ ہو بلکہ پکڑ دھکڑ کر اس کو قتل کیا گیا ہو ورنہ اگر مجرم خود تائب ہے اور اجرائے حد کو اپنے حق میں سزائے آخرت سے تحفظ کا ذریعہ سمجھ کر قبول کرتا ہے تو انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، حدیث شریف میں ایسے تائب کامل صحابی کی مدح آئی ہے۔ (غ-م)

Marfat.com

مشغول ہو گئے۔ اس قصہ میں یہ بات عجیب فرمائی ؎

بود با ایشاں نہاں اندر معاش — کاں شہے کو می ندید ندیش فاش

"معاش" والی زندگی میں خود خدا پوشیدہ ہے جیسے عقل تمہارے کاروبار میں پوشیدہ ہے۔ عقل اور نفس میں فرق یہ ہے کہ عقل بیدار رہتی ہے اسی لیے مجرم کو ملامت کرتی ہے لیکن نفس پر نیند طاری ہے حق تعالیٰ عقل کے قریب ہے لیکن اس قرب کی نوعیت مجہول ہے

تم سو جاتے ہو، لکھنے کی قوت انگلیوں سے غائب ہو جاتی ہے۔ بیداری میں واپس آتی ہے، کیسے آتی ہے؟ یا تمہاری آنکھ میں "نور" کس راہ سے داخل ہوا؟ جب یہ ہی معلوم نہیں تو تمہارا خالق تمہارے اندر تمہارے کاروبار میں کیسے شریک ہے اس کو کیسے جان سکتے ہو، بہر حال "نور" آنکھوں میں آیا کس راہ سے آیا پورب سے آیا، پچھم سے آیا دکھن سے آیا اتر سے آیا نیچے سے آیا؟ کیا جواب ہے ؎

عالم خلق است با سوئے جہات — بے جہت داں عالم امر و صفات

الامر والخلق عالم کی ان دو قسموں میں بھی فرق ہے؟

پھر فرمایا کہ تمہاری عقل ؎

ایں تعلق را خرد چوں پے برد — بستۂ فصل ست و وصل ست ایں خرد

الحاصل عقل ایسے قدرتی قوانین میں جکڑی ہوئی ہے کہ "خالق" کو اپنی گرفت میں نہیں لا سکتی پس

جز کہ لا احصی نگوید او زجاں

لا تتفکروا فی الخالق کا مطلب یہی ہے۔ ——— (مجلس ختم ہوگئی)

——— (دفتر چہارم)

(۶) دنیوی نظام اضداد پر قائم ہے

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۱ء، بعد نماز جمعہ مولانا معنوی کی طرف دل نے کشش محسوس کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا ارشاد ہو رہا تھا۔

بھائی! میرا کام تو کہنا ہے، کہتا رہونگا، بلاتا رہوں گا، ؎

لیک دعوت وارد ست از کردگار — با قبول و نا قبول او را چہ کار

نوح پیغمبر علیہ السلام نو سو سال اسی فرض کو انجام دیتے رہے قوم نے نہ مانا تو کیا اپنی دعوت انہوں نے

Marfat.com

ترک کردی؟ کتوں کے بھونکنے سے کارواں کہیں کبھی رکا ہے؟ یا چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر کتے عوعو کرتے ہیں پھر چاند کی حرکت کبھی سست پڑتی ہے؟

فرمایا کہ بیشک نہ ماننے والوں کے انکار سے تکلیف پہنچتی ہے لیکن ان کا انکار جہاں سرکہ پیدا کر رہا ہے تو پیدا کرنے والا اسی مقدار میں "شہد" بھی اس میں ملا دیتا ہے پس نفسیاتی کیفیت سکنجبین بن جاتی ہے ؎ چونکہ سرکہ سرگی افزوں کند پس شکر را واجب افزونی بود

یہ شہد کہاں سے آتا ہے "خم" (دل کے) اندر ایک باطنی راستہ سے دریا (ذات حق) سے آتا ہے۔

فرمایا کہ میاں! عالم کا یہ محسوس نظام اضداد پر قائم ہے، جنگ و صلح، فعل میں، قول میں، طبیعت میں ان ہی اضداد کا نام ہے ؎

ایں جہاں جنگ است چوں کُلی بنگری ذرہ ذرہ ہم چو دیں با کافری

ہاں! ذرہ آفتاب میں جب محو ہو جاتا ہے تو اب آفتاب سے جنگ ختم ہو جاتی ہے انا الیہ راجعون کی حقیقت ذرہ کو آفتاب بناتی ہے۔

ہاں! جب موجودہ نظام ختم ہو جائے گا اور دوسرا نظام عالم قائم ہو گا تو اس کی بنیاد اضداد پر نہ ہو گی یہاں تو ضد ضد کو کھائے جاتا ہے اور وہاں ضد ہی نہیں ہے تو بقاء کے سوا، اور ہو گا کیا؟ لا یرون فیہا شمسا ولا زمہریرا کی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہاں اضداد نہیں ہیں۔

(دفتر ششم)

---

(۷) وصول حق کے لیئے مدت کا سوال بے معنی ہے

۲۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء آج جمعہ کا دن ہے اوراد یومیہ کے بعد خیال گزرا کہ مولانا معنوی کی مجلس میں حاضری کی سعادت حاصل کی جائے۔ نیا خیال یہ آیا کہ مثنوی کھولنے سے پہلے فاتحہ مولانا کے نام پڑھ لینا چاہیئے تو مناسب ہے سورۂ فاتحہ اور ثلث قرآن (الاخلاص) کو تین دفعہ پڑھ کر ثواب مولینا کی روح کو ایصال کیا گیا اور مثنوی شریف کھلی قصہ بیان ہو رہا تھا، اس شاہزادے کا توفیقِ ربانی جس کی رفیق بنی۔ مولینا نے طویل عنوان اس قصہ کا خود ارقام فرمایا ہے جو بجائے خود عبرتوں سے معمور ہے شاہزادے پر وہی دن جو کل آنے والا ہے جس میں بھائی بھائی سے بھاگے آج ہی آگیا اس پر واضح ہوا کہ تیس ہزار خانوں کا طبقہ جو تودۂ خاک اور مٹی کے ڈھیر کو قبضہ میں لا کر

Marfat.com

قلعہ کشائی کا اعلان کرتا ہے۔ دراصل "کودک طبعی" ہی کا اس کے یہ نتیجہ ہے! بچے مٹی کے گھروندے بناتے ہیں کوئی بچہ گھروندا بنا کر آواز بلند کرتا ہے کہ دیکھو! یہ میرا قلعہ ہے کوئی اس کے گرد نہ پھٹکے اور کمزور بچے رشک و حسد کی نگاہ سے اس قلعہ کے فاتح کو دیکھتے ہیں۔

ارشاد ہوا کہ

رنگ کے مغالطہ سے بادشاہ کی روح نے خلاصی حاصل کی، کہنے لگا کہ یہ سونا یہ اطلس یہ سب کیا ہے صرف مختلف رنگ کے مظاہر کے مختلف نام ہیں، ورنہ سچ پوچھو تو "خاک ہائے رنگین" کے سوا ان کی اصل حقیقت اور کچھ نہیں ہے۔ شاہ زادے نے ایک "ہو" کے ساتھ چھلانگ لگائی اور رنگ و بو کے عالم سے اچانک نکل بھاگا۔

مولانا نے فرمایا:-

گو شاہ زادہ نو عمر تھا لیکن اتیناہ الحکم صبیا (بچپن ہی میں فیصلہ کی صحیح قوت عطا کی گئی) کی نعمت سے یحییٰ علیہ السلام جیسے سرفراز ہوئے تھے۔ کچھ یہی سلوک قدرت نے شاہ زادے کے ساتھ کیا۔

پھر فرمایا کہ

"وصول" کے لیے وقت اور مدت کا سوال اس دربار میں بے معنی ہے جہاں کے کاروبار کی بنیاد کن فیکون کے حکم پر قائم ہے لوگ "فضل" کے لیے قابلیت کی شرط لگاتے ہیں لیکن "کن فیکون" حدود میں یہ سوال بے محل ہے۔

پھر کہانی شروع ہوئی مختصر کہانی یہ ہے کہ کسی بادشاہ کا ایک ہی لڑکا بڑا نیک بخت فرزند سعید تھا خواب میں بادشاہ نے دیکھا کہ وہ مر گیا اکلوتے اور ایسے لائق سعادت مند بچے کی موت کا اثر خواب ہی میں باشاہ پر جو کچھ ہو سکتا تھا ہوا۔ مرنا چاہتا تھا مگر موت بھی نہیں آتی تھی کہ اچانک بیدار ہو گیا جس قسم کا غم ہوا تھا جاگنے کے ساتھ ہی اسی قسم کی مسرت اور خوشی بھی اس کو ہوئی۔

مولینا نے فرمایا کہ

غم بھی ایسا غم ہوا کہ مرنا چاہتا تھا۔ اور خوشی بھی ایسی ہوئی کہ مارے خوشی کے دم

Marfat.com

نکلا جاتا ہے۔

مسرت والم کے درمیان زندگی قائم ہے۔ | خاکی بدن کے ساتھ اس جان کے تعلق کی نوعیت بھی عجیب ہے۔ شدتِ غم میں بھی یہ تعلق ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور فرطِ خوشی میں بھی روح قالب سے نکلنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے۔

فرمایا کہ

جان اس جسم کے ساتھ کچھ عجب طرح سے لٹکی ہوئی ہے غم کی پھونک سے بھی یہ چراغ بجھنے لگتا ہے اور خوشی کی پھونک سے بھی گل ہونے لگتا ہے۔

الغرض مسرت والم کہ ان ہی دونوں موتوں کے خطرے کے بیچ میں "جانِ زندہ" ہے ؎

درمیانِ ایں دو مرگ او زندہ است ۔۔۔۔ ایں مطوق شکل جائے خندہ است

موت کی ان دو گرفتوں میں جکڑی ہوئی جان کا یہ تماشا کتنا دلچسپ ہے

فرقِ نظر ہی سے ایک شئے موت بھی ہے اور زیست بھی | ایسے غمناک خواب کو قدرت نے اسی لیے دکھایا کہ جس سے بڑی خوشی بادشاہ کو ساری زندگی میں میسّر نہ آئی تھی وہ حاصل ہو، اسی لیے اس عالم کے حالات کو سمجھو ایک ہی چیز ہے ایک رخ سے دیکھو تو موت ہے اور موت ہی دوسرے رخ سے ساز وسامان کا وہی سرمایہ ہے، دیکھو! دنیا کا طمطراق جس سے خوشی پیدا ہوتی ہے آخرت میں غم والم کا سبب بن جاتا ہے۔ خوابوں میں بھی یہی ہوتا ہے کہ رونے کی تعبیر ہنسنا ہے۔

قصہ پھر شروع ہوا بیداری کے بعد بادشاہ کو جو خوشی حاصل ہوئی تو سوچنے لگا کہ خواب میں جس قسم کا شکار ہو گیا تھا اس کے سدِ باب کی کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ آخر جو پھول بیداری میں سامنے آیا ہے کیا ضمانت ہے کہ اسی زندگی میں کانٹا نہ چبھے گا۔ آخر کچھ تو کرنا چاہیئے کانٹا جس وقت چبھے تو پھول نہ سہی پھول کی یادگار ہی سامنے ہو۔ بادشاہ سوچتا تھا کہ اس دنیا کا حال تو یہ ہے کہ ایک سوراخ سے تباہی آنے والی ہو تو اس کے روکنے کے اسباب تو بے شمار ہیں ؎

ہم بس کدامیں رہ راندیم ما؟

آفات وبلیات موت کی دھمکیاں ہیں | مولانا نے فرمایا:-

Marfat.com

دیکھو! سیکڑوں دریچے کھلے ہوئے ہیں جن سے موت جھانک رہی ہے ان دریچوں کے کواڑوں کی آوازیں کیا ہیں موت کی دھمکیاں ہیں جو مختلف بیماریوں اور آفتوں کی شکل میں سامنے آتی رہتی ہیں لیکن حرص کی چربی سب کی آنکھوں اور کانوں پر چڑھی ہوئی ہے وہ ان کواڑوں کی آواز سے بہرے بنے ہوئے ہیں۔

مولانا نے فرمایا :-

میں جو یہ کہہ رہا ہوں ۔ نے کے سو بہانے ہیں اس کا اندازہ طب کی کتاب سے نہیں ہو گا بیت کے مانند امراض نظر آئیں گے جن میں آدمی گرفتار ہوتا رہتا ہے گویا آدمی کے بدن کو ایک پنجرہ اگر فرض کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہزاروں سوراخ اس پنجرے میں ہیں جن کی راہ سے موت اندر داخل ہو سکتی ہے زندگی کے ہر قدم پر بچھوؤں سے بھرے ہوئے سوراخ نظر آتے ہیں۔

ہر دو گامے پر زگژدمہا چہ است

عقلمند وہ ہے جو دل کا چراغ جلالے اسی لیے مناسب ہے کہ جھگڑیں بجائے ایک چراغ کے چند چراغ آدمی جلالے ۔ ایک بجھ جائے تو شائد دوسرے سے کام چلے۔

فرمایا کہ

جو دانشمند ہیں وہ اسی لیے جسم کے ٹمٹماتے چراغ کے ساتھ دل کے چراغ کو بھی روشن کر کے رکھ چھوڑتے ہیں مطلب ان کا یہی ہوتا ہے کہ بدن کا چراغ اگر بجھ جائے تو دل والا چراغ جلتا رہے۔

الولد سرٌ لابیہ کی توضیح القصہ بادشاہ اسی سوچ بچار میں تھا سمجھ میں کوئی صورت نہ آتی تھی آخر اس نے فیصلہ کیا کہ شاہزادے کی شادی کر دی جائے تاکہ شاہزادہ نہ رہے تو اس کی نسل باقی رہے

فرمایا کہ :-

صورت کو موت ختم کر دیتی ہے لیکن معنی اولاد کی شکل میں باقی رہتا ہے ۔ الولد سرٌ لابیہ (بیٹا باپ کا بھید ہے) اس قول نبوی کا یہی مطلب ہے۔

Marfat.com

ارشاد ہوا کہ

لوگ اپنا ہنر پیشہ اپنے بچے کو اسی لیے سکھاتے ہیں کہ ان کی صورت جب مٹ جائے تو معنی ان کا یا کمال ان کا زندہ رہے۔

تب بادشاہ نے طے کیا کہ کسی صالح صاحب سیرت و کردار بزرگ سے کوئی لڑکی حاصل کی جائے جس سے شاہ زادے کا عقد کر دیا جائے۔ کیونکہ کسی بدکردار بادشاہ کی لڑکی سے اچھی نسل کی پیدائش کی اُمید درست نہ ہو گی،

مولانا نے فرمایا کہ

جہ خوش (یعنی کیا خوب) جو بیچارہ مال وجاہ کا غلام اور قیدی ہے اسی کو لوگوں نے بادشاہ کا نام دے رکھا ہے۔ دیوانے زنگی کو کافور کے نام سے موسوم کر رہے ہیں، اور بادیہ کو عرب والے "مفازہ" (کامیابی کا میدان) کہتے ہیں

کہتے صدر اصل ہیں جو در اصل

صدر خوانندش کہ در صفِ نعال جان او بستہ ست یعنی جاہ و مال

اصلی فقیر اور بھک منگے کا فرق بیگم کو علم ہوا کہ اس کے بچے کا عقد کسی فقیر ٹٹ پونجئے سے بادشاہ کرنا چاہتا ہے تو برہم ہوئی، بولی کہ "کفو" کا مسئلہ تو عقلاً و شرعاً ایک مسلم بات ہے، بیگم نے یہ طعنہ بھی دیا کہ خرچ کے خوف سے روپیہ بچانے کے لیے تم بجائے بادشاہوں کے کسی فقیر کی لڑکی تلاش کر رہے ہو۔ بادشاہ نے بیگم سے کہا کہ تم نے بھک منگوں پر ان بزرگوں کو قیاس کیا جن کے فقر و ناداری کے نیچے قلبی غنا کا جذبہ کام کرتا ہے سمجھایا کہ فقیر کو دیکھو!

فقیر کی شناخت کا معیار ایک پیسہ مل جانے پر لوٹتا ہے تو سمجھو کہ اس کے پیچھے قناعت نہیں ہے اور جو خزانوں پر لات مارے یہی فقیری بادشاہی پر بھاری ہے۔ بیگم نے کہا کہ لڑکی کا فقیر باپ دان جہیز کیا دے گا؟ ننگی کیا نہائے گی کیا نچوڑے گی؟ بادشاہ نے کہا، اور وہی اس قصّے کی جان ہے کہ:۔

غم سے نجات کی راہ دین کو جس نے غم بنا لیا سارے غموں سے آزاد ہو گیا دین کو جس نے شکار کر لیا یقین کر و کہ حسن و مال بخت سب طفیل میں دین کے، اس کو مل جاتے

Marfat.com

ہیں اونٹ آگے آگے چلتا ہے اور اس کی مینگنی پیچھے پیچھے آتی ہے۔

فرمایا ؎

پشم بگز بینی شتر منبود ترا   در بود اشتر چہ قیمت پشم را

اون ہی پر قناعت کر کے جو بیٹھ جائے گا تو اونٹ سے وہ محروم رہے گا لیکن اونٹ کے خریدنے والے کے سامنے اون کی کیا قیمت باقی رہتی ہے؟

(دفتر چہارم)

(۸) حضور اکرمؐ کا طریق اصلاح سراسر رحمت ہے

۳ر نومبر ۱۹۵۰ء عربی و فارسی کی کمیٹی میں شریک ہونے کے لیے پٹنہ (بہار) کے عاصمہ میں بلایا گیا تھا واپسی کے بعد آج مولانا رومؒ کی خدمت میں حاضری کی آرزو پیدا ہوئی، آرزو الحمدللہ پوری ہوئی، ایک دلچسپ حکایت بیان کر رہے تھے کہ ایک سوار گھوڑے پر سوار جا رہا تھا نظر اس کی پڑی ایک شخص پر جو سویا ہوا تھا اور ایک سانپ اس کے منہ میں گھسا ہوا تھا اس منظر کو دیکھ کر سوار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ بجز اس کے کہ جو دبوس اس کے ہاتھ میں تھا اسی سے سونے والے کے منہ پر مسلسل اس نے چند ضرب لگائی۔ سونے والا غریب چونک کر اٹھا دیکھا کہ ایک سوار اس کے منہ پر مسلسل دبوس مار رہا ہے۔ اچھل کر بھاگا، ترک سوار پیچھے پیچھے اس کو رگیدتے ہوئے دبوس پر دبوس مارتا چلا جاتا تھا۔ بھاگ کر سیب کے ایک درخت کے نیچے پہنچا جس کے نیچے بہت سے سیب گرے پڑے تھے۔ سپاہی نے کہا کہ اس سیب کو کھا۔ بے چارہ کھاتا تو منہ سے واپس ہو جاتا آخر چلا کر سونے والا سپاہی سے کہنے لگا کہ بھائی آپ کا کیا قصور میں نے کیا کہ مجھے اس طرح بلاوجہ آپ ستا رہے ہیں، اگر مجھ سے خواہ مخواہ کی عداوت ہی ہو گئی ہے تو بجائے دبوس کے زیادہ مناسب ہے کہ تلوار سے میری گردن اڑا دو آخر آج کس کم بخت کا منہ دیکھ کر اٹھا تھا کہ اس حال میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ سپاہی کو سونے والا طرح طرح کی بری بھلی باتیں کہتا جاتا اور بھاگتا جاتا تھا لیکن سپاہی بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ سونے والا اٹھتا اور گرتا دبوس کی مار کھاتا آخر جو کچھ اس کے پیٹ میں تھا قے کی شکل میں باہر آنے لگا اور اسی کے ساتھ سانپ بھی سونے والے کے منہ سے باہر گر پڑا۔ سانپ پر جب سونے والے کی نظر پڑی تو ہوش اڑ گئے اور سپاہی کے احسان کے نیچے اپنے آپ کو دبا پایا۔ مولانا فرماتے تھے کہ سونے

والے نے کہا کہ آپ تو میرے لیے رحمت کا فرشتہ ہیں، یا خدا ہیں، ولی نعمت ہیں، اگر یہ سانپ میرے پیٹ سے نہ نکلتا تو میرا خاتمہ ہی ہو چکا تھا۔ کیسی مبارک ساعت تھی کہ آپ میرے سامنے آئے۔ میں تو مر چکا تھا۔ دوبارہ زندگی آپ ہی کی بخشی ہوئی ہے اس موقعہ پر مولانا کے بعض اشعار یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ سونے والا دبوس مارنے والے کو کہہ رہا تھا ؎

اے خنک آں را کہ بیند روئے تو یا در افتد ناگہاں در کوئے تو

تو مرا جویاں مثال مادراں من گریزاں از تو مانندِ خراں

فرمانے لگے کہ :-

دھوبی بے چارہ گدھے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے اسے اندیشہ ہوتا ہے کہ بھیڑیا کہیں اسے نہ پھاڑ ڈالے مگر گدھا گدھا ہی ہوتا ہے وہ دھوبی کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔

بہر حال سونے والے نے سپاہی سے پھر معذرت چاہی کہ نادانی میں خدا جانے آپ کو میں نے کیا کچھ کہہ دیا۔ کاش! اسی بات کو کہ میرے منہ میں سانپ گھس گیا ہے آپ فرما دیتے تو میری مجال تھی کہ اس قسم کی بے ہودہ باتیں زبان سے نکالتا مگر آپ نے خاموشی کے ساتھ میرا علاج شروع کر دیا۔ اسی سے غلط فہمی ہوگئی۔ سپاہی نے تب جواب میں کہا کہ بھائی! اگر اصل راز سے تم کو آگاہ کر دیتا تو ڈر تھا کہ مارے ڈر کے تمہاری روح نہ کہیں پرواز کر جائے ؎

گر ترا من گفتمے اوصاف مار ترس از جانت بر آور دے مار

قصہ ختم کر کے حضرت فرمانے لگے کہ دیکھو انسانیت کے اندر جو دشمن چھپا ہوا ہے اگر اس کے تفصیلی حالات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو آگاہ فرماتے تو لوگوں کا زہرہ آب ہو جاتا۔ اسی لیے بجائے کہنے کے لوگوں کی تربیت اس طریقہ سے پیغمبر کرتے ہیں کہ مرض کا ازالہ ہو جائے اور مرض کی نوعیت سے وہ بے خبر رہتے ہیں۔ ابوبکرؓ کو دست بنا کر ان کے ہاتھ کو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھ میں لیا تب ریاضت کے ہتھوڑے سے ان کو درست کرنا شروع کیا جو بات ناممکن ہوتی تھی وہی ان کے لیے حال بن گئی اور جن پرندوں کے بازوؤں کے پر اُکھڑ گئے تھے پھر ان میں نئے بال و پر پیدا ہو گئے۔

مولانا نے فرمایا کہ

"پیغمبر کا ہاتھ" | جس پر اللہ کا ہاتھ ہے اس کی درازی کا کون اندازہ کر سکتا ہے چاند کے

ٹکڑے پیغمبر کے اسی ہاتھ سے ہوئے اور یہ بھی معمولی بات ہے ورنہ پیغمبر کے مقدس ہاتھ کی رسائیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

بہر حال سپاہی نے کہا کہ بھائی! جو واقعہ تھا اگر اس کا اظہار کر دیتا تو جس جان کو بچانا چاہتا تھا وہی جان نکل پڑتی نہ تم میں کھانے ہی کی قوت باقی رہتی اور نہ قے کرنے کی صلاحیت ہی اپنے اندر تم پاتے تم جس وقت مجھے برا بھلا کہہ رہے تھے اس وقت میری زبان پر "رب یسّر" کا وظیفہ جاری تھا ؎

می شنیدم فحش و خرمی راندم   "رب یسّر" زیر لب می خواندم

سپاہی نے کہا ؎

از سبب گفتن مرا دستور نہ   ترک تو کردن مرا مقدور نہ

نہ سبب ہی بیان کر سکتا تھا اور نہ یہ بس میں تھا کہ تمہیں چھوڑ دیتا ؎

ہر زماں می گفتم از درد دروں   اھد قومی انھم لا یعلمون

گویا پیغمبر کا حال امت کے ساتھ کچھ اسی رنگ میں ہوتا ہے جب ہدایت پانے کے بعد آدمی دیکھتا ہے کہ پیغمبر نے سانپ سے بچا لیا تب کہتا ہے ؎

دشمنی عاقلاں زینساں بود   زہر ایشاں ابتہاج جاں بود

(دفتر چہارم)

---

(۹) استقامت ہی کامیابی کی ضامن ہے

۷ نومبر ۱۹۵۰ء مولانا روم کا خیال آیا، حاضری دی گئی، ارشاد ہو رہا تھا ایک مسکین عشق کے مرض میں مبتلا ہوا ایک عورت پر اس کی طبیعت آ گئی، خواب و خور غریب پر حرام ہو گئے۔

مولانا نے فرمایا کہ:۔

عشق کا قاعدہ ہے کہ شروع میں ذرا سخت پکڑتا ہے جس کی وجہ ہے کہ ؎

تا گریزد آنکہ بیرونی بود

اس عاشق کا حال یہ تھا کہ جس راستہ سے محبوبہ تک رسائی کی کوشش کرتا کامیابی نہ ہوتی تھی قاصد کو بھیجتا تو وہ راہزن بن جاتا، خط لکھتا، پڑھ کر سنانے والے غلط سلط سنا دیتے کبوتر کے پر میں باندھ کر خط بھیجتا تو پر ہی وہ گر پڑتا جس میں نامہ بندھا تھا، الغرض تدبیر کی ساری راہیں اس پر بند

Marfat.com

ہوگئیں اور سوچ بچار کی جو فوج اس کے اندر تیار ہوتی رہتی تھیں۔ اس کا جھنڈا ہی گر گیا پہلے تو اس کے غم کی تسلی انتظار کے جذبہ سے ہوتی، اب انتظار بھی اس کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد اس کا حال عجیب تھا کبھی سمجھتا کہ میرا مرض لاعلاج ہے اور کبھی جوش میں آتا تو اپنے عشق کو سرمایہ حیات قرار دیتا۔ الغرض کبھی آسمان پر رہتا اور کبھی زمین پر گرتا۔

آخر میں اسی بے سروسامانی کو اس کے لیے سامان بنا دیا گیا۔ اور اپنے عشق کے ساتھ مانوس ہو گیا باہر سے مغموم نظر آتا لیکن اندر اس کے مسرت و نشاط کا چشمہ ابلتا رہتا تھا۔

مولانا نے فرمایا کہ:۔

سارے بنی آدم جن سے تم ملتے جلتے رہتے ہو ان کے اندر کا حال تم کو معلوم نہیں کتنے بولنے والے جو طوطی کی طرح بولنا جانتے ہیں، خاموش نظر آتے ہیں اور بہت سے چہرے جو دیکھنے میں تلخ و ترش دکھائی دیتے ہیں ان کی جان میں مٹھاس ہی مٹھاس ہوتی ہے۔

فرمایا کہ:۔

قبرستان چلے جاؤ ساری قبروں میں تم کو باہر سے خاک ہی خاک نظر آئے گی لیکن دراصل ان قبروں کا حال ایک نہیں ہے جیسے گوشت و پوست تو ہر آدمی میں مشترک ہوتا ہے لیکن گوشت و پوست کے ان ہی ڈھانچوں میں کتنے غمگین بھی ہوتے ہیں اور کتنے فرحاں و شاداں بھی۔

فرمانے لگے کہ۔ ع توچہ دانی تا نخوشی قال شان

جب تک آدمی لوگوں کی گفتگو نہ سنے جیسے نہیں اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے یہی حال اس دنیا کی اکثر چیزوں کا ہے۔ درخت ہلتا ہے، کلہاڑی کی ضرب سے بھی اور باد صبا کے جھونکوں سے بھی پھر کیا ہلنے کی دونوں حالت برابر ہے اسی طرح جوش و نوش تو سب دکھاتے ہیں مگر کس میں سچائی ہے اور کون دکھاوے سے کام لے رہا ہے اس کے لیے ضرورت ہے۔

ع "رو دماغی دست آور بوشناس"

مولانا نے فرمایا کہ:۔

Marfat.com

خیر، ہوا یہ کہ آخر آٹھ سال گزرنے کے بعد اس عاشق مسکین کی رسائی اپنی محبوبہ تک ہوئی جس کی وجہ وہی تھی کہ اپنے مقصد پر وہ ڈٹا رہا۔

سایۂ حق بر سر بندہ بود　　　عاقبت جوئندہ یابندہ بود

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے　　　عاقبت زاں در بروں آید سرے

یعنی بندہ پر حق کا سایہ رہتا ہے اور ڈھونڈھنے والے پا لیتے ہیں، جس دروازے کو کھٹکھٹاؤ گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس سے سر نمودار ہوگا۔

مولانا فرمانے لگے کہ:۔

بھائی یہ ناممکن ہے کہ کسی گلی میں تم کسی کے انتظار میں بیٹھو اور جس کا انتظار کر رہے ہو اس کا چہرہ نظر نہ آئے ؎

چوں نشینی بر سر کوئے کسے　　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

کہنے لگے:۔

کسی کنوئیں سے مسلسل مٹی نکالنے والے کے سامنے آخر کسی نہ کسی دن پانی ضرور جھلک پڑے گا۔

سمجھانے لگے کہ:۔

عام قاعدہ یہی ہے کہ کوشش سے نتیجہ پیدا ہوتا ہے کبھی اس کے خلاف بھی کوئی پیش آئے تو یہ ایک استثنائی بات ہوگی۔ آدمی کو چاہیئے شذوذ اور نادر مثالوں سے متاثر نہ ہو یہ نہ کہے کہ شیطان نے اتنے دن سر رگڑا، یا بلعم باعور نے سر مارا تو کیا ہوا؟ ہمارے ساتھ بھی شیطان یا باعور کی صورت کیوں پیش نہ آئے گی۔

فرمایا کہ

یہ گمراہی کی باتیں ہیں آخر تم نے کبھی یہ سنا ہے کہ کسی سال کھیتی خشک ہوگئی تو کسان نے کھیت بونا چھوڑ دیا ہو۔

مولینا نے پوچھا کہ کھا کر بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ آدمی بیمار پڑ گیا۔ یا لقمہ حلق میں اٹک گیا اور کھانے والا مر گیا پھر کیا لوگوں نے اس مثال سے متاثر ہو کر روٹی کھانی چھوڑ دی۔ ہمت دلاتے ہوئے مولینا فرمانے لگے۔

Marfat.com

دیکھو! دنیا آفتاب و ماہتاب کی روشنی سے جگمگا رہی ہے۔ تم خدا کے لیے کنوئیں کے مینڈک نہ بنے رہو اور نہ کہو کہ ہمیں روشنی نظر نہیں آتی۔

اور غصہ میں ارشاد ہوا کہ

ہرگز ہرگز یہ نہ کہنا چاہیئے کہ فلاں صاحب نے کاشت کی تھی ان کی کھیتی خشک ہو گئی یا ٹڈیوں کا دل کھیت کو اس کے چاٹ گیا ایسی صورت میں ہم کیوں کھیتی کریں میرے ساتھ بھی کہیں یہی صورت پیش نہ آ جائے۔ فرمایا:۔

ہیں، مکن استینرہ، درو کار کن　　　با توکل، کشت کن، بشنو سخن

دھمکاتے ہوئے کہنے لگے۔

نادر مثالوں کو پیش کر کر کے کاروبار کو چھوڑنے والے درحقیقت قدرت سے جنگ کرنا چاہتے ہیں ان کو سمجھنا چاہیے کہ ایسا کریں گے تو اٹھنا قیامت تک نصیب نہ ہوگا اور ان نادر مثالوں کی پرواہ کیئے بغیر جو کاشت میں مشغول رہیگا دیکھو گے کہ انبار خانہ کو غلے سے اس نے بھر دیا۔

(دفتر سوم)

---

(۱۰) مسلمانوں کی بے دینی سے دین بیزاری پیدا ہوتی ہے

۱۲ر نومبر ۱۹۵۰ء مولانا معنوی کی مجلس برکت ذخیرہ میں حاضری میسر آئی۔ مولینا اس قصہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ ایک بد آواز کریہہ الصوت مؤذن تھا جس گاؤں میں اذان دیتا تھا وہاں کی آبادی اس کی آواز سے بیزار تھی۔ بچے راتوں کو ڈر جاتے تھے، سوتے ہوئے لوگ نیند سے چونک پڑتے۔ شورش آبادی میں پھیلی ہوئی تھی، آخر بستی والوں نے مشورہ کر کے چندہ کے ذریعہ سے کافی رقم جمع کی اور مؤذن صاحب کو حج پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔ "زاد راہ" مہیا کر دیا گیا، مؤذن قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ منزل بمنزل گزرتا ہوا قافلہ ایک ایسے علاقہ میں پہنچا جہاں صرف غیر مسلم اقوام کے لوگ آباد تھے۔ مؤذن کو اذان دینے کا تو شوق ہی تھا باوجود منع کرنے کے اس نے اذان پکار ہی دی، لوگوں کو اندیشہ تھا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو، غیر لوگ ہیں ان کی عورتیں اور بچے اگر ڈر گئے تو بدلہ لینے پر آمادہ ہوں۔ مگر خلاف توقع دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص ہاتھ میں کچھ تحفہ اور ہدیہ سوغات کی چیزیں

Marfat.com

لیے چلا آرہا ہے۔ اور قافلہ میں آکر پوچھنے لگا کہ آپ کے قافلہ میں مؤذن صاحب کون ہیں جنہوں نے آج آذاں دی تھی ان کی خدمت میں اس حقیر نذرانہ کو پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں لوگوں کو تعجب ہوا، بولے قصہ کیا ہوا؟ اس غیر مسلم نے کہا کہ بھائی! ایک زمانہ سے ہم لوگ مصیبت میں مبتلا تھے، ہماری ایک لڑکی جو حد سے زیادہ خوبصورت، خوب سیرت تھی۔ خدا جانے اس کے دل میں اسلام و ایمان کا شوق کہاں سے پیدا ہوا وہ اس دین کی ایسی گرویدہ ہوئی کہ لاکھ جتن کیے گئے مگر وہ اپنے خیال سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہ ہوتی تھی۔ آخر آج جب آپ کے مؤذن صاحب نے آذان دی تو اس مہیب دہشتناک آواز کو سن کر لڑکی نے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مسلمانوں کی اذان ہو رہی ہے۔ سننے کے ساتھ لڑکی نے کہا کہ اسلام کی اذان کی یہی کیفیت اگر ہے تو میں اس اسلام سے باز آئی۔ ہمارے گاؤں میں آج بڑی خوشی ہے سارا گاؤں لڑکی کے اس حال پر بشاش ہے اور مؤذن صاحب کی خدمت میں اسی کا نذرانہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔

قصہ ختم کر کے فرمانے لگے کہ جیسے مسلمانوں کے اس مؤذن سے اسلام کو چھوڑ کر لڑکی کفر کی طرف واپس ہو گئی اسی طرح آج کل کے مسلمانوں کے اسلام سے لوگ بیزار ہو رہے ہیں۔ دینداروں کی بے دینی سے بے دینی پیدا ہو رہی ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ کفر کی پیدائش عموماً دین کی اسی مجازی شکل سے ہوئی ہے ورنہ دین سے ہمیشہ دین پیدا ہوا۔)

(۱۱) "جہانِ مردہ" اور "جہانِ زندہ" کا تقابل

مدت سے دونوں بزرگوں کی مجلس فیض سے غائب رہا۔ آج ۱۹۵۱ء کے پہلے ماہ جنوری کی پہلی تاریخ ہے۔ مولانا معنوی کا خیال آیا حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی، ارشاد ہو رہا تھا، دو مستقل عالم ہیں، ایک جہان مردہ ہے اور دوسرا جہان زندہ ہے۔ ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان۔ جہان زندہ کی ہر چیز زندہ ہے۔ موت سے کل اور جزء دونوں پاک ہیں۔

فرمایا کہ:۔

آدمی زندہ پر عاشق ہوتا ہے زندہ معشوق سے زندگی جب نکل جاتی ہے تو مردہ لاش کو اپنی آغوش میں کون لیتا ہے۔

فرمایا کہ:۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ جو زندہ لوگ ہیں ان کا جی اس جہان مردہ میں نہیں لگتا۔ جانور گھاس کھا سکتے ہیں لیکن جو آدمی ہے اس کی خوراک گھاس کیسے بن سکتی ہے۔ بلبل کا دل پھول اور چمنستان میں لگتا ہے۔ ہاں! گندہ کیڑے کو گوبر میں آرام ملتا ہے۔

فرمایا کہ :۔

عمرؓ کی عدالت جس نے نہیں دیکھی ہے اسے حجاج کی حکومت معیاری حکومت معلوم ہوتی ہے ؎

ہر کرا عدل عمرؓ ننمود دست　　　پیش او حجاج خونی عادل ست

لڑکیاں جب زندوں کے کاروبار سے ناواقف ہوتی ہیں ان کو مردہ گڑیا کھیلنے کے لیے یا بچے استعمال سے جب تک ناواقف ہوتے ہیں ان کو بجائے لوہے کے لکڑی کی تلوار کھیلنے کے لیے دی جاتی ہے۔ اس طرح انبیاء علیہم السلام کا صرف صوری نقش کافروں کے سامنے ہے جو صرف آنکھوں کے اندر گھوم کر رہ جاتا ہے مگر جن کے سامنے نقش کے پیچھے والا عالم ہے۔ ان کو چند ٹیڑھی ترچھی لکیروں والے عالم کی پرواہ نہیں ہے۔

زاں جہاں مارا چو دور روشنی ست　　　ہیچ ما پروائے نقش و سایہ نیست

پھر مولانا نے فرمایا :۔

ایک ہی شخص کا بیرونی نقش اس جہاں میں ہے اور دوسرا نقش اسی کا چاند کی طرح آسمان پر ہے۔ پھر باہر و اندر ظاہر و باطن کے نقوش کے مسئلہ کو مختلف مثالوں سے سمجھاتے ہوئے فرمایا ؎

دست ظاہر می کند داد و ستد　　　دست باطن بر درِ فردِ صمد

آخری خلاصہ یہ نکلا کہ "ظاہری نقش" زمانے کے قید خانہ میں بند ہے اور باطن زمانی حدود سے آزاد ہے ؎

ایں کہ در وقت ست باشد تا اجل　　　واں دگر، یارِ ابد قرنِ ازل

جس پر یہ حال طاری ہو جاتا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ :۔

خلوت و حیلہ برو لازم نماند　　　ہیچ غرمے مرد را عازم نماند

فرمایا کہ :۔

Marfat.com

پانی میں ٹوکری کو کسی نے ڈالا، ٹوکری پانی سے بھر گئی اور اس غلط فہمی میں مبتلا کہ درحقیقت اس کے اندر پانی ہے جب تک دریا میں رہی معلوم ہوتا تھا کہ پانی اس میں ہے۔ لیکن جوں ہی دریا سے تعلق اس کا منقطع ہوا کچھ بھی اس میں باقی نہ رہا ؎

آں سبد خود را چو پر از آب دید کرد استغنا و از دریا برید
در جگر چوں قطرۂ آبش نماند بحر رحمت کرد و او را باز خواند
(دفتر پنجم)

(۱۲) حفاظتِ توبہ کی تاکید

بہت دن کے بعد مولانا معنوی کا خیال آیا حاضری آسان کی گئی، فرما رہے تھے قصہ اس شکاری کا جو جنگل میں گھاس سبزہ پھول کی ٹوپی بنا کر کنارے پڑا ہوا تھا اور دام کو بچھا کر گیہوں کے چند دانے وہاں ڈال دیئے تھے ایک چڑیا اس طرف سے گزر رہی تھی، اس حال میں شکاری کو دیکھ کر بولی۔ جناب آپ نے یہ جنگل کی زندگی کیوں اختیار کی ہے۔ شکاری بولا کہ موت سامنے ہے۔ مرنے سے پہلے موت کی تیاری کر رہا ہوں میرا ساتھی یعنی مرگ ناگہانی میرے لیے واعظ بن گیا۔ سب کچھ چھوڑ کر میں نے جنگل کی زندگی اختیار کی ہے۔ میری روح آب و گل کے قالب میں الجھ کر رہ گئی تھی۔ اندر سے آواز آئی کہ میاں تم ہمیں بھول گئے تمہاری حالت تو اس بچے کی ہے جو لبنڈی کھیلنے کے لیے کپڑے اتار کر کھیل میں مشغول ہو کسی نے کپڑے اور جوتیاں اس کی اٹھالیں۔ بچہ کھیل میں اس طرح مستغرق تھا کہ نہ کپڑے یاد رہے نہ جوتیاں جب رات آئی تب تلاش ہوئی۔ اب کیا کرے گھر جانے سے شرماتا تھا۔

مولٰینا نے فرمایا کہ :-

یہی وقت ہوتا ہے کہ چور کا آدمی پیچھا سواری پر بیٹھ کر کرے۔ سواری؟ سمجھا بھی کیا ہے، اس کا نام توبہ ہے عجیب سواری ؎

مرکب توبہ عجائب مرکب ست بر فلک تازد بیک لحظہ ز پست

مگر آدمی کو چاہیئے کہ اس کی حفاظت کرے ورنہ کہیں وہ قصہ نہ پیش آئے کہ ایک غریب گھر سے "قیچ" "چور لے بھاگا۔ قیچ والے نے پیچھا کیا کنوئیں کی مینڈ پر چور بیٹھ کر شور

ہنگامہ کرنے لگا۔ قیچ والے نے کہا کہ کیا ہوا کیوں روتا ہے۔ بولا اسی کنوئیں میں میری تھیلی پانسو درہم کی گر گئی کوئی نکالے تو سو درم پانچواں حصہ اس کو دوں۔ قیچ والے نے کپڑے اتارے کنوئیں میں اترا۔ ادھر وہ کنوئیں میں اترا اور چور اس کے کپڑے لے کر چمپت ہوگیا۔ گئے تھے کہ قیچ چور سے چھینیں گے اور کھو دیا اپنا سب کچھ اسی طرح شیطان "توبہ" کی سواری سے بھی آدمی کو محروم کر دیتا ہے اس سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

بہر حال شکاری نے جب ترک دنیا کی ڈینگ ماری تو چڑیا نے کہا کہ تم تو مسلمان ہو اسلام میں کہاں رہبانیت جائز ہے۔ اسی موقع پر مولانا نے فرمایا :-

مصلحت در دیں با جنگ و شکوہ   مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

شکاری نے کہا کہ یہ حکم قوت والوں کے لیے ہے۔ ہم کمزوروں کے لیے تو پرہیز ہی بہتر ہے۔

(دفتر ششم)

(۱۳۱) صرف اللہ ہی سے مانگو

بعد مغرب مولینا سے استفادہ کی گدگدی پیدا ہوئی ——— فرمانے لگے :-

معنی اللہ گفت آں سیبویہ   یولہون فی الحوائج ہم لدیہ
صد ہزاراں عاقل اندر وقت درد   جملہ نالاں پیش آں دیان فرد
گرندیدندے ہزاراں بار بیش   عاقلاں کے کہشیدندش بہ پیش
ہیں اندخو امیدہ نے از غیر او   آب دریم جو ہامجو در خشک جو
ور بخواہی از دگر ہم او دہد   بر کف میلش سخا ہم او نہد
آں کہ معرض راز زرقاروں کند   رو بدو آری بطاعت چوں کند

اللہ کے معنی سیبویہ نے لکھا ہے کہ یہ ہیں، ضرورتوں میں بے تابانہ جس کی طرف توجہ کی جائے۔

فرمایا کہ :-

بڑے بڑے دانا اور خردمند عقل کے تیلوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب درد ان کو پکڑتا ہے تو ساری عقل دھری رہ جاتی ہے اور اسی دینے والے کو پکارتے ہیں اگر تجربہ نہ ہوتا کہ فریاد رسی وہی فرماتا ہے تو لوگ اس کی طرف کیوں دوڑتے۔ بھائی!

Marfat.com

پانی دریا سے چاہو، خشک ندی بے چاری کیا دے گی۔ پس اللہ ہی سے مانگو اس کے سوا اور کون ہے جو دے گا۔ غیر سے بھی ملتا ہے تو دینے والا وہی ہے وہی سخاوت کے جذبہ کو حرکت میں لاتا ہے، قارون جیسے نافرمان کو جو سونا دے، فرماں برداروں کو وہی کیا نہ دے گا

(دفتر چہارم)

(۱۴۱) "شر" اور "خلق شر"

۲۷ جنوری ۱۹۵۱ء آج مولینا رومی سے شرف نیاز حاصل ہوا فرمانے لگے کہ ایک شخص پوچھنے لگا کہ کفر کے ساتھ راضی ہونا بھی کفر ہے، اور کفر چونکہ حق تعالیٰ کے قضاء کا نتیجہ ہے اسی لیے قضاء الٰہی کے ساتھ راضی رہنا ہی ایمان ہے۔ ایمان و کفر کو کیسے جمع کروں؟ مولینا نے اس شخص سے کہا کہ بھائی! تم نے قضاء اور مقتضی کے فرق کو نہیں سمجھا ایک خطاط اچھے حروف بھی لکھتا ہے اور ان ہی حروف کو بگاڑ کر بھی لکھتا ہے ایسی صورت میں بھلائی اور برائی کے مرجع حروف ہیں نہ کہ خطاط کا کمال ہے۔ بلکہ ؎

قوت نقاش باشد آنکہ او　　ہم تواند زشت کردن ہم نکو

اور یہ کہ ؎

زشتیٔ خط زشتیٔ نقاش نیست　　بلکہ از وے زشت را بنمودنیست

یعنی بُرے حروف کی برائی کو نقاش اس ذریعہ سے ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ پس حروف کی خرابی سے حروف کی خرابی ظاہر ہوئی نہ کہ لکھنے والے کی برائی۔

اس موقع پر مولینا نے یہ فرماتے ہوئے کہ شر اور خلق شر کے فلسفہ کو زیادہ بڑھاتا ہوں، تو خواہ مخواہ میرا وقت ضائع ہوتا ہے تسلی حاصل کرنے والوں کے لیے اتنا اشارہ ہی کافی سمجھا (دفتر سوم) ----

دماغی نکتہ آرائیاں قلب کی غفلت کی نشانی ہیں

اور اسی کے بعد بڑے پتہ کی بات حضرت والا نے یہ ارشاد کی کہ بھائی یہ فلسفہ، یہ نکتہ نوازیاں ان ہی دماغوں میں عموماً آتی ہیں جن کا دل درد سے خالی ہے اور دین کی فکر سے جو غافل ہیں۔ پھر ایک لطیفہ کا ذکر فرمایا کہ کسی بڈھے نے جوان عورت سے نکاح کیا۔ اور اس کے بعد اصلاح ساز کی دوکان پر پہنچکر اس نے فرمائش کی کہ میری داڑھی کے سفید بالوں کو نکال دو۔ اصلاح ساز جسے غالباً مولینا کے زمانہ میں "آئینہ دار" کہتے تھے اس نے بڈھے

کی ساری ڈاڑھی مونڈ ڈالی۔ اور ڈاڑھی کے بالوں کو اس کے سامنے رکھ کر بولا کہ سفید بالوں کو سیاہ بالوں سے اب آپ خود ہی جدا کر لیجئے مجھے تو ایک کام ہے اتنی فرصت نہیں کہ آپ کی فرمائش کی تعمیل کروں۔ اسی سلسلہ کا ایک دوسرا لطیفہ بھی مولینا کو یاد آگیا کہ ایک شخص نے کسی غریب کے سر پر چپت رسید کی اچپت کھانے والا بھنا گیا اور چاہا کہ مارنے والے سے بدلہ لے۔ چپت لگانے والے نے کہا کہ بھائی! ذرا ٹھہرو۔ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دو، پھر جو چاہنا کرنا اور وہ سوال یہ ہے کہ سر پر آپ کے جس وقت میں نے چپت رسید کی تو تڑاق کی آواز اس سے پیدا ہوئی، اب آپ یہ فرمایئے کہ یہ آواز کس سے پیدا ہوئی؟ آپ کی چندیا سے پیدا ہوئی یا میرے ہاتھ سے؟ لیکن چپت کھانے والے نے کہا کہ خوب! میرا حال تو درد سے تباہ ہو رہا ہے درد میں تکلیف سے بیکل ہوں اور آپ مجھ سے فلسفہ دریافت فرما رہے ہیں کہ آواز ہاتھ سے پیدا ہوئی یا چندیا سے۔ آخر میں چپت کھانے والا جو درد سے بے چین تھا بولا، کہ:

تو کہ بے دردی ہمیں اندیش ایں ... نیست صد درد را ایں فکرہیں

اسی کے بعد مولینا نے فرمایا ؎

غفلت و بے دردیت فکر آورد ... در خیالت نکتۂ بکر آورد

حاصل جس کا وہی ہوا کہ نت نئے نکتے اور "نکتۂ بکر" یہ پیٹ بھروں کی باتیں ہیں بال کی کھال نکالتے ہیں۔ لیکن دین کے درد میں جو تڑپ رہا ہے اسے ان باتوں کی کہاں فرصت اس کا کام تو فقط اس قدر ہے ؎

حکم حق را بر سر و رو می نہد ... حفظ فکر خویش یکسو می نہد

درد والے صرف خدا کی باتوں پر کان لگاتے ہیں اور اپنی زندگی کو ان ہی کے مطابق بنانے میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔

(دفتر سوم)

(۱۵) مثنوی کا ایک ظاہر ہے اور اس کے تحت اس کا باطن بھی ہے

۲ مارچ ۱۹۵۱ء
حضرت معنوی کی مجلس

فیض و برکت تک دل نے پہنچایا یا اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ ان تاریک دنوں میں ایک کورده گاؤں کے اندر اس روشن و پاک مجلس تک رسائی میرے لیے آسان کی گئی۔ آج مثنوی کے نکتہ چینوں کی طرف

Marfat.com

سے گونہ گرانی پائی جا رہی تھی اسی کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ ایک دلچسپ لفظ "خریط" استعمال فرمایا۔ بڑی بط کو خریط کہتے ہیں اور پھر مسخروں کے لیے یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔ فرما رہے تھے کہ۔ سنا! ایک گدھے خانے سے کسی "مسخرے" نے سر نکالا اور کہنے لگا کہ مولوی رومی کی مثنوی کا آخر لوگوں میں اتنا چرچا کیوں ہے مجھے تو اس مثنوی میں اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا کہ بار بار مولوی صاحب دہرا دوہرا کر بس یہی کہتے ہیں کہ "پیغمبر کی پیروی اور اتباع ہی نجات کی راہ ہے"، یعنی خریط کہہ رہا تھا ؎

کایں سخن کیست ست، یعنی مثنوی قصۂ پیغمبر است و پیروی

خریط یہ بھی کہتا تھا کہ تصوف میں کوئی کتاب مولوی صاحب اگر لکھنا ہی چاہتے تھے تو اس میں چاہیئے تھا کہ صوفیہ کی گہری باتوں کو بیان کرتے ان کے بلند اسرار، عمیق رموز کی عقدہ کشائی کرتے کچھ فنا و بقاء کی تشریح کرنی چاہیئے تھی۔ بتاتے کہ تبتل کی راہ اختیار کر کے چلنے والے کس طرح ترقی کرتے ہوئے ؎

" پایہ پایہ تا ملاقات خدا "

پہنچتے ہیں، بجائے اس کے اس مثنوی میں ان قصوں اور کہانیوں کے سوا جن سے بچے خوش ہوں مجھے تو اور کوئی چیز نہیں ملتی۔ الغرض ساری مثنوی خریط کہتا تھا کہ ؎

جملہ سر تا سر فسانہ است و فسوں کودکانہ قصہ بیرون و دروں

خریط کی اس جاہلانہ تنقید نے مولینا میں جوش کی کیفیت پیدا کی، جلال میں بھرے ہوئے تھے۔ فرما رہے تھے کہ بھائی! میری مثنوی کے متعلق خریط نے اگر یہ رائے قائم کی تو کیا ہوا، بد اندیشوں نے تو اللہ کی کتاب کے متعلق کیا کچھ نہیں کہا۔ خود قرآن ہی سے معلوم ہو رہا ہے کہ "اساطیر الاولین" اگلوں کی کہانیاں، کہنے والے بھی اس کتاب عزیز کے متعلق پائے جاتے تھے، وہی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ نہ قرآن میں فلسفہ ہے اور نہ حکمت نہ تحقیق ہے اور نہ عالمانہ نکات و دقائق اس کتاب میں پائے جاتے ہیں لے دے کر کچھ تو ایسی باتیں ملتی ہیں کہ فلاں کام جائز ہے اور فلاں ناجائز، اللہ میاں اس فعل کو پسند کرتے ہیں، فلاں فعل ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس کے سوا کچھ آدم و ابلیس کے قصے ہیں۔ کچھ ہود و عاد والی آندھی، ابراہیمؑ کی آگ، نوحؑ کی کشتی، اس زمانہ کا طوفان یا یوسفؑ اور یعقوبؑ، زلیخا کی داستان، اسماعیلؑ کی قربانی، جبرئیلؑ کا نام، کعبہ اور ہاتھیوں کے حملہ کا ذکر، بلقیسؑ، سلیمانؑ، سبا کے افسانے الغرض اسی طرح کچھ داؤدؑ، طالوتؑ، شعیبؑ، یونسؑ (علیہم السلام) کی سرگزشتیں۔ مریم کس طرح حاملہ ہوئیں، ولادت

Marfat.com

کے بعد کھجور کے درخت کو ہلا کر پھل گرانے کا حکم ان کو دیا گیا۔ یا یہ کہ یحییٰؑ، زکریاؑ کی دعا سے پیدا ہوئے۔ صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی، اونٹنی کی وجہ سے پانی کی تقسیم کا جھگڑا پیش آیا۔ ادریس، الیاس، عزیر کے نام، قارون زمین میں کس طرح دھنسایا گیا، بنی اسرائیل وادیٔ تیہ میں چالیس سال تک کس طرح بھٹکتے رہے۔ موسیٰؑ کو درخت میں آگ نظر آئی ان کی لاٹھی اژدھا بن کر لہرانے لگی۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے۔ ذوالقرنین، خضر کے قصے اور کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف۔ ان کے چند معجزات، کہنے والے کہتے تھے کہ ان ہی چند سیدھی سادی باتوں کے سوا قرآن میں دھرا کیا ہے۔

مولینا پھر اسی خریطہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ جب قرآن کے متعلق مخالفوں کی طرف سے یہ لطیفے پھیلائے جا رہے تھے تو قرآن نے اعلان کیا تھا کہ اگر اتنی ہی سادی اور سیدھی باتوں پر قرآن مشتمل ہے تو پوری کتاب کا نہ سہی اس کی ایک سورۃ یا ایک آیت ہی کا جواب بنا کر پیش کرو۔ قرآن ہی نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ انس و جن مل کر بھی اس کی کوشش کریں گے تو کامیاب نہ ہوں گے۔

(بظاہر مولینا بھی شاید یہی فرمانا چاہتے تھے کہ میری مثنوی بھی اگر واقعی جیسا تم کہتے ہو کوئی ہلکی پھلکی کتاب ہے تو کیوں لکھنے والے اسی قسم کی مثنوی لکھ کر اپنے آپ کو اور اپنی کتاب کو دنیا میں مقبول بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے مگر یہ میرا اضافہ ہے مولینا نے یہ نہیں فرمایا۔ (مناظر احسن گیلانی))

مولانا کو تو موقع مل گیا قرآن پر بحث کرنے کا اور خریطہ کو اسی کے خبط کے حوالے کر کے فرمانے لگے کہ قرآن کا ایک تو ظاہر ہے، اس ظاہری پہلو کے نیچے باطنی پہلو بھی اس کتاب کی آیتوں کے ہیں باطن میں بھی چند طبقات ہیں باطنی پہلو کی ایک تہہ تک پہنچنے کے بعد جب دوسری باطنی تہہ سوچنے والوں کے سامنے آتی ہے تو وہ ششدر و حیران ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یوں ہی تہہ کے بعد تہوں کا سلسلہ ملتا ہی چلا جاتا ہے۔ تیسری تہہ تک پہنچنے کے ساتھ ہی آدمی کی عقل گم ہو جاتی ہے آگے تو ایک حد ایسی بھی آتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔

فرمانے لگے کہ بھائی! لوگ آدمی کے قالب کو دیکھ کر تو وہی رائے قائم کر سکتے ہیں جو ابلیس نے کی تھی کہ مٹی اور پانی سے مل کر جو کیچڑ تیار ہوئی تھی اسی کیچڑ میں زندگی پیدا ہو گئی۔ ورنہ "اصل اس کی کیچڑ ہے"، یہ ایک شیطانی مغالطہ ہے۔ کہنے لگے میاں! اولیاء اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پہاڑوں اور بیابانوں میں رہتے ہیں لیکن سچ پوچھو تو آبادی میں بھی جس وقت وہ رہتے ہیں اس وقت بھی عوام کے لحاظ سے

Marfat.com

وہ پہاڑوں کے غاروں ہی میں چھپے رہتے ہیں اور پہاڑوں کی بلندی پر بھی جو قیام فرما ہیں کیا ان کی حقیقی بلندی یہی ہے ؟ تمہارے سامنے وہ پہاڑ پر نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ساتوں آسمانوں سے بھی وہ اونچے ہیں۔ بہرحال جن لوگوں کو آسمان بھی نہ چھو سکتا ہو ان کو ضرورت ہی کیا ہے کہ وہ پہاڑوں پر جا کر اپنے آپ کو مخلوق کی نگاہوں سے چھپائیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ جن، بھوت، پری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں لیکن ان کو یہ شاید معلوم نہیں کہ واقعی انسان کی جو اصل حقیقت ہے وہ دیو اور پری سے بھی زیادہ مخفی اور پوشیدہ ہے۔ مولینا نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی جو اژدہا بن جاتی تھی، اژدہا بننے کے وقت ایک سانپ کی صورت میں وہ نظر آتی تھی مگر درحقیقت یہ اژدہا ایسا تھا کہ کائنات کو اپنے اندر چاہتا تو ہڑپ کرلیتا ؎ ظاہرش چوبے ولیکن پیش او کون یک لقمہ چو بگشاید گلو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے کچھ حروف اور الفاظ نکلے تھے لیکن یہ ایسے حروف اور الفاظ تھے جن سے زندگی مردوں کے بدن میں واپس آجاتی تھی کہ مسیح علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلنے والے الفاظ کو نہ دیکھے نظر اس پر رکھے کہ مردہ جو پڑا ہوا تھا کلبلا کر اٹھ بیٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو کیا دیکھتے ہو اس کو دیکھو کہ سمندر کو پھاڑ کر اس نے رکھ دیا۔ مولینا پھر جوش میں آگئے اور فرمانے لگے میاں گرد کو کیا دیکھتے ہو اس سوار کو دیکھو جو اس گرد میں چھپا ہوا ہے۔

(دفتر سوم)

(۱۶) تنہا عقل محافظ حدود نہیں ہو سکتی!

۲۲ مئی ۱۹۵۱ء حضرت معنوی کی مجلس انس و افادہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اس وقت قصہ کے رنگ میں تقریر اس مسئلہ پر فرما رہے تھے کہ

"وقت جب آئے گا تو ہم اپنی عقل سے کام لے کر مشکلات پر قابو حاصل کرلیں گے"

اس قسم کا دعویٰ ہر عامی آدمی کے لیے مناسب نہیں ہے عقل تو بیشک لوگوں میں ہوتی ہے لیکن عقل سے کام لینے کے لیے جس عزم اور ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اس سے عموماً لوگ محروم ہوتے ہیں فرمانے لگے کہ ایک صاحب تھے جن کی لڑکی جوان ہوگئی فکر شادی کی ہوگئی کفو اور خاندان میں مناسب بر نہیں ملا مجبوراً غیر خاندان کے لڑکے سے لڑکی کا عقد کردیا مگر اسی کے ساتھ لڑکی کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ گو میں نے تیرا عقد اس مرد سے کردیا ہے لیکن یہ خاندان کا آدمی نہیں ہے اور اس کا بھروسہ نہیں کہ

نباہنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ کوئی اولاد اس سے پیدا نہ ہو۔ ممکن ہے کہ اولاد پیدا کر کے خود رفو چکر ہو جائے اور بچے کو تیرے گلے کا طوق بنا کر مصیبت میں مبتلا کر دے۔ مولینا کے اصل اشعار یہ ہیں ؎

گفت دختر را کزیں داماد نو | خویش را پرہیز کن حامل مشو
کز ضرورت بود عقد ایں گدا | ایں غریب خوار را نبود وفا
ناگہاں بجہد کند ترک ہمہ | بر تو طفل او بماند مظلمہ،

لڑکی باپ کی نصیحت کو سنتی اور عرض کرتی کہ میں ایسا ہی کروں گی ہر دوسرے تیسرے دن باپ کا دستور تھا کہ لڑکی کو یاد دلاتا اور مزید تاکید کرتا۔

مگر خلوت میں میاں بیوی جمع ہونے لگے تو باپ کی نصیحت بے کار ثابت ہوئی، لڑکی حاملہ ہو گئی۔ باپ نے پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ابا جان روئی آگ کے سامنے لائی جائے گی تو جلنے سے کیسے محفوظ رہ سکتی ہے اور یہاں واقعہ یہ ہے کہ ع

"آتش و پنبہ ست بشک مرد و زن"

اس زمانہ میں بھی "مخلوط سوسائٹی" کے علمبرداروں کی طرف سے یہی نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ عقل کے زور سے حدود کی حفاظت میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن وقت پر عموماً تجربہ اسی کا ہوا کہ عقل کے استعمال صحیح کا موقع نہ ملا اور روئی میں آگ لگ گئی

(دفتر پنجم)

(۱۷) ہمجنسی میں عجیب جاذبیت ہے

۸ جولائی ۱۹۵۱ء، آج ۲ تاریخ عید کی ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت معنوی کی محفل قدس کا خیال آیا۔ مجلس جمی ہوئی تھی صف نعال میں شریک ہو گیا فرما رہے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک عورت ہانپتی کانپتی حاضر ہوئی عرض کرنے لگی حضرت میرا بچہ چھت کی نالی کے پاس ایسی جگہ جا کر بیٹھ گیا ہے کہ کسی کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی اور بلاتی ہوں تو اندیشہ ہے کہ خوف سے وہ گر نہ پڑے کوئی صورت نجات کی سمجھ میں نہیں آتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ تدبیر اس کی یہ ہے کہ اسی بچہ کا ہمجولی لڑکا ہو اس کو سامنے لے آؤ اپنے ہم عمر ہمجولی کو

دیکھ کر تمہارا بچہ خودبخود اس کے پاس آجائے گا۔ عورت نے یہی کیا، تدبیر کارگر ثابت ہوئی بچہ اپنے ہمجولی بچے کو دیکھ کر خوشی سے اس کے پاس آگیا۔ یہ تھا توقصہ اب مولٰینا قصہ کے نتائج کی طرف متوجہ ہوئے یاد دلایا قرآن میں پیغمبروں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ بشر کی صورت میں وہ کیوں بھیجے جاتے ہیں یہی ہم جنسی کا راز ہے ع "زانکہ جنسیت عجائب جاذبی ست"

اسی کے ساتھ ارشاد ہوا کہ جہاں کہیں تم کو طالب نظر آئے سمجھو کہ وہ اپنے ہم جنس ہی کا طالب ہے۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ادریسؑ آسمان پر گئے تو اسی لیے گئے کہ ملکوتی الصفات ہو چکے تھے۔ عالم ملکوت کی طرف کھنچ گئے اور جیسے وہ بلندی کی طرف گئے بعض لوگوں کو شیطانی صفات سے مناسبت تھی وہ شیطان کی طرف جھک پڑے۔ مولٰینا نے فرمایا کہ

شیطان کی طرف انسان کیوں جھکتا ہے؟ سب سے پہلی علامت اس بات کی کہ شیطان کی طرف آدمی جھک گیا، یہ ہے کہ شیطان کی پہلی برائی یعنی حسد کا شکار ہو جائے یہ پہلا مرض ہے۔ جس کا شیطان میں ظہور ہوا۔ فرمایا کہ حاسد غریب کا عجب حال ہوتا ہے ؎

ہر کرا دید او کمال از چپ و راست   از حسد قولنجش آمد، درد خواست

الغرض کمال ظہو کسی میں ہونا شرط ہے اور حاسد غریب پر قولنج کے دورے پڑنے لگتے ہیں درد سے تڑپتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ؎

زانکہ ہر بدبخت خرمن سوختہ   می نخواہد شمع کس افروختہ

اپنی کھلیان میں آگ لگا کر چاہتا ہے کہ کسی کے گھر میں دیا روشن نہ ہو۔ (دفتر چہارم)

علاج حسد مولٰینا نے فرمایا کہ حسد کے مرض سے نجات پانے کی ایک ہی راہ ہے کہ آدمی خود اپنے اندر کسی کمال کو پیدا کرلے۔ جب خود صاحب کمال ہوگا تو دوسروں کے کمال کو دیکھ کر نہ جلے گا۔ جلتے وہی ہیں جو خود کمال سے خالی ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جیسے خود مفلس ہیں دوسرے بھی مفلس ہو جائیں۔ (اور سارے کمالات میں بڑا کمال یہ ہے) کہ آدمی کسی باطنی شغل میں مشغول ہو جائے۔ ایک گھونٹ بھی اس شراب کی جسے میسر آجاتی ہے پھر اسی میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ پھر اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ سارے جہان میں کیا ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ایک مٹھی بھنگ میں خاصیت ہے کہ پینے والوں کو دونوں جہان سے تھوڑی دیر کے لیے غافل بنا دے۔ پھر باطن والی شراب کی خاصیت کا کون اندازہ کرسکتا ہے

نیند ہی کو دیکھو، طاری ہوئی اور دونوں جہان سے آدمی بے خبر ہو گیا۔ تم نے سنا ہو گا غریب مجنوں کھال کے عشق میں ایسا دیوانہ ہوا کہ سارے دوست و دشمن کی تمیز جاتی رہی۔

الغرض قدرت نے انسان کے اندر احساسات پیدا کیے ان احساسات کے لیے ایسی دوائیں قدرت نے مقرر کر رکھی ہیں جن میں ان کا مداوا ہے۔ مگر مستی پیدا کرنے والی اس شراب کے استعمال سے پہلے ضرورت ہے کہ استعمال کرنے والا دیکھے کہ اس کی یہ مستی استعمال کرنے والے کو کدھر لے جاتی ہے ایک شراب وہ بھی ہے کہ پینے والا نفس کی خواہشوں میں غرق ہو کر سب کچھ بھول جاتا ہے اور شراب ہی کی ایک قسم وہ بھی ہے جو عقل کو ایک منزل سے منزل کی طرف کھینچ کر پہنچاتی ہے۔ حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ آسمانوں کے خیموں کو پھاڑ کر آگے کی راہ آدمی کے سامنے لے آتا ہے۔

پس صرف ..... "مستی" مطلوب نہیں ہے بلکہ مست آدمی کس میں ہوا ہے۔ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے۔ آخر گدھا بھی تو مست ہی ہوتا ہے لیکن کس چیز کا مست؟ جو کی چند مٹھیوں کا۔ اور مسیح علیہ السّلام بھی مست تھے کس کے؟ حق کے۔

بہر حال ۔

ہست عیسیٰ حق خر مست جو   ہیں بہر مستی دلا غرہ مشو

شراب خمخانوں میں بھری ہوئی ہے احتیاط شرط ہے۔ کس خم کی شراب پی رہے ہو پہلے چکھ کر اندازہ کر لو، تم کو مست کرنے والی شراب ان ہی خمخانوں میں ایسی بھی مل جائے گی کہ ع

"مستیت آرد، کشاں تا رب دیں"

دین والے رب کی مستی جس سے پیدا ہو اسی شراب کو تلاش کرو ۔

تا رہی از فکر و وسواس و حیل   بے عقال عقل در رقص الجمل

یعنی یہی وہ مستی ہے جو آدمی کو اس مہلک مرض سے شفا بخشتی ہے۔ جس کا نام "وسواس" ہے، اور جیسے اونٹ ناچنے لگتا ہے اس شراب کا مست عقل کے بکیڑے (عقال) سے نکل کر محو رقص ہو جاتا ہے۔ (دفتر چہارم)

انبیاء کی طرف کون جھکتے ہیں؟ اس ناسوتی عالم میں حضرات انبیاء علیہم السّلام بشری صورت،

Marfat.com

ملکی سیرت کے ساتھ پیدا کیے جاتے ہیں ان کے دامن کو وہی تھامتے ہیں جو ان سے مناسبت رکھتے ہیں۔ آگ اور ہوا، دونوں کا قدرتی میلان بلندی کی طرف ہے۔ جب ان کو اپنے حال پر چھوڑا جاتے اوپر ہی جانا چاہیں گے۔ خالی گھڑے کو جس میں ہوا بھری ہو۔ تم دریا میں الٹ کر رکھ دو یا سمندر میں لیکن کبھی وہ پانی کے اندر نہ جائے گا۔ اوپر ہی تیرتا ہے گا جس کی وجہ یہ ہے کہ ع

کہ دلش خالی ست ور دے باد ہست

پس ؎ میل بادش چوں سوئے بالا بود ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد

آدمی میں عقل بھی ہے اور نفس بھی، عقل جس پر غالب ہے وہ پیغمبروں کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور نفس جس پر مستولی ہے شیطان کی طرف گھسٹتا ہے۔

(دفتر چہارم)

(۱۸) قرب حق کی دو قسمیں

حضرت معنوی کی مجلس معنی و حقیقت کا ولولہ موجزن ہوا حضوری کی سعادت کے ساتھ فوائد یہ حاصل ہوئے۔ فرماتے تھے قصہ اس گیدڑ کا جو رنگریز کے ٹب میں غوطہ کھا کر نکل آیا تھا جس کی وجہ سے طرح طرح کے رنگ سے گیدڑ کی کھال رنگین ہو گئی۔ باہر نکلنے کے بعد گیدڑ کو اپنے رنگ کے متعلق غلط فہمی ہوئی۔ خیال کرنے لگا کہ ایک قسم کا طاؤسی جسم قدرت کی طرف سے مجھے عطا ہوا ہے۔ اب معمولی صحرائی گیدڑوں کے مانند میں باقی نہ رہا۔ میں اور کچھ ہو گیا ہوں دوسرے گیدڑوں نے دیکھا کہ ہم لوگوں سے کچھ کنارہ کنارہ یہ رنگین گیدڑ رہنے لگا۔ ایک گیدڑ پہنچا اور بولا۔ بھائی! آپ ہیں کس حال میں؟ آپ کو کیا ہوا کہ ہم لوگوں سے کچھ الگ الگ رہنے لگے۔ اس نے کہا کہ تم نے یہ کیا مکر و فریب کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ تمہاری حالت تو اس شخص کی معلوم ہوتی ہے جیسے دنبے کی کھال مل گئی تھی۔ کھال میں کچھ چربی لگی تھی گھر سے جب نکلتا تو مونچھ میں اسی چربی کو مل لیتا۔ اور دوستوں میں بیٹھ کر مونچھ کو تاؤ دیتے ہوئے باور کراتا کہ گھر میں بہترین بریانی اڑا کر آرہا ہوں۔ لیکن اس کا پیٹ اندر سے کوستا کہ خدا تیری مونچھ کو اکھاڑے۔ بندۂ خدا! اگر تو لوگوں کو جھوٹ باور نہ کراتا پھرتا کہ آج میں نے یہ کھایا ہے، وہ کھایا ہے تو شاید تیرے حال پر رحم کھا کر کوئی کچھ کھلا دیتا۔ یا کوئی دوست ہی تیری دعوت کر دیتا۔ کم از کم اپنا واقعی حال لوگوں پر نہ کھولتا تو یہی کرتا کہ چپ رہتا۔ لیکن اب سن چمڑا دنبہ کا جسمیں چربی لگی ہوئی تھی اسے بھی بلی

لے بھاگی۔ اب اپنی مونچھ میں تو کیا لگائیے گا ؟

اسی سلسلہ میں مولینا فرما رہے تھے کہ "قربِ حق" کی دو مستقل قسمیں ہیں۔ خلق اور رزق کا قرب تو ایسا قرب ہے جس میں ہر خاص و عام کی حیثیت برابر ہے۔ اور قربِ حق کی دوسری قسم کا نام " قربِ وحی و عشق" ہے۔ یہی قسم قرب کی اولیاء اور انبیاء کے ساتھ مختص ہے۔

فرمایا کہ آفتاب کے ساتھ سوکھی شاخ کو بھی قرب کی نسبت حاصل ہوتی ہے اور شاخ ترکو بھی لیکن شاخ تر آفتاب کی گرمی سے شیریں اور مزیدار میووں کو پیدا کرتی ہے اور خشک شاخ کی خشکی میں خشکی کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

(۱۹) "الم نشرح" کی توضیح! ۷ اگست ۱۹۵۱ء، عجیب بات ہے آج کل سورۂ الم نشرح کے متعلق خیال دل میں گزر رہا تھا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ العسر (دشواری) کے ساتھ "یسر" کو اطلاقی رنگ دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ پیدا کیا گیا کہ کسی متعین دشواری کے ساتھ "یسر" اور آسانیوں کی متعدد شکلیں پیدا ہوتی ہیں ؎

اذا اشتدت بک البلوی ففکر فی الم نشرح   فعسر بین یسرین اذا فکرتہ فافرح

والا شعر مدرسوں میں عام طلبہ کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہے لیکن نیا خیال یہ ذہن میں آیا کہ اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یاد دلایا گیا ہے کہ بند سینے کو آپ کے ہم نے کھول دیا یعنی غیبی علوم کے دروازے وحی کے ذریعہ آپ پر کھل گئے۔ پھر آپ کو تنہا اس دنیا میں کھڑا کر دیا گیا، جو کفر و شرک سے بھری ہوئی تھی۔ کتنا بڑا بوجھ تھا جو آپ پر لادا گیا۔ اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ اپنے گھر تک کے لوگ حتیٰ کہ حقیقی چچا ابو لہب جیسے لوگ تک دشمن ہو گئے وطن کو چھوڑنا پڑا۔ بڑا بوجھ تھا جس نے کمر ہی توڑ دی مگر بوجھ جس نے لادا تھا اسی نے اتار بھی دیا۔ دس لاکھ مربع میل عرب کی سرزمین آپ کے حیطۂ اقتدار میں آگئی، کامیابی اور کیسی کامیابی جو اتار دیا ہم نے اس بوجھ کو جس نے توڑ دی پیٹھ تیری" اور بے مادر و پدر، ان پڑھ اُمّی، صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اتنی رفعت بخشی گئی کہ نسل انسانی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کون نشاندہی کر سکتا ہے کسی ایسے آدم زاد کے نام کی   جس کا نام چوبیس گھنٹوں کے اندر تیرہ سو سال سے ایشیا کے ہر ملک عرب، شام، مصر، ایران، سندھ و ہند، جزائر ہند، شرقی و غربی چین میں بھی لیا جاتا ہے۔ اور افریقہ کے بھی اکثر حصوں میں اور یورپ کے بھی بہت سے علاقوں میں اولاً ایسی شخصیت ہی نہیں ملتی

Marfat.com

جس کی شہرت کا دائرہ اتنے وسیع ممالک کو محیط ہوا اور پنجوقتہ اذان میں رفع ذکر کی یہ صورت کسی کے لیے اختیار ہی نہیں کی گئی۔

الغرض عدم شرح کے بعد شرح صدر، پشت شکن بار کے بعد اس بار کو، یابی کے ساتھ اتارنا اور چاہیئے تھا کہ جس سے زیادہ گمنام کوئی نہ ہوتا اسی کو ساری نسل انسانی میں رفع ذکر کی ایسی نعمت بخشی کہ جس کی نظیر تاریخ میں موجود نہیں۔

ان واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ دعویٰ اگر کیا جائے کہ ہر "دشواری" اسی لیے آتی ہے تاکہ یسر اور آسانی کی لذت آدمی کو محسوس ہو۔ بند آنکھ والے ہی کھلی آنکھ کی لذت کو، بوجھ سے جو دبایا جارہا ہے وہی بوجھ اترنے کی مسرت کو اور گمنام ہی نام آوری کی شہرت کی قدر و قیمت پہچان سکتا ہے۔

یہی خیال دماغ میں چکر کھا رہا تھا دل کو سمجھاتا تھا کہ "دشواری" جب آئے تو یہ سمجھو کہ "یسر" اور آسانی کی لذت سے قدرت تم کو سرفراز کرنے والی ہے۔

آج مجلس معنوی میں حاضری ہوئی تو ہمیشہ کی طرح اسی خیال کا اعادہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔

رنج و غم را حق پئے آں آفرید تا بدیں ضد خوشدلی آید پدید

اور یوں بھی تو سوچیے ایک شاہزادہ بادشاہ کے گھر پیدا ہوتا ہے، پیدا ہونے کے ساتھ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس کے نام کا چرچا پھیل جاتا ہے۔ شہر شہر قصبہ قصبہ گاؤں گاؤں میں لوگ اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں اس شاہزادے کو وہ لذت کیا مل سکتی ہے جو ایک گمنام دیہاتی بچے کو اس وقت ملتی ہے جب پڑھ لکھ کر وہ زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ اس کی تقریروں، تجربہ، اصابت رائے، سنجیدہ افکار سے دنیا متاثر ہوتی ہے ہر جگہ اس کا چرچا پھیلتا ہے۔ یقیناً گمنامی ہی کے بعد نام آوری سے مسرت ملتی ہے۔

رنج و غم کی یہ کتنی زبردست قیمت ہے یوں رنج و غم سے مسرت اور خوشدلی کی نعمت کو چکھ لینے کے بعد اس داور بے ہمال کے شکر سے چاہیئے کہ دل لبریز کر لیا جائے۔ اس "العسر" سے "یسر" کو نکالا فاذا فرغت یعنی جب العسر سے یسر کی پیدائش کے تجربات سے گزر کر "خیر و شر" والی اس زندگی کو ختم کرو، تو الیٰ ربک فارغب اپنے پالنے والے کی طرف چل پڑ، دنیا ہی کے بعد تو جنت کا مزہ ملے گا۔ اگر آدم علیہ السلام کی طرح ہم جنت ہی میں پیدا ہوتے، اسی میں جوان ہوتے تو جنت بھی شاید ہمارے

لیے اسی طرح بے مزہ ہو کر رہ جاتی جیسے سنتے ہیں کہ کشمیر کے باشندے ان لوگوں پر ہنستے ہیں جو ہزار ہا ہزار روپے صرف کر کر کے وہاں مرغزاروں، اور گل وگلزار کی بہاروں کو دیکھ دیکھ کر سر دُھنتے ہیں۔ مولینا عبد الباری ندوی کہتے تھے کہ کشمیریوں کو دیکھا کہ ان باہر سے آنے والے تماشائیوں کے تاثرات پر کشمیریوں کو تعجب ہوتا ہے کہ آخر انہیں مسرت کیا مل رہی ہے۔

مجلس معنوی میں دراصل ذکر ہو رہا تھا "نور" کا،

فرمارہے تھے رات بے نور ہو جاتی ہے۔ رنگ حالانکہ باقی رہتے ہیں لیکن نور کے نہ رہنے سے رنگ بھی نظر نہیں آتا۔ پہلے رنگ پر نور منعکس ہوتا ہے اور نظر آدمی کی نور پر پڑتی ہے نور کے توسط سے رنگ نظر آتا ہے جیسے باہر میں یہ ہوتا ہے کہ آفتاب اور دوسرے اجرام نیّرہ کا نور رنگ پر پڑتا ہے تب رنگ نظر آتا ہے۔ آدمی رنگ ہی میں غرق ہو جاتا ہے اور نور کی طرف دھیان نہیں جاتا کہ یہ سارا کرشمہ اسی طرح فرمایا کہ آدمی کے باطن میں بھی سبز و سرخ و زرد رنگ نظر آتے ہیں۔ طریقہ ان رنگوں کے دیکھنے کا یہ ہے کہ ؎

در درون خود بیفزا درد را تا ببینی سبز و سرخ و زرد را

مولینا نے سمجھایا کہ بیرونی رنگ جیسے نور کے بغیر محسوس نہیں ہوتا اسی طرح اندرونی نور کو بھی یقین کرو کہ نور ہی کے توسط سے نظر آتا ہے، بیرونی جیسے آفتاب کے نور سے نظر آتا ہے اسی طرح اندرونی رنگ کو غیبی نور کے توسط سے آدمی پاتا ہے فرمایا ؎

این برون از آفتاب و رسہاست کوز نور عقل و حس پاک و جداست

گویا دل کا نور، خود بالذات نور نہیں ہے بلکہ نور خدا کے سرچشمہ سے اس کا تعلق ہے یہ نور خدا نہ حواس کی گرفت میں آتا ہے اور نہ عقل کی، مثال مولینا نے دی ؎ "جان ز پیدائی و نزدیکیست گم"

اسی طرح نور حق بھی اپنی پیدائی اور نزدیکی کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا۔ نور حق کے سوا انوار ہیں چونکہ ان کی ضد تاریکی ہے اور ضد کا احساس اس کی ضد کے احساس سے ہوتا ہے خوشدلی کا احساس رنج دلی میں گرفتار ہونے کے بعد ہوتا ہے لیکن نور حق کا چونکہ ضد نہیں ہے اس لیے اس کو کیسے محسوس کرایا جائے ؎

"چونکہ حق را نیست ضد پنہاں بود"

اور یہی مطلب حضرت والا کے اس شعر کا ہے ؎

Marfat.com

نورِ حق را نیست ضدّے در وجود　　تا بضد او را توں پیدا نمود

(دفتر اول)

(۲۰) راہِ صفا کی جفاؤں کی حقیقت

۲۶ / اگست ۱۹۵۱ء آج کل برسات کا مہینہ ہے۔ ہندی میں اس کو بھادوں کہتے ہیں۔ اس سال برسات کی ابتدا عجب طریقے سے ہوئی۔ ابتدا میں ایک اچھی، بلکہ کافی سے زیادہ بارش ہوئی، اس کے بعد بند ہوئی۔ سال یہ ہے کہ کبھی کبھی نا کافی ترشح ہو جاتا ہے، جس علاقہ میں مقیم ہوں، یہاں دھان کی کاشت اصلی کاشت ہے۔ چونکہ دیہات ہے، کاروبار ہی یہاں کاشت کاری ہے۔ بارش کے نہ ہونے سے سارا گاؤں اداس ہے۔ خود فقیر کے ہاں بھی کچھ کھیتی ہوتی ہے اور غذائی سرمایہ خاندان کا اسی سے حاصل ہوتا ہے سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ ساون کا مہینہ یوں گزرا کہ تجربۃً اس میں مغربی ہواؤں سے بارش ہوتی ہے مہینہ بھر صرف مشرقی ہوا چلتی رہی۔ اب بھادوں کا مہینہ آیا اس میں مشرقی ہوا سے بارش ہوتی ہے۔ اچانک بھادوں میں ہوا کا رُخ بدل گیا۔ اب مغربی ہوا چل رہی ہے آج دل گھبرایا حضرت معنوی کی مجلس کا خیال آیا۔ حاضری کی سعادت میسر ہوئی، ارشاد ہو رہا تھا۔

ان لوگوں پر تعجب ہے جو صفائی کے آرزو مند ہیں، چاہتے ہیں کہ روح کی صفائی حاصل ہو۔ مگر جب ان کو صیقل کرنے کے لیے جفا کا ظہور ہوتا ہے تو اِدھر اُدھر بھاگتے ہیں شعر یہ تھا۔ فرمایا ؎

من عجب دارم ز جویائے صفا　　کو رمد در وقت صیقل از جفا

عشق تو ایک دعویٰ ہے۔ ہر دعوے کے لیے گواہ کی ضرورت ہے گواہ کے بغیر دعویٰ صرف ہوا ہے، آدمی کو تو چاہیئے کہ دعویٰ دائر کرنے کے بعد قاضی کے اجلاس سے گواہوں کے پیش کرنے کا جو حکم ہو تو بخندہ پیشانی گواہوں کو حاضر کر دے۔ اس حکم پر کڑھنے اور افسردہ خاطر ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

ارشاد ہوا کہ گنج (خزانہ) وہی پائے گا جو سانپ (مار گنج) کا بوسہ دینے پر تیار ہو گیا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ صفا کے لیے جو جفا کا ظہور ہوتا ہے تو اس جفا کا رُخ صفا چاہنے والے کی ذات کی طرف ہوتا ہے حالانکہ رخ اس کی طرف نہیں بلکہ صفا کو مکدر کرنے والے صفات کا ازالہ اس جفا سے مقصود ہوتا ہے۔ کمبل گرد سے اٹا ہوا ہوتا ہے لوگ اس پر لاٹھی مارتے ہیں تو یہ لاٹھی کمبل پر پڑتی ہے یا گرد پر ؎

Marfat.com

بر نمد چوبے کہ آں را مرد زد   بر نمد آں را نزد بر گرد زد

گھوڑے پر کوڑا مارنا کیا گھوڑے کو مارنا ہے یا گھوڑے کی بدعنوانی پر یہ کوڑے اس لیے پڑتے ہیں تاکہ وہ اپنی چال کو درست کرے۔

بہر حال جب انگور کے شیرہ کو قید نہ کیا جائے گا وہ شراب کی شکل کیسے اختیار کر سکتا ہے۔ ایک یتیم کو استاد نے تھپڑ مارا دیکھنے والا بگڑا کہ یتیم کو ستاتے ہو، مارتے ہو، استاد نے کہا کہ یتیم کو میں نے کیا مارا بلکہ اس شیطان (دیو) کو میں نے چپت لگائی ہے جو اس لڑکے کے اندر چھپا بیٹھا ہے، ماں بچے سے کہتی ہے کہ "مر ہی جائے" تو بچے کو نہیں کہتی، بچے کی بری عادت کی موت کی آرزو کرتی ہے۔ مولینا نے اسی کے بعد فرمایا کہ،

"آدمی کو چاہیے کہ بڑے بڑے بول بولنے والوں کی صحبت سے بھاگے، وہ باتیں تو بہت کرتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو میدان میں ٹھہر نہیں سکتے بادام تھوڑا ہی ہو مگر شیریں ہو تلخ بادام کے ڈھیر سے بہتر ہے۔"

کہنے لگے بودی موت سے کیوں بھاگتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کے متعلق شک کی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے مسافر جو راستہ سے ناواقف ہے ظاہر ہے راستہ اطمینان سے کیسے طے کر سکتا ہے اس کا حال اگر یہ ہو کہ ایک ایک قدم پر اِدھر دیکھتا ہے، اُدھر دیکھتا ہے، چلتا ہے۔ کہیں سے آواز آئی اِدھر نہ جانا راستہ نہیں ہے، بیچارہ ٹھٹک جاتا ہے۔ حالانکہ راہ پہلے سے معلوم ہو تو لوگوں کی چیخ پکار کی اسے کیا پرواہ ہو گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ:۔

بزدلوں کے ساتھ زندگی کی راہ طے کرنے کا ہرگز ارادہ نہ کرنا، جب کوئی وقت آئیگا اور تم ان کو پکارو گے تو تمہیں چھوڑ کر وہ بھاگ کھڑے ہوں گے، خواہ لاف زنی میں سحر طرازیوں سے ہی کیوں نہ کام لے رہے ہوں، (دفتر سوم)

اسی پریشانی میں "مجلس اکبر" کی حاضری سے بھی مشرف ہوا ارشاد ہو رہا تھا۔

"سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ آدمی کا دل جس چیز کو چاہے وہ میسّر نہ ہو"

اس کے بعد فرمانے لگے کہ

"ہم تک یہ روایت پہنچائی گئی ہے کہ حق تعالیٰ فرشتے سے کہتے ہیں کہ فلاں

Marfat.com

شخص کی حاجت ابھی پوری نہ ہو کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس کی پکار سنوں"۔

اس روایت کو نقل کر کے شیخ نے کہا کہ جس شخص کی حاجت پوری نہیں ہوتی ظاہر ہے کہ دکھ اپنے اندر محسوس کرتا ہے لیکن اس دکھ کا منشا حق تعالیٰ کا غصہ نہیں بلکہ رحمت ہوتی ہے۔ قرآن میں بھی اس " دیوار" کا جو ذکر کیا گیا ہے جس کے اندر اور باطن میں تو رحمت ہوگی اور باہر و ظاہر میں عذاب ہوگا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ظاہر باطن ہی کا تابع ہوتا ہے پس دکھ جو در اصل لذت کی نایافت کی تعبیر ہے اس میں بھی رحمت کا پہلو پوشیدہ ہوتا ہے اور ثابت ہو کہ " الآلام عوارض واللذات ثوابت" (سارے دکھ عارضی ہیں اور لذتیں برقرار رہنے والی ہیں) " فالعالم مرحوم بالذات مثالم مما لیعرض" (عالم کو رحم ہی کے تحت اصلاً حق تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور دکھ عالم کا صرف عارضی ہے)

شیخ نے بھی اس موقع پر وہی مثال پیش کی کہ بچے کو باپ مارتا ہے اور اس مار سے بچے کو دکھ بھی پہنچتا ہے لیکن درحقیقت اس دکھ میں بھی باپ کی مہربانی ہی پوشیدہ ہے۔

شیخ نے پھر بخاری کی اس روایت کا حوالہ دیا جس میں ایک عورت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" ان اللہ اشفق علی عبدہ من ھذہ علیٰ ولدھا " (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جتنی کہ یہ عورت اپنے بچے پر مہربان ہے۔) ص ۲۷۵ ج ۳

(۲۱) حدیث جف القلم کی انوکھی تعبیر! ۴ ستمبر ۱۹۵۱ء مجلس معنوی کے حضور کا دلولہ دل میں موجزن ہوا، حاضر ہو گیا، فرما رہے تھے کہ

"جف القلم بما ھو کائن" (خشک ہو چکا قلم ہر اس بات کو لکھ کر جو آئندہ پیش آنے والی ہے)

اس حدیث کا مطلب لوگ کیا سمجھتے ہیں؟ فرمانے لگے ایک پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی ہر دونوں باتیں برابر نہیں ہیں قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ مثالاً سمجھانے لگے کہ یوں سمجھو کہ چوری اور امانت یہ دونوں باتیں برابر نتیجہ کے لحاظ سے نہیں ہیں۔ قلم اس قانون کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ الغرض ہر کام اپنے ساتھ خاص نتیجہ اور اثر رکھتا ہے، جو کج چلے گا اس کی کج چال سے کج نتیجہ پیدا ہوگا۔ او رسیدھی راہ چلو گے تو سیدھا نتیجہ تمہارے سامنے آئیگا جس کا دوسرا نام سعادت ہے اسی طرح ظلم و ستم کرو گے تو نحوست تم کو پکڑے گی اور انصاف سے کام لو گے تو اس کا پھل تمہارے سامنے آئے گا۔

بہر حال اس کا یہ مطلب جو بیان کرتے ہیں کہ کام آدمی کے اختیاری حدود سے باہر ہو چکا ہے اور

Marfat.com

اور جو کچھ ہونے والا ہے اُسے پہلے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا تھا اور اس مطلب کو سامنے رکھ کر ہر بدکار اپنی بدکاریوں میں بدکاریوں کا اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، برائیوں کا مرتکب ہو کر آخر میں یہی کہتے ہوئے کہ جو برائی مجھ سے صادر ہوئی قلم تو پہلے اس کو لکھ کر خشک ہو چکا تھا پس ذمہ داری مجھ پر نہیں قلم پر اور اس پر ہے جس نے قلم سے ہر ہونے والی بات کو پہلے ہی لکھ چھوڑا ہے۔ ہندی میں جس کی تعبیر اس مشہور شعر کے ساتھ کی گئی ہے ؎

نیاؤ نہ کیو کیو ٹھکرائی   بن کیے لکھ دیو برائی

(مناظر احسن گیلانی)

مولٰنا نے فرمایا کہ کیوں نہ اس حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ انصاف اور بے انصافی دونوں برابر نہیں ہیں قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔ خیر و شر برائی اور بھلائی دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ یہ غلط ہے بلکہ بھلائی کا نتیجہ بھلا اور برائی کا نتیجہ بُرا ہے۔ قدرت کا یہ فیصلہ ازل میں ہو چکا ہے اور اپنے قلم ازل ہی سے قدرت نے یہ لکھ دیا ہے کہ ہر برائی بھی ثمرہ اور اثر کے لحاظ سے برابر نہیں ہے بلکہ ہلکی برائی کا نتیجہ بھی ہلکا اور بڑی برائیوں کا نتیجہ بھی بہت زیادہ بُرا ہوگا۔ اسی طرح قدرت نے خیر اور بھلائی کے سلسلے میں بھی یہ قانون مقرر کر دیا ہے کہ ذرّہ برابر نیکی اخلاص کے ساتھ جب بندے کی طرف سے پیش ہوگی تو قدرت کا ہاتھ اس ذرہ کو پہاڑ اپنے فضل و کرم سے بنا دے گا۔

ارشاد ہوا ایسا بادشاہ اور حکمران جس کی نظروں میں خائن اور دیانتدار ملازم دونوں ایک ہی جیسے سمجھے جاتے ہوں یا ایسے نوکر بادشاہ کے جو سامنے ہی نہیں بلکہ اس کی پیٹھ پیچھے بھی اس سے لرزاں و ترساں ہوں اور جو اسی بادشاہ پر اور اس کی حکومت پر اعتراض کرنے والے، تلاش کر کر کے اس بادشاہ کی کمزوریوں کو جو پھیلاتے رہتے ہوں دونوں کے ساتھ برابر سلوک روا رکھا جاتا ہو، تو تمہارا فیصلہ اس حکمران کے متعلق کیا ہوگا؟

فرمانے لگے کہ میں تو یہی کہوں گا کہ ع

"شاہ بنود خاک تیرہ بر سرش"

الغرض اندھیر نگری کا ایسا اندھا راجا جس کی حکومت میں ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر کھاجہ[1] فروخت ہوتا ہو

[1] ایک لطیف مٹھائی کا نام

Marfat.com

بھلا ایسا راجہ۔ راجہ کہلانے کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے اس کے سر پر خاک ڈالدی جائے تو بہتر ہے (گیلانی) بہر حال کائنات کا نظام جو چلا رہا ہے اس کے ملک میں یہ اندھیر نہیں ہو سکتا بلکہ ذرہ برابر بھی اپنی کوشش میں جو اضافہ کرے گا وہ اس کے صلے اور نتیجے کو اپنے آگے پائے گا اور قدرت کی ترازو میں یہ ذرہ برابر بھی تل جاتا ہے۔

مولینا رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے :۔

"اندھیر نگری کے ان اندھے حکمرانوں کے ساتھ میں دیکھتا ہوں تمہارے دل کے تعلق کا یہ حال ہے کہ جان تک ان کے لیے لڑا دینے میں تم پس و پیش نہیں کرتے حالانکہ یہ بیچارے اندھے راجہ اور بادشاہ صحیح معنوں میں کچھ نہیں جانتے کہ واقعی ان کا وفادار کون ہے؟ اور کون غدار ہے۔ ممکن ہے چغل خور ان کے کان میں کچھ پھونک آتا ہے اور بادشاہ عمر بھر کی خدمات پر تمہاری، محض اس کی چغلی کی وجہ سے پانی پھیر دیتا ہے۔"

توجہ دلانے لگے :۔

"ذرا سوچو تو سہی کہ ہمہ شنوائی ہمہ بینائی والے بادشاہ کے ساتھ ایسی صورت میں تمہارے دل کے تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے وہی جہاں نہ چغل خوروں کی چلتی ہے نہ غمازوں کی۔"

اور ایک دلچسپ بات اسی کے ساتھ یہ بھی فرمائی کہ :۔

"چغل خوروں اور غمازوں کی دہاں تو چلتی نہیں تب اپنے دل کی بھڑاس وہ یوں نکالتے ہیں کہ ہمارے آگے وہ اس سمیع و بصیر پر گویا حملہ کرتے ہیں اور سمجھاتے پھرتے ہیں کہ میاں! بڑے صاحب نے تو پہلے لکھا کر قصہ ختم کر دیا ہے، جو کچھ بھی پیش آنے والا تھا اس کو لکھ کر ان کا قلم خشک ہو چکا پھر اپنا سر اس میں کھپانا کہ جہاں تک ممکن ہو اپنے مالک کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کر کے حق وفاداری ادا کرنا چاہیئے، فضول ہے، میاں کہاں کی وفا اور کہاں کی جفا۔ تمہارے ہاتھ میں کچھ رکھا بھی گیا ہے؟"

ذرا تمتما کر تند و تیز لہجہ میں فرمانے لگے :۔

Marfat.com

"قلم خشک ہو چکا (یعنی جف القلم بما ھو کائن) اس کا مطلب یہ کیوں نکالا جا رہا ہے کہ جفا اور وفا دونوں برابر اور نتیجہ کے لحاظ سے یکساں ہیں، بلکہ سنو! قلم یہ لکھ کر خشک ہوا کہ جو جفا کریگا جفا کے نتیجہ کو اپنے سامنے پائے گا اور جو وفا کرے گا وفا کے ثمر کو پائے گا۔"

ارشاد ہوا کہ:۔

"معافی اور درگزر کا بھی قانون ضرور ہے لیکن جو امیدیں تقویٰ کے ساتھ قائم ہوئی ہیں یہ ان ہی امیدوں کو اپنے اندر وہ کیسے پال سکتا ہے، جو صرف عفو اور درگزر کے قانون اور رحم وکرم کے بھروسے جی رہا ہے۔"

پوچھنے لگے کہ:۔

"چور نے چوری کی، فرض کرو حکومت کسی خاص وجہ سے اس کو چھوڑ بھی دے اور درگزر سے بھی کام لے لیکن حکومت میں جو مقام اور جو رتبہ وزیروں اور خزانہ کے ذمہ دار افسروں کا ہے کیا اسی مقام اور اسی رتبہ کا مستحق یہ چور ہو سکتا ہے جو صرف معافی اور رحم کے قانون کے زیر اثر سزا سے بچ گیا یا بچا دیا گیا۔"

جوش میں فرمانے لگے کہ:۔

"یاد رکھو! بادشاہ کا لڑکا یا ولیعہد اگر بادشاہ کی خیانت کرے گا تو اس جرم کی سزا صرف یہی ہے کہ سر اس کے تن سے جدا کر دیا جائے لیکن بادشاہ کا کوئی غلام ہی کیوں نہ ہو وفاداری کا تجربہ جب اس سے ہوتا ہے تو باوجودیکہ غلام ہونے کے بادشاہ کا وہ محبوب بن جاتا ہے اور غلام بیچارہ تو پھر بھی آدم زاد ہوتا ہے۔ یہاں تو حال یہ ہے کہ وفادار کتا بھی اپنے آقا کا چہیتا بن جاتا ہے، اسی سے سمجھنا چاہیے کہ کتا جب آقا کا محبوب بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے تو وفاداری شیر کی کس نتیجہ کو پیدا کر سکتی ہے۔"

آخر میں ارشاد ہوا:۔

"سچ تو یہ ہے کہ چور سے بھی جب کوئی معقول خدمت بن آتی ہے اور راستبازی کا کوئی عمل اس سے صادر ہوتا ہے تو اس کی یہی سچائی ہزار ہا ہزار دست درازیوں

Marfat.com

کی جڑوں کو نکال کر باہر پھینک دیتی ہے۔"

پھر اسلامی تصوف کی تاریخ کے اس واقعہ کا ذکر فرمانے لگے کہ:۔

"آج ہم فضیل (ابن عیاض) کو کن نظروں سے دیکھتے ہیں (سلسلۂ تصوف کے ایک گوہر تاباں وہ سمجھے جاتے ہیں) مگر ابتداء میں کون نہیں جانتا کہ ایک ڈاکو اور چور تھے (کہتے ہیں کہ قافلہ پر دھاوا کرنے کے لیے کمیں گاہ میں رفیقوں کے ساتھ فضیل چھپے ہوئے تھے۔ صبح کا وقت تھا قافلہ سے ایک آواز بلند ہوئی یہ قرآن کی مشہور آیت تھی جس کا ترجمہ ہے کہ" ایمان والوں کے لیے کیا اس کا وقت نہیں آگیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف جھک پڑیں اور ان باتوں کی طرف جنہیں خدا نے پیغمبر کے ذریعہ نازل فرمائی ہیں" فضیل کے کان میں آواز آئی اور سینے سے ان کے خروش بلند ہوا کہ

"ہاں وقت آگیا، وقت آگیا"

واقعی وقت آچکا تھا ڈاکوؤں کے گروہ سے وہ باہر نکلے اور اہل اللہ کے مجمع میں شریک ہو کر اپنے وقت کے قطب اور آئندہ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے پیشوا بن گئے۔)

مولینا نے ان جادوگروں کا تذکرہ بھی کیا جو فرعون کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اتر آئے تھے لیکن حضرت موسیٰ کی پیشانی سے سچائی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں ان سے وہ تلملا اٹھے اور فرعون کی دھمکی کہ کھجور کے تنوں میں باندھ کر میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالوں گا اس کی بھی پروانہ کی اور اور کہنے لگے کہ" فاقض ما انت قاض" (تیرے جو جی میں آئے کر گزر) صـ۴۶۵

اس بیان کے بعد مولینا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ موسیٰؑ کے ساحروں میں سچائی اور صداقت کی جو تابناک روشنی چمک اٹھی یا فضیل میں توبہ و انابت کا جو سمندر موجزن ہوا تھا اس سے تم اپنی اس چند روزہ ٹوٹی پھوٹی عبادت و ریاضت کا موازنہ نہ کرنا سو سال کی عبادت ایک طرف اور ایک لمحہ کا وہ اخلاص جو ساحروں میں جلوہ گر ہوا تھا ایک طرف۔

پھر ایک دلچسپ قصہ سنانے لگے، اللہ والوں کا معاملہ اللہ میاں کے ساتھ اور ہوتا ہے ہم عامی لوگ یہی معاملہ خدا کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ قصہ شہر ہرات میں پیش آیا۔ اس زمانہ میں مشہور خواجہ عمید

Marfat.com

خراسانی حکومت کے وزیر تھے اپنے غلاموں کو وہ زرق برق لباس میں رکھتے۔ شہر میں ایک دن ان کے غلام بڑے تزک و احتشام کے ساتھ جا رہے تھے، ایک ظریف منچلے آدمی کی نظر غلاموں پر پڑی، پوچھا کہ یہ اطلس در بر، اور زریں کمر کون لوگ ہیں؟ اطلاع دی گئی کہ عمید خراسانی وزیر کے غلام ہیں۔ سنتے ہی دیکھا گیا کہ اس ظریف کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور کہہ رہا ہے کہ:-

"غلاموں کے پالنے کا ڈھنگ کاش! ہمارے شہر کے وزیر سے آپ سیکھتے، دیکھئے یہ ہے بندہ پروری کا طریقہ"

مولینا نے فرمایا کہ منچلا آدمی دل والا تھا۔ اس وقت اس کے بدن پر چیتھڑے لٹک رہے تھے اور سردی کی شدت سے بیچارہ کانپ رہا تھا، دل میں موج آئی زبان سے یہ فقرے نکل پڑے۔ لیکن ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کو اس قسم کی جرأت بیجا پر دلیر ہو جانا مناسب نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کے نیاز مندوں کو ناز کی بھی اجازت ہے، بادشاہ کے مصاحبوں کو دیکھ کر شہر کا کوئی عامی، بادشاہ کے ساتھ مذاق اور ہنسی کی گفتگو کی اگر جسارت کرے گا تو اس کا نتیجہ اکو خود بھگتنا پڑے گا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھانے لگے کہ اس منچلے آزاد نے جو بات کہی وہ بھی کب ٹھکانے کی تھی نظر خواجہ عمید کے غلاموں کے زریں کمر بند پر پڑی، وہ ان ٹوپیوں کو تو دیکھ رہا تھا جو جواہر سے جگمگا رہی تھیں لیکن جس نے کمر بند نہیں کمر ہی عطا فرمائی، اور ٹوپیاں ہی نہیں جن سروں کو ٹوپیوں سے ہم چھپاتے ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، الغرض ؎

حق میاں داد و میاں بہ از کمر گر کسے تاجے وہد او سر دہد

آگے قصہ کا تتمہ بھی سن لیجئے مولینا ہی نے بیان کیا ہے کہ:-

"اس واقعہ کے کچھ ہی دن بعد خواجہ عمید سے بادشاہ بدگمان ہوا اور پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ وزیر صاحب تو جیل روانہ ہوئے اور ان کے غلاموں کو بادشاہ نے شکنجے میں کس کس کر دریافت کرنا شروع کیا کہ اپنے روپے وہ کہاں کہاں رکھتا تھا، جہاں جہاں اس کے دفینے محفوظ ہیں ان کا پتہ دو، ورنہ سب کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ ایک مہینہ تک غلاموں پر ظلم و ستم کا سلسلہ بادشاہ کی طرف سے مسلسل جاری رہا لیکن غلاموں میں کوئی نہ کھلا۔ آخر عبرت کے لئے ان ہی غلاموں میں سے ایک غلام کے

Marfat.com

ٹکڑے ٹکڑے سب کے سامنے کر کے دکھائے پھر بھی نہ یہ قتل ہونے والا غلام ہی کھلا اور نہ اس کو دیکھ کر دوسرے غلام افشائے راز پر آمادہ ہوئے۔"

جس دن غلام کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا یہ دردناک واقعہ پیش آیا اسی دن کے بعد جورات پھر آئی وہی ظریف من چلا آدمی جو اللہ میاں کو بندہ پروری کے متعلق خواجہ عمید سے سبق پڑھنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہتا تھا کہ ع

"بندہ پروردن بیاموز اے

اسی کے خواب میں آنے والا آیا اور کان میں اس کے کہہ رہا تھا ع

"بندہ بودن ہم بیاموز وبیا"

مطلب یہ تھا کہ بندہ پروری کا طریقہ خواجہ عمید سے میں سیکھوں تم نے جو یہ کہا تھا تو میں کہتا ہوں کہ بندہ بننے کا طریقہ بھی خواجہ عمید کے غلاموں سے تم کو سیکھنا چاہیئے۔

(دفتر پنجم)

(۲۲) اللہ والوں پر اللہ کی محافظت

۱۶ ستمبر ۱۹۵۱ء مجلس معنوی تک رسائی کی عزت حاصل ہوئی۔ قصہ بیان کر رہے تھے خود ہمارے ہندوستان کا شعر تھا۔ آن شنیدستی کہ در ہندوستاں ، دیدہ دانائے گروہے دوستاں

یعنی ایک دانشمند کی نظر دوستوں کے ایک گروہ پر پڑی، یہ مسافر لوگ تھے۔ زادِ راہ ختم کر چکے تھے بھوکے پیاسے تھے اور بڑی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے تھے انہیں آگے بھی جانا تھا۔ دانشمند ان مسافروں کو دیکھ کر خوش ہوا اور گرمجوشی سے ملا۔ سلام و کلام کا سلسلہ دونوں کے درمیان جاری ہوا۔ مسافروں کو دانشمند نے سمجھانا شروع کیا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ بھوک اور پیاس کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور اس کربلا کے میدان میں آپ تکلیفوں کا شکار ہو گئے۔ لیکن میری ایک بات سنئے، آگے آپ کو ہاتھیوں کا جنگل ملے گا۔ جس میں ہاتھی کے بڑے موٹے فربہ بچے دوڑتے ہوئے نظر آئیں گے ان کا شکار بھی بآسانی آپ لوگ کر سکتے ہیں اور ان کے گوشت کا کباب بھی بڑا لذیذ ہوگا۔ مگر یاد رکھیے کہ جہاں یہ بچے آپ کو نظر آئیں گے وہیں کہیں ان بچوں کی مائیں ہتھنیاں بھی چھپی ہوں گی۔ ان ہتھنیوں کا دستور ہے کہ ان کے بچے کو شکار کر کے جو کھا جاتے ہیں خواہ سیکڑوں میل بھاگ کر دور کیوں نہ نکل گئے ہوں لیکن ان کا پیچھا کرنے سے وہ باز

Marfat.com

نہیں آتیں اور اپنے بچوں کے کھانے والوں تک پہنچکر ختم ہی کر کے دم لیتی ہیں۔ دانشمند ان کو طرح طرح سے سمجھاتا رہا اور راز بتایا کہ ان ہتھنیوں کی قوت شامہ میں غیر معمولی ذکاوت ہوتی ہے۔ سونگھ کر وہ پتہ چلا لیتی ہیں کہ کس نے ان کے بچوں کا گوشت کھایا ہے پھر حد سے زیادہ بے رحمی کا برتاؤ ان کے ساتھ غصہ میں کرتی ہیں، دانشمند نے چونکاتے ہوئے کہا کہ ؎

الحذر زاں بچہ مرحوم اد　　آتش و دود آید از خرطوم اد

"غضبناک ہتھنیوں کے سونڈ سے آگ کا دھواں نکلتا رہتا ہے۔ خبردار، خبردار ان کے بچے کو نہ چھونا"، مگر ہوا یہ کہ مسافروں نے دانشمند کی باتیں تو سن لیں اور آگے بڑھ گئے۔ راستہ میں جیسا کہ دانشمند نے کہا تھا واقعی وہ جنگل آگیا جس میں ہاتھیوں کے بچے کلیلیں کر رہے تھے ان کے نرم نرم فربہ گوشت کو دیکھ کر ہر ایک کا دل للچانے لگا۔ بآسانی پایا کہ ہاتھ بھی آسکتے ہیں۔ آخر ایک بچے کو ہاتھی کے ان بھوکے مسافروں نے پکڑ لیا۔ اور دانشمند کی نصیحت کہ کچھ بھی ہو جائے گھاس پات ہی کھانا پڑے لیکن ہاتھی کے بچے کو نہ چھونا، اس کی پروا کسی نے نہ کی صرف ایک مسافر بیچارہ دانشمند کی نصیحت کو یاد دلاتا رہا۔ لیکن حرص اور لالچ اور بھوک کی شدت نے سب کو بہا دیا۔ اور بچہ پکڑا گیا۔ ذبح کیا گیا لکڑیاں جمع کر کے کباب اس کے گوشت کا ان مسافروں نے لگایا اور خوب پیٹ بھر کر اس کو نوش جاں کیا۔ البتہ وہی ایک مسافر ان کو منع کرتا رہا اس نے کھانے میں شرکت نہ کی۔ کھاپی کر جب سیر ہو گئے تو درخت کی چھاؤں کے نیچے سب لیٹ گئے، اور وہی اکیلا مسافر جس نے کھانے میں شرکت نہ کی تھی بھوک کی تکلیف کی وجہ سے جاگتا رہا۔ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ ایک دیوانی ہتھنی تیزی کے ساتھ بھاگتی ہوئی سامنے سے آرہی ہے، دل اس کا تھرا گیا، سمجھ گیا کہ جس کا بچہ ذبح کر کے کھایا گیا ہے وہی ہتھنی، جیسا کہ دانشمند نے کہا تھا، آگئی۔ بھاگ نہیں سکتا تھا، سوچ ہی رہا تھا کہ سر پر ہتھنی اس کے کھڑی ہوئی تھی وہی چونکہ جاگ رہا تھا ہتھنی نے پہلے تو اس کے منہ کو سونگھا اور پیٹ کو بھی سونڈ سے ٹٹولا لیکن اس نے گوشت ہاتھی کے بچے کا چونکہ نہیں کھایا تھا، اس کو چھوڑ دیا اور اب سونے والوں کی طرف متوجہ ہوئی ایک ایک کا منہ سونگھتی جاتی تھی اور بچے کے گوشت کی بو محسوس کر کر کے سونڈ سے اس کو اوپر اٹھاتی اور چرخ دے کر زمین پر ٹپک دیتی تھی جس سے ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں یہی سلوک اس نے ہر ایک کے ساتھ کیا جس کے منہ سے گوشت کی بو آتی تھی۔ بالآخر سب ہی کو مار ڈالا۔

Marfat.com

اس قصہ کے ساتھ مولانا نے فرمایا کہ، دیکھو! جیسے متھنی اپنے بچوں سے الگ ہو کر جنگل میں چرتی ہے اور بچوں کو بظاہر تنہا چھوڑ دیتی ہے مگر اس کی توجہ مسلسل بچے ہی کی طرف رہتی ہے جو بھی اس کے بچے پر ہاتھ ڈالے گا۔ متھنی اس کو ختم کر دیتی ہے، کچھ یہی حال اللہ کے ان دوستوں کا سمجھو جو بظاہر دنیا میں تنہا نظر آتے ہیں ان کے پاس ساز و سامان بھی حفاظت کا نہیں ہوتا لیکن ولایت کا رشتہ خدا کے ساتھ ان کا جو ہوتا ہے اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالنے والے تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

کہنے لگے کہ قرآن ہی میں دیکھو اکیلے موسیٰ یا نوح علیہم السلام ان لوگوں کا کیا کر سکتے تھے جو ان کے بر سر مقابلہ کھڑے ہو گئے تھے لیکن خدا کے ساتھ ان کا جو رشتہ تھا اس نے دشمنوں کو ختم کر دیا۔
فرمانے لگے، بیچارے لوط علیہ السلام کو ان کے شہر والے نکال دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر جاؤ بیت المقدس کے راستہ میں سیاہ پانی کی ایک جھیل تم کو ملے گی، لوطؑ کی قوم کا شہر اسی مقام پر تھا، بستی الٹ دی گئی اور سیاہ پانی ایک جھیل کی شکل میں وہاں جھلک رہا ہے۔

فرماتے لگے بھائی! اس قصے کو میں کہاں تک طول دوں، جگر کیا پہاڑ بھی پگھل جائیں جب ان قصوں کو سنایا جائے مگر جگر گدازی کے اس منظر کو ہر ایک دیکھنے کی اپنے اندر تاب نہیں رکھتا ان دیکھنے والوں کو تم دیکھنے والا سمجھتے ہو جنہیں اونٹ میں صرف اون نظر آتا ہے مگر اس میں جو گوشت اور چربی اور دوسرے کمالات ہیں ان سے وہ اندھے ہیں۔ عجیب لوگ ہیں حرص اور لالچ کے زیر اثر ایک ایک بال کی لوگ کھال نکالتے ہیں لیکن واقع میں جو اونٹ ہے اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں۔
(کائنات کے ذرے ذرے کو اپنی تحقیقات کا تختہ مشق بنائے ہوئے ہیں لیکن کائنات کا ظہور جس وجود کے ساتھ وابستہ ہے اسی سے یہ اندھے ہیں۔ دگیلانی)

یہ دنیا کے حریص ناچتے ہیں لیکن ان کا ناچ ریچھ کا ناچ ہے۔ جس کا نہ کوئی مطلب ہے نہ معنیٰ! لیکن کبھی کبھی رقص کی حالت ان لوگوں پر طاری ہو جاتی ہے جو اپنی خودی سے نکل کر بے خودی میں ڈوب جاتے ہیں اپنے ہاتھ سے جب نکل بھاگتے ہیں تو ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہیں۔ اس رقص اور ان تالیوں کا مطلب ہی اور ہے۔ ریچھ کے رقص پر ان کو قیاس کرنا غلط ہے۔
بہر حال کان سے خرافات کی روئی جب نکل جاتی ہے تب آدمی سنتا ہے ان تالیوں کو جو درختوں

Marfat.com

کے پتے بجا سے ہیں۔

فرمانے لگے کہ کان کو، لاحاصل، بے نتیجہ مسخرگی باتوں اور دروغ بافیوں سے پاک رکھنے کی کوشش کرو، تم کو روح اور جان والے شہر اپنی روشنی اور چمک دمک کے ساتھ دکھائی دینے لگیں گے۔ دیکھو! اپنے منہ کو مذاق اور ٹھٹول سے پاک رکھو اور دوست کے چہرے کی داستان کے سواء اور کسی چیز کا تذکرہ نہ کرو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تھے؟ "حق" کے لیے ان کا وجود صرف کان اور صرف آنکھ بن کر رہ گیا تھا۔

ہتھنی سونگھ سونگھ کر اپنے بچے کے گوشت کھانے والوں کا پتہ چلا لیتی ہے اس چیز کا ذکر کرتے ہوئے مولینا نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے بندوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی غیبت کرتے ہیں ان کو بھی چونک جانا چاہیے کہ سونگھنے والا سونگھ سونگھ کر ان کا سراغ لگا ہی لے گا اور صرف وہی بچ جائے گا جس کے منہ سے گوشت کی بو نہ آئے گی۔ فرمانے لگے ہائے ہائے! جب منکر نکیر قبر میں ہر ایک کے منہ کو سونگھیں گے اور گوشت کھانے والوں کو نہ کھانے والوں سے الگ کریں گے یہ وہ وقت ہو گا کہ کوئی حیلہ حوالہ کام نہ آئے گا۔ منہ کو الائچی چبا کر یا لونگ رکھ کر خوشبو کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے گی اپنے ساتھ پھوڑے پھنسیاں لے کر قبر میں جو جو پہنچیں گے ان پر، ان کے گھاؤ پر منکر و نکیر کے جب گرز پڑیں گے۔ اس وقت اس دکھ اور تکلیف کا لوگوں کو اندازہ نہیں ہے۔ فرمانے لگے کہ قبر سے پہلے اسی دنیا میں عزرائیل کا جب گرز پڑتا ہے تو تم میں کوئی اس گرز کو کیا دیکھتا ہے؟ مگر بڑے بڑے پہلوانوں کا پر خچہ نکل جاتا ہے۔ حالانکہ نہ لکڑی کا دستہ گرز کا نظر آتا ہے اور نہ لوہا۔

ارشاد ہوا کہ، ہاں! کبھی بیماریوں میں بیماروں کو گرز بھی نظر آتا ہے اور اس کا دستہ اور لوہا سب کچھ، بیمار چلاتا ہے کہ میرے سر پر کوئی تلوار چلا رہا ہے بھالے کوئی بھونک رہا ہے لیکن تیمار دار کہتے ہیں کہ خواہ مخواہ تم کو مالیخولیا ہو گیا ہے۔ نہ یہاں کوئی تلوار ہے اور نہ بھالا نہ نیزہ۔ لیکن بیمار کہے جاتا ہے کہ میں تو سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ (دفتر سوم)

انسانی عمر اور اس کی قدر دانی کی تاکید مولینا نے فرمایا کہ بعض اوقات مرنے والوں کو مرنے سے پہلے اس قسم کے مناظر نظر آتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ دنیا سے رشتہ اس حرص کا کمزور ہو جاتا ہے اور دوسری دنیا کی چیزیں اب ان کے آگے ہویدا ہونے لگتی ہیں اور یوں ان کی بینائی تیز ہو

Marfat.com

جاتی ہے کہنے لگے لوگ سمجھتے ہیں کہ نزع کی حالت مرنے سے کچھ دیر پہلے طاری ہوتی ہے۔ حالانکہ اگر سوچا جائے تو نظر آئیگا کہ ہر لمحہ آدمی پر نزع کی یہ کیفیت طاری ہے جسم سے جان کا رشتہ کمزور پڑتا چلا جاتا ہے اسی لیے چاہیئے کہ ہر لمحہ اپنے ایمان کی نگرانی آدمی کرتا رہے۔ فرمایا کہ عمر آدمی کی سمجھو کہ ایک تھیلی ہے اور دن رات کی مثال روپے کی ہے۔ تھیلی سے روپے اگر خرچ ہوتے رہیں گے اور ان کی جگہ نئے روپے اس میں نہ ڈالے جائیں گے تو تھیلی بالآخر خالی ہو کر رہے گی پہاڑ ہی کیوں نہ ہو، اگر ہر روز ایک پتھر نکالا جائے اور اس کی جگہ پتھر جمایا نہ جائے تو یقیناً ایک دن وہ بھی آئیگا کہ پہاڑ بھی ختم ہو جائیگا۔

ارشاد ہوا کہ چالاکی اور زیرکی کا اقتضاء یہ ہے کہ تھیلی سے جتنا نکالا جائے اسی قدر نئے روپوں سے بھرا جائے۔ یوں یہ تھیلی کبھی ختم نہ ہوگی عمر کی تھیلی میں نئے سکوں کے بھرنے کی صورت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تم سجدوں میں سجدوں کا اضافہ کیے جاؤ قرآن میں فرمایا گیا کہ جو کائنات کی مرکزی قوت سے استفادہ کرنا چاہتا ہے اس کو "واسجد" کے حکم کی تعمیل میں سرگرمی دکھانی چاہیئے "اقترب" کا نتیجہ خود بخود سامنے آتا چلا جائے گا۔

فرمانے لگے تمہاری تگ و دو دیکھتا ہوں کہ زندگی کے ہر شعبہ میں جاری ہے لیکن دین کی راہ میں مٹھے بیل بن کر بیٹھ جاتے ہو۔ حالانکہ کام اگر کچھ آئیگی تو وہی دوادوش، سعی و کوشش جو دین کی راہ میں کروگے۔ مولٰینا کا شعر تھا ؎

در تمامی کارہا چندیں مکوش — جز بکارے کہ بود در دیں مکوش

(ترجمہ) "ہر معاملہ میں اتنی دوڑ دھوپ سے کام نہ لو بس دین کا کام ایسا کام ہے جس کے لیے کدوکاوش کرنی چاہیئے۔"

اسی کے ساتھ مولٰینا کہنے لگے کہ ذرا ان لوگوں کو دیکھو جو مقبروں اور گورستانوں کی آبادی کا مطلب یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بڑے بڑے گنبد ان میں کھڑے کیے جائیں، پختہ سنگین تعویذ قبروں کی بنائی جائیں کہنے لگے کہ گورستان کی صفائی تو اندر کی صفائی سے حاصل ہوتی ہے احمق باہر کو صاف کرتے ہیں چاہیئے کہ آدمی اپنی موجودہ زندگی میں اپنی خودی کی قبر کھودے اور ہمیشہ کے لیے اسی میں ما و من کے قصے کو دفن کردے۔ بالغرض ؎ گورخانہ قبہ ہا و کنگرہ — نبود از اصحاب معنی آں سرہ

یعنی یہ قبوں اور کنگروں والے قبرستانوں کی اہلِ معنی کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔

(دفتر سوم)

۲۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء، پھر وہی زنجیر حرص سے

(۲۳) حرص و طمع آدمی کو اندھا کر دیتی ہے | تیس سال کی جدوجہد کے بعد خلاصی میسّر

آئی ہے بعض لوگوں کے ہاتھ میں دیکھ رہا ہوں کہ کھڑک رہی ہے۔ چاہا جا رہا ہے کہ وہی زنجیر پھر پہنا دی جائے۔ پہلے اگر نقرئی تھی تو اب طلائی رنگ چڑھا کر لانے والے سامنے لا رہے ہیں۔ مولینا معنوی یاد آئے ان کی معنوی مجلس تک افتاں وخیزاں پہنچا۔ فرماتے تھے:-

حرص اور طمع سے آدمی اندھا بن جاتا ہے۔ شعر تھا ؎

حق ترا باطل نماید از طمع   در تو صد کوری فزاید از طمع

یعنی "سچ"، طمع اور حرص کی وجہ سے تجھے جھوٹ دکھائی دے گا اور اس حرص و طمع کی وجہ سے اندھاپن میں اندھاپن کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔"

پھر سمجھانے لگے، عالم کے اس نظام کو سمجھو، کیا ہو رہا ہے یہاں ہر رزق کے لیے قدرت نے یہاں رزق مقرر فرمایا ہے ؎ "رزقہا را، رزقہا او مید ہد"

مٹی کیچڑ بن کر گھاس کے لیے روزی بنتی ہے اور گھاس جانوروں کی روزی بنتی رہتی ہے۔ اور حیوان جب گھاس کی روزی پاکر خوب تنومند فربہ اور موٹا ہو جاتا ہے تب وہی حیوان انسان کی روزی بن جاتا ہے۔ فرمایا دیکھ رہے ہو سارے عالم میں یہی قانون عام نافذ ہے۔

"جملہ عالم آکل و ماکول داں"

(یعنی سارے عالم کو لو اس میں ہر کھانے والا خود بھی دوسرے کی غذا ہے۔ کھانیوالا کھایا جاتا ہے) اور دوسری بات یہ سمجھو کہ روزی کا تابع کھانے والوں کا مزاج ہوتا ہے۔ مٹی کھانے والوں کو دیکھا ہوگا کہ چہرے ان کے زرد، رونق سے محروم طرح طرح کے امراض کے شکار ہیں۔ یہ غذا ہی کا اثر تو ہے۔ جو کھانے والے کے جسم پر نمایاں ہوتا ہے۔

تیسری بات غور کرنے کی یہ ہے کہ روزی کی ایک قسم جب یہاں بند ہوتی ہے۔ تو قدرت کی طرف سے دوسری روزی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ بچے کا دودھ جب ماں چھڑا دیتی ہے تو کیا یہ بھوکا مر

Marfat.com

جاتا ہے؟ دودھ سے بہتر غذا قدرت کی طرف سے بچے کے لیے مہیا ہو جاتی ہے۔ دودھ چھوٹا تو روٹی، پلاؤ، کباب اور قورمہ کی رکابیاں اس کے سامنے رکھی جاتی ہیں۔

مولینا نے فرمایا، بلکہ آگے بڑھ کر ذرا اور سوچو، ماں کے دودھ سے پہلے بچے کو جب وہ رحم مادر میں ہوتا ہے کیا غذا ملتی ہے؟ حیض کا خون! پھر یہی خون والی روزی بھی بند ہو جاتی ہے تب وہ قورمہ اور پلاؤ، سیب و انگور، بالائی اور برفی شکر پارے اور گلاب جامن والی روزی سامنے آجاتی ہے۔

"پھر نتیجہ کچھ سمجھ میں آیا"

کاش! طمع کا پردہ آنکھوں پر حائل نہ ہوتا۔ تو آگے بھی لوگوں کی نظر جا سکتی تھی۔ دکھانے والے! اللہ کی طرف سے دکھانے والے۔ اللہ کا پیغام لانے والے کیا دکھا رہے ہیں۔ کیا سنا رہے ہیں؟ مولینا نے فرمایا مگر شکم مادر سے باہر کی دنیا کا پیغام لے کر اگر اس بچے کے پاس کوئی پہنچے جو ماں کے رحم میں اوندھا پڑا رہتا ہے اور چاروں طرف سے گندگی اسے گھیرے اور لپیٹے رہتی ہے اور ان ہی گندگیوں نجاست کی چادر میں لپٹا ہوا بے چارہ ناف کی راہ سے ایام کے زمانے کا خون چوستا رہتا ہے۔ اسی پر اس کی زندگی اور نشو و نما کا دار و مدار ہے اس موقع پر شکم مادر کے باہر کی دنیا کا پیغام اگر اسے دیا جائے سنانے والا سنائے کہ:۔

"دیکھ جس رحم میں تو الٹ پلٹ ہو رہا ہے اس سے باہر ایک پر فضا وسیع دنیا ہے۔ مسرتوں اور لذتوں کے ساز و سامان سے پٹی ہوئی دنیا ہے۔ نت نئی نعمتوں سے بریز ہے اس میں اونچے اونچے پہاڑ اگر ایک طرف اپنی شوکت و صولت کا نظارہ پیش کرتے ہیں تو دوسری طرف فراٹے بھرنے والے دریا اور سمندر اپنے دیدہ زیب منظر سے نگاہوں کو مسرور دلوں کو نشاط و نور سے بھر دیتے ہیں۔ الغرض جدھر دیکھو ؎

"کوہ ہا و بحر ہا و دشتہا   بوستانہا، باغہا و کشتہا"

کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ اوپر آسمان کا وسیع خیمہ تنا ہوا جس میں سورج اور چاند تارے جگمگاتے رہتے ہیں۔ رحم مادر سے قدم باہر نکالو تو سہی یہ سارا سماں تمہارے پیش نظر ہو جائے گا جس کے لیے تمہیں کوئی قیمت ادا نہ کرنی پڑے گی"۔

مولینا نے فرمایا لیکن جانتے ہو رحم مادر سے باہر کے متعلق اس "پیغام" کے پہنچانے والے

Marfat.com

کے ساتھ پیٹ کی گہرائیوں میں پڑے ہوئے اس بچے کا برتاؤ کیا ہوگا؟ اس کے سوا کہ پیغام پہنچانے والے کی یہ ساری باتیں اسے محض خود تراشیدہ و افسانہ معلوم ہوں، وہ اور کیا کہے گا۔ ناممکن ہے، محال ہے، یہ نہیں ہوسکتا ہے۔ بس اسی کی رٹ لگاتا رہے گا۔ آخر جب تاریکی اور تنگی کے سوا کسی اور چیز کا اسے تجربہ ہی نہیں ہوا ہے تو رحم سے باہر کی دنیا کی وسعتوں اور فراخیوں کا اندازہ وہ کیسے کرے۔ مولینا نے فرمایا بس یہی حال ہے ان لوگوں کا جو اس دنیا کے رحم میں الجھے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں۔ پیغام دینے والے مسلسل دیتے چلے جا رہے ہیں کہ اس دنیا کے بعد بھی ایک اور عالم ہے جس کے مقابلہ میں ایک اندھے کنوئیں اور تیرہ و تار غار سے زیادہ وقعت اس دنیا کی نہیں ہے۔ مگر خون کی خرابی کا مزہ اور اس مزے کے لالچ میں اسیر ہونے والے بچے کے لیے رحم "سے باہر کچھ نہیں ہے" کا فیصلہ، صحیح فیصلہ قرار تا ہے۔ یہی حال ہے ان لالچیوں کا جن کی نگاہوں پر دنیا کی مسرتوں اور لذتوں کی خواہش کا پردہ پڑا ہا ہے، اور اس دنیا سے باہر بھی دنیا ہے اس کے امکان تک کے دروازے کو ان کی عقل پر اسی اہش کا زور بند کیے رہتا ہے۔ الحاصل ؎

طمعِ ذوقِ ایں حیات پر غرور   از حیات راستینت کرد دور

"موجودہ زندگی کی پُر فریب حرص نے "حیات راستیں (سچوں کی زندگی) کے خیال کو تجھ سے دور کر رکھا ہے"،

پھر مولینا نصیحت فرمانے لگے کہ:۔

"سچوں کی طرح تم بھی اس دنیا کے لالچ کی طرف سے اپنے اندر بیزاری پیدا کرو اسی کے بعد تمہارے سامنے وہ آستانہ آجائے گا جس پر سر رکھنے کے ساتھ ہی پستی بلندی سے بدل جاتی ہے۔"

کہنے لگے:۔

"میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اس آستانے پر پہنچنے کے ساتھ ہی پہلا اثر اپنے اندر پاؤ گے کہ خوشی و غم کی جھنجھٹوں سے تم اپنے کو پاؤ گے کہ چھوٹ گئے، تب تمہاری جان کی آنکھ روشن ہو جائے گی اور (جو اب تک باطل میں تھی) حق میں بن جائے گی۔ تمہارے اندر صرف دین ہی کا نور چمک اٹھے گا جس میں کفر کی سیاہی کا کوئی ریشہ نہ ہوگا"،

فرما رہے تھے کہ تم امن و امان چاہتے ہو، ڈر اور خوف سے چاہتے ہو کہ نجات مل جائے، تو پھر

Marfat.com

"پند پیراں را پذیرا شو بجاں"

یہ "پیراں" وہی لوگ ہیں جو اس دُنیا کے رحم میں لوٹنے والوں کے پاس اس سے بھی زیادہ وسیع عالم کے نظام کا پیغام پہنچاتے رہے ہیں کہ اس سراپا انتشار اور صرف اضطراب والی دنیا کے مقابلہ میں ایک عالم بھی ہے۔ جہاں صرف سکون ہے۔ اضطراب نہیں ہے۔ جہاں صرف آسودگی ہے بے اطمینانی نہیں ہے

ایں جہان و ساکنانش منتشر
واں جہاں و ساکنانش مستمر

(دفتر سوم)

Marfat.com

نعت

عرضِ اَحسن

(بآستانۂ نبوّتِ کبریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)

ہر ایک سے ٹکرا کر ہر شغل سے گھبرا کر ہر فعل سے شرما کر ہر کام سے پچھتا کر
آمد بدرت بنگر

اے خاتمِ پیغمبر یا قاسم الکوثر اے سرورِ ہر سرور اے رہبرِ ہر رہبر
اے آں کہ توئی افسر ہر کہتر و ہر مہتر فی المبداء و المحشر اے ہستیٔ تو محور
للاکبر و الاصغر اے طلعتِ تو مظہر للاوّل و الآخر اے رحمِ جہاں پرور
آقائے کرم گستر آمد بدرت بنگر

امروز چہ مہمانے ناکارہ و ناداںنے آلودۂ عصیانے آغشتہ داما نے
بازیچۂ شیطانے از کردہ پشیمانے
آمد بدرت بنگر نے مونس و نے یاور

نے ساز نہ سامانے نے علم نہ عرفانے نے دین نہ ایمانے نے فضل نہ احسانے
از خانۂ ویرانے وز کلبۂ احزانے وز محبس و زندانے ناشکری و کفرانے
آمد بدرت بنگر کالحائر والمضطر

باچاک گریبانے باسینۂ بریانے بادیدۂ گریانے با اشکِ فراوانے
با نالہ و افغانے با شورشِ پنہانے با دانشِ حیرانے با عقلِ پریشانے

لہ یہ نعت حضرت گیلانی کی شخصیت کے گوناگوں مناظر کا آئینہ ہے، وفورِ عشقِ نبویؐ، کمالِ علمی، جمالِ عرفا[ن]،
غلبۂ جذب، آزادیٔ رسوم، سوزِ ملتِ بیضا اور جوشِ کفر شکنی وغیرہ۔

Marfat.com

درصورت عطشانے درگریۂ درمانے خواہد ز تو فرمانے پروانۂ غفرانے

آمد بدرت بنگر البائس والمعتر

شاہا تو بہ من منگر بررحمت خود بنگر انصاف تو کن آخر غیر از تو مرا دیگر

من ناظر والناصر والشافع مستغفر

تو جوشش رحمانی تو سایۂ یزدانی تو شاہد ربانی تو جلوۂ سبحانی

تو مرکز اعیانی تو جوھر فراوانی تو مبدءِ اکوانی تو مقصد امکانی

تو مرجع و پایانی تو جانی و جانانی ہم روحی و روحانی تو زبدۂ انسانی

تو نیّر فارانی تو درۂ عدنانی

تو مہبطِ قرآنی

تو خاتم ادیانی ہاں دینی و ایمانی

اے آنکہ تو درمانی ہر رنج و پریشانی بنگر کہ مسلمانی تورانی و ایرانی

ہم ہندوئی و افغانی ہم مصری و سوڈانی از نزغۂ شیطانی وز جذبۂ حیوانی

وز دانش نفسانی وز شورش عمرانی یونانی و رومانی افرنجی و برطانی

در سکرت و ہیمانی در لطمۂ نادانی

در ورطۂ ظلمانی

در فتنہ و طغیانی فِی البَغیِ وَ عُدوانِیْ

ہاں دست دعا بکشا از ذروۂ اَوْ اَدْنیٰ وز قبۂ مَا اَوْحیٰ اے مرضیٔ تو ترضیٰ

اے ملت تو بیضاء وَاللَّیلُ لقد یغشیٰ والکفر قد استعلیٰ ذا امتک الضغفیٰ

فِی سَیطَرَۃِ الاَعدَاء ہاں سہمک لا یُطفیٰ

در میتک لا یخفیٰ

وَاللہ ھُوَ الاَعلیٰ والحق فلا یُعلیٰ

تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں؟

بارگاہ رسالت میں التجا و التماس

ہر ہر عضو گرا ہوا تھا، چلنا پھرنا تو دور کی بات ہے، قسم ہے اس خدائے زندہ و توانا کی، جو مردوں سے زندوں کو اور زندوں کو مردوں سے نکالتا ہے کہ ایک سیکنڈ دو سیکنڈ کے لیے بھی بیٹھنے کی آرزو جس سیاہ بخت کے لیے مہینوں سے صرف آرزو بنی ہوئی تھی، بخت کی بیداری کے بعد دیکھا جا رہا تھا، کہ اب وہ اٹھ رہا ہے، اٹھتا چلا جا رہا ہے، جس کی موت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ وہ دوبارہ گویا زندوں میں پھر شریک کر دیا گیا۔ ہسپتال والوں نے چند ہی دنوں بعد حکم دے دیا کہ اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر آگے کیا قصے پیش آئے ان کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ شعور اور احساس میں ایک خیال کے سوا دوسرا خیال یا ایک جذبہ کے سوا دوسرا کوئی جذبہ باقی نہ رہا تھا۔ اس زمانے میں بہار میں تھا۔ بہار کی دیسی آبادی جو دیہاتوں میں رہتی ہے ایک خاص قسم کی زبان بولتی ہے اس زبان میں اور کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن التجا و التماس کے لیے اس کا پیرایہ حد سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے، بے ساختہ اسی زبان میں کچھ مصرعے ابلنے لگے، سن کر تو اردو زبان کے سمجھنے والے بھی اس کو شاید سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن اردو زبان کے املائے حدود میں مگدھی یا بہاری زبان مروجہ کے ان الفاظ کو لانا دشوار ہے۔ کتابی شکل میں صحیح طور پر جیسا کہ چاہیے شاید وہ سمجھے بھی نہیں جا سکتے لیکن عرض چونکہ اسی زبان میں کیا گیا تھا بجنسہٖ ان ہی الفاظ کو (نیچے) نقل کر دیتا ہوں —— "درشن" کی آرزو اس عجیب و غریب اضطراری نظم کی روح تھی، بہار کے نائب امیر شریعت مولینا سجاد مرحوم اگرچہ بظاہر فقیہ النفس و الصورت تھے۔ مگر ذاتی تجربہ کے بعد یہ

Marfat.com

ماننا پڑتا تھا کہ باطن ان کا فقیہ سے زیادہ فقیر تھا۔ قرابت کے تعلقات کی وجہ سے گیلانی بھی کبھی تشریف لاتے تھے اسی زمانہ میں اتفاقاً ان کی تشریف آوری ہوئی، اس نظم کے سننے کا موقعہ ان کو بھی ملا، سنتے جاتے تھے، اور روتے جاتے تھے، خصوصیت کے ساتھ اس بند پر تڑپ تڑپ گئے، ہچکیاں ان کی بندھ گئیں، یعنی دوسرا بند

تمری دوارِ یا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں — تم بِن نگر میں دم بھی توڑ دوں

جی کا اب ارمان یہی ہے
اٹھوں پھر اب دھیان یہی ہے

"تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں" اس استفہامی مصرعہ کو بار بار دھراتے اور بیقرار ہو ہو کر بلبلاتے، اور ہے بھی یہ سوال کچھ اس قسم کا، آج انسانیت زمین کے اس خاکی کرّے پر تڑپ رہی ہے۔ زندگی کا مطلب کیا ہے؟ اس سوال کو حل کرنا چاہتی ہے۔ ایک اس سوال کے جواب کی صحیح توقع کی جائے؟ اس تنہا واحد آستانے سے لوٹنے والا خود سوچے کہ کہاں جائے گا۔ کن کے پاس جائے گا۔ موسیٰ ہوں یا عیسیٰ، ابراہیم ہوں، یا یعقوب علیہم السلام یا ان کے سوا کوئی اور اس راہ کے ان سب راہبروں نے اپنے اپنے وقتوں میں جو راہ پیش کی تھی جب وہ ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں، تاریخ جانتی ہے کہ ڈھونڈھنے والوں کو ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ نہیں مل سکتی، تو اب دنیا کہاں جائے۔ اور اس کے سوا کہ سے جلوہ ات تعبیر خواب زندگی (اقبالؒ) کا فیصلہ کرتے ہوئے "تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں" کہتا ہوا اسی چوکھٹ کے ساتھ چمٹ جائے، جس کے سوا الٰہیات والوں کو غیب تک پہنچنے اور پہنچانے کا کوئی دوسرا ذریعہ باقی نہیں ہے

(مناظر احسن گیلانی)

پیارے محمدؐ جگ کے سجن — تم پر واروں تن من دھن
تمری صورتیا من موہن — کبھیو کرا[1] ہو تو درشن

---

[1] کبھی کرا دیجئے

جیا کنھڑے دلوا[1] ترسے
کرپا کے بدرا[2] کہیا[3] برسے

تمری دواریا کیسے چھوڑوں — تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
تمری گلی کی دھول بٹوروں — تمرے نگر میں دم بھی توڑوں

جی کا اب ارمان یہی ہے
اٹھوں پھر اب دھیان یہی ہے

صلی اللہ علیک نبیا — تمرے دوارے آیا دکھیا
بھنیا[4] اکی پکڑھو راجا — اپنے حسین و حسن کا صدقا

ڈھوا[5] گھریں ناؤ کو اس کے
اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

سیس پہ اکے پاؤں[6] دھر ہو — پیت کی اگیا من میں بھر ہو
بھدر[7] ہوا پہ تنی[8] کرپا[9] کر ہو[10] — سپنو میں الین[11] کر گجر[12] ھو

راجا تمری دیوڑھی بڑی ہے
رحمت تمرے نام پڑی ہے

اندھرا[13] کے تم رہیا بتا[14] ہو — ہردے[15] کا اکے جوت جگا ہو
ڈگری[16] پہ اپنے اکو چلا ہو — بودھا[17] کے تم بدھی[18] بنا ہو

کھینچو اکو پاپ نرکھ سے
دھو دیہو کالیکھ[19] منہ کا اکے

تمرے پیا کی اونچی اٹریا — ہمری نے ہی واں پہ گجریا

---

[1] کڑھتا ہے دل [2] بادل [3] کب [4] بازو [5] موجِ عظیم [6] پاؤں [7] حد درجہ بدبخت [8] ذرا [9] مہربانی [10] کیجئے [11] الیا [12] گرگزریئے [13] قوی باطنی [14] راستہ [15] بیوقوف کو [16] دانش مند بنادیجئے [17] سیاہی [18] بھٹک بھٹک [19] نظر۔

تبلا[۱] تبلا رہی نجر[۲] یا   پچھلی[۳] ہے اک تمری دوا ریا

ان کھر[۴] پتوا[۵] تمرے سے چلی ہے

کھوجوا[۶] بھی اُن کا تمرے سے ملی ہے

پی کی پتیا[۷] تم ہی سے لہو   ان کھر تبیا[۸] تم ہی سنی لہو

ہمنی کے نندیا سے تم جگے لہو[۹]   مرل تھلبئی تم ہی جلے[۱۰] لہو

دھرمی[۱۱] بھے لون تم ری دیا[۱۲] سے

مکتی[۱۳] بھی ہوا ای ہی تمری ددوا[۱۴] سے

---

۱ دکھی ہوئی ہے ۲ ان کا ۳ پتہ ۴ سراغ ۵ خط ۶ باتیں ۷ جگایا ۸ مرے ہوئے تھے ۹ مومن ہوئے ۱۰ مہربانی سے ۱۱ نجات بھی ہوئی ۱۲ آپ کی دعا سے ۱۳ جلایا۔

Marfat.com

ضمیمہ

①

شیخ اکبرؒ کا اجمالی تعارف

محمد ابن علی ابن عربی، اسم گرامی اور محی الدین آپ کا لقب تھا، اور عام طور پر شیخ اکبر کے لقب سے معروف ہیں، سلسلۂ نسب آپ کا حاتم طائی تک پہنچتا ہے۔ ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ (۱۱۶۵ء) کو پیر کی شب آپ کی ولادت بمقام اندلس ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانوں کی سیاسی قوت اندلس میں آخری سانس لے رہی تھی۔

آپ علوم ظاہری و باطنی کی اعلیٰ جامعیت کے حامل اور مسلک وحدۃ الوجود کے پیشوا ہیں۔ آپ کی نسبت باطنی شیخ ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن جامع موصلی سے ملی ہے جو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کے فیض یافتہ ہیں شیخ اکبرؒ کو ۶۰۱ھ میں خلافتِ باطنی بمقام موصل عطا ہوئی۔

شیخ نے پہلا حج ۵۹۸ھ میں کیا اور اسی سال فتوحات مکیہ کی تالیف شروع فرمائی جو ۶۳۵ھ میں ختم ہوئی۔

شیخ کے بعض معاصر علماء اور صوفیہ نے شیخ پر سخت نکتہ چینی کی ہے لیکن ان ہی کے مقابل بعض نہایت جلیل القدر ہستیوں نے آپ کے متبع سنت اور عارف محقق ہونے کی شہادت دی ہے۔ مثلاً شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے بعد ملاقات فرمایا کہ وہ (شیخ اکبر) تو حقائق کا سمندر ہیں۔ اصل یہ ہے کہ شیخ نے جن اسرار و رموز کو کھولا ہے وہ اس قدر باریک و نازک ہیں کہ عام علماء اور صوفیہ کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ بھی نہیں ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے غلبۂ حال میں یہ معارف بیان فرما دیئے ہوں بلکہ جیسا کہ خود شیخ کا بیان ہے وہ اس اظہار پر مامور تھے۔ نہ ظاہر کرتے تو جلا دیئے جاتے۔

شیخ کی ذات کثیر الکرامت تھی حسی و معنوی بے حد کرامات آپ سے ظاہر ہوئی ہیں۔

Marfat.com

کثرت تصانیف میں شیخ کا مقام ابن سینا اور غزالی پر بھی فائق ہے۔ ۶۳۲ھ میں خود شیخ نے کسی ضرورت سے اپنے کتب و رسائل کی تعداد شمار کی تھی تو وہ (۲۷۹) تھی اس کے بعد بھی آپ نے چھ برس حیات پائی۔ مولانا جامیؒ کا خیال ہے کہ آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے متجاوز ہے۔ پھر اس تعداد میں ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو کئی کئی جلدوں میں ہیں، مثلاً شیخ کی تفسیر کلام پاک (۹۵) جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔

شیخ کی بیشتر کتابوں کا موضوع عرفان واحسان ہی ہے۔ سب سے مشہور کتابیں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ ہیں۔ ان میں فصوص "اعظم مولفات ابن عربی" شمار کی جاتی ہے۔ خواجہ برہان الدین ابو نصر پارساؒ کا قول ہے کہ "فصوص جان ہے اور فتوحات دل"، حقیقت یہ ہے کہ ان کتابوں کو ضبط فرما کر شیخ نے عرفاء اور اعلیٰ سالکین پر احسانِ عظیم فرمایا۔

۲۲ یا ۲۸ ربیع الثانی ۶۳۸ھ (۱۱۷۲ء یا ۱۱۷۳ء) کو اس عظیم المرتبت عارف ربانی نے بمقام دمشق رحلت فرمائی اور موضع صالحیہ میں اس کے جسم خاکی کو پیوند خاک کر دیا گیا۔ نور اللہ مرقدہٗ۔

(غ۔م)

۲

شیخ رومیؒ کا مختصر تعارف

نام نامی محمد، لقب گرامی جلال الدین، مشہور مولانا روم کے لقب سے ہیں آپ کا ددھیال صدیقی اور ننھیال علوی ہے۔ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بمقام بلخ (خراسان) آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے معاصر ہیں۔

مولینا کو متداول علوم عقلی ونقلی میں کامل دستگاہ حاصل تھی، سلطان روم علاؤالدین کیقباد کی درخواست پر آپ ۶۲۶ھ میں قونیہ (ترکی) تشریف لائے یہاں آپ کی بڑی عزت ومنزلت تھی، ۶۴۲ھ تک مولانا نے عالمانہ شان کی زندگی بسر فرمائی۔ درس تدریس کے علاوہ وعظ اور اس

Marfat.com

سے بڑھ کر فتوی نویسی آپ کا خاص شغل تھا۔ لیکن اسی سنہ میں آپ کی ملاقات محمد بن علی بن ملک داد المعروف بہ شمس تبریز قدس سرہٗ سے ہوئی۔ شکوہِ علمی نے فقر کے آگے سپر ڈال دی، مولینا، شمس کے دست گرفتہ اور مرید ہو گئے اس ارادت سے حالت دفعتہً بدلی، بقول علامہ شبلی مرحوم :-

"مولینا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے آپ کی زندگی عالمانہ جاہ وجلال کی اک شان رکھتی تھی ان کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلبہ بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا۔ سلاطین و امراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی کہ درس وتدریس، افتا وافادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا لیکن وہ پچھلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی ورنہ زیادہ تر محبت ومعرفت کے نشہ میں سرشار رہتے تھے۔"

اب مولانا علامہ عصر کے بجائے شیخ وقت اور عارف یگانہ کی حیثیت اختیار کر گئے اور اہل قال کے کے بجائے اب طالبانِ معرفت کا رجوع آپ کی طرف بڑھ گیا۔

۶۳۸ھ میں جب شیخ اکبر نے وفات پائی تو ان کے اطراف جو حلقۂ اربابِ عشق ومعرفت کا جمع تھا اس نے اپنے ذوق کی تسکین کے لیے مولینا کی صحبت اختیار کی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ اکبرؒ اور مولانا رومؒ توحید اور اسرارِ باطنی میں ایک ہی مذاق کے حامل ہیں۔ بحر العلوم مولانا عبد العلیؒ کی شرح مثنوی سے جس میں مولانا کے اشعار کی وضاحت میں جابجا شیخ اکبرؒ کے اقوال لائے گئے ہیں، ان دونوں بزرگوں کے متحد الذوق ہونے کا کھلا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت شمسؒ کے انتقال کے بعد مولینا نے اپنے پیر بھائی اور طالب حسام الدین چلپی کی تحریک پر وہ مثنوی تحریر فرمائی جو مثنوی معنوی کے نام سے مشہور اور اربابِ تصوف کا ایک مستند صحیفہ ہے!

مثنوی نے عقلیت اور ظاہر پرستی کے پرخچے اڑا دیئے اور ہر زہر کا تریاق عشق الٰہی کے جذبہ کو قرار دیا۔ فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علت ہائے ما

چونکہ مثنوی کی بنیاد ایک لازوال حقیقت (عشق الٰہی) پر ہے اس لیے اس نے خود مثنوی کو بھی ایک لافانی کتاب بنا دیا ہے، اور آج بھی تشنگان عشق ومعرفت اس سے اسی طرح سیراب ہیں

Marfat.com

جیسے اُس کے ابتدائی صدیوں میں تھے!

اڑسٹھ (۶۸) برس تین ماہ کی عمر پاکر یہ آفتابِ معرفت ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو غروبِ آفتاب کے وقت ہمیشہ کے لیے اس عالمِ فانی سے روپوش ہوگیا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ مولٰینا کا مزار آج بھی قونیہ میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔!

(غ۔م)

(ننگِ اسلاف کاتب: محمد حفیظ قریشی دھیڈدالی ضلع سیالکوٹ)

Marfat.com

Marfat.com